چونکا دینے والی کہانیاں
ماہنامہ
ڈر ڈائجسٹ
کراچی
دسمبر 2011
PDFBOOKSFREE.PK

محنت سے غفلت برتنے والوں کا بھیانک انجام ہوتا ہے اور یہی بہادر شاہ ظفر کے ساتھ ہوا

بہادر شاہ ظفر — 16 — اسلم راہی ایم اے

یہ مسلم حقیقت ہے کہ زندگی زندہ دلی کا نام ہے اسی بات پر مبنی باذوق لوگوں کیلئے ایک اچھی تحریر

پیالہ — 49 — ٹالسٹائی

اچھی تحریروں کے متلاشی لوگوں کے لئے ایک دلگداز، دلفریب اور سبق آموز تحریر

گفٹ — 55 — محمد عثمان علی

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

رولوکا — 60 — اے وحید

سیدھی راہ سے بھٹکنے والے لوگوں کے دلوں پر نشتر چلاتی ایک سبق آموز پرتحیر اور حساس تحریر

بھٹکتی روحیں — 87 — خلیل جبار

جدید سائنسی ترقی اور معلومات پر مبنی ایک چونکا دینے والی حقیقت، کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے؟

فائبر بھوت — 93 — انور فرہاد

کیا دل میں نرم گوشہ رکھنے والے لوگ ہمیشہ سرخرو ہوتے ہیں؟ یہ کہانی پڑھ کر ہی پتہ چلے گا

تصفیہ — 101 — جسیم الدین

نیند کی حالت میں رونما ہونے والا خونی واقعہ جو جاگنے پر حقیقت کا روپ دھار لیتا تھا

کٹھن مراحل — 104 — عمران ساجد

دل ودماغ کو مبہوت کرتی خوف وحیرت کے سمندر میں غوطہ زن خیر وشر کی انوکھی کہانی

شہر وحشت — 120 — ایم اے راحت

دل ودماغ میں ہلچل مچاتی ذہن سے محو نہ ہونے والی ایک انمٹ اور ناقابل فراموش کہانی

زہر دولت — 143 — ساجدہ شاہین

حرص ولالچ خودغرضی اور مطلب پرستی ذلیل ورسوا کرکے انسان کو زندہ درگور کردیتی ہے

زرگزیدہ — 150 — عامر ملک

رات کے اندھیرے میں جنم لینے والا حقیقی واقعہ جو کہ پڑھنے والوں کو حیرت میں ڈال دے گا

روح کا بلاوا — 153 — ایس امتیاز احمد

صدیاں گزرنے کے باوجود بھی جادوئی طاقت برقرار تھی، جادو کی اصلیت پر مکمل تحریر

شترو — 162 — ناصر محمود فرہاد

قدرت کی نظر کرم ہو تو ایک معمولی بات دنیا بدل کر رکھ دیتی ہے...... کیا یہ حقیقت ہے

قبلہ درست — 173 — سکندر علی رضا

پرتحیر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے ذہن سے محو نہ ہونے والی ایک اچھوتی کہانی

چندرا دیوی — 180 — ایم الیاس

خیر وشر کے درمیان ہونے والا ایک حیرت انگیز خونی مقابلہ جو کہ لرزا کر رکھ دے گا

یقین — 214 — فاروق سلیم

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے ستی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

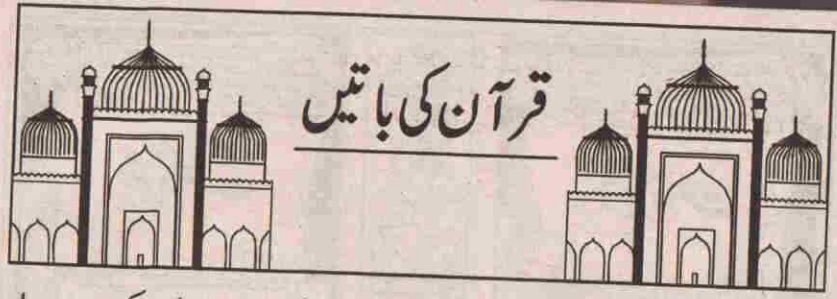

☆اور یتیموں کا مال، جو تمہاری تحویل میں ہو ان کے حوالے کر دو۔ اور ان کے پاکیزہ اور عمدہ مال کو اپنے ناقص اور برے مال سے نہ بدلو۔ اور نہ ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ۔ کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 2)

☆مومنوں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے اور جو تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے۔ اور یہ اللہ کو آسان ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 29 سے 30)

☆اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 58)

☆تو اہل رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتے رہو۔ جو لوگ رضائے اللہ کے طالب ہیں۔ یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اور یہی لوگ نجات حاصل کرنے والے ہیں۔

(سورۃ روم 30 آیت 38)

☆لوگو جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیاطن کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 168)

☆تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کونسی چیزیں ان کے لئے حلال ہیں ان سے کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تم کو حلال ہیں اور وہ شکار بھی حلال ہے جو تمہارے لئے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھا رکھا ہو اور جس طریق سے اللہ نے تمہیں شکار کرنا سکھایا ہے اس طریق سے تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں۔ اس کو کھا لیا کرو اور شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے۔ اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی حلال ہیں جبکہ ان کا مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی اور جو شخص ایمان کا منکر ہوا اس کے عمل ضائع ہو گئے۔ اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔ (سورۃ مائدہ 5 آیت 4 سے 5)

☆تمہارے لئے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے یعنی تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لئے اور جنگل کی چیزوں کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے اور اللہ سے جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ڈرتے رہو۔ (سورۃ مائدہ 5 سے 96)

☆بس اللہ نے جو تم کو حلال طیب رزق دیا ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ اگر اسی کی عبادت کرتے ہو۔ (سورۃ نحل 16 آیت 114)

☆اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آ جائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں، ان کا بھلا نہیں ہوگا۔

(سورۃ نحل 16 آیت 116)

☆نہ تو اندھے پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر اور نہ خود تم پر کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اس گھر سے جس کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، اور اس کا بھی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھانا کھاؤ یا جدا جدا۔ اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے اس طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے کہ تم سمجھو۔

(سورۃ نور 24 آیت 61)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطوط

فرزانہ عابد لاہور سے، نومبر کا ڈرڈائجسٹ انتظار بلکہ بہت انتظار کے بعد ملا، انتظار کا لفظ میں یوں استعمال کررہی ہوں کہ دس پندرہ تاریخ گزرتے ہی رسالے کا انتظار شروع ہوجاتا ہے اور جب یہ ہاتھوں میں آتا ہے تو کہیں جا کر سکون دل ملتا ہے۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں تو دماغ پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا کیونکہ قرآن کی باتوں میں یتیموں کا حال احوال بیان کیا گیا ہے کہ یتیموں کا حق دبانا، یتیموں سے بدسلوکی اور یتیموں کو ناحق پریشان کرنا اللہ کی نظر میں بہت بڑا گناہ ہے، اکثر لوگ ان باتوں کا خیال نہیں رکھتے اور یتیموں کے مال پر قبضہ جما لیتے ہیں اور پھر یتیموں کے ساتھ ظلم وزیادتی کرتے ہیں اور یہ سراسر حکم خداوندی کی نافرمانی ہے۔ بہرحال ہمیں یتیموں کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ احادیث میں بھی یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کے لئے بار بار کہا گیا ہے۔ خیر اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف تو میں یہ کہنا زیادہ مناسب سمجھتی ہوں کہ شروع سے آخر تک کی تمام کہانیاں اپنی مثال آپ ہیں لیکن جنہوں نے مجھے متاثر کیا وہ ہیں۔ رولو کا جس کا واقعی جواب نہیں۔ ڈھلتا سورج جس سے ہمیں انسانیت کا سبق ملتا ہے۔ دلخراش چیخ یہ سبق دیتی ہے کہ انسان کو جذبات میں اندھا نہیں ہونا چاہئے۔ اس کہانی کا ایک صفحہ آگے چلا گیا تھا لیکن میں نے صفحہ ڈھونڈ کر پڑھ لیا۔ آدھی قبر بہت متاثر کن ہے۔ رقص جنون پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں چاہت وخلوص سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے اور پانی کے بیٹے میں رائٹر کی قابلیت جھلکتی ہے۔ ناصر محمود فرہاد واقعی چاہت وخلوص سے اہل ڈرڈائجسٹ کے ذوق وشوق کی تسکین کررہے ہیں۔ ایس امتیاز صاحب ویلڈن آپ بھی محنت وخلوص کے معاملے میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ قوس قزح میں بھی سب نے بہت محنت ولگن سے اشعار کے دلدادہ لوگوں کو خوش کیا ہے۔ اب میں ڈرڈائجسٹ کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ڈرڈائجسٹ کو مزید ترقی عطا کرے۔ (آمین)

☆☆ فرزانہ صاحبہ: خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، ہم لوگوں کو قیمتوں کے ساتھ واقعی حسن سلوک سے پیش آنا چاہئے۔ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کیجئے کہ آپ ڈرڈائجسٹ کو یاد رکھنا بھولیں گی نہیں۔

ایس حبیب خان کراچی سے، عرض یہ ہے کہ ڈرڈائجسٹ ملا، ٹائٹل بہت منفرد لگا۔ سب سے پہلے ''قرآن کی باتیں'' سے ابتدا کی، پھر خطوط کی محفل کی جانب بڑھی، یہاں سب دوستوں کے خطوط پڑھے۔ کہانیوں کے بارے میں مختلف آراء پڑھ کر اچھا لگتا ہے۔ پچھلے مہینے رضیہ عارف اور فرزانہ عابد نے میری تحریروں کے بارے میں لکھا اور میری کمی محسوس کی تو جناب غیر حاضری کے لئے معذرت چاہتی ہوں۔ غیر حاضری کی وجہ مصروفیت تھی، آئندہ کوشش ہوگی کہ غیر حاضری کی شکایت نہ ہو۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام جائز خواہشات پوری کرے اور آپ کو اپنے ارادوں میں کامیاب کرے۔ (آمین) اس کے علاوہ یہ کہنا چاہوں گی کہ راحیلہ مشتاق صاحبہ پلیز! آپ جلد ڈر کے لئے کوئی تحریر لکھیں، آپ کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی جانب، حسب معمول سب سے پہلے ''رولو کا'' کھول کر بیٹھ گئی۔ یہ تحریر ایک شاہکار ہے اور میری رائے میں شائد ہی اس تحریر جیسی کوئی دوسری تحریر ہو، انور فرہاد کی ''ہمزاد'' غیر معمولی تھی جس نے پوری طرح گرفت میں لے لیا۔ حمیرا غلام حسین کی ''دلخراش چیخ'' ایک بہترین کاوش تھی۔ ناصر محمود فرہاد کی ''پانی کے بیٹے'' ایکشن، سسپنس اور تھرلر سے بھرپور تھی اچھی لگی، ''ہم شکل'' بہت زیادہ پسند آئی۔ رضوان بھٹی نے بہت خوب صورتی سے قلم چلایا ہے۔ ''آدھی قبر'' ایک سنسنی خیز تحریر لگی اس کے علاوہ باقی ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ آخر میں ڈرڈائجسٹ اور پوری ٹیم کے لئے ڈھیروں دعائیں۔ جن کی محنت کے نتیجے میں ہمیں ایک بہترین رسالہ ہر ماہ ملتا ہے۔

☆☆ ایس صاحبہ: آپ کی دلی خواہش ہے کہ میں آئندہ ڈرڈائجسٹ سے غیر حاضر نہیں رہوں گی۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور خوشیاں عطا کرے تاکہ آپ اچھی اچھی کہانیاں لکھتی رہیں۔ کہانیوں کی تعریف کے لئے اور آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ ارسال کرنے کے لئے Thanks۔ نئی کہانی کا شدت سے انتظار رہے گا۔

حمیرا غلام حسین کیریو کراچی سے، امید کرتی ہوں کہ ڈرکا پورا اسٹاف بخیر وعافیت ہوگا۔ بہت ساری شکایات

لے کر حاضر ہوئی ہوں، محتاط ہوجائیے سب سے پہلی شکایت تو یہ ہے کہ گزشتہ ماہ میری جو کہانی بنام ''دلخراش چیخ'' شائع ہوئی ہے۔ آپ کو شاید پتہ نہ ہو اس کہانی کے ایک ایک ڈائیلاگ اور انداز تحریر پر میں نے کتنی محنت کی ہے۔ نجانے کتنی بار لکھ کر مٹایا صرف اس لئے کہ میری کہانی ڈر میں شائع ہونے والی تمام کہانیوں سے ہٹ کر لاجواب تحریر ثابت ہو، لیکن آپ سے بھلا اتنی بڑی غلطی کس طرح ہوگئی میری ساری محنت اکارت گئی وہ اس طرح کہ کہانی کے درمیان میں صفحات کے الٹ پھیر نے پوری اسٹوری کا مزہ کرکرا کردیا ہے۔ آخر میری ہی کہانی میں آپ سے یہ سب کیسے ہوگیا؟ دوسری شکایت پچھلے ماہ خطوط کی محفل میں میرا نام حمیرا غلام حسین کیریو کے بجائے حمیرا غلام حسین کیریوں کپوز کیا گیا۔ تیسری شکایت پچھلے ماہ میں نے خط بھیجا وہ آپ نے شائع کیوں نہیں کیا۔ بہت دکھ ہوا۔ ڈرڈائجسٹ میں اتنا کچھ دیکھ کر..... خیر امید کرتی ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ بھی امید کرتی ہوں کہ ان سب کے بارے میں آپ جلد کوئی مثبت اور مفصل جواب دیں گے۔ کہانیوں میں رکن الدین بہرس، چندرا دیوی، ہم شکل، شہر وحشت، جادوئی دنیا، ہمزاد کافی پسند آئیں، باقی ابھی زیر مطالعہ ہیں، یقیناً وہ بھی اچھی ثابت ہونگی، انشاء اللہ اگلے ماہ بذریعہ خط پھر ملاقات ہوگی۔ ڈر کے لئے دل سے بے انتہا دعائیں۔

☆☆ حمیرا صاحبہ: جتنا آپ کو دکھ پہنچا ہے اس سے کہیں بڑھ کر ہمیں دکھ پہنچا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ پچھلے سے پچھلے ماہ آپ کا خط موصول نہیں ہوا تھا۔ بہرحال آئندہ ایسا نہیں ہوگا، آپ کو دلی رنج ہوا اس کے لئے معذرت، نئی کہانی کا انتظار رہے گا۔

صدف حسین کراچی سے، امید کرتی ہوں پورا اسٹاف خیریت سے ہوگا۔ 20 اکتوبر کو ڈرملا اور ٹائٹل پر نظر پڑتے ہی تعریف کئے بغیر رہ نہ سکی۔ ہر ماہ کی طرح ٹائٹل پیج بھی ڈرڈائجسٹ کی طرح لاجواب ہوتا ہے اور کہانیوں کی تو میں کیا ہی تعریف کروں واہ! تقریباً اس ماہ کی سب ہی کہانیاں اچھی تھیں، جن میں خونی حویلی، ڈھلتا سورج، رقص جنون، جادوئی دنیا اور دلخراش چیخ نے تو واقعی رونگٹے کھڑے کردیئے اور آخر تک اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ انور فرہاد کی ''ہمزاد'' کہانی نے کچھ بور کیا لیکن پھر بھی ٹھیک تھی۔ دیگر قسط وار کہانیوں میں فرسٹ نمبر پر میری فیورٹ کہانی ''شہر وحشت'' زبردست لگی۔ ''چندرا دیوی'' کی یہ قسط تھوڑی بورنگ تھی اور رولو کا اب اچھی طرح آگے بڑھ رہی ہے۔ آخر میں ڈر کے لئے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ۔

☆☆ صدف صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی خلوص دل سے تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ، قوی امید ہے کہ آئندہ بھی ہر ماہ خلوص نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع دیں گی۔

کائنات بلوچ کراچی سے، امید کرتی ہوں کہ ڈرکا پورا اسٹاف خیر وعافیت سے ہوگا۔ 27 تاریخ کو ڈرڈائجسٹ ملا ٹائٹل پیج پر نظر پڑتے ہی میں تعریف کئے بنا نہ رہ سکی۔ بہت ہی پراسرار تھا، اب تک میں نے جتنی کہانیاں پڑھی ہیں بہت بھیانک اور دل دہلا دینے والی تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔ ''چندرا دیوی'' رولو کا اور شہر وحشت جو میں سب سے پہلے پڑھتی ہوں۔ بقیہ کہانیوں میں سے جو کہانیاں میں نے پڑھی ہیں، ڈھلتا سورج، معمہ، خونی عمل، جادوئی دنیا، ہم شکل، جن سان اور دلخراش چیخ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوگئے اور باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ میں نے بھی ایک کہانی لکھی ہے جو بہت جلد بھیجوں گی، امید کرتی ہوں کہ ضرور شائع کریں گے اور میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ آخر میں ڈر کے پورے اسٹاف کے لئے ڈھیروں دعائیں۔ (آمین)

☆☆ کائنات صاحبہ: نوازش نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، کہانیوں کی تعریف اور پھر نئی کہانی ارسال کرنے کے لئے ویری Thanks، آئندہ ماہ بھی آپ کے خلوص کا انتظار رہے گا۔

صبا محمد اسلم گوجرانوالہ سے، نومبر کا ڈرڈائجسٹ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، اس مرتبہ شمارہ کچھ لیٹ ملا جس کی وجہ سے کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ البتہ تمام کی تمام غزلیں بہت کلاس کی ہیں اور اشعار بھی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ میری غزل شائع کرنے کے لئے ویری ویری Thanks۔ ایک عدد غزل اور اشعار بھیج رہی ہوں۔ امید ہے کہ شائع کرکے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔ آئندہ ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ بہ ذریعہ خط اس وقت تک کے لئے خدا حافظ۔

☆☆ صبا صاحبہ: خط بہت لیٹ موصول ہوا، جس کی وجہ سے غزل اشاعت سے رہ گئی۔ صرف خط ہی شامل اشاعت ہوسکا۔ امید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے آئندہ جلدی کا خیال رکھیں گی۔ اس کے لئے بہت بہت شکریہ۔

زاہدہ عطاء محمد کراچی سے، امید کرتی ہوں کہ ڈرکا پورا اسٹاف خیریت سے ہوگا، میں ''ڈرڈائجسٹ'' کی پرانی قاری ہوں پچھلے پانچ سالوں سے میں ''ڈرڈائجسٹ'' کا مطالعہ کررہی ہوں، اس ماہ کا ٹائٹل جیچ بہت ہی زبردست لگا! اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف قسط وار کہانیوں میں سب سے پہلے جو کہانی میں پڑھتی ہوں وہ ''چندرادیوی'' ہے پھر اس کے بعد ''حمیرا غلام حسین'' کی کہانی پڑھتی ہوں باقی لکھاری بھی بہت خوب لکھتے ہیں۔ میں ڈر کی محفل میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں۔ امید کرتی ہوں کہ میرا خط شائع کرکے میری حوصلہ افزائی کریں گے اور شکریہ کا موقع دیں گے۔ آخر میں ڈرڈائجسٹ کے پورے اسٹاف کے لئے ڈھیروں دعائیں اور دعا کرتی ہوں کہ ''ڈر'' یونہی ترقی کے منازل طے کرے۔ (آمین)۔

☆☆ زاہدہ صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ کو ڈرڈائجسٹ اور کہانیاں اچھی لگتی ہیں اس کے لئے بہت بہت شکریہ۔ قوی امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ڈرڈائجسٹ کی محفل خطوط میں اپنی رائے کے ساتھ شامل ہوکر شکریہ کا موقع دیں گی۔

ذوالقرنین خان کوئٹہ سے، بعض کرتی ہے کہ گنتارا کے بعد اپنی نئی کہانی ''لاحاصل'' کے ساتھ حاضر خدمت ہوں۔ امید ہے آپ اسے شائع کریں گے۔ آپ کے فون سے میری بہت حوصلہ افزائی ہوئی اور انشاء اللہ اب میں آپ کے لئے مستقل لکھوں گا۔ آپ بھی وقتاً فوقتاً رہنمائی فرماتے رہیے گا۔ دو مزید کہانیوں پر بھی کام جاری ہے۔ وہ بھی جلد میں بحوالہ ڈاک کروں گا۔ باقی آپ سے فون پر رابطہ رہے گا۔

☆☆ ذوالقرنین صاحب: آپ کی کہانی گنتارا کمپوز ہوچکی ہے اگلے ماہ ضرور شامل اشاعت ہوگی۔ نئی کہانی بھیجنے کے لئے Thnkas۔

ایم انس نہال میاں چنوں سے، السلام علیکم، امید ہے ڈرڈائجسٹ کا تمام اسٹاف بخیریت ہوگا، میں نے آپ کو خط لکھا تھا مگر آپ نے میری صرف شاعری شائع کرکے خط شائع نہیں کیا۔ میں نے سوچا کہ شاید اگلے ماہ شائع ہوگا مگر اگلے ماہ بھی جواب ندارد، آخر ایسا کیوں.....؟ اس بار دوبارہ پھر خط لکھ رہا ہوں کہ شاید خدا کے آسرے اس دفعہ محفل خطوط دوستاں میں کسی کنارے جا لگے۔ بہرحال نومبر کا شمارہ 25 اکتوبر کو مارکیٹ سے مل گیا۔ قوس قزح میں سب کی شاعری اچھی تھی۔ جن میں ''سائرہ عبدالغفور'' گوجرانوالہ، ''محمد عثمان علی''، ''محمد ابراہیم کھوکھر'' ''صبا محمد اسلم'' گوجرانوالہ، ''لاہوتی عمار'' ''منیر احمد ساغر'' کے علاوہ دیگر شعرائے کرام شامل ہیں۔ اسلم راہی ایم اے کی ''رکن الدین سہرس'' تاریخی کہانی عمدہ تھی۔ ''ہمزاد'' انور فرہاد ''رولوکا'' اے وحید، ''جن سان'' محمد عثمان علی، ''چندرادیوی'' ایم الیاس ''شہر وحشت'' ایم اے راحت ''معمہ'' عروفیہ ملک کی کہانیاں پڑھی ہیں جو بہت اچھی لگیں۔ باقی کا مطالعہ جاری ہے۔ ایک بات اور کہ ''رولوکا'' ''عجائب دنیا'' ''روح کا عشق'' ''خونی تابوت'' اور ''روح بتی'' ''ناگ دیوتا'' ناولز کتابی شکل میں کب شائع ہوں گے۔ جواب ضرور دیجئے گا۔ مہربانی ہوگی۔

☆☆ انس صاحب: آپ کا خط کمپوزنگ سے رہ گیا ہوگا۔ اس کے لئے معذرت۔ کچھ کہانیاں کتابی شکل میں موجود ہیں اور رولوکا اسی ماہ کتابی شکل میں شائع ہورہی ہے۔ اشتہار شمارہ میں شامل اشاعت ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی کراچی سے، ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کا شمارہ دسمبر 2011ء کڑکڑاتی سردی کا ایک انوکھا شاہکار سال رخصت کی خوشخبری قارئین کو اپنے جانے کو لبیک کہہ رہا ہے۔ حسب دستور سرورق رنگین آرٹ پیپر پر ہولناک خوفناک ڈراؤنی، دل دہلا دینے والی کہانیوں اور بلند پایہ غزلوں، لطائف گزشتہ بادشاہوں شہنشاہوں، مقدس انبیائے کرام کی مقدس ہستیوں سے آگاہ کرکے راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کردیتا ہے۔ یہ شرف صرف ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کو حاصل رہا ہے میں ادارے کا بہت بہت مشکور ہوں جو ہر ماہ پابندی سے میری غزل اور رائے شائع کرکے شکریہ کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ایک لمبا عرصہ ہوا میری ارسال کردہ کہانی کب جلوہ افروز ہورہی ہے۔ بڑی بے چینی سے انتظار ہے۔

☆☆ واجد صاحب: آپ کا خلوص نامہ پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے، کہانی جنوری کے شمارے میں شائع ہوگی۔ آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

علی آفاق کاشی آزاد کشمیر سے، السلام علیکم، ڈرڈائجسٹ ماہ نومبر کا ٹائٹل کافی سنسنی خیز تھا، خطوط کی محفل میں پہنچ تو

خوشی کی انتہا نہ رہی آپ نے میرا خط شائع کردیا۔ بہت شکریہ، میرا نام علی آفاق کاشی ہے۔ علی آفاقی نہیں، اس کے بعد رولوکا پڑھی بہت اچھی قسط تھی، اس کے علاوہ چندرادیوی بہت اچھی جارہی ہے، خونی عمل، دلخراش چیخ، پانی کے بیٹے، رقص جنون بھی بہت زبردست ہیں۔ مجموعی طور پر پورا شمارہ بیسٹ تھا۔ میری طرف سے سب کو عید مبارک، اللہ ادارہ کے پورے اسٹاف پر اپنی خصوصی رحمتیں، برکتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

☆☆ علی آفاق صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ، اگلے شمارے میں آپ کی کہانی شامل اشاعت ہوگی۔ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

عامر ملک راولپنڈی سے، السلام علیکم، خدا کرے ڈرکا پورا اسٹاف بہ خیریت ہو، ایک ترجمہ کہانی ''خلائی قانونی'' ارسال ہے۔ اچھی لگے تو شائع کردیں ممنون رہوں گا۔ جہاں تک اکتوبر کی کہانی کا تعلق ہے..... وہ کسی اور ڈائجسٹ میں یقیناً شائع ہوئی تھی۔ مگر میرے ہی نام سے شائع ہوئی تھی۔ یہ چند سال قبل کی بات ہے۔ کہانی اچھی تھی تو میں نے دوبارہ آپ کو بھیج دی۔ جو میری غلطی ہے۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ آئندہ ایسا نہ ہوگا اور جو غلطی تسلیم کرے اسے معاف کردیا جاتا ہے۔

☆☆ عامر صاحب: آپ کا شکریہ کہ آپ نے اپنی غلطی تسلیم کرلی۔ فراخ دل و دماغ کے لوگ ہی اپنی غلطی پر سرخم تسلیم کردیتے ہیں۔ خیر امید ہے آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ نئی کہانی کا شدت سے انتظار رہے گا۔

محمد نوید انجم سوہاوہ چکوال سے، امید قوی ہے کہ ڈرکا پورا اسٹاف خیر و عافیت سے ہوگا اس دفعہ ڈر 24 تاریخ کو ملا، ٹائٹل دیکھا تو بہت خوش ہوا، ڈر کی سالگرہ اور عیدالاضحی کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو، ''قرآن کی باتیں'' سلسلہ اچھا ہے اس سے ہم کو بہت اچھا سبق ملتا ہے جو لوگ قرآن نہیں پڑھتے وہ کم از کم (قرآن کی باتیں) کی صورت میں پڑھ لیتے ہیں Very good اور ایک گزارش کہ قارئین کو چاہئے اس پر عمل کریں اور اس کا احترام کیا کریں۔ باقی سب کہانیاں بہت اچھی ہیں اور اس کے لئے ڈرڈائجسٹ کے پورے اسٹاف اور تمام رائٹر حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ہر کہانی کو اچھے انداز میں اور خوب بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں اور محنت اور لگن سے اپنی تمام تر مصروفیات سے ٹائم نکال کر سبق آموز اور دلچسپ کہانیاں لکھتے ہیں جو ڈرڈائجسٹ کی صورت میں ہم تک پہنچتی ہیں۔ اس لئے ہمارا ڈر ایک انوکھی اور انفرادی خصوصیت کا حامل ہے۔ سب کہانیاں بہت پسند آئیں مگر جنہوں نے میرے دل کو جیت لیا ان میں جن سان، خونی عمل، ہمزاد، رقص جنون ہیں باقی رولوکا، چندرادیوی، شہر وحشت بہت اچھی جارہی ہیں۔ آج کل شائستہ سحر نظر نہیں آرہی ہیں اور فواد صاحب ماشاء اللہ آپ کی کہانی رقص جنون بہت اچھی ہے۔ دل کو بھا گئی اور میں بہت خوش ہوا۔ اللہ آپ کو خوش اور صحت مند رکھے تاکہ اسی طرح آپ کہانیاں لکھتے رہیں۔ آخیر میں میری طرف سے سب کو دعا سلام۔

☆☆ نوید صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، کہانیاں آپ کو پسند آئیں اس کے لئے شکریہ، امید ہے آئندہ بھی آپ خط بھیج کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

سکندر علی رضا فیصل آباد سے، قوی امید ہے کہ ڈرکا پورا اسٹاف خیریت سے ہوگا۔ اکتوبر کا پرچہ 27 ستمبر کو میرے ہاتھوں کی زینت بنا جس کو دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس دفعہ کا سالگرہ نمبر بہت زبردست تھا۔ تمام کی تمام کہانیاں لاجواب تھیں، پر جو کچھ زیادہ ہی قابل تعریف تھیں جن کی تعریف نہ کرنا دل کو دکھی کرنا ہے وہ ہیں عمادالدین زنگی واہ اسلم راہی صاحب کمال کا ہنر ہے آپ کے ہاتھوں میں لکھنے کا انداز ہی نرالہ ہے کہانی میں جان ڈالنا تو کوئی آپ سے پوچھے اس کے بعد رولوکا بھی زبردست تھی پر چندرادیوی اس دفعہ کچھ خاص نہیں تھی باقی کی تمام کہانیاں اچھی تھیں ہمیشہ کی طرح قرآن کی باتیں دل و روح کو اور وجود کو علم و ایمان اور اخلاص سے تر کرگئی، غزلیں بھی ٹھیک تھیں اب کچھ اپنے بارے میں اکتوبر کے شمارے میں اپنی غزل دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا پر اپنی کہانی نہ پاکر دل رنجیدہ بھی ہوا پھر جب اپنا خط پڑھا تو دل کو سکون میسر ہوا کہ میری کہانی شامل ڈر ضرور ہوگی میں آپ کو ایک بار پھر بتاتا چلوں کہ جیسا کہ میں نے آپ کو پچھلی بار بھی بتایا تھا کہ میں ایک کہانی لکھ رہا ہوں جو کہ کچھ زیادہ ہی طویل ہے جب بھی پوری ہوگی انشاء اللہ عزوجل ڈر کی طرف ارسال کردوں گا تو میری آپ سے دلی اپیل ہے کہ میری کہانی بنام قبلہ درست جلد از جلد شامل ڈر کردیں آپ کی مہربانی ہوگی۔ میں آپ کا بے حد مشکور ہوں کہ آپ میری غزل اور کہانی اور خط بڑی دل جوئی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شامل کرتے ہیں۔ آخر میں دلی دعا کہ اللہ عزوجل ڈر والوں، لکھنے والوں اور سب پڑھنے والوں کو ہمیشہ آباد رکھیں۔ (آمین)

☆☆ سکندر صاحب: خوش ہو جائیے کہانی قبلہ درست شامل اشاعت ہے، خیر خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے اور آئندہ بھی نوازش نامہ بھیجنے کے لئے ویری ویری تھینکس۔

عدیل منظور سرگودھا سے، السلام علیکم، اکتوبر کا نیا شمارہ 20 تاریخ کو خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ ملا، ٹائٹل لاجواب تھا، شمارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بہت اچھا واقعہ تھا جو بہت پسند آیا، غزلوں میں شائستہ سحر، سید وہاب علی، ساجدہ شاہین، انیلہ غزل کی غزلیں دل میں گھر کر گئیں، اس دعا کے ساتھ اجازت کہ ڈر ڈائجسٹ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

☆☆ عدیل صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، ڈر ڈائجسٹ کی پسندیدگی اور کہانیوں کی تعریف کے لئے اور پھر آئندہ ماہ بھی ڈر سے رابطہ کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کیجئے۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈو الہ یار سے، کراچی میں بارشوں نے تباہی مچائی اخبار کے ذریعے پتہ چلا، اردو بازار میں بھی پانی داخل ہو گیا ہمیں بہت افسوس ہوا، کراچی میں بارش کے بعد پانی نکل تو گیا ہے مگر ہمارا مشرقی علاقہ ابھی تک ڈوبا ہوا ہے، پانی بھی اتنا ہے کہ رات دن نکالا جا رہا ہے ساری پیداوار ختم ہو گئی ہے ہم گناہ گاروں پر اللہ کا عذاب ہے بارش سے متاثر ہونے والوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں، کراچی کے لوگ اندرون سندھ کی ابھی بھی حالت دیکھیں تو کراچی والے اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھیں گے، رسالے کے بارے میں آئندہ تبصرہ کریں گے۔ سب کے لئے دعائیں خطوط میں بہت دوست شامل ہوئے مستقل لکھنے والے سالگرہ میں نظر نہ آئے۔ بہرحال میں ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں

☆☆ شرف الدین صاحب: ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام بے گناہ اور معصوم لوگوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔ انسان کو عذاب الٰہی سے سبق لینا چاہئے اور عبرت پکڑنا چاہئے، آئندہ ماہ بھی آپ کے خلوص کا انتظار رہے گا۔

ایس امتیاز کراچی سے، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا، ماہ نومبر 2011ء کا خوب صورت ''ڈر'' ہمارے سامنے ہے۔ دلفریب ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے۔ اسٹوریز اور غزلوں کا انتخاب لاجواب رہا۔ ڈر ڈائجسٹ میں خوب صورت لکھنے والے آرہے ہیں۔ اور ''ڈر'' کا مورال بلند ہو رہا ہے۔ ہمارے آرٹیکلز لگانے کا شکریہ۔ ماہ نومبر 2011ء کے شمارے میں ہماری ایک وویوز ''کائنات بلوچ'' کراچی کا خط شائع ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری ایک اسٹوری جو ''ڈر ڈائجسٹ'' میں ''ہم رقص'' کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ کائنات جی! کا کہنا ہے کہ یہ اسٹوری وہ پہلے بھی پڑھ چکی ہیں۔ بالکل صحیح یہ اسٹوری پہلے ایک رسالے میں شائع ہوئی تھی۔ آپ نے اس میں پڑھی ہوگی چونکہ اسٹوری معیاری تھی لہٰذا ہم نے ڈر کو اسٹوری بھجوادی۔ جو آپ کے سامنے ہے۔ ہم صرف تراجم لکھتے ہیں جو کوئی بھی لکھ سکتا ہے۔ کائنات جی آپ جیسے وویورز تو ہمارا سرمایہ ہیں جو ہمیں تنقیدی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ایک بار پھر آپ کا اور ''ڈر'' کا شکریہ، حصار ترجمہ، خونی ڈرامہ ترجمہ، ارسال خدمت ہے۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ تمام اسٹاف اور ''ڈر ڈائجسٹ'' کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے وویورز کو دعا سلام......

☆☆ امتیاز صاحب: آپ کا شکریہ کہ آپ نے ہم رقص کی تفصیل بتادی اور امید ہے کہ کائنات بلوچ مطمئن ہو جائیں گی۔ خیر آپ کا دلی خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوتی ہے۔ خیر آئندہ ماہ بھی رابطہ کے لئے بہت بہت شکریہ۔

ایم ریاض حضرو سے، نومبر کا ڈر ڈائجسٹ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی تمام کی تمام کہانیاں اپنی مثال آپ ہیں، تمام رائٹر حضرات نے بہت لگن اور محنت سے کہانیاں تحریر کی ہیں، نومبر کا شمارہ ادارے کی طرف سے موصول ہوا تو بے انتہا خوشی ہوئی، میری کہانی شائع کرنے کا شکریہ، اس بار مختصر سی تحریر ''لنگڑا بھوت'' حاضر خدمت ہے۔ امید ہے جلد شائع ہوگی۔ اس بار کہانیوں میں ڈھلتا سورج، معمہ، خونی عمل، آدھی قبر، رقص جنون اچھی لگیں۔

☆☆ ریاض صاحب: لنگڑا بھوت موصول ہو چکی ہے۔ اس کے لئے شکریہ، امید ہے آئندہ ماہ بھی شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

شعیب شیرازی جوہر آباد اسلام آباد سے، ڈر ڈائجسٹ نومبر میرے ہاتھوں میں ہے، ٹائٹل اتنا خوب صورت تھا کہ بے اختیار داد دینی پڑی۔ ڈر ڈائجسٹ کا مطالعہ تو میں باقاعدگی سے کرتا ہوں مگر ڈر ڈائجسٹ کی پر وقار مجلس میں پہلی بار شرکت کر رہا ہوں۔ ماشاء اللہ کیا ہی خوب صورت ڈائجسٹ ہے۔ چند ایک دوسرے ڈائجسٹ بھی زیر مطالعہ ہیں مگر جو مزہ ڈر کا ہے وہ دوسروں

میں نہیں۔ اس کی کہانیاں خاص طور پر قسط وار رولو کا اور چندرادیوی تو میری جان ہیں۔ ایک گزارش کرنی تھی آپ کی خدمت میں، ویسے تو ڈر ڈائجسٹ ہر لحاظ سے فٹ ہے اگر ایک چیز کا اضافہ کر دیں تو کیا ہی خوب رہے گا۔ ریکویسٹ یہ ہے کہ آپ رائٹر حضرات کے فون نمبر یا ایڈریس شائع کر دیا کریں۔ میں لڑکیوں کی بات نہیں کرتا۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ شاید ہم کسی رائٹر کی زیر نگرانی کچھ اچھا لکھ سکیں۔ ویسے ڈر ڈائجسٹ میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے اس بات سے انکار نہیں۔ یہ ایک گزارش تھی جو آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔ جو آپ مناسب سمجھیں ویسے کریے گا۔ شکریہ۔

☆☆ شعیب صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، ڈر ڈائجسٹ کی پسندیدگی اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، رائٹر حضرات اس بات سے متفق نہیں ہیں کہ ان کا نمبر شائع کیا جائے کیونکہ رائٹر حضرات ڈسٹرب ہوتے ہیں، اور تخلیقی کام میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ خیر آئندہ بھی آپ کے خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

احسان سحر میانوالی سے، امید کرتا ہوں ڈر ڈائجسٹ کا پورا اسٹاف خیریت سے ہوگا اور سب سے پہلے تو میں معذرت خواہ ہوں کہ پچھلے ماہ حاضری نہ دے سکا مصروفیات کی وجہ سے، امید کرتا ہوں ''ڈر'' میری مجبوری کو سمجھ کر معاف کر دے گا جو کہ اچھے رسالے کی یہی پہچان ہے اور اچھے انسان کی بھی اور ڈر میں اگر آپ کی اجازت اور خط شائع کریں گے تو میں ''اکتوبر'' کے سالگرہ نمبر پر تبصرہ کروں جو کنا کرنا ''ڈر'' کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ سالگرہ نمبر 322 صفحات پر مشتمل تھا خوب صورت شاہکار جو ایک زندگی سے عاری نوجوان خوب صورت کرسی پر کیک کے انتظار میں تھا۔ کہانیوں میں آخری کہانی ''قاتل مورتی'' نمبر ون پر رہی خوب صورت سوچ کے حامل رائٹر کا اچھا شاہکار جو کہ یاد رہے گی برسوں تک، نمبر 2 پوزیشن ''ظالم روح'' عامر ملک کی رہی مزہ آیا کہیں بھی بوریت نہیں ہوئی، شروع سے آخر تک سسپنس اور مزہ برقرار رہا۔ نمبر تیسری پر ''انتقام کی پیاس'' رہی، زندہ باد، باقی حسین روح بھی دل میں چٹکی بجا گئی اس طرح کی رومینٹک طرز کی اسٹوریز ہونی چاہئیں ہر ماہ اصل حقیقت، پچھتاوا، شیطانی آنکھ، آسیب زدہ حویلی، انتظار، ارباز، قسط وار کہانیاں سب ایک سے بڑھ کر ایک تھیں، پورا شمارہ ہمیشہ یاد رہے گا واقعی ڈر دل میں جگہ بنا گیا۔ دلوں میں امنگ جگا گیا۔ سینوں میں ترنگ بجا گیا۔ آخر میں پلیز خط کو بغیر کاٹ کے پورا شائع کیجئے گا یہ میرا پہلا اور آخری اتنا لمبا خط ہے۔ پلیز پلیز۔ باقی اگلے ماہ۔

☆☆ احسان صاحب: چلئے پورا خط شائع ہو گیا، خوش ہو جائیے، خط لکھنے اور کہانیوں کے لئے اور آئندہ ماہ بھی ڈر ڈائجسٹ کو یاد رکھ کر خط لکھنے کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم، ڈر کے اسٹاف کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں، آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے، جیسے بارش ہو کچھ بھی نہ ہوا اور سردی کا آغاز ہو گیا، اسی ذہنی کشمکش میں شہر جانے کا اتفاق ہوا، وہاں بک اسٹال پر ماہ نومبر 2011ء کے ڈر ڈائجسٹ کا تازہ شمارہ دیکھ کر میرے دل کو بڑی خوشی ہوئی، ایسا دلکش اور زندہ تحریروں پر مبنی پرچہ نکالنے پر دلی مبارکباد قبول کریں، سرورق پہلے سے کچھ بہتر تھا جس طرح آپ نئے قلمکاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں یہ بات بھی بڑی قابل تحسین ہے ہر ماہ کی مقررہ تاریخ کا بڑی بے تابی سے پرچے کا انتظار ہوتا ہے، مطالعے کے بعد میں آپ کو خط تحریر کرتا ہوں غزل شائع کرنے اور خطوط میں یاد کرنے کا بہت بہت شکریہ، اب ہر رائٹر کا اپنا اپنا تحریر کا انداز ہوتا ہے۔ ڈر ڈائجسٹ کے تمام عنوان اپنی اپنی جگہ پر بہتر ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ فٹ ہو۔ اس بار اسلم راہی کی تحریر رکن دین ہیرس بہت اچھی تھی، غزلیں پہلے سے معیاری تھیں، قوس قزح بھی اپنی جگہ بہتر ہے، کہانیوں میں ڈھلتا سورج، آدھی قبر، ہمشکل، ہمزاد، جن سان وغیرہ نے بے حد متاثر کیا ان قلمکاروں کو میری طرف سے دلی مبارکباد ہو، چند غزلیں ارسال کر رہا ہوں آئندہ شمارے میں جگہ دے دیں، بشرط آپ کا تعاون ساتھ رہے، اس کے ساتھ ہی اجازت دیں زندگی نے وفا کی تو پھر ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ۔

☆☆ اسلم صاحب: آپ کا خلوص نامہ پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے، خط میں آپ کا خلوص جھلکتا ہے، آئندہ ماہ بھی ڈر ڈائجسٹ کو چاہت بھرا خط لکھنا بھولیے گا نہیں۔

نوٹ:۔ تمام رائٹر حضرات سے التماس ہے کہ اپنی کہانی پر مکمل ایڈریس اور Cell,No ضرور لکھا کریں، دھیان سے کیونکہ اعزازی کاپی بھیجنے یا پھر رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ قوی امید ہے کہ رائٹر حضرات عملی قدم اٹھا کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہادر شاہ ظفر

اسلم راہی-ایم اے

لگتا ہے نہیں جی مرا اجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے اس عالم ناپائیدار میں
عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں
کہہ دو ان حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دل داغدار میں
کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

اس کا نام سراج الدین تھا۔ ایک اچھا شاعر بھی تھا اور شاعری میں اس کا تخلص ظفر تھا اس کے دادا شاہ عالم ثانی کو ایک روہیلہ غلام قادر نے نہایت بے دردی کے ساتھ بینائی سے محروم کر دیا تھا جس کی وجہ سے شاہ عالم ثانی کے بعد انگریزوں نے اس کے بیٹے اکبر ثانی کو مغل شہنشاہ بنا دیا۔ اکبر ثانی کے بعد انگریزوں نے اس کے بیٹے سراج الدین کو تخت و تاج کا مالک بنایا اور بادشاہ بننے کے بعد اسی سراج الدین نے بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔

بہادر شاہ ستائیس شعبان ہجری گیارہ سو ناوے اور چوبیس اکتوبر سن سترہ سو پچھتر کو پیدا ہوا۔ یہ خاندان مغلیہ کا آخری بادشاہ تھا اور اسے فوقیت یہ تھی کہ وہ اُردو کا بہترین شاعر بھی تھا۔ اس کے باپ کا نام اکبر شاہ ثانی تھا اور ماں کا نام لعل بائی تھا اس کا سلسلہ نسب گیارہویں پشت میں شہنشاہ بابر سے جا ملتا ہے۔

سراج الدین جو تاریخ کے اوراق میں بہادر شاہ ظفر کے نام سے زیادہ پہچانا جاتا ہے دہلی میں پیدا ہوا۔ دہلی ہی میں اس کے تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی اس کا اقتدار لال قلعہ یا قلعہ معلیٰ دہلی کی چار دیواری تک محدود تھا۔ اس لئے کہ اصل اقتدار اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی حیثیت سے انگریزوں کے ہاتھوں میں تھا اور بہادر شاہ ظفر ایک طرح سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک پینشنر یا وظیفہ خار تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے بہادر شاہ ظفر کو ایک لاکھ روپیہ ماہانہ بطور وظیفہ ملتا تھا اور دوسری جاگیروں اور شہر کے چند مکانات سے بادشاہ کی آمدنی تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے ماہانہ بن جاتی تھی۔

انگریزوں کا ہندوستان میں داخلہ اور ان کے ہاتھوں مغلیہ سلطنت کا خاتمہ تاریخ اسلامی کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ دراصل ہندوستان اور اسلامی دنیا کی تاریخ میں دسویں صدی ہجری کو خاص اہمیت حاصل ہے اس دور میں یہاں یعنی ہندوستان میں مغلوں کی عظیم الشان سلطنت کی تنظیم ہوئی۔ بابر، ہمایوں اس کے بعد اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی فتوحات نے نا صرف شمالی ہندوستان کی منتشر مملکتوں کو ایک طاقتور مرکز میں جکڑ دیا بلکہ مسلمانوں کی سلطنت جنوب میں سمندر تک پھیلتی چلی گئی تھی۔

لیکن انسانی تمدن کی تاریخ میں اہم تر واقعہ یہ ہے کہ اسی صدی میں ہندوستان اور نئی دنیا یعنی امریکہ تک اہل یورپ کی آمد و رفت کا آغاز ہوا اور ان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بادبانی جہاز ہزاروں کوس کے سفر طے کر کے براہِ راست ان ساحلوں کی طرف جانے لگے۔

جہاز رانی اور دریا نوردی میں اسپین اور پرتگال سب سے آگے تھے لیکن برطانیہ کے انگریز ملاح بھی ان سے پیچھے نہ رہے۔

شروع شروع میں انہوں نے شمال مغرب کی طرف سمندر کا چکر کاٹنے کی کوشش کی۔ اسی حوصلہ مندانہ تلاش کے نتیجے میں انگریز ایک جزیرے نیوفاؤنڈ لینڈ کو دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

اس کے بعد ایک باہمت امیر البحر مجمد شمالی کے راستے چلا وہ خود تو ہلاک ہوگیا مگر اس کے ساتھی شمالی روس کے ساحل بحر سفید تک جا پہنچے اس کے باوجود سمندر کا سیدھا راستہ ایشیا تک پہنچنے کے لئے انہیں نہ ملا۔

آخر کافی جدوجہد کے بعد اسی صدی کے آخری ایام میں یورپ کے لوگ ہندوستان آنا شروع ہوگئے اور اگلی صدی میں یورپ کے سوداگروں کو جزائر شرق الہند، ایران اور ہندوستان کے ساحل پر تجارت کرنے کا موقع مل گیا۔ اس طرح ان کے جہاز ایران اور ہندوستان کے ساحلوں کی طرف جاتے دیکھے جانے لگے۔

کئی دفعہ پرتگالیوں اور پھر ولندیزیوں سے لڑائیاں بھی ہوئیں اور ہندوستان کے لوگوں نے کئی بار انہیں مار بھگایا جس کے نتیجے میں وہ بحری قزاقی کرنے لگے۔

البتہ پرتگالیوں اور ولندیزیوں کے ملایا اور جاوا میں مصروف ہوجانے کے بعد انگریزوں کو ہندوستان میں تجارت کرنے کا موقع مل گیا۔

ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک شخص نام جس کا ہانکس تھا وہ انگلستان کے بادشاہ جیمز اوّل کا خط اور بہت سے تحائف لے کر شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا اور جہانگیر کو تحائف پیش کیئے۔

اس کے بعد ایک اور شخص سر طامس او سفیر بنا کر ہندوستان بھیجا گیا۔ اس طرح ان انگریزوں کے آنے کی وجہ سے شہنشاہ جہانگیر کی اجازت سے انگریزوں کی کئی دکانیں جگہ جگہ تجارت کے لئے کھل گئیں۔

شہنشاہ جہانگیر سے اجازت حاصل کرنے کے بعد انگریزوں نے اپنا سب سے بڑا تجارتی مرکز پہلے سورت شہر کو بنایا۔ سورت اس وقت ایشیاء بلکہ دنیا کی بہت آباد اور بارونق بندرگاہ تھی کوئی چھتیس برس بعد جنوبی ہند کے مشرقی ساحل پر چینا پٹم کے راجہ سے انگریزوں نے زمین کا ایک حصہ پٹے پر لیا۔ جہاں اب مدراس کا قلعہ سینٹ جارج واقع ہے۔ اس کے برابر میں کوم نام کی ندی بہتی تھی جس کی بدبو بھی باہر والوں سے اس مقام کو بچانے کا ایک ذریعہ تھی۔

راجہ سے پٹے پر زمین حاصل کرنے کے بعد انگلستان کو ہندوستان کی زمین کے ایک حصے میں مالکانہ حقوق حاصل ہوگئے۔

یہاں یہ صراحت کردینی چاہیئے کہ ان علاقوں میں اس وقت مسلمانوں کی عملداری نہ ہوئی تھی۔ وجے نگر کی تباہی کے بعد مقامی رئیس بس نام کے رہ گئے تھے۔ چینا پٹم کا چھوٹا سا راجہ انگریزوں کو مدارس میں قلعے اور برج وغیرہ بنانے سے روک نہ سکا لیکن مغلوں کے ڈر سے اپنی طاقت اور قوت بڑھانے کے لئے زیادہ قلعے قائم نہ کر سکے۔ بظاہر انہوں نے یہی تاثر دیا کہ وہ تاجر ہیں اور تجارتی مرکز قائم کر رہے ہیں۔

لیکن انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے اندر ہی اندر کام کرتے رہے اور بیس اکیس برس بعد وہ بمبئی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے جہاں اس وقت دلدلی زمین تھی اور زیادہ تر بدبو بھرا علاقہ تھا جس کی وجہ سے مچھر کی بڑی کثرت تھی۔ اس دور میں بمبئی اور اس کے آس پاس فقط مچھیرے رہا کرتے تھے اور ان دنوں پرتگالی تاجر اس علاقے کو لاوارث جان کر وہاں اپنا مال اتارا کرتے تھے۔

انگریزوں کی خوش قسمتی کہ انہیں دنوں پرتگالیوں کی ایک شہزادی کی شادی انگلستان کے بادشاہ چارلس دوئم سے ہوگئی تو یہ علاقہ شہزادی کو ایک طرح سے جہیز میں مل گیا جس کی وجہ سے انگلستان کے بادشاہ چارلس

نے یہ علاقہ صرف دس پاؤنڈ سالانہ پٹے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کردیا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان دنوں بمبئی اور اس کے اردگرد کے علاقے کی کتنی کم قدر قیمت تھی مگر انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حیثیت سے اس گندے علاقے کے چند حصوں کو صاف کروا کے وہاں اپنے گودام اور مکان بنا لیے اس طرح گودام اور مکان بننے سے وہاں انگریزوں کے جہازوں کی آمد و رفعت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب پہلی مرتبہ انگریز تاجروں کا دل گدگدایا کہ جنوب میں ویران علاقوں کے کمزور حکمرانوں کو زیر کر کے وہاں ایک مضبوط اور مستحکم عسکری تنظیم قائم کر کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کیا جاسکتا ہے۔ ان خیالات کے آتے ہی انگریزوں نے ملک گیری کے منصوبے بنانے شروع کردیئے تھے۔

تجارتی کوٹھیوں کی جگہ انہوں نے قلعہ بندیاں شروع کردیں اور جنوب میں جو مغل شہنشاہ کے والی تھے ان کے ساتھ تمرد اور سرکشی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

یہ خبریں جب دربار شاہی میں پہنچیں تو اس وقت حکومت مسلمانوں کے عظیم شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی تھی اس نے اپنے تمام والیوں کے نام احکامات جاری کیے کہ ہر جگہ انگریز تجارت خانے بند اور مال ضبط کرلیا جائے۔

یہ حکم ملتے ہی اورنگ زیب کے والی اپنی مسلح قوتوں کے ساتھ انگریزوں پر ٹوٹ پڑے انگریزوں کے گماشتے فرار ہوگئے اور کچھ گرفتار کر لیے گئے۔

اسی دوران انگلستان کے شہنشاہ کے حکم سے دو تین بحری بیڑے ہندوستان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ انگلستان سے انہیں ہدایت ملی کہ وہ پہلے چاٹگام پر حملہ آور ہوجائیں اس لئے کہ یہ بندرگاہ چند سال ہی پہلے فتح ہوئی تھی اور اس پر قبضہ کیا تھا۔ لہٰذا وہاں ابھی تک مغلوں کی نہ کوئی مستحکم قوت تھی نہ کوئی بڑا لشکر موجود تھا۔

اس کے باوجود جو چھوٹا سا لشکر اورنگ زیب عالمگیر کا وہاں موجود تھا اس نے حملہ آور انگریزوں کو بدترین شکست دی اور بھاگ جانے پر مجبور کردیا اس طرح چاٹگام میں شکست کھانے کے بعد انگریز بڑے برافروختہ ہوئے اور انہوں نے بحری قزاقی کا پیشہ اپنا لیا۔ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے جب انہیں ہندوستان میں کسی بھی جگہ پاؤں ٹکانے کی جگہ نہ ملی تو انہوں نے بحر عرب میں مسلمانوں کے حاجیوں کے جہاز لوٹنے شروع کردیئے۔

لیکن جب وہاں بھی اورنگ زیب عالمگیر ان کے خلاف حرکت میں آیا تو انہیں اس کام سے بھی باز رہنا پڑا۔ اس طرح انگریزوں کی کمپنی کو مالی فقدان اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

جب اورنگ زیب عالمگیر نے ان کے تجارتی مرکز بھی بند کردیئے سمندر کے اندر ان کی قزاقی کو بھی ایک طرح سے روک دیا تو پھر انگریز کمپنی کا دیوالیہ نکلنے کی نوبت آگئی۔ آخر اس کے سربراہوں نے باہم مشورہ کرنے کے بعد انتہائی عجز و انکساری اور ندامت کے ساتھ اپنے رویے کی معافی مانگی۔ جنگی استحکام اور تیاریوں سے توبہ کی اور اورنگ زیب عالمگیر کے والیوں اور وزیروں کی مہینوں دربار داری اور خوش آمد کرنے کے بعد انہیں کچھ دشوار شرائط پر تجارت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

آخر سن سولہ سو نوے میں بنگال کے والی نے انگریزوں کے قصور کو معاف کرتے ہوئے ہگلی کے کنارے زمین کا وہ حصہ انگریزوں کے حوالے کردیا جہاں کلکتہ شہر آباد ہوا۔ لیکن یہ مراعات ملنے کے بعد کمپنی نے سیاست اور عسکری قوت سے توبہ کرلی اور چپ چاپ تجارتی کاروبار میں لگی رہی۔ جب انگلستان میں یہ خبریں پہنچیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طاقت اور قوت کو اورنگ زیب عالمگیر نے کچل دیا ہے اور جو بحری بیڑے انگلستان نے ہندوستان میں ان کی مدد کے لئے بھجوائے تھے ان کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے تو اپنی ساکھ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بحال کرنے کے لئے انگلستان کے حکمرانوں نے ایک نئی کمپنی ہندوستان میں کھڑی کردی اب بیک وقت دو انگریز کمپنیاں ہندوستان میں کام کرنے لگی تھیں اور کئی سال تک ان دونوں میں تجارتی جنگ بھی ہوتی رہی یہاں تک کہ برطانوی حکومت نے ان دونوں میں صلح کرادی دونوں کو یکجا کردیا اس طرح کمپنی کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہوا۔

دو کمپنیوں کے متحد ہوجانے سے کمپنی کا سرمایہ بڑھ گیا تجارت کا پیمانہ وسیع ہوگیا۔ اس کے باوجود اگلے چالیس برس تک انگریزوں نے ہندوستان کے معاملات میں کوئی دخل نہ دیا بلکہ اپنی تجارت میں لگے رہے اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر تھا اور اس کے ہوتے ہوئے انگریز جرأت نہ کرسکتے تھے کہ مسلمانوں کے کسی علاقے پر حملہ آور ہوکر اس پر قبضہ کرسکیں۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ان دنوں یورپ میں انگلستان کی فرانس کے ساتھ جنگ شروع ہوگئی لہٰذا حکومتِ برطانیہ کی توجہ زیادہ تر فرانس کی طرف مبذول ہوگئی تھی۔

آخر انگریزوں کو ہندوستان میں قدم جمانے کا پہلا موقع ملا اور وہ ارکاٹ میں اپنی قوت کو جمع کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ارکاٹ کا حاکم ان دنوں ایک شخص چندا صاحب تھا جسے نظام دکن مظفر جنگ نے وہاں کا حاکم بنایا تھا۔ اس کا رجحان شروع میں فرانسیسیوں کی طرف تھا۔ لیکن انگریز اور فرانسیسیوں کے درمیان چونکہ یورپ میں جنگ جاری تھی لہٰذا ہندوستان میں بھی دونوں قوموں کے درمیان حسد اور رقابت برپا ہوگئی۔ اس بناء پر انگریزوں نے ارکاٹ میں قدم جمانے شروع کردیئے اور اس کوشش میں لگ گئے کہ وہاں سے فرانسیسیوں کو نکال باہر کیا جائے۔

یہ زمانہ عجیب وغریب تھا شہنشاہ اورنگ زیب کے بعد ہندوستان میں ایک طرح سے افراتفری کا عالم تھا پورے ہندوستان میں لامرکزیت بدنظمی اور نفسانفسی کے دور کا آغاز تھا۔ جب انگریزوں کو ارکاٹ میں پاؤں جمانے کا موقع مل گیا تب مرہٹے مختلف علاقوں میں لوٹ مار کرنے کے لالچ میں انگریزوں کے حلیف بن گئے۔ اب اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے کے لئے انگریزوں نے مختلف چھوٹے بڑے سالاروں اور حاکموں کے ساتھ جوڑ توڑ کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔

ارکاٹ پر قبضہ انگریز سردار کپتان کلائیو کی بہترین کارگزاری قرار دیا گیا اور ارکاٹ میں قدم جمانے کی وجہ سے کلائیو کی بڑی واہ واہ ہوئی اور اسے ترقی دے کر کپتان سے کرنل کے عہدے پر فائز کردیا گیا۔ ارکاٹ پر قبضہ کرنے کے بعد اب انہی انگریز تاجروں نے تجارت کے ساتھ ساتھ سیاست کے اکھاڑے میں بھی نمودار ہونا شروع کردیا تھا لہٰذا ہندوستان میں چھوٹے چھوٹے حکمران ہوس کے دیوانے بن کر جگہ جگہ ان سے مدد لینے لگے ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے انگریزوں کی مدد حاصل کرکے منصوبے بنائے جانے لگے اسی دوران انگریزوں کو خبر ہوئی کہ کچھ حکمران فرانسیسیوں کو جاگیریں عطا کرنے لگے تھے یہ قدم انگریزوں کے لئے ناقابل برداشت تھا لہٰذا انگریزوں کی آتش حسد پر یہ معاملہ تیل بن کر گرا اور انگریز ہر جگہ فرانسیسیوں کے پاؤں اکھاڑ کر اپنے پاؤں جمانے کی کوشش کرنے لگے۔

اسی دوران انگریزوں کی خوش قسمتی کہ بنگال میں حالات ان کے حق میں ہوگئے۔ ہوا یوں کہ بنگال کے صوبے دار مہابت جنگ کا سترہ سو چھپن میں انتقال ہوگیا۔ اس کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی لہٰذا اس نے اپنے نواسے کی اچھی تربیت کی تھی اور اسے اپنا ولی عہد بنالیا اور اسے سراج الدولہ کے خطاب سے اپنا وارث قرار دے دیا۔

مگر سراج الدولہ کم عمر تھا لہٰذا انگریزوں کی سیاست کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی اس کے علاوہ سراج الدولہ کی عملداری میں بہت سے ایسے افغان سردار بھی تھے جنہیں ماضی کے حکمرانوں نے اپنے مصارف پورے کرنے کے لئے بڑی بڑی

جاگیریں دے رکھی تھیں۔ یہ سردار کبھی باغی ہوچکے تھے وہ مہابت جنگ ہی کے دور میں ایک طرح سے بغاوت اور سرکشی اختیار کرچکے تھے لہٰذا سراج الدولہ جیسا شخص نہ انہیں مرعوب کرسکا نہ اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا سکا۔

اس کے علاوہ دوسری بڑی آفت یہ تھی کہ سراج الدولہ کے خاندان میں بھی چپقلش تھی بہت سے دوسرے لوگ اس کی جگہ حکومت میں برابر کے حق دار تھے۔ سراج الدولہ کی سگی خالہ گھسیٹی بیگم کے علاوہ اس کا چچازاد بھائی شوکت جنگ دونوں حکومت کے داعویدار تھے اور گھسیٹی بیگم نے تو یہاں تک آگے بڑھ کر قدم اٹھایا کہ اپنی جمع جتھا کی حفاظت کے لئے اس نے ایک بہت بڑا لشکر بھی تیار کرلیا تھا۔

اس موقع پر بعض مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اس عہد عیش وانحطاط کی ایک علامت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ محل سرا کی عورتیں میدان سیاست میں اپنا رنگ دکھانے لگی تھیں۔ مرشد آباد کے دربار میں یہ رنگ زیادہ ہی گہرا تھا اور وہاں کی عورتیں اس بدنامی کی دوڑ میں کسی سے کم نہ تھیں یہاں کی بیگمات کی ہوس رانی ہم عصر تاریخ نویسوں کے افسانوں کا بھی موضوع بنی رہی تھی۔

بہرحال انگریزوں نے سراج الدولہ کو اپنے سامنے زیر کرنے کے لئے اس کے مختلف مخالفین کے ساتھ ساز باز کرنی شروع کردی تب اس ساز باز اور سرکشی کی سزا میں سراج الدولہ نے انہیں کلکتہ سے جبراً نکال دیا اور ایک شخص دیوان مانک چند کو کلکتہ شہر کا حاکم بنادیا گیا۔

لیکن انگریزوں کو اب ہندوستانی علاقوں پر قبضہ کرنے کی چاٹ لگ گئی تھی لہٰذا تیاری کرکے ایک بحری بیڑہ مدراس سے لے آئے اور سن سترہ سو ستاون میں انہوں نے مانک چند پر حملہ آور ہونے کی ٹھان لی۔ مانک چند کو جب ان حالات کی خبر ہوئی تو وہ انگریزوں سے مل گیا اور ایک بھاری رقم رشوت کے طور پر لے کر اس نے شہر انگریزوں کے حوالے کردیا۔ یہ انگریزوں کی خوش قسمتی تھی کہ مانک چند کی وجہ سے کلکتہ پر ان کا قبضہ ہوگیا تھا وہ تو چاہتے تھے کہ کلکتہ میں انہیں پاؤں ٹکانے کے لئے موقع مل جائے اس کے بعد وہ اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرکے سراج الدولہ کے خلاف اپنی سازش کی تکمیل کرلیں جن میں اس کے عزیز اقارب، فوجی سردار سپہ سالار، امیر جاگیردار سبھی انگریزوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار اور بے قرار بیٹھے ہوئے تھے۔ آخر پلاسی کی جنگوں میں انگریزوں نے بنگال پر اپنی گرفت مضبوط کرلی۔ سراج الدولہ کا خاتمہ ہوگیا اسی دوران جو سب سے بڑا المیہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ الٰہ آباد عہد نامہ کے نام سے مغل شہنشاہ شاہ عالم اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے بنگال کو انگریزوں کے حوالے کردیا گیا اور اس کے عوض انگریزوں نے مغل شہنشاہ شاہ عالم کو چھبیس لاکھ روپے سالانہ ادا کرنا منظور کرلیے۔

۞......۞......۞......۞

بنگال کے اندر پاؤں جمانے کے بعد انگریزوں نے اب مزید پھیلنا شروع کیا۔ اسی دوران انگریزوں کی طرف سے وارن ہیسٹنگیز کو بنگال کا گورنر مقرر کیا گیا ان دنوں بنگال میں قحط پڑ گیا اس قحط کی وجہ سے کہتے ہیں بنگال میں لگ بھگ ایک کروڑ افراد بھوکوں مرگئے اس قحط کی وجہ سے بنگال میں انگریزوں کی مالی حالت بھی بگڑنے لگی تھی جس کی وجہ سے انگریز گورنر جنرل وارن ہیسٹنگیز نے اخراجات کی تخفیف کا کام شروع کردیا۔

سب سے پہلے اس نے نام نہاد نوابوں کے وظیفے آدھے کردیئے۔ اس سے بھی بڑھ کر انگریز جو چھبیس لاکھ کی رقم مغل شہنشاہ شاہ عالم کو ادا کرتے تھے وہ بھی انہوں نے بند کردی اور اس کے لئے بہانہ یہ کیا کہ یہ عہد نامہ الٰہ آباد کی شرط اقرار پائی تھی اور اس رقم کے معاوضے میں انگریزوں کو چونکہ بنگال حوالے کیا گیا تھا اور اب کیونکہ مغل شہنشاہ نے الٰہ آباد کی سکونت چھوڑ دی ہے دہلی چلا گیا ہے اور ساتھ ہی اس نے مرہٹوں کو کیونکہ اپنا رفیق بنالیا ہے لہٰذا یہ الٰہ آباد کی معاہدے کی خلاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ورزی ہے جس کی بناء پر رقم بند کی جاتی ہے۔

اب حالت یہ ہونے لگی کہ انگریز دن بدن امیر اور طاقت ور ہونا شروع ہوگئے۔ جبکہ مغل شہنشاہ برائے نام حکمران ہوتے ہوئے دن بدن اذیتوں اور دشواریوں کا شکار ہونے لگے تھے۔ اس موقع پر اگر مغل شہنشاہ عقل مندی، ہوش حواس سے کام لیتے تو معاملہ زیادہ نہ بگڑ تھا۔ ہندوستان کی دوسری قوتوں کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد وہ انگریزوں کو ہندوستان سے چلتا کر سکتے تھے اور مغلوں کی سلطنت کو اکبر اور اورنگ زیب عالمگیر جیسا وقار عطا کر سکتے تھے۔

اس دور میں ہندوستان کے اندر بے بس مغل شہنشاہ کے علاوہ دو بڑی طاقتیں تھیں جو انگریزوں سے ٹکرا سکتی تھیں اور وہ انگریزوں سے ٹکرائیں بھی۔ ان قوتوں میں سے ایک تو بریلی کے روہیلے تھے جو انتہا درجہ کے جنگجو تھے اور انگریزوں کو ناکوں چنے چبوا سکتے تھے دوسرے میسور کی حکومت تھی جس کا بانی حیدر علی اس کے بعد اس کا بیٹا ٹیپو سلطان تھا۔ لیکن ہندوستان کے اندر مغلوں روہیلوں اور حیدر علی کی قوت کے اندر باہمی اتفاق نہ ہو سکا اور نہ ہی انگریزوں نے اتفاق ہونے دیا جس کی بناء پر انگریزوں نے روہیلوں اور ٹیپو سلطان کا خاتمہ کرنے کے بعد مغلوں کی سلطنت پر آخری ضرب لگانے کا تہیہ کر لیا تھا۔

مسلمانوں کی ان تین قوتوں کے علاوہ ہندوستان میں بہت سے غیر مسلم حریف بھی تھے جو انگریزوں کو نکالنے میں یقیناً مسلمانوں کا ساتھ دیتے۔ ان میں مرہٹے اور جاٹ سرفہرست تھے اس کے علاوہ نیچی ذات کی قومیں بھی انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونے کے لئے تیار تھیں اور ان لوگوں نے کئی مقامات پر انگریزوں کو خاصی کٹھن لڑائیاں لڑنے پر مجبور کیا انگریزوں کو جگہ جگہ ٹھوکریں بھی کھانی پڑیں لیکن ہندوستانی قوتوں میں اتحاد اور تعاون نہ ہونے کی وجہ سے انگریز دن بدن کامیابیاں حاصل کرتے چلے گئے۔

اسی دوران ایک اور تبدیلی رونما ہوئی اور وہ یہ کہ انگریز کمپنی کا نیا گورنر جنرل ولزلے مقرر ہوا جو سن سترہ سو اٹھانوے میں ہندوستان پہنچا۔ ولزلے تجارت کے بجائے ملوکیت اور حکمرانی کا دلدادہ تھا یہ وہ زمانہ تھا جب فرانس کے انقلاب نے سارے یورپ میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ نپولین کی فتوحات اور کشور کشائی نے چاروں طرف ایک شور برپا کر کے رکھ دیا تھا لہٰذا برطانوی بلکہ ہر انگریز اپنی قوم کی سربلندی کے لئے فرانسیسیوں کی طرح حب الوطنی کا مظاہرہ کرتا اور اس کے لئے وہ تیار بھی تھے۔

جس وقت ولزلے ہندوستان آیا اس وقت اس کی عمر چالیس برس کی تھی اور یہ وہ عمر ہوتی ہے جب ہمت جوان، ارادے وسیع ہوتے ہیں ہندوستان آتے ہوئے وہ اپنے ایک بھائی کو بھی ساتھ لایا اور اس کا یہ بھائی کرنل آرتھر ولزلے تھا جو آگے چل کر نپولین سے واٹرلو کی جنگ میں لڑا اور ڈیوک آف ولنگٹن کے نام سے آج تک انگریز قوم کا جنگی سورما ہے۔

ولزلے نے اب بنگال سے نکل کر آہستہ آہستہ دوسرے علاقے ہتھیانے شروع کر دیئے تھے۔ سورت اور اکارٹ پہلے ہی انگریزوں کی مٹھی میں تھے انہیں ولزلے نے بے تکلف مسل ڈالا۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اس کے علاقے کے کچھ ضلعے حیدر آباد کے حصے میں آئے تھے وہ ولزلے نے بائیں ہاتھ سے ان سے لے لیئے۔

ہندوستان میں انگریزوں کا سب سے بڑا پرانا اور سعادت مند حلیف والی اودھ تھا۔ اس پر بھی بری گزری اسے انگریزوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے حسن انتظام کی داد ملنے کے بجائے بدنظمی کے الزام میں تقریباً اپنا آدھا ملک انگریزوں کے حوالے کرنا پڑا اس طرح سن اٹھارہ سو ایک تک ولزلے نے بنگال کے علاوہ اور بہت سے علاقوں پر بھی انگریزوں کا تسلط قائم کر لیا اس قسم کی کارروائیاں کرتے ہوئے ولزلے اکثر کہا کرتا۔

ہم یہ کام انہی رئیسوں اور ریاستوں کے فائدے کے لئے کر رہے ہیں اور یہ کارروائی مقامی

لوگوں کے فائدے کے لئے ہی ہے لیکن انگریز تجارت چھوڑ کر حکمرانی کی ہوس میں داخل ہو چکے تھے اور ہوس کی بیماری میں آدمی جتنا کھاتا ہے بھوک اسی قدر ستاتی ہے۔ ولزلے نے حیدر آباد کو اپنے حلقے میں داخل کرنے کے بعد اب پونا کے مرہٹوں پر جال پھینکنے شروع کر دیئے تھے اور اس میں بھی اسے خاصی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

ہندوستان میں ولزلے کی یہ سب سے بڑی سیاسی کامیابی اور ذہانت تھی کہ جن ریاستوں کے ساتھ بھی وہ معاہدہ کرتا انہیں پابند کیا جاتا کہ وہ انگریزوں سے مشورہ کیے بغیر کسی سے صلح اور جنگ نہ کریں گے۔ کسی دوسری یورپی قوم کے آدمی کو اپنے ہاں ملازم نہ رکھیں گے اور یہ کہ ایک انگریز لشکر اپنے خرچ سے اپنی ریاست میں مقرر کیا کریں گے۔

اگلے پچاس ساٹھ سال ہندوستان کے لئے عجیب وغریب تھے انگریزوں کی قوت برابر بڑھتی اور اقبال مندی اور اقتدار کی موج اونچی سے اونچی ہوتی رہی۔ جبکہ ہندوستان کی ریاستیں اور حکومتیں روز بروز کمزور ہوتی چلی گئیں اور اپنی سیاسی آزادی کھوتی چلی گئیں۔

انگریزوں کے اس بام عروج اور مشرقیوں کے مجموعی زوال میں بہت سے گہرے اثبات کا دخل بھی شروع ہو گیا تھا۔

مسیح سن کی دوسری ہزاروی میں یورپ میں چند نئی قوموں کی تکمیل ہوئی اسی ہزاروی کے وسط میں زیادہ تر اسلامی قوموں کی ریس اور اسلامی تہذیب کے تاثر سے علم فن کا شوق یورپ میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ملک وموسم کے نامساعد حالات اور تمدنی ضروریات کی کمی میں ان قوموں کے حق میں مہمیز کا کام کیا۔ سخت محنت ومشقت نے بلا آخر دنیا کی گھوڑ دوڑ میں زرخیز مشرق کے سہولت پسند باشندوں سے یورپ والوں کو آگے بڑھا دیا۔

قدرت نے عرق ریزی اور جانکاری کا یہ ثمر دیا کہ نئی نئی قوتوں کے بھید یورپ میں کھلنے لگے۔ چھپی ہوئی زمینوں کے راستے دکھائی دینے لگے یورپ ایک دم ترقی کی شہ نشین پر آ گیا۔

بھاپ کے زبردست مؤکل کو تابع بنا دیا گیا جس کی کارگزاری سے کان کنی اور مشین سازی کے ایسے بڑے بڑے کارخانے فرانس انگلستان جرمنی اور دلندیز یہ میں تیار ہوئے جس کا پہلے کسی نے تصور تک نہ کیا تھا۔

بھاپ کی قوت کو عمل میں لانے سے اس صدی میں مصنوعات کی رفتار اتنی تیز ہوگئی کہ اس عہد کو مشینی دور کہا جانے لگا۔ جبکہ مشرق کی بدقسمتی کہ وہ اس ترقی سے غافل تھے جبکہ یورپ میں بھاپ کو قابو کرنے سے جو ترقی ہوئی اس کے علاوہ علم کی تشنگی کو گویا خدا کی طرف سے بجھانے کی ایک سبیل یہ بھی نکلی کہ آہنی حروف کی ایجاد اور چھاپے کا فن وجود میں آ گیا اور اس نے یورپ میں اعلیٰ تعلیم کی عام اشاعت کو بہت زیادہ آسان کر دیا۔

علم وفن کی ان ترقیوں کا آلات وواردات جنگ پر لامحالہ اثر پڑا اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو انسان کی کوشش اس کی تلاش کا ایک قوی محرک ہی یہ جذبہ ہے کہ لڑائی کے زیادہ سے زیادہ کارگر اور طاقتور ہتھیار تیار کیے جائیں یورپ والوں نے معدنی کوئے اور لوہے تانبے وغیرہ دھاتوں کے وہ خزانے جو لاکھوں سال سے زمین کے بطن میں مدفون تھے کھود نکالے۔ اعلیٰ درجے کا فولاد اور اس سے بہترین توپ خانے اور گولے ڈھالنے شروع کر دیئے تھے۔

ایک اور بڑا سبب جس نے ہندوستان پر قبضہ انگریزوں کے لئے آسان کر دیا وہ یہ تھا کہ جہاز رانی اور دریانوردی میں انہوں نے کافی ترقی کی۔ بحر ظلمات سے لے کر بحرہ الکاہل تک قطب شمالی سے قطب جنوبی تک ان کے دریائی گھوڑے دوڑنے لگے۔ قسم قسم کے دوخانی جہازوں کی آمد ورفت نے خوفناک سمندر کو بری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہراہ کی طرح قدموں سے لگا دیا۔

یورپ کی اس صنعتی ترقی اور نئے نئے ہتھیاروں کی ایجاد نے دنیا کے اندر ایک انقلاب برپا کردیا۔ انگریزوں کی اسی روز افزوں ترقی کے باعث ہندوستان میں مزید انگریزوں کی آمد بہت بڑھ گئی اور آہستہ آہستہ ان کی سلطنت اور حکومت میں جو وسعت پیدا ہوئی تو مسلمان وہم کرنے لگے۔ شاید وہ یاجوج ماجوج قومیں ہیں جن کے خروج اور فتنہ انگیزی کی آسمانی کتابوں نے خبر دی ہے۔

انگریزوں کی بڑھتی ہوئی قوت اور جدید آلات حرب وضرب کے سامنے ہندوستان کی بکھری ہوئی قدامت پسند ریاستیں زیادہ دن ٹھہر نہ سکیں۔ ولزے پہلے ہی مختلف آزاد ریاستوں کے حکمرانوں کی ہڈیاں پسلیاں ہلا چکا تھا بنگال کی عظیم ریاست اودھ کی آدھی مملکت، میسور کی سلطنت اس کے مالوہ ارکاٹ سمیت کئی اور علاقے ایسٹ انڈیا کمپنی کا لقمہ بن چکے تھے اس کے علاوہ اودھ اور حیدر آباد کی کمزور حکومتیں بھی انگریزوں کی مٹھی سے باہر نہ تھیں اسی دوران ہندوستان میں ولزے کے بجائے وارن ہیسٹنگیز ہندوستان کا گورنر ہوا انہیں دنوں انگریزوں نے ہندوستان سے نکل کر نیپال کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا تہیہ کرلیا ان دنوں نیپال کی سرحدیں شمالی اودھ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ کالی ندی کے پار ترائی، گڑھوالی، کماول، موڑا اور موجودہ ڈیرہ دون وہاں کے راجہ کی ملکیت میں تھے حالانکہ یہاں گورکھوں کے بجائے دوسری پہاڑی قومیں آباد تھیں انگریزوں نے ان علاقوں کے خلاف لشکر کشی کی اور جو لشکر حملہ آور ہوا اس کی کمانداری انگریز گورنر ہیسٹنگیز خود کررہا تھا۔

جس سرزمین پر انگریز حملہ آور ہوئے وہ سر زمین مدت سے گورکھا سرداروں کے ہاتھ میں تھی جو اپنا شجرہ کبھی راجپوتوں سے کبھی جنوبی ہند کی نسلوں سے ملاتے تھے۔ بیشتر آبادی کی زبان منگولی، تبتی تھی، ان کی صورت سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ منگول اور تبتی ہیں قدیم باشندے زراعت پیشہ امن پسند تھے مگر گورکھے تعداد میں کم اور غیر منظم ہونے کے باوجود انگریزوں کے خلاف جم کر لڑے پہلا سخت معرکہ انگریزوں اور گورکھوں کے درمیان ہوا جس میں گھورکھوں نے انگریزوں کو بدترین شکست دی۔

انگریزوں نے دیکھا کہ لڑائی سے کام نہیں چلتا تو انہوں نے سازشوں کے جال پھیلا دیئے۔ غداروں کو تلاش کرکے ان کے ذریعے نیپال کے خلاف سازش کے جال پھیلانا شروع کردیئے۔ بہت سے زمینداروں، سرداروں کو اپنے ساتھ ملالیا اور کچھ علاقوں پر بھی قابض ہوگئے یہ صورت حال دیکھتے ہوئے نیپال کے حکمران بھی جھک گئے اور انگریزوں کی اس شرط کو مان لیا کہ ایک انگریز قائم مقام کھٹمنڈو میں رہے گا۔ اس طرح ہندوستان سے نکل کر انگریزوں نے نیپال میں بھی اپنے پر پھیلانے شروع کردیئے تھے۔

اب انگریز مختلف علاقوں پر قابض ہوتے ہوئے اور تاجر سے تاجور بن کر ہندوستان کے وسیع علاقوں میں اپنی سلطنت قائم کرتے ہوئے مغل شہنشاہ کو اپنے سامنے بالکل بے بس کرتے چلے جارہے تھے۔ جن دنوں ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل ڈلہوزی تھا ان دنوں بہادر شاہ ظفر ہی مغل شہنشاہ تھا لیکن بے بس تھا اور اس کی حکومت دہلی کے لال قلعے کی حدود تک تھی باہر اس کا کوئی حکم نہ چلتا تھا۔ ڈلہوزی سن اٹھارہ سو اڑتالیس سے سن اٹھارہ سو چھپن تک ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل رہا۔ اس نے سب سے زیادہ مغل شہنشاہ کو بے بس کیا۔ مغل شہنشاہ کو آس پاس کے جن علاقوں سے مدد مل سکتی تھی انہیں اس نے پہلے ہی اپنے سامنے بے بس کرکے انگریزوں کے حلقے میں داخل کرلیا تھا۔ ڈلہوزی خون بہانے کا بڑا شوقین تھا۔ اس نے ایک طرف برما کو چیر کر رکھ دیا دوسری طرف اس نے پنجاب میں خون کی ندیاں بہا کر زمین کے اتنے بڑے حصے کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے خانے میں ڈال دیا جو اس کے اپنے وطن برسکاٹ لینڈ سے رقبے اور آبادی اور زرخیزی میں کہیں

بڑا تھا۔ پھر کشور کشائی اور ملک نوشی کی۔ اشتہا ختم نہ ہوئی، ڈلہوزی انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا سب سے جواں سال اور بدمزاج گورنر شمار کیا جاتا ہے مگر انگریز تاریخ نویس اس کی قومی خدمات سے اتنے متاثر ہیں کہ حقیقت کو فراموش کردیتے ہیں۔

حقیقت میں جو کام جنگجو ولزے اور ہیسٹنگیز نے شروع کیا تھا وہ دفتری قسم کے آدمی ڈلہوزی نے مکمل کر دکھایا۔ ڈلہوزی کی جنگ اور امن کی عظیم فتوحات نے اسے برطانوی عہد ملوکیت کا نامی گرامی کشور کشا بنا دیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اسے اپنا سب سے بڑا گورنر جنرل کہتی تھی لیکن وہی اس کا سب سے آخری حاکم اور کمپنی بہادر کا خاتم ثابت ہوا۔ ڈلہوزی کے ہندوستان سے رخصت ہونے کے دوسرے ہی سال گنگا جمنا کی سرزمینوں میں مالوہ اور دہلی وغیرہ میں انگریزوں کے خلاف اور مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے حق میں وہ شواش برپا ہوئی جسے انگریز سن اٹھارہ سو ستاون کا غدر کہتے ہیں اور وطن پرستوں کی نئی اصطلاح میں استحصال سے آزادی کی پہلی جنگ لکھی جانے لگی۔ انگریزوں سے تنگ آکر ہندوستان کے لوگوں کی نظریں بہادر شاہ ظفر پر جمی ہوئی تھیں جو ایک طرح سے دہلی کے لال قلعہ میں انگریزوں کے پینشنر اور قیدی کی حیثیت سے زندگی کے دن گزار رہا تھا وہ پینشنر اور قیدی ہی کی حیثیت سے تخت نشین ہوا اور ابھی تک اس کی حالت ویسی کی ویسی ہی تھی قلعے میں اس کا حکم چلتا تھا باہر اس کے حکم کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

آخر انگریزوں کی سختیوں اور مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی بے بسی اور لاچارگی رنگ لانا شروع ہوئی۔ انگریزوں کے خلاف شورشوں کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا اور ان بحری تاجروں کو ہندوستان کی سرزمینوں میں ایسے انقلاب اور تلاطم کی غالباً امید تک نہ تھی۔ مقامی لشکری انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ان کے اس فعل کو انگریزوں نے میوٹنی اور بغاوت کا نام دیا اور انگریزوں کے خلاف اُٹھنے والی اس بغاوت اور انقلاب کی بہت سی وجوہات تھیں۔

فروری سن اٹھارہ سو چھپن میں جب ڈلہوزی نے حکومت کی باگ دوڑ اپنے جانشین کی کننگ کے حوالے کی تو شوش اور فسادات کا مواد اسی وقت تیار ہوچکا تھا لیکن یہ بات کہ پھوٹنے والے پھوڑے کی نباض حکام کو خبر تک نہ تھی جن دنوں دیسی لشکری انگریزوں کے خلاف اٹھے ان دنوں برطانیہ کی نظریں چین اور ایران کے علاقوں پر گڑی ہوئی تھیں اور وہ وہاں بھی قابض ہونا چاہتے تھے۔ جن دنوں گنگا اور جمنا کی سرزمینوں میں انگریزوں کے خلاف انقلاب اٹھا ان دنوں انگریز فوج کا ایک بہت بڑا حصہ پنجاب کی چھاؤنی میں پڑا ہوا تھا اور مؤرخین لکھتے ہیں گنگا جمنا کی سرزمین خصوصاً بہار اور بنگال کا علاقہ انگریز فوج سے قریب قریب خالی تھا۔ جس کی وجہ سے اسی علاقے میں سب سے پہلے انقلاب کا مواد پکا۔

دیسی لشکریوں کی بغاوت کرنے کی بہت سی وجوہات تھیں جن میں سب سے پہلی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ فوجیوں کی بددلی کا سب سے بڑا سبب مقامی فوجیوں سے انگریز فوجیوں کی عمومی نفرت اور بدگمانی تھی لیکن اس کے علاوہ بھی سن اٹھارہ سو ستاون میں رونما ہونے والے انقلاب کی وجوہات تھیں۔

انقلاب کا یہ مادہ اندر ہی اندر مدت سے پک رہا تھا۔ ہندوستانی سپاہی جس قدر زیادہ دور جنگ میں بھیجے جاتے اسی قدر تنخواہ میں اضافہ مانگتے تھے دیسی فوجی سمندر میں اس کے علاوہ سندھ کے دریائے سندھ کے پار لڑائیوں میں حصہ لیتے وقت عذر پیش کرتے تھے اس لئے کہ دیسی فوجیوں کو ان علاقوں میں اپنے بھائی ہندوؤں کے خلاف جنگ کرنا پڑتی تھی اس کے علاوہ جب کسی دیسی لشکری کو دور کی سرزمینوں میں جنگی کارروائیوں میں حصہ لینے کے لئے بھیجا جاتا تو جس طرح انگریزوں کو بھتہ دیا جاتا تھا دیسی لشکریوں کو اس سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اس بناء پر دیسی لشکری آہستہ آہستہ اپنے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا لاوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پکاتے رہے۔

دیسی لشکری جہاں انگریزوں کے خلاف اپنی نفرت کا اضافہ کرتے رہے وہاں ہندوستان کے لوگ بھی جب انگریزوں سے ناگواری اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے تھے۔ جب تک انگریز صرف تجارت تک محدود رہے لوگ انہیں برداشت کرتے رہے لیکن جب تجارت سے نکل کر انہوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور مغل شہنشاہ کو اپنے سامنے لال قلعے میں بے بس کردیا۔ تب عام لوگ بھی ان کے خلاف نفرت کا اظہار کرنے لگے تھے اس کے علاوہ انگریزوں کے گورنر جنرل ڈلہوزی کے زمانے میں جس تیزی اور مظالم سے کمپنی کے مقبوضاجات میں اضافہ ہوا اس نے اہل ہند کو سخت حیران اور سراسیمہ کردیا تھا اس کے ساتھ انگریزوں کے طرز عمل میں نمایاں فرق نظر آنے لگا تھا۔ اب ایسٹ انڈیا کمپنی فقط گورے سوداگروں کی جماعت نہ تھی بلکہ اعلانیہ شہنشاہیت کا دعویٰ کرنے لگی تھی۔ نام نہاد مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر دہلی کے قلعے میں ان کا مکمل طور پر محتاج اور وظیفہ خوار تھا جبکہ انگریزوں کی قوت اور سطوت علاؤ الدین خلجی، بلبن، اکبر اور اورنگ زیب عالمگیر سے بھی بڑھتی چڑھتی چلی گئی تھی۔ انگریزوں نے بڑی بڑی ریاستوں اور گدیوں کو نوک قلم سے پارہ پارہ کردیا۔ اودھ کے شہنشاہ واجد علی کو بھرے دربار میں معزولی کا حکم سنایا اور اسے بے روک ٹوک زرنگار لکھنؤ سے کھینچ کر مٹیا برج، کلکتہ میں پھینک دیا۔ دکن کے نظام الملک آصف جان کو ایک معمولی سوداگر بچے ڈلہوزی نے دھمکی دی کہ اگر صوبہ دار کی تقرری میں لیت ولعل کیا تو خاتمہ کردیا جائے گا۔ سکھوں کی فوج کی بڑی دھاک تھی چند ہفتوں میں خاک میں ملادی گئی۔ بڑے بڑے قد آور سردار فرنگی ریزیڈنٹ کے آستانے پر سرنگوں نظر آنے لگے۔ مرہٹوں کی قوت کو پامال کردیا گیا۔ ریاست کی رہی سہی آزادی کو حکایت ماضی کردیا گیا غرض جدھر قدم بلکہ نظر اٹھائی انگریزوں نے کامیابی پائی اور ان کی قوت کا یہ عالم ہوگیا کہ جو بھی ان سے ٹکرایا چکر کھا کر گر پڑا۔

ان لگاتار فتوحات اور کامیابیوں نے انگریزوں کا دماغ خراب کرکے رکھ دیا تھا اور ہندوستان میں ان کے گورنر جنرل کننگ نے یہاں تک بڑا قدم اٹھایا کہ اس نے کلکتہ میں اپنی حکومت مستحکم کرنے کے بعد مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو دہلی میں باضابطہ طور پر ایک پیغام بھیجا کہ جب تک آپ زندہ ہیں تب تک آپ کو خطاب شاہی استعمال کرنے اور دہلی کے لال قلعہ میں سکونت رکھنے اور اپنا دربار لگانے کی اجازت ہوگی۔ لیکن آپ کے بعد آپ کے جانشین اور ولی عہد نہ خطاب شاہی استعمال کرسکیں گے نہ لال قلعے میں رہائش رکھ سکیں گے نہ ہی دربار لگا سکیں گے۔ اس لئے کہ انگریزوں کے سامنے ان کی حالت صرف وظیفہ خواروں کی ہوگی پھر ان کا وظیفہ مقرر کردیں گے اور ساتھ ہی یہ لوگ بادشاہ نہیں کہلائیں گے اور یہ بھی بہادر شاہ ظفر کو بتادیا گیا کہ اس کے بعد شاہی قصر انگریزوں کا مسکن بنے گا۔

انگریزوں کے اس اقدام نے جہاں ہندوستان کے لوگوں میں ان کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کردیئے تھے۔ وہاں وہ چاہتے تھے کہ کوئی قوت اٹھے جو ان سے انتقام لے۔ اس کے بعد جب انگریزوں نے اودھ کے مسلمان حکمران کو معزول کردیا تو ہندوستان کے دور دور علاقوں تک سناٹا چھا گیا ہندوستان میں اعلیٰ طبقہ کے قدامت پرست اور عیش کوش افراد مدت سے پست حوصلہ مردہ دل تھے۔ وہ جدوجہد ایثار اور قربانی کی صلاحیت ہی نہ رکھتے تھے ان میں انقلاب حکومت کا ارمان بھی نہ تھا اور ایسا کرنے کی ان کی قابلیت بھی مفقود ہوچکی تھی۔

چنانچہ بہادر شاہ ظفر کے خلاف کارروائی کرنے اور اودھ کے حکمرانوں کی معزولی کے بعد اعلیٰ طبقے کے کسی نواب راجہ خان مرزا نے انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں حصہ نہیں لیا۔ باقی متوسط طبقے کے عوام اور سیاسی اوصاف رکھنے والے لوگ رہ گئے تھے اور شخصی

بادشاہی نے صدیوں سے انہیں ملکی معاملات سے بے دخل اور بے خبر کردیا تھا۔ لہٰذا ان میں بھی انگریزوں کے خلاف اٹھنے اور آزادی کے لئے ضرب لگانے کی اہلیت نہ رہی تھی۔

ان حالات میں جبکہ ملک میں مسلمانوں یا ہندوؤں کا کوئی نظام حکومت بھی قائم نہ تھا لوگ یہ توقع رکھتے تھے کہ نچلے طبقے سے حیدر علی جیسا کوئی شخص ابھرے جو انہیں آزادی کی کرن دکھائے لیکن اب ایسا دور گزر چکا تھا اور ہندوستان پر جو قوت اب انگریزوں کی صورت میں حکمران ہوئی تھی اس کی پشت پر برطانوی قوم کا ہاتھ تھا۔ اس صورت حال سے ہندوستان کے لوگ اتنا ضرور سمجھنے لگے تھے کہ ان چالاک انگریزوں سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہے مگر اپنی بے بسی کا یہ احساس بھی انہیں انگریزوں سے دلی نفرت سکھاتا رہا۔

مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو زیر کرنے کے بعد انگریزوں نے رئیسوں اور راجاؤں کو ہی ریاستوں اور زمینوں سے محروم نہیں کیا بلکہ جہاں انگریز کے قدم آئے وہاں کسانوں پر مال گزاری کی سختیاں بڑھ گئیں۔ دیسی مصنوعات کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا ہزاروں پیشہ ور بے روزگار اور مفلوک الحال ہوگئے غرض غیر قوم سے ایسی نفرت اس کی قوت کا خوف اور اقتصادی بدحالی کا عمومی نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے لوگ خصوصاً مسلمان باشندے انگریز حکمرانوں سے سخت بیزار ہوگئے۔ ان حالات میں قحط سالی، گرانی، وبا، بیماری غرض ہر قسم کی مصیبت کا الزام انگریزوں کے سر لگایا جانے لگا۔ ساتھ ہی انگریزوں سے نفرت کی بناء پر ان کے خلاف طرح طرح کی جھوٹی سچی افواہیں بھی چاروں طرف پھیلنے لگیں۔

اس کے بعد ہندوستان میں ایسی خبر اڑی جس نے مسلمان اور ہندو دونوں کو پریشان اور فکرمند کردیا۔ افواہ یہ اڑی کہ انگریز ہندوستان کا دین دھرم بگاڑنا اور انہیں عیسائی بنانا چاہتے ہیں یہ صرف افواہ بھی نہ تھی اور نہ بے بنیاد خبر تھی بلکہ اس عہد میں عیسائی پادری قریب قریب ہر بڑے شہر اور ضلعے میں پھیل چکے تھے جگہ جگہ گرجے تعمیر ہوچکے تھے پادری اپنے وعظ خانے مدرسے خانقاہیں تعمیر کرچکے تھے طرح طرح کی تدبیروں سے دین مسیحی کی تبلیغ کرتے ہوئے لوگوں کو عیسائیت کی طرف ترغیب دی جانے لگی تھی۔

گو انگریز حکمران اعلانیہ طور پر ہندو اور مسلمان کے دین دھرم میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتے تھے مگر عیسائیت کی اعلانیہ تبلیغ کرنے والے پادریوں کی انہوں نے تنخواہیں مقرر کررکھی تھیں اور تبلیغی اداروں کی بھرپور اعانت کی جاتی تھی۔

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ انیسویں صدی عیسوی کے اکثر تعلیم یافتہ فرنگی دین سے سخت بیزار تھے۔ مسیحیت کے بنیادی مطالبات کو عقل و تحقیقی عدالت میں غلط ثابت کرتے تھے ان کا پادریوں کی سرپرستی کرنا سیاسی مصلحت اور قومی عصبیت پر مبنی تھا مگر ان میں ایسے روشن خیال بھی پائے جاتے تھے جو چاہتے تھے کہ پادری عیسائی مذہب کی صداقت ثابت کرسکیں یا نہ کرسکیں اہل ہند کے اوہام کا ضرور ابطال کریں اور انہیں اپنے دین دھرم سے بیگانہ یا مشکوک بنادیں۔

یہی وہ زمانہ جس میں پادریوں نے چند نیم ملاؤں کا دامن ہوس پورا بھردیا اور انہیں دین سے گمراہ کرنے کے بعد اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرنے کے لئے ابھارا۔ اس طرح کے کئی زرخرید شخص اسلام کے خلاف طرح طرح کے اتہام چھاپتے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں انگریزوں کے ملازموں کا کردار ادا کررہے تھے۔

ایسے ملک میں جہاں عام لوگ ہر نئی چیز کو خوف سے اور بدگمانی سے دیکھتے تھے انگریزوں کو اخلاق اور روحانیت سے بالکل عاری ناپاک و نجس اور حرام خور سمجھتے تھے انگریزوں کے خلاف نفرت کا یہ عالم شروع ہوا کہ جہاں کسی دیسی کو کوٹ پتلون پہنتے دیکھ لیتے اس پر کفر کا فتویٰ اور بے دین کے تازیانے لگائے جانے لگے انگریز اپنی طاقت اور قوت کے بل پر جو کامیابیاں حاصل کرچکے تھے ان کی بناء پر انہیں اب ہندوستان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ نہ رہی تھی اور وہ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ ہندوستان کے لوگوں کو اب وہ پوری طرح اپنے پنجوں میں لے چکے ہیں انہیں دبا چکے ہیں لہٰذا وہ اُٹھ نہ پائیں گے لیکن سن اٹھارہ سو ستاون میں نفرت کا مادہ اس قدر پک کر اپنے عروج کو پہنچا کہ ایک دھماکے کی صورت میں پھٹا اور اس کی گونج دور دور تک سنائی دی۔

انگریزوں کی زیادتیوں، دیسی لوگوں کو حقیر سمجھنے، دیسی فوجیوں سے ناروا سلوک کرنے، مغل شہنشاہ کو اپنے سامنے بے بس کرنے اور اس کے علاوہ مختلف ریاستوں کے راجاؤں اور حکمرانوں کو بے بس کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کرنے کے باعث انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے نفرت کی سرنگ کا پہلا بڑا دھماکہ میرٹھ چھاؤنی میں ہوا۔

جنوری سن اٹھارہ سو ستاون میں ایک نئی قسم کی بندوق فوج میں رائج کی گئی تھی۔ اس کے کارتوس کو چربی سے چکنا کیا جاتا تھا پھر دانت سے کارتوس کا ایک سرا کترتے تھے۔

انگریزوں کو کسی گندی اور گھناؤنی چیز کی کوئی حس نہ تھی مگر ہندوستانی سپاہیوں میں یہ نیا کارتوس بدگمانی کا دھماکہ بن گیا شمالی ہند میں آناً فاناً یہ مشہور ہوا کہ اس کارتوس کو چکنا کرنے میں گائے اور سور کی چربی لگائی جاتی ہے اور ایسا انگریز اس لئے کر رہے ہیں کہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے دین دھرم کو چوپٹ کر کے رکھ دیں اس لئے کہ مسلمان سور کو حرام خیال کرتے ہیں اور ہندو گائے کی تقدیس کے قائل ہیں۔

ایچی سن نام کے انگریز نے اس بات کو تسلیم کیا اور اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ واقعی انگلستان سے بھیجے کی چربی لگے کارتوس آتے تھے ان حالات میں ہندوستان کے حاکموں نے اس رویے کو روکنے اور دوسری چکنائی سے کام لینے کی ہدایات بھی جاری کیں لیکن بروقت ایسا نہ کیا جاسکا۔

مارچ کے مہینے میں ایک برہمن سپاہی نے ایک انگریز افسر کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اس کی زبان درازی کے جواب میں سنگین کی نوک سے کام لیا گیا جس وقت گورے اس برہمن سپاہی پر سنگینیں تانے اس کا خاتمہ کرنے کے لئے آگے بڑھے تھے اس موقع پر بہت سے دیسی لشکری بھی کھڑے تھے لیکن گوروں کے خوف اور ڈر کی وجہ سے کوئی بھی سپاہی اس برہمن کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ صرف ایک مسلمان سپاہی اس ہندو برہمن سپاہی کو بچانے کے لئے دوڑا وہ چاہتا تھا کہ گوروں کو دھکا دے کر گرا دے اور اس برہمن سپاہی کو بچائے مگر وہ ایسا نہ کر سکا گوروں نے اس برہمن سپاہی کا خاتمہ کر دیا لیکن جس گورے نے اس برہمن سپاہی کو مارا بعد میں اس انگریز کو گولی سے اڑا دیا گیا تھا۔

اس صورت حال کی خبر جب میرٹھ میں ہندوستانی سپاہیوں کو ہوئی تو میرٹھ کی چھاؤنی میں اس وقت جس قدر مقامی مسلمان اور ہندو سپاہی تھے ان میں سے اکثر نے انگریزوں کی حکم عدولی کی جسارت کی اور انگریزوں نے ان کی اس حکم عدولی کی سزا کے طور پر جنگی عدالت میں ان میں سے ہر شخص کو دس برس کی قید بامشقت کی سزا سنا دی۔

جن دیسی سپاہیوں کو انگریزوں نے سزا دی یہ سارے رسالے کے پچاسی سپاہی تھے سزا دینے کے ساتھ ساتھ ان کی توہین بھی کی گئی فوج کے سامنے ان کی وردی اتاری اور ہتھکڑیاں لگا کر انہیں مئی سن اٹھارہ سو ستاون کو جیل بھیج دیا گیا۔

اس واقع نے خشک بارود پر چنگاری ٹپکا دی دوسرے دن اتوار تھا انگریز اتوار کی چھٹی کی وجہ سے آرام کر رہے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان اور ہندو لشکری حرکت میں آئے انہوں نے جیل کا دروازہ توڑ کر اپنے ساتھیوں کو رہا کیا اور اس وقت جیل کے اندر اور آس پاس جو انتظامیہ کے انگریز تھے جو بھی ان کے سامنے آیا اسے قتل کر ڈالا انگریزوں کے بنگلوں اور ان کی رہائش گاہوں کو آگ لگا دی۔ اعلانیہ اور صاف طور پر انگریز حکومت کے خلاف ایک طرح سے اعلانِ

جنگ کر دیا۔

میرٹھ میں اس وقت فوج کا ایک خاصا بڑا جیش موجود تھا مگر اس نے دم نہ مارا اور شورش کا انسداد کرنے کی ہمت نہ کی اس وقت جنرل ہیوڈ بھی وہاں موجود تھا اور دیکھنے والوں نے اس کارروائی کو انگریز سالار جنرل ہیوڈ کی بزدلی قرار دیا یوں باغی سپاہیوں نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت کھڑا کرنے کے بعد میرٹھ کو چھوڑا اور میرٹھ سے نکل کر انہوں نے دہلی کی راہ لی۔

دہلی میں جب لوگوں کو خبر ہوئی کہ میرٹھ میں ہندو مسلمان لشکریوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے تو وہاں بھی حالات خراب ہو گئے وہاں تو لوگ پہلے ہی مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی بے بسی اور اس کی لاچارگی پر کڑھتے تھے جب میرٹھ کے سپاہیوں کی بغاوت کی خبر دہلی میں پہنچی اور یہ بھی خبریں ملیں کہ باغی سپاہی بڑی تیزی سے دہلی کا رُخ کیے ہوئے ہیں لہٰذا دہلی میں جہاں ان کی آمد کی خبریں سن کر ہلچل ہو گیا وہاں مقامی لوگوں مسلمان اور ہندو سپاہیوں نے انگریزوں کو چن چن کر مارنا شروع کر دیا۔

اس وقت دہلی شہر میں گولہ بارود کا بڑا ذخیرہ بھی موجود تھا اور گولہ بارود کی اس عمارت کی حفاظت پر ہر وقت آٹھ نو پہرہ دار کھڑے رہتے تھے بپھرے ہوئے ہندو اور مسلمان ذخیرے کی طرف گئے اور اسے آگ لگا دی دھماکے میں بہت سے بلوائیوں کے ساتھ چند انگریز بھک سے اُڑ گئے کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ گولے بارود کے ذخیرے پر جو انگریز پہرے دار تھے جب انہوں نے دیکھا کہ شہر کے اندر انگریزوں کے خلاف تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی ہے اور انہوں نے دیکھا کہ کچھ بپھرے ہوئے ہندو اور مسلمان ان پر حملہ آور ہونے کے لئے آرہے ہیں تو پہرے داروں نے انہیں ہٹانے ڈرانے اور بھگانے کے لئے بارود خانے کے ایک حصے کو آگ لگا دی بس وہ آگ لگنا تھا کہ وہ آگ بارود خانے کے بڑے حصے کی طرف چلی گئی اور اسے بھک سے اڑا دیا جس کے نتیجے میں کافی لوگ مارے گئے انگریزوں نے اپنی تاریخوں میں گولہ بارود کی حفاظت کرنے اور مرنے والے ان انگریزوں کو سرفروش بتایا ہے اور دہلی کے کشمیری دروازے کے ایک کتبے پر ان کے نام اور کارنامے تک کندہ کرا کے نصب کرا دیئے گئے۔

میرٹھ میں جب بغاوت کی لہر اُٹھی تو اس بغاوت کا سنتے ہی رفتہ رفتہ آس پاس کی دوسری چھاؤنیوں میں بھی انگریزوں کے خلاف بغاوت کے شعلے اُٹھ کھڑے ہوئے انگریزوں نے جب دیکھا کہ میرٹھ کے علاوہ آس پاس کی چھاؤنیوں میں بھی ان کے خلاف بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی ہے تو سب سے پہلے انہوں نے پنجاب میں کارروائی کی۔ پنجاب میں اس وقت جس قدر دیسی سپاہی انگریز فوج میں شامل تھے انگریزوں نے بڑی چالاکی سے ان کے ہتھیار لے لیئے اور انہیں نہتا کر لیا۔ ساتھ ہی انگریزوں نے اپنی معمول کی سازشوں اور ہتھکنڈوں سے کام لیا سکھوں اور ڈوگروں کو تھپکی دے کر اپنا حلیف بنا لیا اب ایک طرح سے انگریزوں نے سکھوں اور ڈوگروں کو پنجاب کے علاوہ دوسرے علاقوں میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے والے لوگوں کے خلاف ان دو قوموں کو کھڑا کر دیا تھا۔

دوسری طرف میرٹھ سے بغاوت کر کے دہلی کا رُخ کرنے والے دیسی سپاہی جب دہلی پہنچے تو سب سے پہلے وہ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہادر شاہ ظفر تو پہلے ہی انگریزوں سے اکتایا بیٹھا تھا اس لئے کہ انگریزوں نے نا صرف اس کی آزادی بلکہ اس کے اختیارات اور اس کے حقوق کو پہلے ہی سلب کر رکھا تھا۔ بہادر شاہ ظفر گو اس وقت عمر کے لحاظ سے اسی سال سے تجاوز کر چکا تھا لیکن اس نے میرٹھ کے ان لشکریوں کا دہلی میں خیر مقدم کیا انہیں اپنا لشکری بنایا اور ان کی ہمت افزائی کی جس کے نتیجے میں میرٹھ سے آنے والے ان دیسی سپاہیوں نے بہادر شاہ ظفر کی آزاد بادشاہی کا اعلان کرا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہادر شاہ ظفر کے ایک پرجوش بیٹے مرزا مغل کو انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے والے سپاہیوں کا امیر لشکر مقرر کردیا گیا لیکن اس وقت شہر میں عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ انگریزوں کے خلاف بغاوت کی وجہ سے شہر کے اندر انتظام کرنا کوئی آسان نہ تھا بہت سے تلنگے بدمعاش لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔ دکانوں تک کو لوٹنا شروع کردیا جس کی وجہ سے سامان خورد ونوش کی کمی ہوگئی۔

اس موقع پر ایک انگریز نے اپنی کتاب میں یہ لطیفہ بھی لکھا کہ شہر میں افیون مہنگی ہوگئی۔ افیون کی گرانی کی وجہ سے افیمیوں کو بہت گراں گزرا اور وہ لڑنے مرنے پر تیار ہوگئے واضح رہے ان دنوں بھنگ اور افیون شمالی ہند میں بہت مقبول نشے تھے کبیرہ گناہ کی چیز فقط شراب خوری کو سمجھا جاتا تھا۔

اس طرح ڈیڑھ دو مہینے کی سخت بدنظمی اور افراتفری کے بعد آخر کار دہلی میں امن بحال ہونا شروع ہوا۔ اس لئے کہ بریلی کی چھاؤنی میں بھی دیسی سپاہیوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کھڑی کردی اور وہاں سے بھی ایک بہت بڑا دیسی سپاہیوں کا گروہ مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی حمایت میں دہلی سے نکلا۔ ان لوگوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ ہر صورت میں ہندوستان کے اندر مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی حکومت کو بحال کریں گے۔

بریلی سے آنے والے دیسی سپاہیوں کی تعداد چودہ ہزار بتائی گئی ہے اس میں صرف انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے والے سپاہی ہی نہ تھے بلکہ بہت سے مجاہدین تازہ بھرتی کیے گئے تھے۔ ان چودہ ہزار سپاہیوں کا سالار بخت خان روہیلہ تھا جو ایک دین دار سنجیدہ قسم کا آدمی تھا۔ بخت خان پہلے انگریز فوج میں رسالداری کرچکا تھا نئی تنظیم اور قواعد جنگ سے خوب آشنا تھا کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیر کے حکم سے انگریزوں کی نوکری چھوڑ کر گوشہ نشین ہوگیا تھا لیکن جب دیسی سپاہیوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کرکے انہیں ہندوستان سے نکالنا چاہا تو بخت خان اُٹھ کھڑا ہوا اور ان سپاہیوں کی اس نے سالاری قبول کرلی تھی۔

بخت خان سن سترہ سو ستانوے میں اودھ کے ایک قصبے سلطان پور میں پیدا ہوا تھا۔ اصل نام محمد بخش تھا باپ کا نام عبداللہ تھا ہندوستان کی جنگ آزادی یعنی سن اٹھارہ سو ستاون میں آزاد فوجوں کا سپہ سالار اعلیٰ مقرر ہوا بخت خان کا خطاب اسے بہادر شاہ ظفر نے عنایت کیا۔ بخت خان سن اٹھارہ سو سترہ میں آٹھویں پیدل توپ خانہ میں بطور صوبے دار شامل ہوا تھا انگریز فوج میں کام کرتے ہوئے اس نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور سن اٹھارہ سو اڑتیس سے سن اٹھارہ سو بیالیس تک جنگ افغانستان کے دوران نہایت شاندار کارنامے انجام دیئے اور اس شاندار خامات کے صلے میں اسے بہت سے تمغوں اور اعزازات سے نوازا گیا آخر بخت خان نے سن اٹھارہ سو ستاون میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے والے سپاہیوں کی کمانداری سنبھالی۔ سب سے پہلے اس نے بریلی کو برطانوی تسلط سے آزاد کراکے وہاں کے خان بہادر خان کو وہاں کا ناظم بنایا اور اس کے اس کارنامے کے صلے میں اسے بریگیڈیئر کا عہدہ دیا گیا۔

بریلی کے چودہ ہزار سپاہیوں کی کمانداری کرتے ہوئے بخت خان جب دہلی پہنچا تو بہادر شاہ ظفر نے نا صرف شاندار طریقے سے اس کا استقبال کیا بلکہ جس قدر انگریزوں کے ساتھ بغاوت کرنے والے سپاہی بہادر شاہ ظفر کے پاس پہنچے تھے بہادر شاہ ظفر نے ان سب کا بخت خان کو کمانڈر ان چیف بنا کر اسے اپنے بیٹے یعنی فرزند کے خطاب سے بھی نوازا۔

مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر نے جب بخت خان کو کمانڈر انچیف بنایا اور اسے اپنا بیٹا بھی بنالیا تب مقامی لوگ اور انگریزوں کے خلاف بغاوت کھڑی کرنے والے لوگ بڑے خوش ہوئے۔ بخت خان نے بھی اسے اپنے لئے ایک بہت بڑا اعزاز جانا اس وقت دہلی میں کیونکہ افراتفری اور بدنظمی تھی لہٰذا بخت خان نے آتے ہی شہر کے سرکردہ لوگوں کی ایک مجلس بٹھائی اور

بدنظمی کو چند ہی دن کے اندر ہی اندر اس نے ختم کرا کے شہر میں امن وامان بحال کردیا۔ خود انگریزوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ بخت خان نے دہلی کے امن اور انتظام کی طرف توجہ کی اور وہاں بدنظمی کو ختم کرکے اس نے شہر میں امن بحال کردیا تھا۔ اس موقع پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے اندر اتحاد اور تعاون برقرار رکھنے کے لئے عید الضحیٰ کے موقع پر بہادر شاہ ظفر کی طرف سے فرمان جاری کیا کہ ہندو ہم وطنوں کی خاطر مسلمان عید الضحیٰ کے موقع پر گائے بیل کی عام قربانی نہ کریں۔

ان حالات میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں اس قدر اتفاق پیار اور تعاون تھا کہ کسی نے گائے بیل کی قربانی نہ کی اور مسلمانوں کے اس جذبے سے ہندوؤں نے بھی بے پناہ خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔

انگریز بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بہادر شاہ ظفر نے بخت خان کی عسکری قوت کا خوب اندازہ لگایا اور اس کی لیاقت کو دیکھتے ہوئے بہادر شاہ نے اسے سارے عسکری اختیارات دے دیئے۔ ساتھ ہی بہادر شاہ ظفر نے ایک طرح سے اسے اپنا نائب السلطنت بنالیا تھا اب بخت خان ہی دہلی کے دائرے میں ہر شخص کی توجہ کا محور اور مرکز تھا بخت خان نے ہی ذاتی لیاقت اور کارروائی سے قدم اٹھایا۔ دلیری اور حوصلہ مندی کے ساتھ دہلی کے حالات کو بہت جلد اپنی گرفت میں کرلیا۔

دوسری طرف انبالہ چھاؤنی میں جو انگریزوں کی فوج تھی اور ان میں جو ہندوستانی سپاہی تھے ان میں سے کسی نے بھی انگریزوں کے خلاف بغاوت کھڑی نہ کی اور ان کی اطاعت گزاری میں بال برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔ لہٰذا انگریز جون کے مہینے میں انبالہ کی چھاؤنی سے ایک لشکر لے کر دہلی پر چڑھ دوڑے اور بہادر شاہ ظفر اور اس کے لشکر کے خلاف سازش کی سرنگیں تیار کرنے لگے لیکن آزاری کے متوالوں نے ان انگریزوں کی سازشوں کو ناکام بنادیا جس کی بنا پر وقتی طور پر انگریز خاموش ہوگئے۔

دوسری طرف دہلی کے اندر بھی بھانت بھانت کے لوگ جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ میرٹھ میں بغاوت کرنے والے سپاہیوں میں بھی کوئی زیادہ نظم اور پیوستگی نہ تھی میرٹھ سے دہلی آتے آتے ان میں سے کئی کٹ کر اپنے گھروں کی طرف چلے گئے تھے اس کے علاوہ بخت خان کے لشکر میں کچھ دکن کے تلنگے بھی میں شامل ہوگئے تھے جو اس بناء پر لشکر میں جمے رہے کہ وہ وطن سے دور تھے لہٰذا وہیں رہ کر وہ اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کا تہیہ کرچکے تھے۔ ایک بار ناکامی اٹھانے کے بعد انگریزوں نے اپنی قومی سازش سے کام لیتے ہوئے بہت سے دیسی سپاہیوں کو اپنے خول میں اتار لیا اور ان سے جاسوسی کا کام لینے لگے۔ اس طرح صدہا اشخاص مفت میں انگریزوں کے لئے جاسوسی کی خدمت انجام دینے لگے۔ ان لوگوں میں زیادہ تر وہ تھے جو ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت قائم کرانے کے لئے بے قرار تھے۔

جو قوم اپنی آزادی تباہ کرنے پر تل جائے ظاہر ہے اس کا حشر کیا ہوگا گو دہلی میں بخت خان کے آجانے سے انگریزوں کے خلاف کافی قوت فراہم ہوئی تھی بخت خان نے اپنی ہمت اور جواں مردی سے انگریزوں کو شکست بھی دی اور انہیں پسپا بھی کیا اب انگریز مختلف چھاؤنیوں سے مزید سپاہی اور پلٹنیں بنانے لگے تھے۔ تاکہ حملہ آور ہو کر حالات کو اپنے حق میں کرسکیں۔

حالات کی ستم ظریفی جس وقت بہادر شاہ ظفر اور بخت خان مل کر انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے پوری طرح اپنی تیاریوں میں مصروف تھے آس پاس کے شہروں اور صوبوں سے انہیں کوئی مدد نہ مل سکی اس لئے کہ وہاں انگریزوں نے پہلے ہی ایسے پنجے گاڑے ہوئے تھے جس کی بناء پر بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں کے خلاف کہیں سے خاطر خواہ مدد نہ مل سکی۔ اس موقع پر بہادر شاہ ظفر کو سرحد پنجاب اور سندھ کے علاوہ ہندوستان کے کئی دوسرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہروں سے بھی اکا دکا مدد مل جاتی تو یقیناً انگریزوں کے خلاف بغاوت کا یہ سلسلہ اپنے عروج پر پہنچ جاتا اور انگریزوں کو اپنی کمر کس کر ہندوستان سے رخصت ہونا پڑتا لیکن ان سارے علاقوں میں بھی حالات آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کے حق میں نہ تھے اس لئے کہ وہاں انگریزوں نے پہلے ہی حالات اپنے حق میں کر لیے تھے۔

جہاں تک سندھ کی سرزمین کا تعلق ہے تو وہاں انگریزوں کے زمانے میں تالپوروں کی حکومت تھی جو بظاہر تین شاخوں میں بٹی ہوئی تھی لیکن اس تقسیم کے باوجود انگریزوں سے بدگمانی میں یہ تینوں گروہ آپس میں متفق اور ہم خیال تھے انگریزوں کے خلاف ان تینوں گروہوں کی تجویز یقیناً ان کی سیاسی فراست کا ثبوت ہے مگر ان کی جنگی طاقت کا خانہ خالی تھا انگریزوں نے فریب کی چال چلتے ہوئے تالپوروں سے نامہ و پیام شروع کیا۔ کوشش اور کاوش سے سندھ میں تجارت کے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تاہم اس تجارتی معاہدے کے تحت یہ بات صراحت کے ساتھ شرط کے طور پر لکھوادی گئی کہ فریقین ایک دوسرے کے علاقے پر لالچ کی نظر نہ ڈالیں گے لیکن انگریز سے کسی معاہدے کی پابندی کی امید نہ کی جاسکتی تھی جلد ہی ایک انگریز سالار اوک لینڈ نے افغانستان پر پہلی بار لشکر کشی کی اور اس نے سب سے پہلا شکار اسی معاہدے کو بنایا جو سندھ کے تالپوروں اور انگریزوں کے درمیان ہوا تھا۔

وہ اس طرح کہ بمبئی کا انگریز لشکر سندھ سے جبراً گزارا گیا بلکہ شکار پور کے علاوہ انگریزوں نے کئی شہروں پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ تالپوروں نے جب اس معاہدے کی خلاف ورزی پر چیخ پکار کی تو انگریزوں نے بڑی سادگی سے یہ جواب دے دیا۔

پہلا معاہدہ جو انگریزوں اور تالپوروں کے ساتھ ہوا تھا اسے منسوخ کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک نئے معاہدے کا مسودہ بھیج دیا گیا جو ان آزاد ریاستوں کو صریحاً انگریزوں کا باجگزار بناتا تھا۔ اس معاہدے کے تحت سندھ میں انگریز افسروں کے ماتحت امدادی فوج رکھنے اور تین لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنے کی شرط عائد کر کے ایک طرح سے آزادی کی کامل بربادی کا اعلان کر دیا گیا۔

تالپور اس نئے بدنما معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہیں تھے لیکن انگریزوں نے توپوں کے زور سے تالپوروں سے معاہدے پر دستخط لے لیے۔

اوک لینڈ کے بعد جب ایلن برا گورنر جنرل بنا تو وہ عجیب سی آشتی کا قاصد بن کر آیا۔ سندھ کے حق میں وہ موت کا ہرکارہ ثابت ہوا اسی گورنر جنرل نے ایک تمغۂ امن صلح ضرب کرایا تھا جو ریاکاری کا داغ بن کر آج تک اس کی سیرت کی پیشانی پر چمکتا ہے۔ کہتے ہیں اسے خبط ہوگیا تھا کہ دریائے سندھ کو جہاز رانی کی آبی راہ بنایا جانا چاہیئے۔

اس دوران جب انگریزوں کو افغانستان میں بدترین شکستوں کا سامنا کرنا پڑا تو اس کا غصہ انگریزوں نے سندھ پر نکالا گورنر جنرل ایلن برا نے اپنے دوست نیپیر کو اپنا نائب اور جنگی امور کا مختار کار بنا کر سندھ بھیجا تاکہ وہ سندھ کے امیروں کی رہی سہی آزادی کو توپوں کی پھونک مار کر اڑا دے۔

نیپیر برطانیہ کا شعلہ خو امیر زادہ اور مشہور سپاہی تھا۔ تلوار چلاتے چلاتے اخلاق اور انسانیت کی دھار تک کند دیتا تھا سندھ آتے ہی یہاں کے امیروں وزیروں کو اتنا دق اور تنگ کیا کہ وہ لڑنے پر آمادہ ہوگئے اور نیپیر چاہتا بھی یہی تھا۔

جب سندھ کے امیر آمادہ جنگ ہوئے تو نیپیر کی مراد بر آئی۔ اس لئے کہ وہ چاہتا تھا کہ سندھ میں اس کے خلاف کوئی اٹھے اور وہ اپنی کارروائی مکمل کرے انگریزوں کے پاس جدید اسلحہ تھا جبکہ سندھ کے مجاہدوں اور جانبازوں کے پاس بندوقیں تک ڈھنگ کی نہ تھیں۔ لہٰذا جدید اسلحے کے سامنے سندھ کی طاقت اور قوت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے۔

سندھ کے امیروں نے گو انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی پھر بھی خیر پور کے رئیس کے سوا انگریزوں نے اپنی قومی مکاری سے کام لیتے ہوئے سب امیروں کو ملک سے نکال باہر کیا۔ خیر پور کے امیروں کو اس لئے انگریزوں نے معاف کر دیا کہ وہ اپنے بھائی بندوں سے کٹ کر انگریزوں کی معاونت پر قائم رہے لہٰذا اس طرح خیر پور کی ریاست بچ تو گئی لیکن علاقے چھانٹ دیئے گئے باقی سارا سندھ انگریزوں کے انبار خانے میں داخل کر دیا گیا۔ اس طرح نیپیر کو اس علاقے کا پہلا حاکم بنایا گیا۔

لیکن بدخو نیپیر اپنی بدزبانی کی وجہ سے بمبئی اور ہندوستان کے دوسرے انگریز عمال سے لڑ جھگڑ کر مستعفی ہوگیا پھر بھی لوٹے جانے والے سندھ سے لگ بھگ ستر ہزار اشرفیاں اپنی جیب میں ڈال کر چلتا بنا۔ اس کی اس حرکت کے باوجود کراچی کی ایک بڑی سڑک، بازار اور بعض سرکاری عمارتیں آج بھی سندھ کے اس بے درد شکاری کے نام سے موسوم ہیں۔

انگریزوں نے جب سندھ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تو سندھ کے جیالے وطن پرست اور جنگجو مجاہدین اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی میں بہادر شاہ ظفر کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے تو شمالی ہند کے دوسرے سرے پر بدنظمی کی ایک یادگار پنجاب کی سکھ شاہی تھی۔ سکھوں نے پنجاب میں پوری طرح بے ربطی اور پریشانی کا عالم کھڑا کر رکھا تھا رنجیت سنگھ جب سن اٹھارہ سو انتالیس میں مرگیا تو اس کا جانشین اس کا بیٹا کھڑک سنگھ ہوا جو مخبوط الحواس تھا وہ اور اس کا فرزند نونہال سنگھ ایک ہی سال میں ہلاک ہوئے لہٰذا سنگھ کا تیسرا نابالغ بیٹا دلیپ سنگھ گدی کا وارث ہوا اور اس کی ماں رانی جنداں راجہ کی اتالیق بنی۔

رانی جنداں ایک بازاری عورت تھی اور انگریزوں کی روایت ہے کہ اسے اور اس کے مشیروں کو اپنے اقتدار کی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ سر پھرے سکھ سرداروں کو انگریزوں سے ٹکرا دیا جائے۔ لہٰذا رانی جنداں نے یہ مشہور کر دیا کہ انگریز پنجاب پر حملہ کرنے والے ہیں۔

دوسری طرف بار بار یہ افواہ بھی پھیلائی گئی کہ سکھ سپاہی دلی پر ناگہانی حملہ کر کے دہلی کو لوٹ لینے پر تل گئے ہیں۔

یہ افواہیں جب سکھوں نے سنی تو انہوں نے انگریزوں پر حملہ آور ہونے کی ٹھان لی لیکن انگریز حرکت میں آئے اور ضلع فیروز پور کے ایک مقام پر سکھوں کو شکست دی۔ شکست کے وقت جب سکھ بھاگے تو انہوں نے دریا کا پل پار کرتے ہوئے مغربی علاقوں کی طرف بھاگنا چاہا انگریزوں نے پیچھا کیا انگریزی مکاری اور سازش اس موقع پر بھی کام آئی انگریزوں نے توپوں کے گولے داغتے ہوئے دریا کے پل کو عین اس وقت اڑا دیا جب سکھ توپ خانہ پیادے اور سوار افراتفری کے عالم میں پل عبور کر رہے تھے اور پل کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ توپوں کے گولے لگنے سے پل گر پڑا۔ ہزاروں مارے گئے اور ہزاروں دریائے ستلج میں ڈوب کر دنیا کے پار لگے۔

اس شکست نے انگریزوں کے لئے لاہور کا راستہ چوپٹ کھول دیا پھر انگریزوں کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی بلکہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس شکست کے بعد بہت سے خود غرض اور سازشی عناصر خود انگریزوں کو لاہور پر قبضہ دلانے کے لئے بے چین تھے۔ پنجاب میں بھی انگریز اپنی چال بازی پر اتر آئے۔ لاہور پر انگریز قابض ہوگئے جالندھر اور ستلج بیاس کا دوآبہ بھی انگریزوں کے مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔ سکھوں پر پندرہ لاکھ اشرفی تاوان جنگ لگایا گیا اور راجہ دلیپ سنگھ کی اتالیقی کے لئے انگریز قائم مقام نہری لارنس کو مقرر کیا گیا اس کے بعد انگریز مزید پھیلے اور راجہ دلیپ سنگھ کی ماں رانی جنداں کو بھی پنجاب سے نکال باہر کیا۔

پنجاب اور سکھوں کو زیر کرنے کے لئے جموں کے سکھ حاکم گلاب سنگھ نے انگریزوں کی بڑی مدد کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گلاب سنگھ قوم کا ڈوگرہ اور رنجیت سنگھ کا ساختہ پرداختہ آدمی تھا رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد گلاب سنگھ نے اپنے ولی نعمت کی مملکت خراب کرنے میں خوب حصہ لیا دریائے ستلج کے کنارے سکھوں کو شکست دینے کے بعد انگریزوں نے ان پر بھاری تاوانِ جنگ عائد کیا تھا لیکن جب انگریز لاہور پہنچے تو لاہور کے خزانے میں اس وقت پانچ لاکھ اشرفی کی رقم نکلی تھی جبکہ انگریزوں نے سکھوں پر لگ بھگ پندرہ لاکھ کی اشرفیاں تاوانِ جنگ کے طور پر عائد کی تھیں باقی دس لاکھ کی رقم جموں کے حاکم گلاب سنگھ نے دینے کا اقرار کیا اور اس رقم کے معاوضے میں اس نے کشمیر کی ریاست حاصل کی اس رقم کے عوض بعد میں کشمیر کی ریاست گلاب سنگھ کی اولاد کی میراث بن گئی۔

(کشمیر وہاں کے مسلمان حاکم سے چھین کر گلاب سنگھ کو دلوانے کے لئے ایک انگریز لشکر بھیجا گیا تھا۔ اس میں سترہ ہزار سکھ شامل کیے گئے تھے آزادی کے بعد بھارت نے آخری انگریز گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ساز باز کر کے کشمیر کو اپنے فتراک میں باندھ لیا۔ جغرافیائی اور دیگر وجوہ سے کشمیر پاکستان کا حصہ ہے اس کے باشندوں کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اور وہ پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں چنانچہ انہیں وجوہات سے پاکستان نے مسلمانوں کی اس عظیم ریاست کو بھارت کی غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش کی فوجی کارروائی کے علاوہ مقدمہ اقوام متحدہ میں پیش کیا گیا فیصلہ ہوا کہ رائے شماری کے ذریعے کشمیریوں کی رائے معلوم کی جائے لیکن بھارت اس پر آمادہ نہیں یہ معاملہ ابھی تک معلق ہے)

سکھوں کو شکست دینے کے بعد انگریزوں نے رنجیت سنگھ کی تقریباً نوے ہزار فوج توڑ کر ایک تہائی کردی۔ دارالحکومت لاہور پر انگریزوں کا عمل دخل ہوگیا پنجاب کا صرف ایک بڑا شہر ملتان بچا رہا اور سکھوں کی خاصی بڑی چھاؤنی بن گیا تھا اس کے علاوہ شمال میں ضلع ہزارہ میں بھی سکھوں کی گرفت تھی ابھی تک وہ انگریزوں کی عملداری میں نہ آیا تھا لیکن وہاں کے سکھ سب بے سرے سردار تھے جن کے متعلق انگریز جان چکے تھے کہ وہ نہ آپس میں متفق ہوسکتے ہیں نہ اتحاد کر کے انگریزوں کے خلاف کوئی بڑا خطرہ ثابت ہوسکتے ہیں۔

لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں کی حرص مزید بڑھی اور انہوں نے پورے پنجاب کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے بڑے پیمانے پر سکھوں کا قلع قمع کرنے کے لئے تیاریاں اپنے عروج تک پہنچا دیں۔

آخر بیس ہزار سے زیادہ باقاعدہ انگریزوں کا ایک لشکر جس میں بھاری توپیں بھی تھیں ہزارہ میں سکھوں سے ٹکرا دیا۔ انگریزوں کو خطرہ تھا کہ ملتان میں جو سکھوں کا حاکم ہے وہ ضرور انگریزوں کے خلاف مدد کرے گا لہٰذا ملتان کے سکھ حاکم کو معصور کر دیا گیا تھا۔

آخر انگریزوں اور سکھوں کے درمیان لاہور شہر سے کوئی سو میل شمال مغرب میں دریائے جہلم کے کنارے پنجاب میں سخت جنگ لڑی گئی۔ اس جنگ میں مقامی لوگوں نے سکھوں کو بدترین شکست دی اس جنگ میں سکھوں کو نہ صرف شکست ہوئی بلکہ ان کے لئے بدنامی کی یہ بات بھی تھی کہ انگریز کئی توپیں اور بہت سا گولہ بارود چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے آخر انگریزوں نے پھر تیاری کی۔ پنجاب میں تیسری جنگ چیلیانوالہ کے مقام پر ہوئی لیکن ظاہر ہے انگریزوں کی طاقت بہت زیادہ تھی مقامی طاقت ان کے مقابلے میں کچھ نہ تھی لہٰذا مقامی لشکر کو شکست ہوئی۔ اس شکست کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مقامی آبادی میں سے ہزاروں سکھ اپنے دیسی بھائیوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیتے ہوئے جنگ کر رہے تھے۔

چیلیانوالہ کی جنگ کے بعد انگریزوں کی طاقت اور قوت میں مزید اضافہ ہوگیا اور اس کے بعد انہوں نے ملتان کو بھی فتح کرلیا۔ اب سکھوں کو جگہ جگہ پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا اس لئے کہ مقامی

آبادی سکھوں کا ساتھ نہ دے رہی تھی اور انہیں سکھوں کا ساتھ دینا بھی نہیں چاہیے تھا اس لئے کہ اپنے دور حکومت میں سکھوں کا سلوک مقامی آبادی کے ساتھ انتہائی ظالمانہ اور بے رحمانہ تھا لہٰذا جب انگریز سکھوں پر چڑھ دوڑے تو پنجاب کی آبادی نے سکھوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں نے پورے پنجاب پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا راجہ کی ذاتی جاگیر، مکانات حتیٰ کہ زیورات تک انگریزوں نے اپنے خزانے میں داخل کر لیے انہی زیورات میں دنیا کا وہ چمکتا ہوا ہیرا بھی تھا جسے کوہِ نور کہتے ہیں۔

یہ ہیرا سب سے پہلے ایران کے بادشاہ نادر شاہ کے دہلی پر حملہ آور ہونے کی وجہ سے لوٹ مار کے دوران نادر شاہ کے ہاتھ لگ گیا تھا جب احمد شاہ درانی نے طاقت اور قوت پکڑی تو یہ ہیرا احمد شاہ درانی کی وجہ سے ایران سے کابل پہنچ گیا اور جب احمد شاہ درانی کے بعد شاہ شجاع درانی افغانستان کا حکمران ہوا اور راجہ رنجیت سنگھ اس پر جھپٹ پڑا تو اس جھپٹ کے نتیجے میں یہ ہیرا رنجیت سنگھ کے ہاتھ لگ گیا اور اب رنجیت سنگھ کی اولاد کی ساری جائیداد، مکانات اور زیورات پر قبضہ کرنے کے نتیجے میں ہیرا انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا جو اب ان کی ملکہ کے تاج کی زینت ہے۔ اس کے علاوہ سکھوں کے لئے جو سب سے زیادہ ناگوار بات ہوئی وہ یہ کہ سکھوں کے آخری حکمران دلیپ سنگھ کو ہندوستان سے برطانیہ بھیج دیا گیا۔

یوں انگریزوں نے جس طرح سندھ کو فتح کرنے کے بعد اپنی گرفت مضبوط کر کے وہاں اپنا لشکر رکھا اور سندھ کے جنگجو اور زندہ دل لوگ سن اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی میں بہادر شاہ ظفر کی کوئی مدد نہ کر سکے بالکل اسی طرح پنجاب پر بھی انگریزوں نے قبضہ کرلیا وہاں اپنے پنجے گاڑھ دیئے مختلف چھاؤنیوں میں بڑے بڑے انگریز لشکر متعین کر دیئے گئے جس کی بناء پر بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے پنجاب کی طرف سے بھی کوئی مدد نہ ملی۔

اب باقی سرحد کے افغان اور پٹھان رہتے تھے۔ انگریز جانتے تھے کہ ان علاقوں میں افغان اور پٹھان سب سے زیادہ جنگجو، سب سے زیادہ جرأت مند، سب سے زیادہ مرد میدان اور سب سے بڑھ کر اپنی آزادی کی نگہبانی اور دیکھ بھال کرنے والے ہیں لہٰذا ان علاقوں میں وہ اپنے لئے سب سے زیادہ خطرہ افغانوں ہی سے خیال کرتے تھے۔ اس بناء پر انگریزوں نے شروع سے ہی ان پر نگاہ رکھی۔ افغانستان میں احمد شاہ درانی ملت اسلامیہ کا گوہر تابندہ تھا۔ یہ بے مثال مجاہد اور بے نظیر مسلمان سالار انحطاط کی گہرائیوں سے ابھرا، پستیوں کے اندھیرے میں چمکا۔ اقوام عالم کی تاریخ میں یہ اس لئے ممتاز ہے کہ اس نے ایک نئی قوم کا بانی ہونے کا شرف حاصل کیا۔

افغانستان کی آزاد مملکت کا وجود اسی کی ہمت اور شجاعت کا مرہون منت ہے۔ احمد شاہ نے کئی بیرونی ملک فتح کیے اور ایک بڑی سلطنت قائم کی جو اس کے فرزند تیمور شاہ کے زمانے تک قائم رہی۔

پنجاب، کشمیر، سندھ اور شمال میں بلخ اور بدخشاں بلکہ مشرقی ایران کے اضلاع تک اس کے زیر نگیں ہوگئے تھے لیکن شخصی سلطنتوں کی عمر بہت کوتاہ ہوتی ہے۔

احمد شاہ کے بعد تیمور شاہ نے مرتے وقت ایک بادشاہت کے لئے تئیس شہزادے وارث کی صورت میں چھوڑے۔ یہی کثرت حکومت کی وحدت کے حق میں آفت ثابت ہوئی۔ بھائیوں نے لڑنا شروع کیا۔ چند سال کے اندر زمان خان سلطنت کے دوسرے دعوے داروں پر غالب آ گیا۔ یہ احمد شاہ درانی کا پوتا تھا لہٰذا زمان خان اپنے دادا کا حق حاصل کرنے کے لئے ہندوستان پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا اس لئے کہ ہندوستان پر آخر احمد شاہ کی حکومت رہی تھی لیکن اس وقت تک انگریز ایک طاقت اور قوت پکڑ چکے تھے۔ زمان خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو دو ہی سال بعد اسے ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا اور پھر اس کی حالت یہ ہوگئی کہ جن انگریزوں کے خلاف وہ لڑنے کے لئے نکلا تھا انہی انگریزوں کی عنایت سے وہ پنجاب کے ضلع لدھیانہ میں قیام کرنے پر مجبور ہوا۔

چند ہی سال بعد یہ برے دن اس کے بھائی شاہ شجاع کو دیکھنے نصیب ہوئے جس کے نتیجے میں ان کی حکومت کی باگ ڈور درانیوں کے ہاتھ سے نکل کر بارک زئی قبیلے کے وزیر پائندہ خان اور اس کی اولاد کے قبضے میں چلی گئی۔

(اسی خاندان کا آخری بادشاہ ظاہر شاہ سردار داؤد کے ہاتھوں معزول ہوا اور داؤد خان کو روس نواز کمیونسٹوں نے اس کے خاندان سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا۔ روس نے اپنے پٹھوں کا اقتدار دائمی بنانے کے لئے اپنی مسلح افواج افغانستان میں داخل کردیں لیکن وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکا)

افغانوں میں اس کے بعد خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ بیس پچیس برس کی خانہ جنگی اور سیاسی انتشار نے درانی سلطنت کو کونے میں لگا دیا اور خود افغانستان کو پارہ پارہ کردیا۔ بارک زئیوں نے بھی کوئی اہم کام نہ کیا۔ انہوں نے شمال میں ہرات درانی شہزادوں کے ہاتھ دے دیا اور جنوب میں شاہ شجاع سکھوں کی مدد سے حدودِ کابل پر لاتیں چلاتا رہا پر اسے کامیابی نہ ہوئی البتہ اسی ترغیب سے رنجیت سنگھ کی فوجیں خیبر تک چڑھ آئیں اور پشاور میں اپنا عمل دخل کرلیا۔ اس طرح سرحد کے جنگجو اور غیرت مند جوان لگ بھگ سن اٹھارہ سو ستاون تک کبھی سکھوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے کبھی انگریزوں کے سامنے دیوار بنے رہے۔ اس طرح انہیں بھی اپنی مصروفیات کی وجہ سے کھل کر سن اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی میں بہادر شاہ ظفر کی مدد کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

جس وقت آزادی کے متوالے بخت خان کی کمانداری میں دہلی میں بہادر شاہ ظفر کے ساتھ مل کر ایک بار انگریزوں کو پسپا کرنے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لئے پھر تیاریوں میں لگے ہوئے تھے انہی دنوں لکھنؤ میں بھی آزادی کے متوالے اور جیالے انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ اودھ میں شورش اور جنگ کے سب سے خونی معرکے ہوئے جہاں لوگوں کے دل میں مقامی ریاستوں کی انگریزوں کے ہاتھوں غاصبانہ ضبطی کا غم اور غصہ بھرا ہوا تھا۔ انگریزوں نے یہاں ریذیڈنسی کی عمارت کو پہلے سے مورچہ بند بنا کر رکھا تھا اور ان کے کئی بڑے جرنیل لکھنؤ کو اپنی طاقت اور قوت کا ایک بہت بڑا مورچہ بنا چکے تھے۔

باوجود اس کے نومبر اٹھارہ سو ستاون میں انہیں شہر خالی کرنا پڑا۔ انگریز چیف کمشنر سر ہنری لارنس پہلے ہی برطانوی ملوکیت کی بھینٹ چڑھ چکا تھا اس موقع پر مقامی آزادی پسندوں نے اودھ کے سابق حکمران واجد علی شاہ کے ایک بیٹے برجیس قدر کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔

اس شہزادے کی عمر اس وقت دس سال کی تھی لہٰذا اس کی ماں حضرت محل شہزادے کی نگران بنائی گئی۔ حضرت محل بے شک بڑی دلیر اور مستعد خاتون تھی لیکن انگریزوں کی باغی سپاہ یا شورش کرنے والے عوام کو قابو میں رکھنا ایک عورت کے بس کی بات نہ تھا اس کے علاوہ یہاں سے جو آزادی کے متوالے اور انگریزوں کے مخالف اُٹھے ان میں بڑے جاگیردار اور امراء بہت کم تھے ان میں سے کسی نے بھی آزادی کے ان متوالوں کا ساتھ نہ دیا تھا۔

انگریزوں نے جب دیکھا کہ دہلی کی طرح لکھنؤ میں بھی ان کے خلاف بغاوت اور شورشیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور ہر کوئی انگریزوں کو قتل کرنے اور ان کے خلاف آواز اٹھانے پر آمادہ ہوگیا ہے تب انہوں نے مسلمانوں کے اندر پھوٹ ڈال کر اپنی سازشی طبیعت کو متحرک کرنے کا عمل شروع کردیا۔ مسلمانوں کے اندر

افراتفری، فساد و دنگا پھیلانے کے لئے غیر مسلموں کے پاس ہمیشہ ایک ہی راستہ رہا ہے کہ سنی اور شیعہ مسلمانوں کے درمیان فساد برپا کرکے اپنا مقصد حاصل کیا جائے یہاں بھی انگریزوں نے یہی طریقہ اختیار کیا۔

انگریز سنی اور شیعوں کے درمیان جھگڑا کرانے کے لئے وجوہات تلاش کرنے لگے آخر انہیں ایک وجہ مل ہی گئی اور وہ یہ تھی کہ سال ڈیڑھ سال پہلے وہاں کے مولوی سید امیر علی کو فیض آباد کی مسجد کے جھگڑے کے سلسلے میں اودھ کے دربار کے شیعہ حکمرانوں نے مولوی امیر علی کو توپ سے اڑا دیا تھا۔ اس واقعے کو انگریزوں نے اچھالنا شروع کردیا طرح طرح کی تقریریں کی گئیں ملک بھر میں سنی عوام کے دل مشتعل کردیئے گئے ایسا کرکے انگریز اپنے لئے فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے گو مولوی امیر علی کی شہادت کے چند ہفتے بعد شیعہ شاہی کی بساط الٹ دی گئی۔ حقیقت میں سنی اس واقعہ کو خدائی انتقام سمجھتے تھے اودھ پر انگریزوں کا قبضہ کرنا انہیں ناگوار تھا مگر شیعہ بادشاہت گوارا نہ تھی کہ اس کی تجدید کے لئے جان کی بازی لگا دیتے۔ فیض آباد میں انگریزوں کی دیسی فوج بگڑی اور لکھنؤ میں مرکز جنگ قائم کیا اس میں اکثر سپاہی سنی اور مولوی احمد اللہ شاہ کے معتقد تھے انہوں نے برجیسی قدر اور حضرت محل کی خاطر خواہ اطاعت قبول نہ کی۔

سن اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی میں بخت خان روہیلے کو جو شہرت دہلی میں نصیب ہوئی اس سے کہیں زیادہ شہرت اور ناموری لکھنؤ میں مولوی احمد اللہ شاہ کو حاصل ہوئی حالانکہ اصل حالات کو ان کی پراسرار شخصیت اور مریدوں کی خوش اعتقادی نے کردیا تھا تاہم اتنا یقینی تھا کہ وہ مدراس کے خاندانی آدمی تھے اور حیدر آباد کے کسی بڑے گھرانے میں بیاہے گئے تھے۔ لندن کی سیاحت اور ممالک اسلامی کی زیارت سے مستفید ہوئے۔ اس کے بعد گھر بار چھوڑ کر ایک طرح سے فقیری اختیار کرلی تھی۔ گوالیار کے محراب شاہ کے سامنے ارادت کی گردن جھکائی اس کے بعد جب اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو آگرہ سے اودھ آکر اہل شورش کے سرخیل اور ہادی ہوگئے تھے۔

اب انگریزوں نے مسلمانوں کو شیعہ سنی دو گروہوں میں بانٹ کر انہیں ٹکرانے کا عزم کرلیا تھا۔ بتانے والوں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ فیض آباد سے باہر ایک مسجد کو ہندو راجہ رام چندر کا قدیم استھان بتاتے تھے۔ جبکہ سنی مسلمان اسے اپنی مسجد خیال کرتے تھے۔ ہندوؤں نے ایسا کیا کہ دربار اودھ کو رشوت اور دولت کی چمک سے مسجد کی واگزار پر آمادہ کرلیا اور اودھ کے حکمرانوں سے مل کر وہاں بت رکھ دیئے گئے۔ امیر علی صاحب نے اسے دین کی صریح حرمتی سمجھا جبراً مسجد پر قبضہ کرلیا۔ حکومت اودھ نے چند مولویوں کا فتویٰ لے کر فوج روانہ کی اور امیر علی اور ان کے کئی رفیقوں کو گولہ باری سے شہید کردیا۔ یہ واقعہ سن اٹھارہ سو پچپن کا تھا مسجد کا محل وقوع ہنومان گڑھی اور اجودھیا میں موسوم تھا۔

انگریزوں کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس واقعے کو خوب اچھالتے ہوئے ایک طرح سے سنی اور شیعوں میں نفرت اور ٹکراؤ پیدا کرنے کی کوشش شروع کردی۔

اب اودھ میں سنی مسلمانوں کی قیادت مولوی احمد اللہ نے سنبھالی تھی وہ آزادی کی کوشش کرنے والوں کی راہنمائی کرنے لگے تھے لیکن وہ بڑے درمیانہ رو آدمی تھے قتل و غارت گری کے خلاف تھے۔ انگریزوں نے خود اپنی تحریروں کے علاوہ تاریخ شاہ جہاں پور میں بھی واضح کیا ہے کہ عام وحشت اور خون ریزی کے ایام میں انگریزوں کا قتل عام ثواب سمجھا جاتا تھا لیکن مولوی احمد اللہ کا دامن خون ناحق کے دھبوں سے پاک رہا۔ مولوی احمد اللہ کے کارنامے فوریسٹ کی ہسٹری آف انڈین میوٹنی اور قیصر التواریخ کی جلدوں میں مسطور ہیں اور ان تحریروں میں مولوی احمد اللہ کی شجاعت اور ان کی حب وطنی اور قتل و خون ریزی سے اجتناب کی تعریف کی گئی ہے۔

بہر حال مسلمانوں کے اندر سازش برپا کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد انگریزوں نے اودھ پر حملہ کیا ایک خاصا بڑا لشکر تیار کیا جس کی کمانداری ایک ایسے انگریز سالار کو سونپی گئی جو بعد میں لارڈ کلائیڈ کے خطاب سے مشہور ہوا اس نے لکھنؤ پر فوج کشی کی خود اس لارڈ کلائیڈ نے لشکریوں کی کمانداری کی۔ دوسری طرف مسلمانوں میں نااتفاقی تھی کوئی ادنیٰ سپہ سالار بھی نہ تھا جو دفاع کا ذمہ دار ہوتا۔ الگ الگ لشکری، دیسی سپاہی اور سردار بہرحال انگریزوں سے خوب لڑے مگر نئی تنظیم اور اسلحہ کی برتری پرانی سپہ گری پر غالب آئی۔ حضرت محل اور مولوی احمد اللہ دونوں کو نقصان اٹھا کر شہر چھوڑنا پڑا اور اودھ کی راجدھانی لکھنؤ پر انگریزوں کے قدم جم گئے۔ یہ مارچ سن اٹھارہ سو ستاون کا واقعہ ہے۔

لکھنؤ سے نکلنے کے بعد مولوی احمد اللہ نے شاہ جہاں پور کے قریب قصبہ محمدی کو اپنا مرکز بنایا وہاں مولوی احمد اللہ اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے لگے مگر وہاں بھی انگریزوں نے مسلمانوں کے اندر باہمی اختلاف اور تفرقہ ڈال دیا۔ مولوی احمد اللہ کو زیر کرنے کے لئے انگریز چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجتے رہے لیکن کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر لارڈ کلائیڈ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مولوی احمد اللہ پر چڑھ دوڑا گھمسان کی جنگ ہوئی مولوی احمد اللہ کو پسپا ہونا پڑا۔ انہی دنوں حضرت محل بھی ادھر ادھر دھکے کھاتی پھر رہی تھی وہ نیپال کی طرف چلی گئی۔ اسی دوران ایک ہندو راجہ نے بظاہر بڑے معتقدانہ انداز میں مولوی احمد اللہ کو اپنے ہاں دعوت دی لیکن بدعہدی کا ثبوت دیا اور مولوی احمد اللہ کا سر کاٹ کر شاہ جہاں پور میں انگریزوں کی خوشنودی کے لئے بھیج دیا۔ اس طرح لکھنؤ میں اٹھنے والی آزادی کی یہ لہر مولوی احمد اللہ کے مارے جانے اور حضرت محل کے نیپال کی طرف جانے کے باعث آپ سے آپ ختم ہو کر رہ گئی اور انگریزوں نے وہاں اپنی گرفت مضبوط کر لی لہٰذا لکھنؤ سے اٹھنے والی آزادی کی اس لہر کا فائدہ دہلی میں بہادر شاہ ظفر کو نہ ہوا۔

انہی دنوں کانپور اور مالوہ وغیرہ میں بھی انگریزوں کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انگریزوں کی بہت بڑی تعداد ایک جگہ گھیر لی گئی اور مرہٹوں کے سرداروں نے وہاں انگریزوں کا خوب قتل عام کیا اس لئے کہ ماضی میں انگریزوں نے مرہٹوں کے ساتھ زیادتیاں کی تھی۔

مرہٹوں کے سردار باجی راؤ کو انگریزوں نے ماضی میں بے رحمی اور بے وفائی سے اس کی ریاست سے محروم اور اس کی جاگیر ہی میں لاکر نظر بند کیا تھا۔ مرہٹوں کا ابھی تک وہ زخم بھرا نہ تھا کہ اس کے بعد باجی راؤ کے مرتے ہی انگریزوں نے مرہٹوں کے پیشوا کا وظیفہ بند کر دیا ان بے انصافیوں کا مرہٹوں نے کانپور جا کر اور آزادی کے لئے کوشش کرنے والوں کا ساتھ دے کر انگریزوں کے خلاف خوب جنگ کی۔

وہاں انگریزوں کا ایک بوڑھا جرنیل سر ہیوڈ تھا جب وہاں انگریزوں کو شکست ہوئی اور بہت سے انگریز مارے گئے تب مرہٹوں نے اس بوڑھے انگریز جرنیل کو یہ اجازت دے دی کہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر گورا سپاہیوں کو الٰہ آباد لے جائے۔

انگریز جرنیل نے ایسا ہی کیا مگر جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو مرہٹوں نے ان پر چاند ماری شروع کروادی۔ کہتے ہیں وہاں جس قدر انگریز تھے ان میں سے کئی کشتیوں ہی میں مارے گئے باقی دریا میں ڈوب مرے۔ انگریزوں کو جب اس قتل عام کی خبر ملی تو انہوں نے ایک بہت بڑا لشکر کانپور کی طرف بھجوایا۔ مرہٹوں کو جب خبر ہوئی کہ انگریزوں کا ایک لشکر کانپور پر حملہ آور ہونے کے لئے آرہا ہے تو کانپور میں اس وقت جس قدر انگریزوں کی عورتیں اور بچے تھے ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے مرہٹوں نے سب کو تہہ تیغ کر دیا اور ان سب کی لاشوں کو ایک کنویں میں ڈال کر کنواں بھر دیا۔

اس کے بعد مرہٹے وہاں سے ہٹ گئے انگریز جب وہاں پہنچے اور انہیں خبر ہوئی کہ ان گنت عورتوں اور

بچوں کو قتل کر کے کنویں میں پھینک دیا گیا ہے تب ان انگریزوں نے اس کنویں کے گرد پتھر کی جالی اور باغ بنوا کے اسے ایک مقدس روضے کی صورت دے دی۔

کانپور کے علاوہ بہار، بنگال، راجپوتانہ اور وسط ہند کے اور بہت سے مقامات پر بھی انگریزوں کے خلاف آگ بھڑک اٹھی لیکن ان مقامات کے جنگجو انگریزوں کے خلاف کوئی بڑی کارروائی نہ کر سکے۔ اس دوران سب سے بڑی کارروائیوں کی ابتداء حیدر آباد سالار جنگ گوالیار کے دیوان ڈنگر راؤ اور پنجاب کے سکھوں کی طرف سے ہوئی۔

حیدر آباد کے سالار جنگ اور گوالیار کے دیوان ڈنگر راؤ نے سن اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی کے لئے اٹھنے والے مقامی لوگوں کے خلاف انگریزوں کی بھرپور مدد کی جہاں تک پنجاب کے سکھوں کا تعلق ہے تو پنجاب کے سکھ سرداروں نے ایسی جانفشانی سے وفاداری کا حق ادا کیا کہ معلوم ہوتا تھا انگریزوں نے چند سال پہلے جو ہزاروں سکھ جوان مار کر ان کی حکومت چھینی تھی وہ گویا سکھوں کا نقصان نہ تھا بلکہ انگریزوں کی طرف سے سکھوں پر بڑا احسان تھا گو انگریزوں نے سکھوں کا خوب قتل عام کیا تھا لیکن سکھوں نے ایسی بے غیرتی کا ثبوت دیا کہ جس سختی سے انگریزوں نے ان کا قتل عام کیا اسی سختی اور وفاداری سے انہوں نے آزادی کے متوالوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا۔ کچھ اس قسم کی خود غرضانہ بے غیرتی کا مظاہرہ نیپال کے وزیر جنگ بہادر نے بھی کیا اس سے پہلے حالانکہ انگریز نیپال پر بھی حملہ آور ہوئے تھے نیپال کے کچھ علاقے چھینے تھے انہیں نقصان بھی پہنچایا تھا اس کے باوجود نیپال کے وزیر نے انگریزوں سے خیر خواہی کا اظہار کرتے ہوئے آزادی کی اس لہر کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا۔

انہی دنوں مسلمانوں کی طرف سے اس آزادی کی لہر کو ٹھنڈا کرنے کے لئے انگریزوں نے ایک چال چلی۔ انگریزوں نے دارالخلافت استنبول سے شیخ اسلام کا فتویٰ حاصل کیا اس فتوے میں انگریزوں نے شیخ اسلام سے یہ تحریر لکھوائی۔

"یہ جنگ وجدل کوئی مذہبی نوعیت نہیں رکھتی مسلمانوں کو فساد فی الارض سے اجتناب کرنا چاہیے۔"

اس موقع پر کابل کے امیر دوست محمد سے بھی کچھ غلطیاں ہوئیں۔ سرحد کے دلیر زندہ دل مجاہد انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے انگریزوں کے خلاف چھاپہ مار جنگ کی ابتداء کرتے ہوئے جگہ جگہ انگریزوں کا قتل عام کرنے کے ساتھ انہیں نقصان پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ اس موقع پر اگر امیر کابل دوست محمد ان زندہ دل پٹھان مجاہدوں کا ساتھ دیتا تو یقیناً ان کے ہاتھوں انگریزوں کو بے پناہ نقصان اٹھانا پڑتا لیکن دوست محمد نے کوئی جنبش نہ کی حالانکہ وہ ان مجاہدین کا ساتھ دیتا تو کم از کم یہ مجاہدین پشاور کو انگریزوں سے خالی کروا سکتے تھے۔

یوں جس طرح پنجاب اور سندھ سے بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں کے خلاف کوئی مدد نہ ملی وہاں سرحد کے مجاہدین جو اپنی جواں مردی، ہمت اور جنگجوئی کی بناء پر ایک بہت بڑا انقلاب اور طوفان برپا کر سکتے تھے کسی پشت بان کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی طرف سے بھی بہادر شاہ ظفر کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا۔

دہلی میں بہادر شاہ ظفر کی اب ساری امیدوں کا مرکز بخت خان کے علاوہ اس کے کچھ وفادار سالار اور ساتھی بھی تھے ان میں سرفہرست نواب احمد قلی خان، حکیم احسن اللہ، سالار، صمد خان، ابراہیم علی خان، غلام علی خان اور ایسے ہی کچھ دوسرے ساتھی بھی تھے۔ نواب احمد قلی خان کو یہ سعادت بھی حاصل تھی کہ جب بخت خان بریلی سے دہلی کی طرف آیا تو اس نے شاندار انداز میں بخت خان اور اس کے ساتھی لشکریوں کا استقبال کیا تھا۔

بخت خان چاہتا تو جس قدر لشکر اس کے پاس تھا اس کے ساتھ بریلی میں قیام کر کے وہاں بھی انگریزوں کے خلاف تحریک شروع کر سکتا تھا لیکن وہاں ناکامی کی امیدیں زیادہ تھیں۔ دہلی میں اس وقت بہادر شاہ ظفر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موجود تھا گو وہ ایک طرح سے لال قلعہ میں محصور تھا اس کی حیثیت انگریزوں کے وظیفہ خوار کی سی تھی لیکن اگر دہلی میں طاقت اور قوت جمع ہو جاتی تو لوگ یقیناً بہادر شاہ ظفر کی صورت میں مغلیہ سلطنت کے گرتے ہوئے وقار کو بحال کر سکتے تھے۔

کچھ لوگ یہ غلط شبہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ بخت خان نے اس لئے بہادر شاہ کا رخ کیا کہ اسے روہیل کھنڈ کی حکومت نہیں ملی تھی روہیل کھنڈ کی حکومت آزادی کے اعلان کے بعد خان بہادر خان کے سپرد کر دی گئی اس بناء پر مایوس ہو کر بخت خان نے دہلی کا رُخ کیا تھا۔ یہ ایک الزام اور بالکل غلط اور بے بنیاد قیاس آرائی ہے۔ دہلی جانے کا فیصلہ یقیناً اس بناء پر ہوا کہ مجاہدین آزادی کا اصل مرکز دہلی میں تھا اور وہاں بہادر شاہ ظفر موجود تھا اس کی وجہ سے دہلی مسلمانوں کی طاقت کا مرکز بن سکتا تھا اور وہاں انگریزوں کے مقابلے میں حد درجہ مستحکم حیثیت حاصل ہو سکتی تھی۔

دوسری طرف بہادر شاہ ظفر کا بھی خیال تھا کہ اگر دہلی کو انگریزوں کے مقابلے میں محفوظ رکھا جا سکتا تو دوسرے علاقے کے مجاہدین زیادہ سے زیادہ سرگرمی سے کام کرتے لیکن اگر دہلی کا مرکز چھن جاتا تو دوسرے مقامات پر یقیناً افسردگی طاری ہو جاتی جیسا کہ بعد میں ہوئی۔

لہٰذا انگریزوں نے خاص کر میلی سن نے یہ اعتراض کیا ہے کہ روہیل کھنڈ کی حکومت نہ ملنے کی وجہ سے بخت خان نے دہلی کا رُخ کیا یہ سراسر الزام ہے۔ بخت خان نے نہ کبھی روہیل کھنڈ کی حکومت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اس کے بعد کے دور میں کسی جگہ کی حکومت کی طلب کی، نہ وہ عہدے منصب سے کبھی متاثر ہوا جس حیثیت میں کام کا موقع ملا برابر اس میں لگا رہا جیسا کہ آگے چل کر واضح ہو گا یہ بھی معلوم ہے کہ روہیل کھنڈ کے حاکم خان بہادر خان کے آخری دم تک بخت کے ساتھ تعلقات انتہا درجہ کے خوشگوار تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز ہر معاملے کو اپنے ہی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کے عادی تھے اور مجاہدین آزادی سے بہت ہی کم لوگ ہیں جن کے متعلق انہوں نے حسن ظن سے کام لیا ہو۔

بہر حال بخت خان دہلی میں بہادر شاہ ظفر کے ساتھ مل کر طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے لگا تھا۔

بخت خان اپنے ساتھ بریلی سے ایک پورا بریگیڈ لے کر آیا تھا وہ دو جولائی کو دہلی میں داخل ہوا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جو بریگیڈ اس کے ساتھ تھا اس میں اٹھارہ، اٹھائیس، انتیس اور اڑسٹھ نمبر رجمنٹوں کے پیادوں کے علاوہ آٹھ نمبر کا بے قاعدہ رسالہ بھی تھا اس کے علاوہ پندرہ نمبر کی گھوڑا بیڑی کے کچھ جوان بھی اس کے ساتھ تھے مزید یہ کہ اس کے پاس دو چھ پونڈ کے گولے داغنے والی توپیں بھی تھیں۔

اپنے اس بریگیڈ کے ساتھ بریلی سے دہلی پہنچنے پر بخت خان نے سب سے پہلے دریائے جمنا کے کنارے پڑاؤ کیا تھا۔ بخت خان کے آنے پر بہادر شاہ ظفر اس قدر خوش ہوا کہ اس نے وہ لشکری جو اس کے پاس تھے ان میں سے چار سو کو جمنا کے پل کی درستگی اور اس کی مرمت پر لگا دیا تا کہ بخت خان اپنے لشکر کے ساتھ آسانی سے گزر کر دہلی کی طرف آئے۔

ان دنوں بہادر شاہ ظفر کی حالت عجیب تھی اس کے پاس نہ کوئی لشکر تھا نہ کوئی رقم جس سے کام لیتے ہوئے وہ انگریزوں کے خلاف دفاع کا کوئی بند باندھ سکتا۔

دہلی میں جب آزادی کی تحریک اٹھی تو جہاں جانثار وفادار مجاہد دہلی میں جمع ہونا شروع ہو گئے وہاں کچھ رسہ گیر اوباش اور ابن الوقت لوگوں نے بھی لوٹ مار کرنے کے لئے دہلی کا رُخ کیا تھا ایسے ہی لوگوں نے شہر کے حالات کو خراب کرنا شروع کر دیا تھا۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے بہادر شاہ ظفر نے پہلے ہی حکم جاری کر رکھا تھا کہ شہر کے باشندوں کو ہرگز نہ لوٹا جائے اور شہر میں امن و امان قائم رکھا جائے۔

اس کے باوجود جب اوباشوں نے شہر کے اندر افراتفری کا عالم برپا کرنے کی کارروائیاں جاری رکھیں

اور اس سلسلے میں جب نواب احمد قلی خان کے ساتھ بخت خان، بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں حاضر ہوا اور شہر میں افراتفری کا ذکر کیا تب بہادر شاہ ظفر نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"میرے احکام دینے سے فائدہ کیا ہو گا اس لئے کہ ان احکامات کی تعمیل ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی یہاں کوئی ایسا آدمی ہے جو انہیں نافذ کر سکے ورنہ میرا فرمان تو یہ ہے کہ انگریزوں کے لئے یہاں رہنے کی کوئی گنجائش ہی نہ چھوڑی جائے۔"

بہادر شاہ ظفر کی اس بے بسی اس کی لاچارگی پر مبنی الفاظ کے جواب میں بخت خان نے بہادر شاہ ظفر کو مخاطب کر کے کہا۔

میں سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی خدمات آپ کو پیش کرتا ہوں تا کہ شہر کے اندر نظم و نسق بحال کیا جائے۔ مؤرخین لکھتے ہیں اس موقع پر بخت خان کی گفتگو سے بہادر شاہ ظفر بڑا متاثر ہوا اپنا ہاتھ بڑھا کر اس نے بخت خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کے ارادوں اور اس کی خواہشات کی تعریف کی۔

بہادر شاہ ظفر سے ملنے کے بعد بخت خان قلعے سے باہر نکلا اب اس کے علاوہ اور بہت سے مجاہدین بھی انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے وہاں جمع ہو گئے تھے ان کے سارے سالاروں کو ایک جگہ بخت خان نے اکٹھا کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شہنشاہ بہادر شاہ ظفر نے میری خدمات قبول فرمالی ہیں اب میں تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ تم لوگوں میں سے کون کون میرا حکم ماننے کے لئے تیار ہے۔

بخت خان کے ان الفاظ کے جواب میں سب نے بخت خان کی اطاعت اور وفاداری کا حلف اٹھایا۔

جب سب لوگوں نے بخت خان کا کہا ماننے کا حلف اٹھایا تب بہادر شاہ ظفر نے پھر بخت خان کو بلایا۔

بخت خان جب بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت بہادر شاہ ظفر کے پاس جھجر کے علاقے کا والی عبدالرحمان خان اور بہادر شاہ ظفر کا بیٹا مرزا مغل بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بہادر شاہ ظفر بڑے پرتپاک انداز میں بخت خان سے ملا اور جھجر کے والی عبدالرحمان خان کو حکم دیا کہ دہلی شہر میں جو کلاں محل نام کی عمارت ہے وہ بخت خان اور اس کے لشکریوں کے لئے خالی کر دی جائے اور وہاں بخت خان کے قیام کا اہتمام کیا جائے۔

بہادر شاہ ظفر کے اس حکم پر بخت خان بڑا خوش ہوا۔ اس موقع پر بہادر شاہ ظفر نے بخت خان کو ایک تلوار ڈھال کے علاوہ جنرل کا خطاب بھی دیا اور اسے اپنے تمام لشکریوں کا کمانڈر انچیف بنا دیا۔ اسی وقت بہادر شاہ ظفر کے کہنے پر دہلی شہر کے اندر منادی کرا دی گئی کہ تمام رجمنٹوں کے افسر بخت خان سے ہدایت حاصل کریں گے اس بات کا بھی اعلان کر دیا گیا کہ بہادر شاہ ظفر نے اپنے بیٹے مرزا مغل کو ایک طرح سے بخت خان کا نائب مقرر کر دیا ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں جس وقت بہادر شاہ ظفر نے بخت خان کے لئے یہ عنایات کیں اور اپنے بیٹے مرزا مغل کو بخت خان کا نائب مقرر کیا اس وقت بخت خان نے بہادر شاہ ظفر کو مخاطب کر کے کہا۔

"اگر مرزا مغل میرے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میں یہ صاف طور پر کہہ دوں کہ شہزادوں میں سے کسی نے لوٹ مار کرنے کی کوشش کی تو میں اس کے ناک اور کان کاٹ دوں گا۔"

بخت خان کے ان الفاظ پر بہادر شاہ ظفر مسکرایا اور بخت خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

تمہیں ایسا کرنے کا پورا اختیار ہے جس کام میں بہتری نظر آئے وہی کرنا۔ بخت خان سے اس گفتگو کے بعد بہادر شاہ ظفر نے جو سب سے پہلا فرمان جاری کیا وہ یہ تھا۔

شہر کے کوتوال کو اس نے اطلاع بھجوا دی کہ اب شہر کے اندر لوٹ مار ہوئی تو تمہیں پھانسی دے دی جائے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہادر شاہ ظفر کے ان اقدامات سے بخت خان کو بڑی تقویت حاصل ہوئی ساتھ ہی جو لوگ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنا چاہتے تھے اور دہلی میں اپنی خدمات پیش کر رہے تھے ان کی وجہ سے بخت خان کے لشکر میں اضافہ بھی ہوا اب بخت خان کے پاس چار پیادہ رجمنٹیں، سات سو سوار، چھ گھوڑوں پر رکھ کر چلائی جانے والی توپیں، تین میدانی توپیں، چودہ ہاتھی، تین سو عمدہ قسم کے فالتو گھوڑے جمع ہو گئے تھے۔

بخت خان کو جب بہادر شاہ ظفر کی طرف سے پورے اختیارات دے دیئے گئے تب بخت خان نے باقاعدہ اپنے لشکر کی تشکیل کی۔ سارے لشکریوں کو اس نے چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی تقسیم کر دی۔ بہادر شاہ ظفر کو خبر ہوئی کہ بخت خان نے پورے لشکر کو چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی ادا کر دی ہے تو وہ بڑا حیرت زدہ ہوا۔ بخت خان جب اس کے پاس گیا اور اس معاملے میں بہادر شاہ ظفر نے پوچھا تو بخت خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں بریلی سے آتی دفعہ اپنے ساتھ لگ بھگ چار لاکھ روپے کی رقم لے کر آیا تھا اس میں سے میں نے لشکریوں کو چھ ماہ کی رقم پیشگی ادا کر دی ہے تاکہ وہ جانثاری سے انگریزوں کے خلاف میرا ساتھ دیں۔

بخت خان نے بہادر شاہ ظفر سے یہ بھی کہا کہ میں جانتا ہوں آپ کے پاس لشکر ترتیب دینے کے لئے کوئی رقم نہیں ہے لہٰذا کسی امداد کے لئے میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گا اگر مجھے کامیابی ہوئی تو مال غنیمت آپ کے خزانے میں داخل کر دوں گا۔

بہادر شاہ ظفر بخت خان کے الفاظ سے ایسا خوش ہوا کہ اس وقت اس کے پاس چار ہزار روپے کی ایک رقم تھی وہ اس نے بخت خان کے حوالے کر دی اور اس سے کہا کہ اس رقم سے وہ اپنے ساتھیوں کی ضیافت کا اہتمام کر دے۔

بہادر شاہ ظفر اب بڑی تگ و دو کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاریاں کرنے لگا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کے پاس وسائل نہ تھے ہندوستان کے سارے وسائل پر تو انگریز پہلے ہی قابض ہو چکے تھے بہرحال جس طرح ہو سکتا تھا وہ بخت خان کی پشت پناہی کرنا چاہتا تھا انہی دنوں بہادر شاہ ظفر نے بخت خان کے لئے ایک مہر بنانے کا حکم دیا۔

کہتے ہیں دہلی شہر میں اس زمانے میں بدر الدین نام کا ایک بہترین مہر کن تھا۔ بہادر شاہ ظفر نے سات اگست کو اس کے نام حکم جاری کیا اس حکم نامے کے الفاظ درج ذیل تھے۔

تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ ہمارے مشیر سلطنت کے لئے ایک مہر تیار کر کے پیش کرو جس کی وضع قطع بھی بہت عمدہ ہو اور اس کی تیاری میں حسن و خوبی کا بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے اور اس مہر میں وہ تمام خطابات بھی درج ہوں جو میں نے بخت خان کو دے رکھے ہیں۔

انگریزوں کو جب خبر ہوئی کہ بہادر شاہ ظفر بخت خان کے ساتھ مل کر انگریزوں پر ضرب لگانے کے لئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے رہا ہے تو انہوں نے کوشش کی کہ بخت خان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی بخت خان کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر دیں اور بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر لیں لیکن انگریزوں کی بدقسمتی کہ جس وقت انہوں نے حملہ آور ہونے کا وقت مقرر کیا اس وقت وہ حرکت میں نہ آ سکے حملہ نہ کر سکے اس لئے کہ انگریزوں کے لشکر میں اس وقت مسلمانوں کی ایک پلٹن تھی جس نے بغاوت کھڑی کر دی جس کی بناء پر انگریز حملہ آور ہونے میں پہل نہ کر سکے۔ انگریزوں کا کمانڈر اس وقت جنرل برناڈ تھا اس نے ایک پلٹن کی بغاوت کی وجہ سے حملہ ملتوی کرنے کا حکم دے دیا۔

اس اثناء میں بخت خان اور اس کے ساتھیوں کو یہ اطلاع ملی کہ انگریزوں کے لشکر میں مسلمانوں کی بنالین کی بغاوت کی وجہ سے کافی لوگ زخمی ہو گئے ہیں لہٰذا زخمیوں کا ایک قافلہ انبالہ بھیجا جا رہا ہے ساتھ ہی یہ بھی خبریں پہنچیں کہ فیروز پور سے سامان جنگ اور ایک خزانہ بھی انگریز جنرل برناڈ کی طرف آ رہا ہے لہٰذا اپنے

ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد بخت خان نے تہیہ کر لیا کہ کم از کم یہ خزانہ انگریزوں تک نہ پہنچنے پائے۔

لہٰذا اس کارروائی کی تکمیل کے لئے بخت خان نے اپنی دو رجمنٹوں کو انگریزوں پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا۔

ایک شخص جیون لال اس حملے کی تفصیل درج کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ بخت خان خود ان رجمنٹوں میں شامل نہیں تھا صرف دو رجمنٹوں کو بھیجا گیا تھا تاکہ انگریزوں کی رسد کے سلسلے کو کاٹ دیا جائے۔

انگریزوں پر حملہ آور ہو کر ان دو رجمنٹوں نے اپنی بہترین کارگزاری کا مظاہرہ بھی کیا اور جنگ کے دوران انگریزوں سے سامان کی بھری ہوئی دو گاڑیاں بھی چھین لیں اور دہلی کی طرف لوٹے۔ ان رجمنٹوں کی اس کارروائی سے انگریزوں کے لشکر میں پٹیالہ کی فوج کے لگ بھگ نو سو سوار مارے گئے جب انگریزوں نے جوابی کارروائی کی تو ان دو رجمنٹوں نے علی پور کے مقام پر اپنے ساتھ لیجانے والی توپوں کو نصب کیا اب انگریز ایک طرح سے ان دو رجمنٹوں کی راہ روک کر کھڑے ہوئے تھے۔ اتنی دیر تک رات ہو گئی۔ ان انگریزوں نے رات کے وقت ان پر حملہ کر دیا اس حملے کی وجہ سے آٹھ سو سپاہیوں کا نقصان ہوا اس طرح ان دو رجمنٹوں نے جو مال غنیمت انگریزوں سے چھینا تھا وہ ایک بار پھر انگریزوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

ایک اور بیان کے مطابق اس واقع کے بعد بخت خان نے دس ہزار پیادہ اور رسالے کے ساتھ انگریزوں پر حملہ کر دیا اس حملے کے نتیجے میں انگریزوں کے بہت سے سپاہی اور افسر مارے گئے لیکن یہاں مصیبت یہ تھی کہ انگریز لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان کے پاس ان گنت توپیں تھیں جبکہ بخت خان حملہ آور ہوتے وقت توپیں اپنے ساتھ نہ لے گیا تھا۔ انگریزوں کو جب خبر ہوئی کہ ان پر حملہ آور ہونے والا بخت خان ہے تب انہوں نے اس حصے پر زوردار انداز میں توپوں سے گولے برسانے شروع کر دیئے تھے جس حصے میں بخت خان اپنے ساتھیوں کو ابھارتے ہوئے خود بھی انگریزوں پر حملہ آور ہو رہا تھا اور انہیں بھی انگریزوں پر زوردار حملہ کرنے کے لئے انگیخت کر رہا تھا۔

جب انگریزوں کی توپوں کے گولوں کا رُخ بخت خان کی طرف ہوا تب چاروں طرف گولے برسنے لگے۔ یہ صورت حال یقیناً بخت خان اور اس کے ساتھیوں کے لئے ناقابل برداشت تھی لہٰذا وہ پلٹے اور واپس شہر میں داخل ہو گئے اب انگریزوں کے ساتھ لگاتار کشمکش اور ٹکراؤ کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

جہاں بہادر شاہ ظفر بخت خان کے ساتھ مل کر اپنی عسکری قوت کو تقویت دے رہا تھا وہاں انگریز بھی دن بدن اپنے لشکر کو بڑھا رہے تھے۔ توپوں میں اضافہ کر رہے تھے اور وہ دہلی پر قبضہ کن ضرب لگانے کے لئے اپنی قوت کو عروج پر پہنچا رہے تھے۔

جہاں انگریزوں کو دن بدن تقویت مل رہی تھی وہاں دہلی میں بہادر شاہ ظفر اور بخت خان کے لئے مسائل اٹھ رہے تھے انگریزوں کے ساتھ ٹکراؤ کے نتیجے میں افراتفری برپا ہونے لگی تھی بہادر شاہ ظفر اتنا بوڑھا ہو چکا تھا کہ وہ کوئی کام خود دیکھ ہی نہ سکتا تھا۔ اس کے شہزادوں میں سے مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور مرزا ابوبکر تمام حالات کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے انہیں انتظام کا کوئی بھی تجربہ اور سلیقہ نہ تھا۔ جن آدمیوں نے ان کی حاشیہ نشینی اختیار کر لی تھی وہ بھی حالات سے ناواقف تھے اور خوشامد اور احمقانہ خیال آرائیوں کے سوا ان کا کوئی مشغلہ اور کام نہ تھا۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے بخت خان نے اپنی طرف سے اصلاح احوال کی پوری پوری کوشش کی۔ پر افسوس کہ شہزادوں کی مداخلت اور ان کے مشیروں کی خودغرضیوں کے باعث وہ مقصد پورا نہ ہو سکا جو بہادر شاہ ظفر اور بخت خان دونوں مل کر کرنا چاہتے تھے۔

انگریزوں سے ٹکرانے اور ان کا مقابلہ کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے بہادر شاہ ظفر کے لئے دہلی میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اس کے پاس رقم نہ تھی۔ بخت خان نے جہاں لوٹ مار بند کی اور نظم ونسق بحال کیا وہاں ساہوکاروں اور دہلی شہر کے سیٹھوں کے ذریعے سے روپیہ قرض لینے کے لئے بھی تدبیریں اختیار کیں۔

اس کے علاوہ بہادر شاہ ظفر سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد بخت خان نے یہ بھی منادی کرادی کہ تمام دکاندار اپنے پاس ہتھیار رکھیں جس کے پاس ہتھیار نہ ہوں وہ حکومت سے بغیر کوئی رقم دیئے مفت ہتھیار لے جائیں۔ یہ بھی حکم جاری کردیا گیا کہ دہلی شہر میں جو سپاہی بھی لوٹ مار کرتا ہوا پکڑا جائے گا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا بہادر شاہ ظفر نے شہر کے اندر یہ بھی اعلان کردیا کہ شہر میں جس کے پاس بھی فالتو گولہ بارود ہو وہ حکومت کے حوالے کردے تاکہ اسے انگریزوں کے خلاف استعمال کیا جائے۔

پہلے شہر میں چینی اور نمک کی درآمد پر محصول لگا دیا گیا تھا بہادر شاہ ظفر نے اسے موقوف کرادیا اور کہا کہ موصول اگر باقی رہا تو ان چیزوں کی درآمد رُک جائے گی اور عوام میں بددلی اور پریشانی پھیلنے کے ساتھ ساتھ لشکر میں بھی مہنگائی کی وجہ سے بددلی پھیل سکتی ہے۔

اس کے علاوہ بہادر شاہ ظفر نے یہ بھی حکم جاری کیا کہ جس شخص پر انگریزوں کی طرف داری کرنے یا انہیں چھپانے کا الزام لگے گا اس کے گھر پر چڑھ دوڑیں گے۔ چنانچہ نواب جھجر کے ایک ہندو داروغہ پر ایسا ہی الزام لگا تو لوگوں نے اس کی پچاس ہزار کی جائیداد لوٹ لی۔

ان حالات میں بہادر شاہ ظفر کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ ہندو اور مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑنے پائے۔ اس لئے کہ انگریز چاہتے تھے کہ پہلے ہندو اور مسلمانوں کو لڑایا جائے اور پھر مسلمانوں میں فرقہ وارانہ فساد برپا کرکے اپنے لئے فوائد حاصل کیے جائیں۔ ان سب خدشات کو روکنے کے لئے بہادر شاہ ظفر نے شہر میں گائے ذبح کرنے پر پابندی لگادی اس کے علاوہ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بہادر شاہ ظفر نے اور بھی بہت سے اہتمام کیے۔

پھر شاید بہادر شاہ ظفر کی زندگی کے آخری دن آچکے تھے اس لئے کہ اس قدر انتظامات کرنے کے باوجود حالات سنورنے کے بجائے اُلجھنے لگے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ بہادر شاہ ظفر کے بیٹے نالائق اور غیر ذمہ دار تھے انہیں بخت خان کی کارکردگی اور اس کی عزت افزائی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی انہوں نے مختلف ذریعوں سے دراندازیاں شروع کردیں۔

اس کے علاوہ بادشاہ کے بیٹوں نے جن میں مرزا مغل سرفہرست تھا اپنے کچھ کارندے مقرر کیے جو بار بار بہادر شاہ ظفر کے پاس جاتے اور شکایتیں کرتے کہ ہمیں بخت خان کی قیادت منظور نہیں اور مرزا مغل ہی کو اس بڑے اعزاز کے لئے موزوں سمجھتے ہیں۔

جب بادشاہ بہادر شاہ ظفر ٹس سے مس نہ ہوا اور وہ بخت خان ہی کے حق میں رہا تب ان نابکاروں اور غیر ذمہ دار لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا۔

جب بخت نہیں آیا تھا تو انگریزوں سے روزانہ لڑائیاں ہوتی تھیں اور جب سے بخت خان نے دہلی میں قدم رکھا ہے لڑائیاں بالکل بند ہوگئی ہیں۔

بہادر شاہ ظفر نے اس شکایت پر بھی کوئی دھیان نہ دیا اس لئے کہ یہ سراسر غلط تھا۔ الزام تھا اس لئے کہ ابتداء میں انگریز لشکر کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور اس کے پاس ساز وسامان بھی کم تھا اس کے تمام مورچے بھی تیار نہ ہوئے تھے پھر بخت خان کے آنے کے بعد آہستہ آہستہ انگریزوں کے لشکر کی تعداد بڑھتی چلی گئی ساز وسامان کی مقدار بھی کافی بڑھادی گئی لہٰذا انگریزوں پر حملہ جتنا آسان ابتدائی دور میں تھا اتنا آخری دور میں نہیں رہا تھا۔ تاہم بخت خان نے ان کے ساتھ لڑائیاں جاری رکھیں۔

مرزا مغل نے جب دیکھا کہ اس کا باپ بہادر شاہ ظفر بخت خان کے خلاف کسی شکایت پر کان نہیں

دھرتا اور کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتا تب وہ خود بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں حاضر ہوا اور بخت خان کے خلاف شکایت کرتے ہوئے کہنے لگا۔

عالیجاہ نے اخراجات پورے کرنے کے لئے پہلے قرض کے اہتمام کا حکم مجھے دیا تھا اب بخت خان کو مختار بنادیا گیا ہے مناسب ہے کہ حضور بخت خان کو روک دیں میں قرض کا اہتمام کرچکا ہوں۔

یہ صورت حال بہادر شاہ ظفر کے لئے بڑی نازک اور ناقابل برداشت تھی انگریز دہلی کے باہر اپنی جنگی تیاریوں کو عروج پر پہنچا چکے تھے۔ دن بدن ان کی تعداد اور ساز وسامان میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ مختلف شہروں سے ان کے لشکر اُمڈتے چلے جارہے تھے جبکہ شہر کے اندر بہادر شاہ ظفر کے لشکر میں بدنظمی اور افراتفری کا عالم تھا۔ اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے جھگڑوں اور شکایتوں کو دیکھتے ہوئے بہادر شاہ نے سارے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کردیا۔

ایک حصے کی سالاری مرزا مغل کو دے دی دوسرے کی بخت خان کو تیسرا حصہ مرزا ابوبکر کی کمانداری میں دے دیا گیا تھا۔

لشکر کی یہ تفریق اور تقسیم انگریزوں کے ساتھ جنگ میں کوئی اچھا اثر نہ ڈال سکتی تھی انگریزوں نے دہلی کے خلاف خاصی بڑی قوت فراہم کرلی تھی ان کے مقابلے کے لئے مجاہدین کے اندر اتفاق اور اتحاد ہر درجہ لازمی تھا۔ پر افسوس بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں نے اس کا کوئی موقع نہ چھوڑا پھر لطف یہ کہ وہ نہ فنون جنگ سے آگاہ تھے نہ انہیں اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کا کوئی صحیح تصور تھا اور نہ ہی یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ وہ رعایا کی بہتری اور بہبود کی مناسب تدبیر اختیار کرسکتے ہیں۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے بخت خان بھی کسی حد تک مایوس ہوگیا تھا کچھ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر مایوسی کے عالم میں بخت خان نے خود کہہ دیا تھا کہ میں صرف اپنے حصے کے لشکر کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں باقی سے مجھے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

یوں بہادر شاہ ظفر کے لشکر کے مختلف حصے اب انگریزوں کے ساتھ روزانہ جھڑپوں میں مصروف رہنے لگے تھے جن کا کوئی مثبت نتیجہ یا دخل ظاہر نہ ہوا۔

بہادر شاہ ظفر نے جب دیکھا کہ انگریزوں کے ساتھ روز جھڑپیں ہوتی ہیں اور ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ ایک طرح سے بہادر شاہ ظفر کے لشکر کا نقصان ہی ہورہا ہے اور دن بدن انگریزوں کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہورہا ہے تو اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے بہادر شاہ ظفر نے اپنے سارے سالاروں اور لشکر کے ذمہ دار امراء کو اپنے پاس بلایا۔

جب سب لوگ بہادر شاہ ظفر کے پاس جمع ہوگئے تو انہیں مخاطب کرکے بہادر شاہ ظفر کہنے لگا۔

"میں نے اپنے بیٹے مرزا مغل اور بخت خان کو لشکریوں کی قیادت کے لئے تجویز کیا ہے تمہیں ان میں سے جو پسند ہو اسے منتخب کرلو پر یاد رکھو کہ ہمارے لشکری ہر وقت لافیں ہانکتے رہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے لڑنے کے لئے جارہے ہیں لیکن لڑتے نہیں واپس چلے آتے ہیں۔"

بہادر شاہ ظفر نے انتہائی مایوسی کے عالم میں ان خدشات کا بھی اظہار کیا کہ اگر اسی طرح جنگ جاری رہی، ہمارے لشکریوں کا نقصان ہوتا رہا تو انگریز اپنی طاقت میں بے پناہ اضافہ کرلیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انگریز دہلی میں داخل ہوں گے دہلی پر قبضہ کرکے مجھے قتل کردیں گے۔

وہ سارے سالار اور امراء بہادر شاہ ظفر کی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے انہوں نے عرض کیا کہ حضور ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں ہم انگریزوں کے خلاف جانیں لڑادیں گے۔

اس موقع پر بخت خان نے بہادر شاہ ظفر کو مخاطب کرکے کہا۔

خدا کے فضل سے ہمیں ضرور کامیابی حاصل ہوگی انگریزوں سے نبٹنے کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انگریزوں پر علی پور کی جانب سے حملہ کردیا جائے ایسا میں اس لئے چاہتا ہوں کہ انگریزوں نے شہر کا جس سمت سے محاصرہ کررکھا ہے اس سمت سے ہمیں امداد کی توقع ہے اگر ہم علی پور کی طرف سے انگریزوں پر حملہ آور ہوکر انہیں محاصرہ اٹھانے یا ایک طرف ہٹنے پر مجبور کردیں تو یادر کھیے گا پنجاب کے مختلف شہروں کے علاوہ انبالہ اور فیروز پور سے ہمیں انگریزوں کے خلاف خاصی بڑی مدد مل جانے کی امید ہے۔ ساتھ ہی بخت خان نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ وہ اپنے لشکر کا ایک حصہ شہر سے باہر لے جائے گا اور انگریزوں پر حملہ آور ہوکر پنجاب سے دہلی آنے والے راستے کھولنے کی کوشش کرے گا۔ اس مقصد کے لئے بخت خان نے چالیس توپوں کے لئے دمدمے بنانے کا انتظام بھی کردیا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان دنوں بہادر شاہ ظفر نے علماء سے بھی کام لیا۔ بخت خان کے دہلی پہنچنے سے بیشتر بھی ایک مرتبہ بعض علماء نے جامعہ مسجد میں جہاد کا پرچم بلند کیا تھا۔ اب بخت خان کے ذریعے بہادر شاہ ظفر نے تمام علماء کو جمع کرکے کہا کہ جہاد کے فتوے پر دستخط کردیں چنانچہ یہ فتویٰ جاری ہوا۔ مقصود یہ تھا کہ اس کے ذریعے مسلمانوں میں مذہبی جوش پیدا کیا جاسکے۔

ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا ابوکلام آزاد نے کہا تھا۔

"بخت خان نے آخری دور میں بھی دہلی کے اندر لشکر کی کمانداری سنبھالی تھی۔ وہ دیانت کش انسان تھا اور بڑے خلوص سے فتح حاصل کرنے کی کوششیں کیں۔ دوسرے لیڈروں نے اسے شکست دلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بخت خان جب انگریزوں سے لڑائی کے لئے قدم اٹھاتا تو اسے بہت کم یا قطعاً کوئی امداد نہ دی جاتی تھی۔"

ان حالات میں جب بہادر شاہ ظفر کا لشکر مختلف حصوں میں تقسیم ہوگیا بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کے علاوہ ان کے حاشیہ نشینوں نے بخت خان سے تعاون کرنا چھوڑ دیا تب بہادر شاہ ظفر کی عسکری قوت ایک طرح سے نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کے لشکر کو شکست دی اور شہر میں داخل ہوکر شہر اور قلعے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

جب انگریز دہلی میں داخل ہوگئے تو بخت خان نے اپنے حصے کے لشکر کو ایک جگہ جمع کیا اور بہادر شاہ ظفر کی منت کی کہ آپ میرے ساتھ لکھنؤ چلیں اس نے بادشاہ سے یہ بھی کہا کہ میں دہلی سے باہر اپنے تمام لشکریوں کو اکٹھا کرکے انگریزوں سے لڑوں گا۔ پر بادشاہ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔

ایک انگریز میلیسن اس موقع پر لکھتا ہے۔

بخت خان انیس ستمبر کو دہلی سے روانہ ہوا تھا۔ اس نے تمام جنگ آزماؤں کو ساتھ لے لیا تھا جن پر اسے پورا بھروسہ تھا اس وقت دہلی دروازے اور اجمیری دروازے سے لوگ باہر جاسکتے تھے۔ نیز جمنا کے پل سے بے تکلف گزرا جاسکتا تھا۔

دہلی شہر سے باہر نکلنے سے قبل میلیسن کے مطابق بخت خان بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں حاضر ہوا اور بادشاہ کو اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کرنے کی غرض سے پورا زور صرف کردیا اس نے کہا سب کچھ ضائع نہیں ہوا بے شک انگریز شہر پر قابض ہوگئے ہیں اور قلعہ انہوں نے لے لیا ہے پر پورا ملک ہمارے سامنے کھلا پڑا ہے بادشاہ کے نام اور وجود کے سائے میں جنگ جاری رکھی جاسکتی ہے اور کامیابی کے امکانات اب بھی موجود ہیں۔

بہادر شاہ ظفر کے انکار کرنے کے بعد بخت خان دہلی سے نکل کر لکھنؤ چلا گیا۔ لکھنؤ پہنچنے کے بعد بخت خان کی سرگرمیوں کے پورے حالات معلوم نہ ہوسکے وہ نومبر میں لکھنؤ میں وارد ہوا اور لوگوں کا اندازہ ہے کہ آئندہ فروری تک وہ وہیں قیام کیے رہا۔ وہاں بھی اس نے انگریزوں کے خلاف مختلف جنگوں میں شرکت کی انہی جنگوں میں سے ایک کے دوران جب بخت خان کی کچھ توپیں چھن گئیں تو وہ بہت غمگین ہوا۔ اس موقع پر لکھنؤ کی بڑی بیگم حضرت محل نے بخت خان کو مخاطب کرکے کہا۔

"رنج نہ کرو میں تمہیں اور توپیں لے دوں گی۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محترم خاتون حضرت محل نے بخت خان کو خلعت اور دوسرے تحائف بھی دیئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب لکھنؤ پر بھی انگریز قابض ہوگئے تو بخت خان، مولانا احمد اللہ جو لکھنؤ کے انگریزوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدوں کے سرکردہ تھے ان کے ہمراہ شاہ جہاں پور کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد لوگوں کا خیال ہے کہ وہ وہاں سے نکل کر نیپال چلا گیا باقی عمر وہیں گزاری لیکن یقینی طور پر کسی کو کچھ معلوم نہ ہوا کہ اس نے باقی زندگی کس حالت میں گزاری تھی۔

بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ نیپال سے کسی اور سمت چلا گیا تھا لیکن کچھ کا کہنا ہے کہ یہ درست نہیں۔ بہرحال سن اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی کے اختتام پر بخت خان کی بڑی جستجو کی لیکن وہ کہیں نہ ملا۔ نہ اس کے متعلق کہیں سنا گیا بہرحال یہ یقینی ہے کہ وہ کسی جنگ میں مارا نہ گیا تھا ایسا ہوتا تو سب لوگوں کو پتا چل جاتا اس لئے کہ وہ کوئی گمنام شخص نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ بخت خان نے زندگی انتہائی سادگی میں گزاری خصوصاً جہاد کے دوران میں وہ ایسا لباس پہنتا تھا کہ اس میں اور عام سپاہی میں فرق نہ ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے وہ سر پر رومال لپیٹے رکھتا تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زیادہ تر لباس کھدر کا پہنتا تھا اور عام سپاہیوں میں گھل مل جاتا تھا۔ اس کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے انگریزوں کے توپ خانے میں وہ عہدہ حاصل تھا جو اس زمانے میں شاید بہت کم لوگوں کو نصیب تھا اگر وہ اطمینان سے بیٹھا رہتا تو یقیناً مزید اعزاز حاصل کرتا لیکن وطن کی خاطر فرض کی پکار نے اسے انتہائی مشقتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کردیا۔ انجام کار غربت اختیار کرنی پڑی بہرحال بخت خان نے فرض ادا کرنے میں کبھی کوئی کوتاہی نہ کی وہ سچا مجاہد تھا اور مجاہدین کی شان سے اس دنیا سے رخصت ہوا۔

جہاں تک بہادر شاہ ظفر کا تعلق ہے تو اس نے اپنی طرف سے انگریزوں کے خلاف پوری جدوجہد کی۔ بہت سے مجاہدوں نے بہادر شاہ کو اپنا سربراہ بنا کر انگریزوں کے خلاف معرکہ آرائی کرنے کی پوری جدوجہد کی لیکن بدقسمتی کہ وہ کامیاب نہ ہوسکے بہادر شاہ کیونکہ انگریزوں سے پہلے ہی نالاں تھا یہ بھی سمجھتا تھا کہ اس کے انتقال کے بعد برائے نام بادشاہت کا عہدنامہ بھی ختم ہوجائے گا چنانچہ اس نے مغلیہ خاندان کی عظمتِ پارینہ کے لئے اور ہندوستان کو انگریزوں کے استحصال سے بچانے کے لئے حریت پسندوں اور مجاہدوں کا پورا پورا ساتھ دیا اس کے علاوہ اس نے ہندوستان کے تمام رؤسا اور والیانِ ریاست کو غیر ملکی انگریزوں کو ملک بدر کرنے کے لئے متحدہ اقدام کرنے کے لئے لکھا۔

پر افسوس بہادر شاہ کی اس دعوت پر بعض زمیندار اور رئیسوں نے لبیک کہا لیکن اکثر نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔

غداروں کے موجود ہونے کے باوجود حریت پسندوں نے کھل کر بہادر شاہ ظفر کا ساتھ دیا۔ افسوس کا دوسرا مقام یہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر اس وقت تک بوڑھا ہوچکا تھا خود لشکر کی کمانداری نہیں کرسکتا تھا لہٰذا یہ کام اس کے بیٹے مرزا مغل نے کیا جو جنگ کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کے باوجود مغلوں کی عظمت اور ان کی بادشاہت کو قائم رکھنے کے لئے حریت پسندوں نے انگریزوں کا بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا پر صد افسوس جہاں حریت پسند بہادر شاہ ظفر کا ساتھ دے رہے تھے وہاں غدار بھی تھے اور انہی غداران وطن وقوم کے سبب بہادر شاہ ظفر اپنے حریت پسندوں کے ساتھ تھا نگریزوں کے خلاف کامیابی حاصل نہ کرسکا۔

چھ ستمبر کو انگریزوں کا لشکر حریت پسندوں کو شکست دینے کے بعد دہلی پر قابض ہوگیا۔ یہاں افسوس کا دوسرا مقام یہ ہے کہ بخت خان نے جب دہلی سے لکھنؤ جانے کا ارادہ کیا تو اس نے بادشاہ کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ بہادر شاہ ظفر یقیناً بخت خان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ دہلی سے نکل کر لکھنؤ چلا جاتا لیکن بہادر شاہ نے مرزا الٰہی بخش کے بہکانے پر بخت خان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا یہ مرزا الٰہی بخش بظاہر تو شاہی خاندان کا فرد تھا اور ظاہری طور پر وہ مکمل طور پر بہادر شاہ ظفر کا حمایتی اس کا وفادار اور اس کا طرف دار بنا ہوا تھا۔ لیکن صد حیف یہی مرزا الٰہی بخش سب سے بڑا غدار تھا اور در پردہ وہ بہادر شاہ ظفر کے خلاف انگریزوں سے ملا ہوا تھا اس کے کہنے پر بہادر شاہ ظفر نے بخت خان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور اس مرزا الٰہی بخش نے انگریزوں ہی کے کہنے پر بہادر شاہ ظفر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ بخت خان کے ساتھ دہلی سے نکل کر لکھنؤ نہ جائے۔

اس لئے کہ اسی الٰہی بخش کے ساتھ مل کر انگریزوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ کسی طرح جلد از جلد بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر لیا جائے۔ تاکہ جنگ آزادی کا خاتمہ ہو سکے انگریزوں کو یہ بھی خدشہ تھا کہ اگر بہادر شاہ ظفر بخت خان کے ساتھ نکل کر دہلی سے دوسرے علاقوں کی طرف چلا گیا تو پھر بہادر شاہ ظفر اور بخت خان دونوں مل کر آزادی کی جنگ پہلے کی نسبت تیز اور طویل کر سکتے ہیں چنانچہ بہادر شاہ نے بخت خان کے جانے کے بعد ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لے لی اور انگریزوں نے اس کی اطلاع پاتے ہی مقبرے کا محاصرہ کر لیا اس طرح الٰہی بخش کی غداری کے باعث انگریز بہادر شاہ ظفر اور بخت خان کو علیحدہ کرنے کے ساتھ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

بائیس ستمبر کو بہادر شاہ ظفر نے جاں بخشی کے وعدے پر اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ انگریز میجر ہڈسن نے بادشاہ کے بیٹے بخت اور بیٹی زینت محل کے علاوہ بادشاہ کے سارے بیٹوں کو اس کے سامنے قتل کروا دیا اور بہادر شاہ ظفر کو ایک انگریز سرجان لارنس کے حوالے کر دیا۔

جان لارنس نے بہادر شاہ ظفر کو ذلت اور خواری کے ساتھ قید میں رکھا اور سن اٹھارہ سو اٹھاون میں لارنس نے بادشاہ پر بغاوت کا جھوٹا مقدمہ چلایا اور آخر سات اکتوبر سن اٹھارہ سو اٹھاون میں بہادر شاہ کو قید کر کے رنگون بھجوا دیا گیا بادشاہ کے ساتھ اس کی دو بیویاں شہزادہ جوان بخت اور چند متعلقین کو جانے کی اجازت دی گئی۔ اس طرح بہادر شاہ ظفر نے رنگون ہی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔

مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ مغل بادشاہوں میں بہادر شاہ بڑا اور سب سے زیادہ مہذب شائستہ اور نیک تھا۔ ایک انگریز چارلس مشکاک کے مطابق وہ مغلوں میں سب سے زیادہ قابل احترام اور سب سے زیادہ لائق شخص تھا اس کے دربار کی تہذیب سارے ملک کی تہذیب کے لئے ایک نمونہ سمجھی جاتی تھی۔

کیونکہ بہادر شاہ میں تعصب نام کو نہ تھا۔ اس لئے وہ ہر قوم اور ملت کے لوگوں میں مقبول اور ہر دل عزیز تھا۔

اس کے علاوہ بہادر شاہ ظفر ایک اچھا شاعر تھا تخلص ظفر تھا اور اردو کے مشہور شاعر محمد ابراہیم ذوق سے بہادر شاہ ظفر اصلاح لیا کرتا تھا مرزا غالب اس کے درباریوں میں سے تھا۔

اردو ادب میں بہادر شاہ ظفر کو اہم مقام حاصل ہے۔ بہادر شاہ کا کلام بڑا پرسوز اور خاص طور پر جو غزلیں اس نے اپنی جلاوطنی اور قید کے زمانے میں کہیں وہ بہت زیادہ پر درد ہیں۔

شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہادر شاہ ظفر اعلیٰ درجے کا خطاط اور ماہر موسیقی بھی تھا۔ عمارتوں کی تعمیر اور باغوں کی ترتیب کے بارے میں اس کا ذوق بہت سلجھا ہوا تھا اور وہ سارا دن لکھنے پڑھنے اور قرآن مقدس کی تلاوت میں گزارتا تھا۔ بہادر شاہ ظفر کی نامور تصانیف میں شرح گلستان اردو کے چار دیوان بہت زیادہ مقبول اور مشہور ہوئے۔ بہر حال بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے انگریزوں نے رنگون بھجوا دیا اور وہیں اس نے انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ اس طرح ہندوستان میں مغلوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور انگریزوں کی آمریت کی ابتداء ہو گئی تھی۔

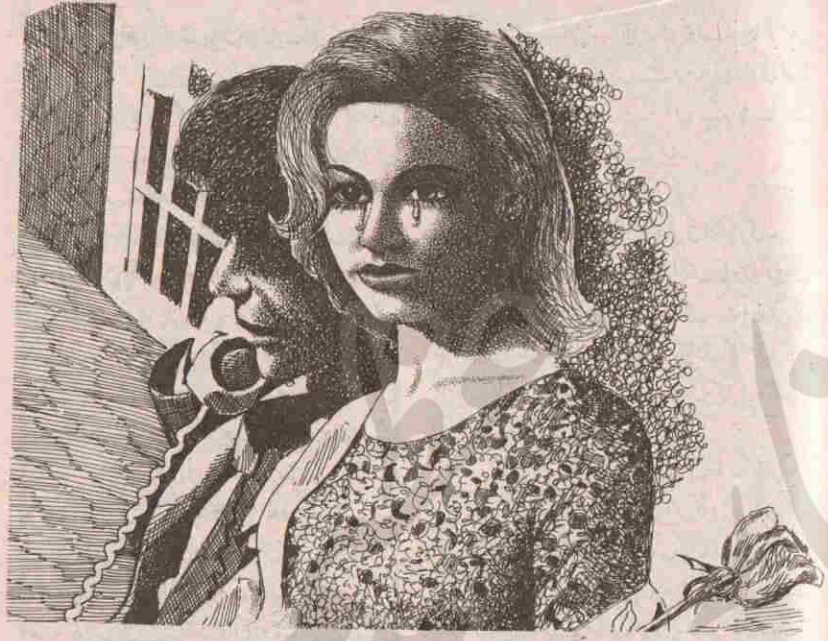

پیالہ

لیوٹالسٹائی

مشہور روسی ادیب لیوٹالسٹائی ہمیشہ پرتاثیر کہانیاں تخلیق کرتے رہے ہیں جسے پڑھ کر باذوق لوگ داد تحسین دیتے رہے ہیں یہ کہانی پہلے بھی مختلف ترجموں کے ساتھ پیش کی جاچکی ہے اب قارئین ڈر ڈائجسٹ کے لئے پیش خدمت ہے۔

یہ مسلم حقیقت ہے کہ زندگی زندہ دلی کا نام اسی بات پر مبنی باذوق لوگوں کیلئے ایک اچھی تحریر

میرے چھوٹے بھائی کا نام "الیوشا" تھا، سب ہی لوگ اسے الیوشا کے نام سے پکارتے تھے، پھر ایک دن ایسا ہوا کہ ماں نے اسے کسی محلے دار کے گھر دودھ پہنچانے بھیجا تو وہ راستے میں ٹھوکر کھا کر سنبھل نہیں سکا، اور ٹوٹے ہوئے پیالے کے ساتھ گھر لوٹ آیا، اس دن اسے گھر میں مار پڑی اور جب وہ باہر نکلا تو اسے گلی کے بچوں نے چھیڑنا شروع کر دیا۔ "پیالہ، پیالہ، الیوشا پیالہ" اس دن سے الیوشا کا نام ہی پیالہ پڑ گیا، اب کوئی اسے الیوشا نہیں کہتا تھا بلکہ پیالہ کے نام سے مخاطب کرتا تھا۔"

الیوشا کے کان اس کے چہرے کی نسبت خاصے بڑے تھے، ایسے بڑے کان کہ اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے کوئی بڑا سا پرندہ پر پھیلائے اس کے کاندھوں پر آ بیٹھا ہو، گاؤں میں ایک اسکول بھی تھا، لیکن اس کا دل پڑھائی میں نہ لگتا تھا، اس کے علاوہ اس کے پاس وقت کی بھی کمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، اس کا بڑا بھائی شہر میں ایک تاجر کے گھر میں ملازم تھا، یہی وجہ تھی کہ جس دن سے الیوشا نے چلنا شروع کیا اسی دن سے گھر کا کام بھی کرنا شروع کردیا تھا، چھ سال کی عمر میں وہ اپنے باپ کے ساتھ بکریوں کا رکھوالا بن گیا، کچھ ہی عرصے بعد گھوڑوں کی دن رات نگہداشت پر مامور ہوگیا، بارہ سال کی عمر میں وہ کھیتوں میں ہل چلانے اور گھوڑا گاڑی پر شہر سے سامان لانے کے فرائض انجام دینے لگا، اس کے چہرے پر ہر وقت شگفتگی تازگی اور مسکراہٹ رہتی حالانکہ وہ کسی جانور کی طرح محنت مشقت کرتا، محلے کے بچے اس پر ہنستے تو وہ انہیں خاموشی سے دیکھتا رہتا، یا پھر کبھی کبھی خود بھی بلا کچھ سوچے سمجھے ہنسنے لگتا، اس کا باپ اس کی بیوقوفیوں پر ناراض ہوتا تو وہ سر جھکا کر اس کی ڈانٹ پھٹکار سنتا، اور جب باپ کے دل کی بھڑاس نکل جاتی تو وہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ادھورے کام کی جانب متوجہ ہوجاتا۔

روس میں لڑکے کے جوان ہوتے ہی جبری بھرتی میں شامل کرلیا جاتا تھا، جب الیوشا انیس سال کا ہوا تو اس کے بڑے بھائی کو جبری بھرتی والے لے گئے، الیوشا کو بتایا گیا کہ اب اسے شہر جاکر بھائی کی جگہ ملازمت کرنا ہوگی، دوسرے دن اس کے بھائی کی جگہ شہر لے جاکر تاجر کے سامنے پیش کردیا گیا، تاجر نے اس کا بغور جائزہ لیا اسے الیوشا کے نرم ہاتھ اور نازک نقوش اپنے امور کے لئے ناموزوں معلوم ہوئے اس نے سوچا کہ نازک اندام نوجوان کیونکر اس کے کام سرانجام دے سکے گا اس نے کہا۔

''میں سمجھ رہا تھا کہ مجھے سائمن کی جگہ کوئی اچھا ملازم مل جائے گا۔'' تاجر نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا، ''یہ میرے کس کام کا ہے۔؟''

''یہ بہت عمدہ کام کرسکتا ہے۔'' الیوشا کا باپ فخریہ انداز میں بولا۔ ''دس لڑکوں کی جگہ یہ اکیلا ہی کافی ہے، کمزور دکھائی ضرور دیتا ہے، لیکن آپ اسے تھکا نہیں سکتے۔''

''خیر، یہ تو معلوم ہو ہی جائے گا۔'' تاجر نے ایک مرتبہ پھر الیوشا کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور...... ہاں...... پلٹ کر جواب دینا تو اس نے سیکھا ہی نہیں، اس کا بس چلے تو ساری زندگی کھانا کھائے بغیر کام کرتا رہے۔'' اس کے باپ نے خوشامدانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھ لیں گے...... چھوڑ جاؤ......'' تاجر نے بے دلی سے کہا۔ یہ الیوشا کی نئی زندگی کی ابتداء تھی۔

تاجر کا خاندان کچھ زیادہ بڑا نہیں تھا، بوڑھی ماں اور بیوی کے علاوہ دو بیٹے تھے، جن میں سے ایک تعلیمی سرگرمیوں میں نمایاں اور دوسرا دنیاوی کاموں میں ہوشیار تھا اس کے علاوہ سب سے چھوٹی بیٹی تھی، جو ہائی اسکول کے آخری درجے میں تھی۔

شروع شروع میں الیوشا کسی کو پسند نہ آیا، چونکہ وہ کسان زادہ تھا اس لئے انہیں اس کا وجود ابھی تک کھیت کی مٹی سے اٹا ہوا لگتا تھا، اس کا لباس دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے اس نے اپنا پورا بدن ایک چادر سے ڈھانک لیا ہو، اسے مہذب لوگوں سے گفتگو کرنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا تھا، وہ معزز افراد کے احوالیہ جملوں میں استعمال ہونے والے الفاظ سے بھی واقف نہ تھا۔

بہر حال جیسا کہ ہوتا ہے کچھ دنوں بعد تاجر کے گھر والے الیوشا کے عادی ہوگئے، شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ الیوشا کی محنتی طبیعت نے ان کا دل خوش کردیا تھا، انہیں معلوم ہوگیا تھا کہ وہ کسی کام اور کسی بات کا برا نہیں مانتا اور نہ ہی پلٹ کوئی جواب دیتا ہے اور ایک کام ختم کرنے کے بعد بغیر دم لئے دوسرا کام شروع کردیتا ہے، آہستہ آہستہ تاجر کے گھر کا سارا کام الیوشا کے سپرد ہوگیا، جتنی تیزی سے وہ اپنی ذمہ داریاں نبھاتا گیا، اتنی تیزی سے اس کے فرائض میں اضافہ ہوتا چلا گیا، وہ منہ اندھیرے بیدار ہوتا اور یکسوئی کے ساتھ ہر کام نمٹاتا جاتا، تاجر کی بیوی، اس کی ماں بیٹی اور بیٹے، خادمہ اور خانساماں، چھوٹے بڑے کاموں کے سلسلے میں اسے یہاں سے وہاں بھیجتے رہتے، اور وہ صبح سے شام تک چاروں سمتوں میں گردش کرتا رہتا۔ اسے تمام دن کچھ اس قسم کے جملے سنائی دیتے رہتے۔''

''الیوشا ذرا دوڑ کر جاؤ اور اسے یہیں لے آؤ۔''

''ذرا اس کا خیال رکھنا الیوشا۔''

''یہ کام تو کردو، الیوشا۔''

''واپسی پر اس کی طرف بھی ہوتے آنا۔''

''دیکھو میں یہ نہ سنوں کے تم بھول گئے ہو۔''

''ہاں...... ہاں، یہ بھی ضروری ہے، مگر ذرا جلدی آنا۔''

الیوشا سب کی سنتا، یاد رکھتا اور مسکراتا ہوا اپنے کام انجام دینے لگتا، وہ ایک کے بعد دوسرا کام کرنے چلا جاتا، کچھ عرصے کے بعد اس کے موٹے اور اونچے جوتے ادھڑنے لگے، اور جگہ جگہ سے اس کی ایڑیوں اور پنجوں کی کھال جھانکنے لگی، تاجر نے اسے جوتوں کا نیا جوڑا منگوادیا، نئے جوتے دیکھ کر اس کا چہرہ جگمگانے لگا، لیکن نئے جوڑے نے اس کے پرانے پیروں کو فوراً قبول نہیں کیا، اور شام تک وہ جوتوں کے کاٹنے سے بے حال ہوگیا، اسے یہ خوف بھی تھا کہ نئے جوتوں کے پیسے اس کی تنخواہ میں سے کاٹ لیے جائیں گے، اور جب اس کا باپ اس کی تنخواہ وصول کرے گا تو اس پر بہت خفا ہوگا، کچھ عرصے سے اس کا باپ اسے مسلسل تنبیہ کررہا تھا کہ وہ اپنے جوتے بہت تیزی سے گھس رہا ہے، اس سلسلے میں اسے احتیاط برتنی چاہئے۔''

الیوشا صبح سحر ہونے سے پہلے ہی اٹھ بیٹھتا، آتش دان کیلئے لکڑیاں تراشتا، صحن اور بیرونی احاطے کی صفائی کرتا، گھوڑوں کا راتب اور گائے کا چارہ تیار کرتا، چولہا گرم کرتا، گھر بھر کے جوتے چمکاتا، مالک کے کپڑے جھاڑ کر دھوپ میں پھیلاتا پھر وہ خانساماں کے کہنے پر سودا سلف کیلئے بازار کا رخ کرتا واپسی پر خادمہ کی ہدایت پر برتن دھونے لگتا، اس سے فارغ ہوتا تو اسے کسی کے نام کی چٹھی دے کر شہر کے دوسرے حصے میں بھیجا جاتا اور واپسی پر چھوٹی بیٹی کو اسکول سے لانے کی ذمہ داری سونپی جاتی، اس کے باوجود کوئی نہ کوئی بول پڑتا، الیوشا خدا کے بندے، کہاں رہ گئے تھے، اتنا فاصلہ تو نہیں تھا، اچھا...... اب فوراً جاؤ اور......'' اور الیوشا فوراً

ڈر ڈائجسٹ کا مشہور و معروف سلسلہ

قسط نمبر 12 سے قسط نمبر 23 تک

مکمل اور طویل ترین داستانِ حیرت

کتابی شکل میں تیار ہے۔

نمبر (2)

رولوکا

پراسرار قوتوں کا مالک

جس کی حیران کن، محیر العقول،

نا قابل فراموش انوکھے کمالات

شرانگیز ماورائی قوت، بولتی مورتی کے علاوہ گودام کی بدروح، ویران مندر، مرگھٹ کے بھوت، وحشی قبیلہ، سورن چمارن، شیطان بھکشو، بندروں والی جھیل، آسیب زدہ مندر، چاند کے پجاری، بھوکی آتما، پراسرار مندر کا آسیب اور شمشان گھاٹ کے بھوت پر مضبوط گرفت۔

جو کہ پڑھنے والوں کو انگشت بدنداں کردے گی

تحریر: اے وحید قیمت=/150

ڈر پبلی کیشنز

کتاب مارکیٹ نیوارد و بازار کراچی

Ph:32744391

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا اور تندہی سے نئے کام میں مصروف ہو جاتا۔

جس وقت فرصت کا کوئی لمحہ ملتا تو وہ روٹی پر سالن ڈال کر کھانے لگتا، لیکن اس دوران بھی کوئی کام آپڑتا تو وہ روٹی کا رول بنا کر ہاتھ میں لئے اپنے ہدف کی طرف دوڑ پڑتا، خادمہ اسے کھانے کے وقت نہ پہنچنے پر ڈانٹتی، لیکن اس کی مجبوری پر رحم کھا کر وہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ بچا کر بھی رکھ لیتی تھی۔"

الیوشا، زیادہ تر خاموش رہتا، جب اسے بات کرنا ہی پڑتی تو وہ جملوں کی جگہ محض الفاظ بول کر اپنا مدعا بیان کر دیتا، کوئی اس سے پوچھتا کہ کیا وہ فلاں فلاں کام کر سکتا ہے؟" کیوں نہیں! وہ جواب دیتا، اور مخاطب کا جملہ مکمل ہونے سے قبل ہی کام شروع کر دیتا تھا۔ اسے کوئی دعا یاد نہیں تھی بچپن میں اس کی ماں نے اسے چند دعائیں یاد کرائی تھیں جو وہ وقت گزرنے کے ساتھ بھول گیا تھا۔

اس طرح الیوشا نے دو برس گزار دیئے، پھر ایک ایسی بات ہوئی، جو اس کی زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

الیوشا کو اس بات کا علم تھا کہ ہر آدمی کو دوسرے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے، کسی بھی حوالے سے لوگ ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، اس لئے دنیا میں انسانوں سے انسانوں کے تعلقات قائم ہیں، لیکن یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ کوئی صورتحال ایسی بھی ہوتی ہے، جب آدمی چاہتا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ رہے، جبکہ اس دوسرے سے کوئی کام بھی نہیں لینا ہوتا۔

انسانوں کے درمیان کچھ یوں بھی تعلق ہو سکتا ہے، یہ الیوشا کیلئے انکشاف تھا، اور یہ بات تانیا کے توسط سے اس پر منکشف ہوئی تھی، تانیا اس نوجوان یتیم لڑکی کا نام تھا جو تاجر کے گھر خادمہ کی حیثیت سے کام کرتی تھی، وہ بھی الیوشا کی طرح محنتی مزاج کی حامل تھی، اسے الیوشا کی جان لیوا محنت اور یکسوئی پر پیار آتا تھا، اسے دیکھ کر الیوشا کو پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ دنیا میں کوئی ایسا بھی ہے، جسے اس کے کام کی نہیں، اس کی ضرورت ہے، بچپن میں الیوشا کی ماں اس سے ہمدردی کا اظہار کرتی تھی تو وہ حیران نہیں ہوتا تھا، وہ جانتا تھا کہ تمام مائیں اپنے بچوں سے پیار کرتی ہیں، لیکن تانیا نے اسے حیران کر دیا تھا، اس کا الیوشا سے کوئی رشتہ نہیں تھا، پھر بھی وہ اس کیلئے مکھن لگی روٹی بچا کر رکھتی تھی، الیوشا مکھن لگی روٹی کھاتا تو وہ اس کے سامنے بیٹھ کر خاموشی سے اسے دیکھتی رہتی، اس دوران الیوشا کی نظریں اس سے ملتیں تو وہ بے ساختہ ہنس پڑتی، ایک لمحہ کیلئے وہ جھینپ جاتا اور پھر خود بھی ہنسنے لگتا، یوں غیر محسوس طریقے سے وہ ایک دوسرے کے نزدیک آتے چلے گئے۔

خاموش محبت کی یہ صورتحال اتنی پر کیف اور انوکھی تھی کہ شروع میں الیوشا خوفزدہ سا ہو گیا تھا، اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ پہلی جیسی تیز رفتاری سے کام نہ کر سکے گا، اس کے وجود پر ایک سرشاری کی کیفیت طاری ہو جاتی، تانیا نے اس کی زندگی میں وہ دریچہ کھول دیا تھا، جہاں سے اس نے پہلی بار پھولوں کی مہک اور تتلیوں کا لڑنا دیکھا تھا، اس کے اردگرد کہکشاں بکھرنے لگی تھی، اس سے پہلے بھی یہ چیزیں کہیں نہ کہیں نظر آتی رہتی تھیں لیکن دنیا بھر کے کاموں سے فرصت نہ ہونے کے سبب وہ انہیں کبھی ٹھیک طریقے سے نہ دیکھ سکا تھا، کام کے دوران جب اس کی نظر اپنی پتلون کے اس حصہ پر پڑتی جو تانیا نے مہارت سے رفو کیا ہوتا تو وہ بے اختیار کہتا۔ "شکریہ تانیا، تمہارا شکریہ۔"

گھریلو امور نمٹاتے ہوئے جب بھی ممکن ہوتا، وہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے، ہنستے مسکراتے اور اپنے بچپن کے واقعات دہراتے، تانیا کو باتیں کرنے کا شوق تھا، اس نے الیوشا کو بتایا کہ کس طرح وہ اپنی خالہ کے پاس پہنچ گئی، الیوشا نے سن رکھا تھا کہ گاؤں سے کام کی تلاش میں شہر آنے والے اکثر لڑکے گھریلو خادماؤں سے شادی کر لیتے ہیں، ایک مرتبہ تانیا نے الیوشا سے پوچھا۔ "اس کا باپ اس کی شادی کے بارے میں کیا ارادہ رکھتا ہے۔" جواب میں الیوشا نے شانے اچکاتے

ہوئے لاعلمی کا اظہار کیا اور بولا۔ "پتہ نہیں، بہرحال گاؤں کی لڑکی سے تو شادی مشکل ہے۔"

"تو..... تم کسی کو پسند کرتے ہو؟" تانیا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں تم سے شادی کروں گا۔" الیوشا نے کسانوں کی پیدائشی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

"لو اور سنو، پیالہ مجھ سے شادی کرے گا۔" یہ کہہ کر تانیا اس کی سادہ لوحی اور بے باکی پر ہنسنے لگی، الیوشا کا چہرہ اتر گیا وہ الجھن زدہ نظروں سے تانیا کو دیکھنے لگا اس کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے تانیا سنجیدہ ہو گئی اور بولی۔ "میں تو مذاق کر رہی تھی، میں تم سے شادی کروں گی۔"

ایک ہفتے کے بعد الیوشا کا باپ اس کی تنخواہ وصول کرنے شہر آیا، تاجر کی بیوی تک خبر پہنچ چکی تھی کہ الیوشا پر تانیا سے شادی کرنے کی دھن سوار ہے، اس نے اپنے خاوند کو پہلے ہی ہوشیار کر دیا تھا۔ "شادی کے بعد کوئی لڑکی اتنی محنت نہیں کر سکتی، بچوں کے ساتھ تانیا ہمارے لئے بیکار ہو جائے گی۔" تاجر نے بیوی کی باتیں سن کر اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ باہر آ کر تاجر نے الیوشا کی تنخواہ اس کے باپ کی جانب بڑھائی تو وہ ہمیشہ کی طرح کھل اٹھا۔ "میرا بیٹا، کیسا کام کر رہا ہے، ویسے کسی بھی کام کو وہ انکار کرنا تو جانتا ہی نہیں۔"

"جہاں تک کام کا تعلق ہے۔" تاجر سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے، مگر وہ ہماری خادمہ سے شادی کے خواب دیکھ رہا ہے اور یہ سب کچھ ہمارے لئے کسی بھی طرح سودمند نہ ہوگا۔"

"ارے، اس کی یہ جرأت۔" الیوشا کے باپ نے حیرانگی سے کہا، پھر چند منٹوں کی خاموشی کے بعد وہ پُریقین انداز میں بولا۔ "آپ بالکل فکر نہ کریں، میں یہ معاملہ بالکل ختم کر کے جاؤں گا۔"

جب الیوشا تمام کام نمٹا کر پھولی ہوئی سانسوں تھا۔ "میں تمہیں ایک سعادت مند اور سمجھدار بیٹا سمجھتا تھا..... لیکن..... یہ سب کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں..... کچھ بھی تو نہیں۔"

"کیا..... کچھ بھی نہیں..... شادی کا خیال دل سے نکال دو، جب وقت آئے گا تو میں خود تمہاری شادی کراؤں گا..... کام کی عورت سے..... شہر کی مکار عورتوں سے دور رہو..... اگر تم نہ مانے تو تاجر تمہیں نوکری سے نکال دے گا، تمہاری شادی بھی نہ ہو سکے گی اور میں ایک معقول رقم سے محروم ہو جاؤں گا۔" اس کا باپ دیر تک اسے تند لہجہ میں نصیحتیں کرتا رہا، اور وہ سر جھکائے سنتا رہا، جب وہ خاموش ہوا تو الیوشا کے چہرے پر وہی تبسم پھیل گیا جو اس کی ذات کا خاصہ تھا، بالکل نارمل، مکمل پرسکون۔

"تو پھر..... میں یہ معاملہ ختم سمجھوں۔؟" باپ کا لہجہ سوالیہ ہو گیا۔

"جی ہاں۔" الیوشا نے سر ہلاتے ہوئے نہایت پرسکون انداز میں جواب دیا۔

جب اس کا باپ رخصت ہو گیا تو تانیا کمرے میں داخل ہوئی، وہ پردے کے پیچھے کھڑی سب کچھ سنتی رہی تھی، اس کی آنکھیں پرنم تھیں، وہ نہایت غمگین اور اداس نظر آ رہی تھی ان دونوں کی معقول محبت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔

"ہمیں یہ معاملہ ختم سمجھنا چاہئے۔" الیوشا نے نرمی سے کہا۔

تانیا نے پلکیں جھپکائیں تو دو آنسو اس کے رخساروں پر واضح لکیریں بنا گئے، الیوشا نے نظر بھر کر تانیا کو دیکھا، گہری سانس لی اور خفیف آواز میں کہا۔ "سب ناراض ہو رہے ہیں..... بھولنا ہی پڑے گا۔" تانیا خاموشی سے دبے قدموں چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

رات کو سونے سے قبل گھر کی کھڑکیاں بند کرنے کے دوران جب وہ بڑی خوابگاہ میں داخل ہوا تو تاجر کی بیوی اسے دیکھتے ہی بولی۔ "باپ سے ملاقات ہو گئی، اب سب کچھ بھول کر کام میں دل لگاؤ۔" ساتھ ہی وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الیوشا کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دلی جذبات کا اندازہ بھی لگاتی جارہی تھی۔ ”لگتا ہے، بھولنا ہی پڑے گا۔“ الیوشا نے مسکرا کر کہا اور اچانک دیوار کی طرف منہ کرکے رونے لگا۔ اس دن کے بعد الیوشا نے کبھی تانیا کا ذکر نہیں کیا، وہ پہلے سے کہیں زیادہ کام میں مصروف رہنے لگا تھا۔

موسم سرما کے ساتھ ہی برف باری بھی شروع ہو چکی تھی اور اچھی خاصی برف گر رہی تھی، سردیوں کی ایک صبح اسے چھت سے برف صاف کرنے کیلئے بھیجا گیا، وہ برف کے ڈھیر بنا کر نیچے دھکیلنے لگا، اور کچھ ہی دیر میں اس نے پوری چھت صاف کردی، اس کے بعد وہ روشن دان کی طرف بڑھا جہاں برف کی تہہ نے پورے روشن دان کو بند کردیا تھا، ابھی وہ روشن دان کی چھجوں پر جمی ہوئی برف ہٹانے کے لئے جھک ہی رہا تھا کہ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ چھت سے نیچے آ گرا، اس کے جسم کا نچلا حصہ برف میں دھنستا چلا گیا ساتھ ہی اس کا سر آہنی جنگلے سے ٹکرا گیا، گرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا، مگر فوراً ہی بری طرح لڑکھڑا کر برف پر گر گیا، تاجر کی بیٹی اور تانیا دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئیں۔ ”الیوشا...... تم ٹھیک تو ہو، تمہیں چوٹ لگی ہے؟“ دونوں کی آواز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔

”ہاں۔ ذرا چوٹ لگ گئی ہے۔“ اس نے دھیرے سے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”گھبرانے کی ضرورت نہیں...... سب ٹھیک ہے۔“ لیکن سب کچھ ٹھیک نہیں تھا، اس نے ایک مرتبہ پھر کھڑے ہونے کی کوشش کی، لیکن لڑکھڑا کر گر پڑا، دوبارہ ناکام ہونے پر وہ سر برف پر ٹیک کر مسکرانے لگا۔

تاجر کی بیٹی اور تانیا اس کی حالت دیکھ کر بری طرح گھبرا گئیں وہ دوڑتی ہوئی گئیں اور لوگوں کو مدد کیلئے پکارا، پھر اسے لوگوں کی مدد سے اٹھا کر بستر پر لٹایا گیا، ڈاکٹر نے معائنے کے بعد اس سے پوچھا۔ ”کہ وہ کہاں تکلیف محسوس کررہا ہے۔“ ”سب جگہ میں اپنے جسم کو ہلا نہیں سکتا...... لیکن سب ٹھیک ہے۔“ ڈاکٹر کے چہرے پر تفکر کے آثار پھیل گئے، وہ الجھن کے ساتھ ہی ناامیدی سے اسے دیکھنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد الیوشا نے آنکھیں کھولیں اور بولا۔ ”روشن دان کی برف رہ گئی، اسے کون صاف کرے گا، ابا کو بلوالو۔“ کہتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کرلیں، وہ دو دن تک بستر پر رہا، تیسرے دن انہوں نے پادری کو بلوالیا۔

”تم کیسا محسوس کررہے ہو الیوشا۔“ تانیا نے اس سے پوچھا، جواب میں اس نے آنکھیں کھولیں لیکن بولا کچھ نہیں۔

”تم مر رہے ہو الیوشا۔“ تانیا کا لہجہ سوالیہ تھا۔

”ہم ہمیشہ رہنے کے لئے تو نہیں آئے۔“ اس نے اپنی فطری صاف گوئی سے کہا۔ ”ایک دن مرنا بھی ہوتا ہے۔“ اس نے چند لمحوں کی خاموشی اختیار کی پر اس کے لب وا ہوئے۔ ”اور دیکھا...... یہ بھی اچھا ہوا...... انہوں نے ہمیں شادی نہیں کرنے دی، اب کتنا افسوس ہوتا۔“ پھر وہ دھیرے دھیرے پادری کے کہے ہوئے الفاظ دہراتا رہا۔

اسے خیال آرہا تھا کہ ”اگر آدمی سب کی بات مانتا رہے، اور کسی کو بھی ناراض نہ کرے تو نہایت اطمینان سے زندگی گزارتا ہے، اگر یہاں ایسا ہوتا ہے۔“ اس نے سوچا۔ ”تو دوسرے جہان میں بھی ایسا ہی ہوتا ہوگا۔“ وہ زیادہ باتیں نہیں کررہا تھا، بس وقفے وقفے سے پانی مانگتا رہا۔

آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ تانیا اس کی پیاس بجھاتی رہی وہ ایک آدھ گھونٹ پانی اس کے حلق میں انڈیل دیتی، پھر اچانک وہ کسی خیال پر چونک گیا، یوں لگا جیسے کوئی بات اسے حیران کررہی ہو، آنکھوں میں پھیلتی حیرت کے ساتھ اس نے ایک طویل اور گہری سانس لی، بازو اور ٹانگیں ایک جھٹکے کے ساتھ سیدھی کیں اور مر گیا۔

گفٹ

محمد عثمان علی - میاں چنوں

اوہ خدایا! ڈاکٹر دہشت زدہ ہوگیا۔ وہ ہولے ہولے آگے بڑھا اور اپنے بیٹے کے ہاتھ سے گفٹ لے لیا۔ کوئی پاگل ہی ہوگا جو بچے کے ہاتھ میں ایسا گفٹ دے گا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ گفٹ نہیں ہے بیٹا، اور نہ ہی اسے گفٹ کہتے ہیں۔ یہ موت ہے موت۔" حقیقت کہانی میں موجود ہے۔

اچھی تحریروں کے متلاشی لوگوں کے لئے ایک دلگداز، دلفریب اور سبق آموز تحریر

سورج جان توڑ کوشش کرنے کے بعد سورج ٹمٹکتے...... پھسلتے ہوئے مغرب کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔ دور دور تک اس کی پھیلی ہوئی سنہری کرنیں ماند پڑ چکی تھیں۔ شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ آسمان کے نیم جگمگاتے ہوئے نیلے سینے میں سے لاتعداد ٹمٹماتے ہوئے ستارے تھوڑی دیر میں نکل کر روشن ہونا شروع ہونے والے تھے۔ چند پرند فضا میں سورج کی نیم سے نیم تر سرخ و سنہری روشنی میں دوڑتے اور اڑتے ہوئے اپنے اپنے آشیانوں کی طرف گامزن تھے۔

آفیسرز کالونی کی کوٹھی نمبر 215 میں ڈاکٹر سہیل بے حس و حرکت بیٹھے ہوئے تھے۔

وہ اپنے مخصوص کمرے میں موجود تھے اور انہوں نے ابھی تک اٹھ کر بتی نہیں جلائی تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ برابر کے کمرے میں ان کا کم سن بیٹا......

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاید کسی پکچرز میگزین (تصویری رسالے) کی ورق گردانی کررہا تھا۔ اس کے صفحات کی سرسراہٹ بھی ڈاکٹر کی محویت میں مخل ہورہی تھی۔

ڈاکٹر سہیل ملک کے عظیم سائنس دانوں میں شامل تھے۔ حکومت نے آج کل ان کو ایک انتہائی خطرناک میزائل کی تیاری سونپ رکھی تھی۔ یہ میزائل بعض صورتوں میں ایٹم بم سے بھی بہت زیادہ مہلک اور تباہ کن ثابت ہوسکتا تھا۔ گزشتہ کئی ہفتوں سے ڈاکٹر سہیل کے شب و روز اسی منصوبے پر صرف ہورہے تھے، کام کے مقررہ اوقات کے بعد بھی ان کی مصروفیت جاری رہتی۔ ان کے ساتھی اور ماتحت تھک کر گھروں کو چلے جاتے .....مگر ڈاکٹر سہیل اکیلے ہی تجربہ گاہ میں جڑے رہتے.....گھر کا ایک کمرہ بھی اسی کام کے لئے وقف ہوکر رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر سہیل کا خیال تھا کہ نئے میزائل کی تیاری ان کی تخلیقی صلاحیت کا ایک کرشمہ ثابت ہوگی۔ سب.....ان کی کارکردگی کو بے حد سراہیں گے۔

ڈاکٹر سہیل کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جس کا نام مسعود تھا۔ اس کی چھٹی سالگرہ قریب تھی۔ ڈاکٹر سہیل کا خیال تھا کہ مسعود کے پاس کھلونوں کا بہترین اسٹاک ہے اور ایک باپ کی حیثیت سے میں نے اسے دنیا کی ہر آسائش فراہم کردی ہے۔ اب مسعود کو بھلا کس چیز کی کمی ہوتی ہوگی؟ ننھا مسعود اکثر اپنے کھلونوں میں مگن رہتا تھا۔ مگر آج اس نے کھلونے چھوڑ چھاڑ کر باپ کے ساتھ کھیلنے کی ضد کی تھی اور باپ کے گھٹنوں پر چڑھ کے بیٹھ گیا تھا۔ ڈاکٹر سہیل نے بڑی مشکل سے مسعود کو سمجھایا۔ مسعود کی والدہ درفانی سے کوچ کرگئی تھیں۔

"ڈیئر مسعود۔ اپنے کمرے میں جاکر کھیلو۔ میں اس وقت ایک انتہائی اہم مسئلے پر غور وفکر کررہا ہوں۔ آئی ایم ریلی ویری بزی۔ پلیز! یو گو ان یور روم۔" ڈاکٹر سہیل نے مسعود کو پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

مسعود منہ بسورتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن ڈاکٹر سہیل کا ذہن اسی طرف راغب تھا۔ وہ سوچ رہے تھے۔ "اگر میں مسعود پر توجہ نہیں دوں گا، اس

کو بیمہ ایجنٹ ہوتو۔" ڈاکٹر سہیل نے اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا چاہا۔ مگر نوجوان نے ان کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔

"جناب عالی.....! میرا تعلق کسی اخبار یا بیمہ کمپنی سے نہیں ہے۔ میں تو آپ کا ایک مداح، پرستار اور فین ہوں۔ اور صرف چند منٹ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اگر آپ مصروف ہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔" اس نوجوان نے ڈاکٹر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، آجاؤ اندر۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر شائستہ انداز میں کہا اور اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ ڈاکٹر پر اجنبی کی شگفتگی کا اچھا اثر پڑا تھا۔ نوجوان اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اندر داخل ہوگیا۔ جبکہ ڈاکٹر نے دروازہ بند کردیا۔ پھر وہ دونوں سیٹنگ روم میں آگئے۔ نوجوان ایک طرف صوفے پر مؤدب انداز میں بیٹھ گیا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی میرا نام افراسیاب ہے۔" نوجوان نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ یعنی طلسم ہوشربا کے شہنشاہ افراسیاب۔ عمروعیار نے جس کی ناک میں دم کررکھا ہے۔ تم دونوں کے جنگی اور جادوئی کارناموں کی کتابیں میرا بیٹا پڑھتا رہتا ہے۔ میرے بیٹے کے پاس عمروعیار کی تمام کتابیں پڑی ہیں۔ مگر تم میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟ اگر تم سوچ رہے ہو کہ عمروعیار کی ہلاکت کے لئے میں تمہاری مدد کروں گا یا اپنی کوئی خوفناک ایجاد تمہیں دے دوں گا۔ تو تم غلط سوچ رہے ہو۔ میں ایسا نہیں کرنے والا۔ میں مسلمان ہوں۔ اور تم جیسے شیطان کی مدد نہیں کروں گا۔" ڈاکٹر سہیل نے اس کا نام سن کر چونکتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر کی بات سن کر نوجوان افراسیاب بے اختیار ہنس پڑا۔

"آپ غلط سمجھے جناب۔ میرا نام افراسیاب ہے۔ مگر میں شہنشاہ جادو گر افراسیاب نہیں ہوں۔ جس کا ذکر عمروعیار کی کہانیوں میں آتا ہے۔" افراسیاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ۔ ویسے باتی داوے کیا پینا پسند کرو گے؟" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"تھینکس۔ میں تو آپ کو دیکھنے اور آپ سے ہاتھ ملانے کا اعزاز حاصل کرنے حاضر ہوا ہوں۔ سنا ہے، عالی مرتبت ڈاکٹر سہیل صاحب ایک خاص میزائل تیار کررہے ہیں۔ جس سے اس کرۂ ارض کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ایسے ہلاکت خیز میزائل کا وجود کتنا ہیبت ناک ہے۔ لیکن جناب تو نہایت پرکشش اور سادہ سے شخص معلوم ہوتے ہیں۔ آپ ایک نیوکلیئر ماہر سے زیادہ ایک جسمانی ڈاکٹر نظر آرہے ہیں۔" اس نوجوان نے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر ڈاکٹر کا ماتھا ٹھنکا۔

"تم ایک شاطر صحافی ہو۔ مگر میں کوئی انٹرویو وغیرہ ہرگز نہیں دوں گا۔" ڈاکٹر نے ہلکی سی برہمی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ کا انٹرویو نہیں لینا ہے۔ میں تو اس خوف ناک میزائل کے متعلق اپنے شکوک دور کرنا چاہتا ہوں۔ اور".....نوجوان نے خجالت سے ہنستے ہوئے کہا۔ مگر اس کی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔

"ڈیڈی۔ ڈیڈی۔" اسی وقت اچانک ننھا مسعود اپنے باپ کو پکارتے ہوئے سیٹنگ روم میں داخل ہوا۔ نوجوان نے خاموشی اختیار کرلی۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔ مسعود سہیل۔" ڈاکٹر سہیل نے افراسیاب کی طرف دیکھ کر کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"کیا ہوا بیٹا.....؟ کیا بات ہے۔؟" ڈاکٹر نے اس بار اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ مسعود نے افراسیاب کی طرف توجہ نہیں دی۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا اپنے باپ ڈاکٹر کے پاس پہنچ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"ڈیڈی۔ آپ میرے ساتھ کھیلتے کیوں نہیں ہیں؟ مجھے اپنے آپ سے اکیلا کیوں رکھتے ہیں؟" اس نے ڈاکٹر سے کہا۔

"میں اس وقت مصروف ہوں بیٹا مسعود۔ تم اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت اپنے کمرے میں جاؤ۔ اپنے کھلونوں سے کھیلو، الماری میں پڑی ہوئی کوئی کہانی پڑھو۔ یا پھر اپنا ہوم ورک کرو۔" ڈاکٹر نے اس سے شائستہ انداز میں کہا۔

"مگر اس وقت کیوں نہیں ڈیڈی۔؟" مسعود نے پوچھا۔

"میں ان صاحب سے گفتگو کر رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ بعد میں کھیلوں گا۔ تم تب تک اپنا ہوم ورک کرلو۔" ڈاکٹر سہیل نے مسعود کو سمجھایا۔ "میں نے اپنا ہوم ورک تو کب سے کرلیا ہے ڈیڈی۔" مسعود نے مرجھائے انداز میں کہا۔

"تمہارے کمرے میں کھلونے اور کہانیوں کا وسیع اسٹاک موجود ہے۔ ان میں لگ جاؤ۔ بٹ آئی بزی دس ٹائم۔" ڈاکٹر نے کہا تو مسعود منہ بسورتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔ مگر افراسیاب نے فوراً اسے محبت سے پکارا۔

"ادھر آؤ بیٹا! میرے پاس۔" مسعود فوراً اس کی پکار سن کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

"تم تو بڑے پیارے بچے ہو۔" افراسیاب نے میٹھے لہجے میں کہا۔ اور اس کا ہاتھ تھام کر زور زور سے ہلایا اور اسے گود میں لے کر اس کا منہ چومنے لگا۔

"انکل۔ آپ کا نام کیا ہے.....؟" آپ بہت اچھے ہیں۔ مسعود نے معصومیت سے کہا۔

"میرا نام ذرا مشکل ہے۔ خصوصاً تمہارے لئے۔ تم مجھے انکل ہی کہو۔" افراسیاب نے مسعود کو گدگداتے ہوئے کہا۔

"مگر پھر بھی انکل آپ کا نام ہے کیا.....؟" مسعود نے افراسیاب کی ٹائی سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

"افراسیاب نام ہے میرا۔" افراسیاب نے پیار سے کہا۔

"بہت اچھا۔ یہ نام تو طلسم ہوشربا کے شہنشاہ کا نام بھی ہے۔ میں عمرو عیار کی کتابیں.....کہانیاں پڑھتا ہوں۔ عمرو عیار شہنشاہ افراسیاب کو کافی زچ کرتا ہے۔ مگر آپ وہ نہیں ہیں۔ ہے ناں۔"!! مسعود نے معصومانہ انداز میں بولتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" افراسیاب نے مسکراتے ہوئے ہنس کر اثبات میں سر ہلایا۔ ڈاکٹر کو بہت غصہ آرہا تھا۔ لیکن وہ نوجوان کو ٹوک کر اپنے بیٹے کا دل توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ افراسیاب بگاڑ بگاڑ کر اور منہ سے طرح طرح کی آواز نکال کر مسعود کا دل بہلاتا رہا۔ پھر اس نے مسعود کو چھوڑ دیا۔ اور اسے اپنے کمرے میں جانے کو کہا۔ مسعود وہاں سے چلا گیا۔

"آپ کا بیٹا سچ مچ بہت پیارا ہے۔ اور اب وہ میرا اچھا دوست بھی بن گیا ہے۔ میں اسے" افراسیاب نے کہا مگر ڈاکٹر کے چہرے پر طیش کے تاثرات دیکھ کر وہ چپ ہوگیا۔

"میرا خیال ہے اب تمہیں چلے جانا چاہئے۔ مسٹر افراسیاب! تم اپنے وقت کے ساتھ میرا وقت بھی برباد کررہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہو۔ زیر تکمیل میزائل کے سلسلے میں تم جو اعتراضات کرنا چاہتے ہو۔ وہ میں دوسروں سے بھی بارہا سن چکا ہوں۔" ڈاکٹر نے صاف گوئی سے نوجوان سے مخاطب ہوکر کہا۔ وہ ایک لمحے کے توقف کے لئے رکا اور پھر دوبارہ بولا۔

"تمہاری یہ بات درست ہے کہ میں واقعی ایک خطرناک ترین ہتھیار پر کام کررہا ہوں۔ وہ ہتھیار کتنا تباہ کن ہوگا؟ اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔ میں صرف ایک سائنس دان ہوں اور سائنس دان کی حیثیت سے اپنا فرض پورا کررہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میرا ملک دنیا کا سب سے طاقت ور ترین ملک بن جائے۔ سپریم ایٹمی پاور۔" ڈاکٹر نے بولتے ہوئے کہا۔

"مگر ڈاکٹر صاحب سنا ہے کہ آپ کے میزائل سے اچانک کروڑوں افراد موت کے منہ میں پہنچ جائیں گے؟" افراسیاب نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ اور یہ افراد ہمارے ملک کے نہیں بلکہ جنگ لڑنے کے دوران دشمن ملک کے ہوں گے۔" ڈاکٹر سہیل نے قدرے ناگواری سے افراسیاب کو جواب دیا۔

"لیکن جناب.....؟" افراسیاب نے کچھ کہنا چاہا۔

"آزراہ کرم..... میں اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" ڈاکٹر نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کو بات کرنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ مگر یقین کیجئے۔ مجھے اس مسئلے نے سوہان روح میں مبتلا کر رکھا ہے، میرا سر درد سے پھٹا جارہا ہے۔" افراسیاب نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر کہا۔ ڈاکٹر سہیل کو اس پر شاید ترس آگیا۔

"کچھ پی لو۔ طبیعت بحال ہوجائے گی۔ میں چائے لے آتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"بہتر ہے جناب۔" افراسیاب نے ڈاکٹر کی پیش کش قبول کرلی۔

ڈاکٹر سہیل نے اثبات میں سر ہلایا اور سیٹنگ روم سے نکلتے چلے گئے۔ پھر جب وہ واپس آئے تو ٹرے میں چائے کے دو کپ تھے، اس وقت انہوں نے دیکھا کہ افراسیاب ان کے بیٹے مسعود کے کمرے سے نکل رہا تھا۔

"گڈ نائٹ انکل۔" مسعود کی آواز سنائی دی۔ جس کے جواب میں افراسیاب نے بھی گڈ نائٹ کہا تھا۔ ڈاکٹر سہیل کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ ان کا دل چاہا کہ وہ نوجوان کو کپ چھونے کی اجازت بھی نہ دیں۔ مگر یہ بات اخلاق و آداب کے منافی تھی۔ پھر وہ دونوں سیٹنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ چائے پیتے ہوئے افراسیاب مسکرا رہا تھا۔

"اب مجھے اجازت دیجئے۔" افراسیاب نے مسکراتے ہوئے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ خالی کپ ٹرے میں رکھ چکا تھا۔

"ویسے تم میرے بیٹے کے کمرے میں کیا لینے گئے تھے؟" ڈاکٹر نے افراسیاب سے پوچھا۔ افراسیاب کی مسکراہٹ ڈاکٹر کو کچھ عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے جناب کہ آج آپ کے علاوہ آپ کے بیٹے مسعود سے بھی ملاقات ہوگئی۔ مجھے واقعی مسعود بہت اچھا لگا ہے۔ اس لئے میں اسے ایک گفٹ دینے اس کے کمرے میں گیا تھا۔"

افراسیاب کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

"گفٹ.....؟ کیسا گفٹ؟ اور کون سا.....؟ کیا دیا ہے تم نے مسعود کو.....؟" ڈاکٹر سہیل نے پوچھا۔

"ایک حقیر سا گفٹ دیا ہے۔" افراسیاب نے کہا۔

"تھینک یو۔" ڈاکٹر سہیل کو خوش اخلاقی سے کہنا پڑا۔

"افراسیاب کو رخصت کرکے ڈاکٹر سہیل غیر ارادی طور پر اپنے بیٹے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ مسعود افراسیاب کے دیئے ہوئے گفٹ سے کھیل رہا تھا۔ گفٹ پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر کی پیشانی پسینے سے عرق آلود ہوگئی۔ اوپر کی سانس اوپر.....اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔

"اوہ! خدایا۔" ڈاکٹر سہیل نے گھبرا کر کہا۔

وہ نہایت احتیاط سے ہولے ہولے آگے بڑھے اور مسعود کے ہاتھوں سے وہ "گفٹ" لے لیا۔

"یہ کیا کررہے ہیں ڈیڈی؟ یہ تو گفٹ کے طور پر انکل افراسیاب مجھے دے کر گئے ہیں۔" مسعود فوراً اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ گفٹ نہیں، ہے بیٹا۔ اور نہ ہی اسے گفٹ کہتے ہیں۔ یہ موت ہے موت۔" ڈاکٹر نے مسعود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس کی بات سنے بغیر تیزی کے ساتھ باہر کی طرف لپکے۔ تاکہ افراسیاب سے پوچھ سکیں کہ کسی بچے کو ایسا گفٹ دیتے ہیں۔

"کوئی پاگل ہی ہے، جو ایک ناسمجھ بچے کے ہاتھ میں بھرا ہوا ریوالور گفٹ سمجھ کر پکڑا دے۔" ڈاکٹر سہیل بڑبڑاتے ہوئے بیرونی دروازے پر پہنچے اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔

انہوں نے افراسیاب کو ڈھونڈنے کے لئے ادھر ادھر دیکھا۔ نظر دوڑائی۔ مگر دور دور تک سڑک خالی نظر آرہی تھی۔ افراسیاب کہیں نظر نہیں آیا۔ نجانے وہ اتنی جلدی کہاں اور کس طرف غائب ہوگیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر:79

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

"تو چلا جا یہاں سے نہیں تو تیرا ستیاناس ہوجائے گا، تو ہمیں نہ چھیڑ، ہم ویسے بھی بہت ستائے ہوئے ہیں۔ میں تجھے چتاونی دیتا ہوں کہ تو یہاں سے فوراً بھاگ جا۔" سنیل کے والد سنیل کی آواز سن کر اور انداز دیکھ کر دنگ رہ گئے ان کی آنکھیں اچنبھے کی وجہ سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ان کا دماغ ماؤف ہوچکا تھا کیونکہ وہ اب تک اپنی ضد کے آگے یہ نہیں مانتے تھے کہ سنیل پر کوئی آتما سوار ہے اور یہی آتما سنیل کو تڑپا رہی ہے اور اس سے پہلے بھی ان کے بچے اس آتما کا شکار ہوچکے تھے۔ اب بات کھلی کہ یہ آتما ان کے والد کے وقت کے پنڈت شنکر داس کی تھی اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے والد نے پنڈت شنکر داس کو تڑپا تڑپا کر مارا تھا۔ مرتے وقت پنڈت شنکر داس نے کہا تھا۔ بلونت تو میری بات یاد رکھنا کسی بھی حال میں راجندر کا پریوار سکھ اور شانتی سے نہیں رہ پائے گا جب تک اس پریوار میں ایک بھی نرمنش زندہ رہے گا وہ اذیت اٹھاتا رہے گا۔ شنکر داس کی آتما نے رولوکا کو بہت ڈرایا دھمکایا کہ تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر چلا جا، پھر وہ بولا۔ "اب تو سن ایک آتما کی بپتا، پھر ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ وہ کوئی بہار نام مغنیہ کی روح تھی اس کا کہنا تھا کہ اس ظالم راجندر نے مجھے دھوکے سے بلایا اپنی حویلی میں ناچ گانے کے لئے مگر اس نے مٹھائی میں نشہ آور دوائی ملا کر مٹھائی کھلائی اور پھر رات کے اندھیرے میں عزت لوٹنے کے بعد مار دیا۔ پھر شنکر داس کی بیٹی سندری کی آتما نے اپنا دکھ بھرا خونی واقعہ سنانا شروع کیا کہ کس کس طرح ہمدردی کا جھانسہ دے کر راجندر نے سندری کی عزت کو تار تار کیا تھا اور آخر کار بدنامی کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے آتما ہتھیا کرلی تھی۔ پھر ایک اور آواز سنائی دی اور وہ آواز کسی پونم نامی لڑکی کی تھی۔ وہ لڑکی راجندر کے باپ رنجیت کے ڈاک بنگلہ میں اپنی سہیلی چاندنی کے ساتھ سیر کے لئے آئی۔ تو راجندر اسے دیکھ کر اس پر لٹو ہوگیا۔ پونم ایک میگزین میں ایک کہانی "آسیبی ڈاک بنگلہ" پڑھنے لگی۔ جس میں بہت کچھ تحریر تھا۔ ڈاک بنگلہ کا مالک ہوس پرست تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ ڈاک بنگلہ میں ٹھہری ہوئی لڑکی کی عزت لوٹ لے مگر لڑکی کا باپ سائے کی طرح اپنی بیٹی کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور ایک دن ڈاک بنگلہ کا مالک اپنے ذہن میں ایک اٹل فیصلہ کرکے خوش ہوگیا۔

(اب آگے پڑھیں)

وہ کافی دیر تک چودھویں کے چاند کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا، پھر اس نے اپنا سیدھا ہاتھ اوپر کو اٹھایا اور سیدھی انگلی چاند کی طرف کئے رکھی کہ اچانک اس نے اپنی انگلی ٹیڑھی کرلی اور معنی خیز مسکراہٹ سے مسکراتا ہوا چھت سے نیچے اتر گیا۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے اس نے نوکر کو آواز دی تو نوکر دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔ "جی سرکار!"

"ایک گرما گرم کافی لا۔"

"جی بہت اچھا۔" کہہ کر نوکر چلا گیا۔

وہ خلاؤں میں گھورنے لگا۔ دس منٹ بعد نوکر کافی لے کر آگیا اور اس کے سامنے میز پر رکھ دی۔ اس نے انگلی کے اشارے سے نوکر کو چلے جانے کا اشارہ کیا تو نوکر "جی اچھا" کہتا ہوا فوراً کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ کافی کی چسکی لیتا اور آنکھیں بند کرلیتا۔ اس طرح کافی سے بیت گیا اور پھر گھڑیال نے بارہ بجنے کا اعلان کردیا اور پھر تو متواتر ٹن ٹن کا گردان کرتا رہا۔ اس وقت اسے گھڑیال کی آواز بہت بری لگ رہی تھی لیکن اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گھڑیال کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کردیتا۔ وہ اپنے خیالوں میں نہ جانے کہاں تک پہنچا تھا کہ گھڑیال نے اس کی سوچوں میں خلل ڈالا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ چونک کر فوراً اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔

ڈاک بنگلہ میں موجود سارے سیاح میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی ایک ملازم دبے قدموں سے اس کے پاس آیا۔ زیرو پاور کا بلب ہر طرف اپنی کمزور روشنی پھیلانے میں مصروف تھا۔ اس نے اس آدمی سے سرگوشی میں چند باتیں کیں اور قریب ہی اپنی حویلی کی طرف لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔

اس کے جانے کے کوئی بیس منٹ بعد راہداری میں جلتا ہوا بلب اچانک بجھ گیا۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے راہداری میں تین سائے نمودار ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں ایک پینسل ٹارچ تھی۔ وہ تینوں آگے بڑھے اور ایک دروازہ کے پاس جا کر رک گئے۔ بہت احتیاط سے ایک نے دروازہ میں لگے ہینڈل کے سوراخ میں چابی ڈال کر گھمایا۔ دروازہ میں لگا تالا کھل گیا۔

وہ تینوں کمرے میں داخل ہو گئے۔ ایک نے آگے بڑھ کر کمرے میں موجود زیرو پاور کا بلب بجھا دیا۔ ایک بیڈ پر ایک خوب صورت لڑکی محوِ خواب تھی۔

دوسرے بستر پر ایک زیادہ عمر شخص نیند کی حالت میں دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔

وہ تینوں لمبے تڑنگے اور مضبوط جسم والے تھے۔ ایک اس بستر کی جانب بڑھا جس پر لڑکی محوِ خواب تھی۔ اس شخص نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر اشارہ پاتے ہی اس نے لڑکی کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ لڑکی بالکل بے سدھ تھی، اس میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ ایسا لگتا تھا کہ لڑکی بے ہوش ہے۔

دوسرے شخص نے بوڑھے کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور پھر تینوں کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

اس تمام کارروائی کے ہونے تک ایک نے پینسل ٹارچ جلائے رکھی تھی۔

چونکہ آج باپ کی طبیعت خراب تھی لہٰذا بیٹی جس کا نام کرن تھا۔ اس نے کھانا اپنے کمرے میں ہی منگوا لیا تھا اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاک بنگلہ کے مالک نے ان کے کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملوا دی تھی۔ کھانا کھاتے ہی تھوڑی دیر میں باپ بیٹی بے ہوش کر اپنے اپنے بستروں پر پڑ گئے تھے۔

گاؤں دیہات میں سرِ شام ہی موت کا سناٹا چاروں اور مسلط ہو جاتا ہے کیونکہ وہاں نہ تو شہر جیسی گہما گہمی ہوتی ہے اور نہ ہی چکا چوند روشنی، پورے گاؤں میں صرف ڈاک بنگلہ اور حویلی ایسی تھی جہاں روشنی کا انتظام تھا۔

بہر حال وہ تینوں شخص باپ بیٹی کو لئے ہوئے حویلی میں داخل ہوئے۔ انہوں نے باپ کو ایک کمرے کے فرش پر ڈال دیا اور لڑکی کو ایک سجے سجائے کمرے کے بیڈ پر لٹا دیا۔ ابھی تک لڑکی بے سدھ پڑی تھی۔ لڑکی کو بیڈ پر لٹانے کے بعد وہ تینوں کمرے سے نکلتے چلتے گئے۔

کمرے کا ایک دروازہ کھلا اور ڈاک بنگلہ کا مالک اپنے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ سجائے کمرے میں داخل ہوا۔ چند منٹ تک لڑکی کو وہ بغور دیکھتا رہا۔ پھر وہ بیڈ پر لڑکی کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اپنے سیدھے ہاتھ سے لڑکی کے دونوں گال اتنے دبائے کہ لڑکی کے گال میں گڑھے پڑ گئے۔ اس کے بعد اس وہ لڑکی کے نرم و نازک گلاب کی پنکھڑی جیسے گلابی ہونٹوں پر اپنی انگلی پھیرنے لگا۔ چند منٹ ایسا کرنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ شاید آنے والے وقت کے لئے وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا اور چاروں سائیڈ دیواروں پر لگے چاروں بلب روشن کر دیئے۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک عود آئی تھی۔ اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بہت خوش ہے شاید یہ سوچ کر کہ میں نے ناممکن کو ممکن کر دیا۔

پھر وہ لڑکی کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا اور دوبارہ لڑکی کے ہونٹوں پر اپنی انگلی پھیرنے لگا، چند لمحے بعد اس نے لڑکی کا گریبان بٹن سے آزاد کر دیا، اس کے بعد وہ لڑکی کو ٹکٹکی باندھے چند لمحے دیکھتا رہا پھر تو اس پر جنون سوار ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے لڑکی کو کپڑوں سے بے نیاز تلوار کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر اس نے اپنی

نظریں لڑکی کے شکیب و فراز پر گاڑ دیں اور پھر جیسے اس کی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔ اس پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی، اس نے خود کو بھی کپڑوں سے آزاد کر لیا اور پھر پلک جھپکتے ہی اس نے خود کو کچ بٹن کی صورت میں ڈھال دیا۔

لڑکی کی اذیت ناک، کرب ناک اور فلک شگاف چیخیں در و دیوار کو دہلا گئیں۔

لڑکی کرب و اذیت سے ماہیٔ بے آب ہو کر تڑپنے لگی، اس کی چیخیں ہر شے میں شگاف ڈالنے لگیں۔ لڑکی کی چیخوں سے گھبرا کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ لڑکی کے منہ پر رکھ دیئے۔

لیکن لڑکی کی چیخوں پر وہ قابو نہ پا سکا۔ لہٰذا اس کے دونوں ہاتھ لڑکی کی گردن پر آ گئے اور اس کے ہاتھوں کی گرفت لڑکی کے گلے پر مضبوط ہوتی گئی۔

اور پھر مزید اس کے ہاتھوں کی گرفت لڑکی کے گلے پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اس دوران اس نے اپنے آپ کو حرکت میں رکھا ہوا تھا۔

لڑکی کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔ اس کی آنکھوں میں دنیا جہاں کا کرب سمٹ آیا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں پھیل کر بڑی ہو گئی تھیں اور پھر لڑکی کی تمام تر مزاحمت دم توڑتی چلی گئی۔ اس کے ہاتھ جو اپنے بچاؤ کی صورت میں ادھر ادھر ہو رہے تھے اب بے جان ہو کر جسم کے دونوں پہلو میں گر گئے تھے۔

''بیڈ سے نیچے اتر کر وہ کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''سالی! بہت بڑی شیرنی بنی تھی۔''

لڑکی کی وحشت سے پھٹتی بے جان آنکھیں جیسے اس پر ٹک گئی تھیں۔ اس نے اپنے کپڑے پہنے اور کمرے سے باہر نکل کر کسی کا نام لے کر ہلکی آواز میں بلایا۔ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا تو اس نے سرگوشی میں اس شخص سے کچھ کہا تو وہ شخص سر ہلاتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں آیا اور ایک چادر اٹھا کر لڑکی پر ڈال دی۔

چند منٹ بعد دروازے پر ٹک ٹک کی آواز سنائی دی تو وہ اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ دو بندے کمرے میں داخل ہوئے اور اشارہ پاتے ہی انہوں نے لڑکی کو چادر سمیت اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا اور پھر کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

ان دونوں شخص کے کمرے سے نکلنے کے چند منٹ بعد الوؤں کی گھٹا ٹوپ اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی خوفناک اور ڈراؤنی آوازیں پورے ماحول کو لرزا گئیں۔

آدھا گھنٹہ وہ کمرے میں کرسی پر بیٹھا رہا پھر وہ اٹھا اور چادر کو دیکھنے لگا کیونکہ چادر پر کافی خون پڑا ہوا تھا۔ اس نے چادر اٹھائی اور گول گٹھری بنا کر ایک کونے میں ڈال دی۔

صبح کا اجالا کیا پھیلا کہ پورے گاؤں میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ہر شخص سکتے کے عالم میں تھا، لوگوں کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا، آنکھوں میں حیرت تھی۔ کسی کو یقین ہو کے نہیں دے رہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ڈاک بنگلہ سے کافی دور ایک کھائی میں ایک لڑکی اور ایک بوڑھے شخص کی کٹی پھٹی لاش پڑی تھی۔ لاشوں کی حالت بہت دگرگوں تھی۔

دونوں لاشیں برہنہ تھیں اور پورے جسم پر کسی تیز دھار آلے سے لگے ہوئے بے شمار زخم نمایاں تھے۔

ڈاک بنگلہ کا عملہ آیا اور اس نے بیان داغ دیا کہ یہ باپ بیٹی کی لاشیں ہیں جو کہ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے لیکن کل شام سے پہلے انہوں نے کہا تھا کہ ہم دوسرے گاؤں میں اپنے ایک جاننے والے کے پاس جا رہے ہیں۔ یہی بات ڈاک بنگلہ کے رجسٹر میں درج تھی۔

پولیس آئی اور ڈاک بنگلہ کے مالک سے اس کی حویلی میں ملی۔ تفتیش، چھان بین، چند لوگوں اور ڈاک بنگلہ کے عملہ سے پوچھ گچھ، پولیس کی کارروائی مکمل ہوئی، مٹھی گرم ہوئی اور پولیس نے ڈاک بنگلہ کے مالک کو نمستے کہا اور نو دو گیارہ ہو گئی۔

سارا کیس نامعلوم لٹیروں پر ڈال دیا گیا۔ ڈاک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنگلہ میں جو باپ بیٹی کا پتہ درج تھا اس پر پولیس نے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نام کے یہ دونوں اس جگہ موجود نہیں۔ ان دنوں جدید نظام نہیں تھا اور نہ ہی شناختی کارڈ وغیرہ ہوتا تھا۔

ایک ہفتہ گزرا تھا کہ ایک رات پورے ڈاک بنگلہ میں تہلکہ مچ گیا۔ رات کا آدھا پہر گزر چکا تھا کہ اچانک ایک کان پھاڑ دینے والی خوفناک اور دلخراش چیخ نما آواز گونجی۔ آواز اتنی زور دار تھی کہ نیند کی وادی میں کھوئے ہوئے لوگ ہڑبڑا کر اپنے اپنے کمروں میں اٹھ بیٹھے اور بدحواسی کے عالم میں کمروں سے نکل کر باہر آ گئے۔

ہر شخص بدحواس تھا بمع ڈاک بنگلہ کے عملے کے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی ڈراؤنی اور دل دہلاتی آوازیں کیسی تھیں۔ ہر آدمی اپنی اپنی ہانک رہا تھا کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنے کمرے میں چلا جائے کہ پھر اچانک وہی آواز دوبارہ چاروں طرف گونج گئی۔

اب تو تمام لوگوں کی حالت دیدنی تھی، کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے لوگ ڈاک بنگلہ کے انچارج کے گلے پڑ گئے۔ ”تم یہ بتاؤ کہ یہ آوازیں کیسی ہیں؟ کیا آج سے پہلے بھی ایسی آوازیں سنی گئی ہیں۔ ایسی آواز کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔“

”ایسا لگتا ہے یہ تو کسی آتما کی آواز ہے جو کہ غیض وغضب کے عالم میں چیخ رہی ہے۔“ کسی نے یہ کہہ دیا۔

اس بات کا لوگوں نے سننا تھا کہ وہ تو خوف اور دہشت سے کپکپانے لگے، کچھ کمزور دل لوگوں پر ہیبت طاری ہوگئی اور وہ فرش پر بیٹھتے چلے گئے۔

رات کا سے لوگوں پر ہیبت طاری، ہر آدمی اپنی اپنی بولیاں بول رہا تھا۔ اب تو لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہ درست ہے کہ یہ آواز ضرور کسی آتما کی ہے، ڈاک بنگلہ کا انچارج اپنی جگہ بہت بیاکل تھا اس نے کہا۔ ”آپ لوگ گھبرایئے نہیں، آج سے پہلے کبھی یہ آواز سنائی نہیں دی، اور نہ کبھی کسی کو اس ڈاک بنگلہ میں کوئی نقصان ہوا ہے۔ ہم خود بیاکل ہیں اور تو نت پتہ لگانے کی کوشش میں ہیں کہ یہ آواز کیسی تھی؟“

کوئی بھی اپنے کمرے میں جانے کو تیار نہ تھا۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے انچارج نے ڈاک بنگلہ کا بڑا ہال کمرہ کھلوا دیا تا کہ سارے لوگ اس کمرے میں بیٹھ جائیں۔

ادھر حویلی کی حالت بھی بڑی ابتر تھی۔ پوری حویلی میں وقفے وقفے سے کربناک اور دردناک کان پھاڑ دینے والی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ آوازیں حویلی کے اس کمرے میں ہی تھیں جس کمرے میں حویلی اور ڈاک بنگلہ کا مالک موجود تھا۔

باہر سے ایسا لگتا تھا کہ یہ خوفناک آوازیں پوری حویلی میں گونج رہی ہیں مگر ایسا نہیں تھا، آوازیں صرف مالک کے کمرے میں گونج رہی تھیں۔

آوازیں جو کہ کسی الو کی آواز سے مشابہ تھیں، کان پھاڑے دے رہی تھیں۔ مالک نے چاہا کہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل جائے اور ملازموں کو آواز دے اور یہ معلوم کرے کہ آج یہ بھیانک آوازیں کیسی ہیں اور کہاں سے آ رہی ہیں؟

لیکن یہ کیا؟ دروازہ تو باہر سے مقفل تھا۔ وہ دروازے کو دھڑ دھڑا تا رہا مگر کوئی بھی اس کی آواز سننے والا نہیں تھا۔ جب دروازہ پیٹتے پیٹتے تھک گیا تو وہ کھڑکی کے قریب آیا مگر کھڑکی بھی بند تھی، لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ کھڑکی کھولنے میں کامیاب نہ ہوا اور پھر اس نے کھڑکی کو بھی پیٹنا شروع کر دیا مگر اس میں بھی وہ ناکام رہا۔

کمرے کی لائٹ بھی اپنی روشنی کھو چکی تھی۔ اس نے سارے بٹن بار بار اوپر نیچے کیے۔ مگر کمرے میں روشنی نہیں ہوئی۔ اس نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں مگر آوازوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔

اچانک کمرے کے بلب جل اٹھے اور پھر اس نے دیکھا کمرے میں دو سائے متحرک تھے۔ ڈھب سے لگتا تھا، ایک سایہ کسی عورت کا تھا کیونکہ اس کے لمبے بال تھے اور دوسرا سایہ کسی مرد کا تھا۔

”گنیش! تو ہماری پہنچ سے دور نہیں بھاگ سکتا۔“ مرد کی آواز گونجی۔ ”تیرا سکھ شانتی آرام سکون تجھ سے دور ہو جائے گا، تو ہر رات میں مرے گا اور جیے گا، رات کا سمے تیرے لئے انگارے پر لوٹنے جیسا ہو جائے گا۔ دن سمے بھی تو ہماری گرفت میں رہے گا یعنی ہم تیرے سنگ سنگ رہیں گے۔ تو ظالم اور پاپی ہے تو نے کئی معصوم ناریوں کا خون کیا ہے اور پھر تو نے مجھے اور میری معصوم بیٹی کرن کو بھی اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ہم باپ بیٹی کو بے دردی سے مروا دیا۔

تیری ساری لنکا تیری آنکھوں کے سامنے لٹ جائے گی۔

تو روئے گا، چلائے گا، آہیں بھرے گا، لوگوں کو اپنی مدد کے لئے گلا پھاڑ پھاڑ کر بلائے گا مگر کوئی بھی تیری طرف نہیں آئے گا۔

تیرا دھن دولت اور یہ راج پاٹ سب مٹی میں مل جائے گا، تو نے جو اپنا روپ دھرماتما کا بھرا ہوا ہے دن کی روشنی میں اس کی قلعی کھل جائے گی۔ تو خود اپنے منہ سے اپنے کرتوتوں کا پرچار کرے گا۔“

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں سائے غائب ہو گئے، کیونکہ اب صبح کا اجالا پھیلنے والا تھا۔ صبح ہوتے ہی ڈاک بنگلہ کا انچارج بھاگتا ہوا اپنے مالک گنیش کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ گنیش کی حالت بہت خستہ تھی۔ بال بکھرے ہوئے، چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی آنکھیں اپنے حلقوں سے کچھ باہر کو پھٹی پھٹی نظر آ رہی تھیں اور سرخ ہو رہی تھیں۔ جیسے کہ ہفتوں نہ سونے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔

گنیش بابو! کل رات ڈاک بنگلے میں اچنبھا ہو گیا۔ آدھی رات سمے اچانک ایک ڈراؤنی خوفناک آواز گونجی جس نے لوگوں کے دلوں کو دہلا کر رکھ دیا۔ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے سارے لوگ اپنے اپنے کمروں سے نکل پڑے اور پھر دوبارہ بھی وہی کان پھاڑ دینے والی ڈراؤنی آواز سنائی دی۔ جسے سن کر لوگوں کا دل اپنے سینے میں پھڑکنے لگا۔

کئی لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی بھٹکی ہوئی ضدی آتما ڈاک بنگلہ میں آ گئی ہے، لوگ ڈر کے مارے ڈاک بنگلہ خالی کرنے کا کہہ رہے ہیں۔

آپ چل کر لوگوں کو ڈھارس بندھائیں تا کہ لوگ شانت ہو جائیں۔ لوگوں کو یہ بھی کہنا ہے کہ تم جا کر گنیش جی کو فوراً لے آؤ۔ کیونکہ گنیش جی کا کہنا ہے کہ اس ڈاک بنگلہ میں کسی کو بھی ذرا سا بھی کشٹ نہیں ہوگا۔ وہی بتائیں گے کہ رات سمے ایسا کیوں ہوا؟ یعنی یہ خوفناک آواز کیسی تھی، شاید انہیں اس آواز کے بارے میں کچھ پتہ ہو۔

گنیش جی! کسی پنڈت، کسی سادھو یا پھر کسی سیانے کو بلا کر معلوم کریں کہ رات سمے جو آواز سنائی دی وہ کیسی تھی؟“ یہ بول کر انچارج خاموش ہو گیا۔

انچارج کی باتیں سن کر گنیش سکتے میں آ گیا، اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا کیونکہ وہ خود بھی رات میں جو نہ ہونے کو وہ بھگت چکا تھا۔ اور اسے چتاونی دی گئی تھی کہ ”تو ہماری گرفت اور پہنچ سے دور نہیں۔“

بہر حال مرتا کیا نہیں کرتا، گنیش نے تو اپنا بھرم رکھنا تھا لہٰذا اس نے انچارج سے کہا۔ ”بگھی والے کو بلا کر لا، میں چل کر دیکھتا ہوں اور لوگوں کو ڈھارس بندھاتا ہوں کہ وہ نہ ڈریں، ڈرنے والی کوئی بات نہیں اور اس سے پہلے کبھی ایسا کچھ ہوا نہیں۔

وکرم تو بھی ڈاک بنگلہ چل اور پھر تو کوچوان کے ساتھ سامنے گاؤں میں چلے جانا اور مندر کے پجاری جی کو میرا بتانا اور بولنا کہ ”گنیش بابو نے آپ کو ترنت بلایا ہے، بہت ضروری کام ہے۔“ ان کو ساتھ لے کر ضرور آنا۔“

یہ سن کر وکرم بگھی والے کوچوان کے پاس گیا اور اسے لے کر فوراً آ گیا۔ گنیش مردار قدموں سے چلتا ہوا حویلی سے باہر نکلا اور وکرم کے ساتھ بگھی میں بیٹھ کر ڈاک بنگلہ آ گیا۔

ڈاک بنگلہ کے دروازے پر گنیش اتر گیا اور وکرم کوچوان کے ساتھ سامنے والے گاؤں کی طرف چلا گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاکہ وہ پجاری کو لے آئے۔

پجاری بہت پہنچا ہوا تھا اور جنتر منتر میں بہت آگے تھا۔ ایک گھنٹے میں وکرم پجاری کو لے کر ڈاک بنگلہ میں آ گیا۔

اس سے پہلے گنیش ڈاک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے لوگوں کو دلاسہ دے چکا تھا۔ انہیں اپنی باتوں سے مطمئن کر دیا تھا کہ ''ڈرنے کی کوئی بات نہیں آپ لوگ آرام سکون سے رہیں اور اگر کوئی بات ہوئی بھی تو میں نے پجاری جی کو بلا بھیجا ہے۔ پجاری جی بہت پہنچے ہوئے ہیں۔''

بگھی جیسے ہی ڈاک بنگلہ کے دروازے پر آ کر رکی تو ترنت گنیش باہر نکلا اور بگھی میں بیٹھ گیا اور کوچوان سے بولا۔ ''حویلی چل وہیں بیٹھ کر پجاری جی سے باتیں ہوں گی۔''

بگھی حویلی کی طرف چل پڑی۔ ڈاک بنگلہ کا انچارج وکرم ڈاک بنگلے میں ہی ٹھہر گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بگھی حویلی کے دروازے پر جا کر رک گئی۔ گنیش فوراً نیچے اترا اور پجاری کو بھی نیچے اترنے کے لئے کہا۔

پجاری بگھی سے نیچے اتر گیا تو گنیش بولا۔ ''پجاری جی اندر چلیں کمرے میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔'' پجاری کو لے کر گنیش اپنے کمرے میں پہنچا اور پجاری سے بولا۔ ''پجاری جی آرام سے کرسی پر بیٹھیں۔'' پجاری ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ گنیش نے مجھے اتنا ترنت کیوں بلوایا ہے، بات کیا ہے؟ اس سے پہلے تو گنیش اتنا گھبرایا ہوا بھی کبھی نظر نہیں آیا تھا۔

پجاری جب آرام سے بیٹھ گیا تو گنیش نے نوکر کو آواز دے کر ٹھنڈا شربت منگوایا اور پجاری کو پیش کیا۔ پجاری نے جب شربت پی لیا تو گنیش پجاری کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔

''پجاری جی! آپ تو مجھے جانتے ہی ہیں کہ میری ذات سے کسی کو کشٹ نہیں پہنچا اور میری ہمیشہ کوشش رہتی ہے کہ میں سب کے کام آؤں، لیکن پتہ نہیں ایسا کیا ہوا کہ کل رات ڈاک بنگلہ میں آدھی رات سے ایک خوفناک اور ڈراؤنی گونجدار آواز سنائی دی۔ آواز اتنی زبردست تھی کہ سوئے ہوئے تمام لوگ ہڑبڑا کر اٹھ گئے اور اپنے اپنے کمروں سے بدحواس ہو کر نکل پڑے۔ تھوڑی دیر بعد پھر اس سے بھی زیادہ کان پھاڑ دینے والی آواز سنائی دی تو لوگوں کا دل دہل گیا۔ لوگ سکتے میں آ گئے اور ان پر کپکپی طاری ہو گئی۔ ڈر اور خوف کی وجہ سے کوئی بھی اپنے کمرے میں نہیں گیا۔ بڑے ہال کمرے میں سب ڈرے ہوئے بیٹھے رہے اور اس طرح بیٹھے بیٹھے بھور سے ہو گیا۔

پجاری جی! اگر ڈاک بنگلہ میں ایسا ہوا ہوتا تو پھر دماغ ایک طرف ہی لگا رہتا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ کل رات میرے کمرے میں میرے ساتھ بھی کچھ اس سے بڑھ کر ہوا۔ کان پھاڑ دینے والی دہشت ناک آواز سے میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس کے بعد متواتر عجیب عجیب قسم کی ڈراؤنی آوازیں آنے لگیں۔

میں نے دروازہ کھولنا چاہا تو دروازہ باہر سے کسی نے بند کر دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ تمام کھڑکیاں بھی کھل کے نہیں دے رہی تھیں۔ میں نے کمرے میں روشنی کرنے کے لئے تمام بٹن آن کئے مگر کمرے کی بجلی غائب تھی، میں حیران و پریشان تھا، مجھ پر خوف پوری طرح سوار ہو چکا تھا۔

اچانک کمرے میں موجود سارے بلب جل اٹھے اور پھر جو منظر نظر آیا، اس نے تو میرے حواس بھلا دیئے جسم میں دوڑتا ہوا خون جیسے جم کر رہ گیا۔

مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا اور میری آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں۔ کمرے میں دو سائے حرکت کر رہے تھے۔ ایک سایہ عورت کا تھا اور دوسرا سایہ مرد کا تھا۔

مرد کی آواز گونجی۔ ''تو پل پل سکھ شانتی کے لئے ترسے گا، پوری رات اس طرح کٹے گی جیسے کہ تو انگاروں پر لوٹ رہا ہو، تو ہماری پہنچ اور گرفت سے دور نہیں جا سکتا۔''

پجاری جی کچھ کیجئے، مجھے بچا لیجئے نہ جانے یہ

دکھوں آتمائیں کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں؟ میں تو کسی کا برا بھی نہیں چاہتا۔ آپ کچھ کریں۔'' اور گنیش فوراً کرسی سے اتر کر نیچے پجاری کے قدموں میں بیٹھ گیا اور پجاری کے دونوں ہاتھ پکڑ کر گڑگڑانے لگا۔ گنیش کی حالت بہت بدحواس تھی۔ پجاری نے بڑے پیار سے کہا۔ ''گنیش بابو آپ چنتا نہ کریں، میں سارے اپائے کروں گا تاکہ آپ کو شانتی سے رہیں، آج رات میں جاپ کروں گا اور یہ معلوم کروں گا کہ یہ آتمائیں کون ہیں؟ اور کیا چاہتی ہیں؟ کہاں سے آئی ہیں اور کیوں آئی ہیں؟

آپ نشچنت ہو جائیں اور بالکل بھی فکر نہ کریں، میں کوشش کروں گا کہ یہ آتمائیں آج رات آپ کو کشٹ نہ پہنچائیں، اب میں چلتا ہوں، میں نے کچھ لوگوں کو مندر میں بلایا ہے اور ان سے ضروری بات کرنی ہے۔''

گنیش مطمئن ہو گیا تھا پجاری کی باتوں سے۔

اس نے نوکر کو آواز دی کہ بگھی والے کو بلا لائے، کوچوان اب آ گیا تو گنیش بولا۔ ''پجاری جی کو ان کے گاؤں چھوڑ آ۔'' جاتے جاتے گنیش نے پجاری کو ایک بھاری رقم بھی دینا نہیں بھولا تھا۔

پجاری چلا گیا اور جب وہ اپنے گاؤں پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ اس کی بہن جو دوسرے گاؤں میں رہتی تھی اس کا بیٹا یعنی پجاری کا بھانجا دریا میں نہاتے ہوئے ڈوب کر مر گیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ پجاری بھاگم بھاگ اپنی بہن کے گاؤں اپنی پتنی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

دن کا سورج ڈھلنے لگا، شام کے سائے پھیلنے لگے اور پھر ہر سو اندھیرے نے اپنا تسلط جما لیا۔ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی گھنگھور گھٹائیں امنڈ آئیں، بادل گرجنے لگے، بجلی کی چمک اور گڑگڑاہٹ نے لوگوں کو سہما کر رکھ دیا، ساتھ ہی آندھی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، لوگوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہونے لگے، اپنے گھروں میں دبکے ہوئے لوگ جلدی جلدی بھگوان سے پرارتھنا کرنے لگے، مندر میں لگی گھنٹیاں بجنے لگیں، مندر کے پجاری اچانک آسمانی آفت دیکھ کر بھجن گانے لگے، کیونکہ ایسے حالات میں بھگوان کی ہی ذات ایسی ہوتی ہے کہ لوگوں کو بچا لیتی ہے۔ گڑگڑاہٹ کے ساتھ جب بجلی چمکتی تو ایسا لگتا کہ بجلی اب گری کہ تب گری۔ کمزور دل لوگوں کے لئے تو گھر والوں نے یہ کیا کہ ان کے سر اور کان پر کپڑا لپیٹ دیا تاکہ بجلی کی گڑگڑاہٹ وہ نہ سن سکیں۔

گنیش اپنے کمرے میں بیٹھا پجاری کو یاد کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ ''پجاری جی آتماؤں کی ایسی تیسی کر کے رکھ دیں گے۔'' اور وہ یوں بھی مطمئن تھا کہ اس نے پجاری کے ہاتھ پر ایک بڑی رقم رکھ دی تھی اور اسے سو فیصد امید تھی کہ ''رقم کی وجہ سے پجاری جی نے اپنا جاپ ضرور کرنا ہے اور ان آتماؤں کو وہ اپنے وش میں کر لیں گے۔''

لیکن اسے کیا پتہ تھا کہ اس کا بنا بنایا پروگرام برستی ہوئی بارش کے پانی میں بہہ جائے گا۔ وہ مطمئن ہو کر اپنے کمرے میں سو گیا۔ باہر کے دل دہلاتے طوفانی موسم سے وہ بے خبر تھا کیونکہ وہ تو حویلی کے عالیشان کمرے میں آرام دہ بستر پر موجود تھا۔

آدھی رات کا سمے تھا۔ اچانک کمرے میں ایک کان پھاڑ دینے والی گڑگڑاہٹ کی آواز گونجی، آواز میں گڑگڑاہٹ اتنی تھی کہ گنیش اچھل کر بستر پر اٹھ بیٹھا اور ہونقوں کی طرح پورے کمرے میں بدحواسی کی حالت میں دیکھنے لگا کیونکہ وہ تو کمرے کی ساری لائٹیں بند کر کے سویا تھا اور اب کمرے کے سارے بلب جل رہے تھے۔

وہ اپنی جگہ بالکل ساکت تھا مگر اس کی آنکھ کی پتلیاں ضرور حرکت کر رہی تھیں، اچانک کمرے میں وہی دونوں سائے متحرک نظر آئے تو اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔

''پجاری بھی مجھے چکمہ دے گیا۔'' اس نے سوچا۔

''پاپی تو یہی سوچ رہا ہے ناں کہ پجاری تجھے چکمہ دے گیا، نہیں ایسا نہیں، پجاری نے ٹھیک سوچا تھا مگر یہ تیری قسمت کا دوش ہے، اور ایسا موقع شاید پھر نہ ملے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پجاری ہماری راہ میں رکاوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھری کردے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

آج کی رات تیری زندگی کی آخری رات ہے۔"

یہ سننا تھا کہ گنیش گڑگڑانے لگا، اس کی آنکھیں ساون بھادوں بن گئیں۔ اس کی گھگی بندھ گئی۔ وہ اپنے ہاتھ جوڑنے لگا۔ "مجھے معاف کردو، میں اپنے من کے آگے اندھا ہوگیا تھا، مجھ پر ہوس سوار ہوگئی تھی۔

میں بہت پاپی ہوں میں نے بہتوں کا خون بہوایا، میں نے بہت برا کیا مگر اب میں ایسا نہیں کروں گا، مجھے بھگوان کے لئے معاف کردو۔ تم لوگ جو بولو گے میں وہی کروں گا، میری جان پر دیا کرو...... مجھ پر دیا کرو...... بھگوان......"

اور گنیش کی آواز گلے میں پھنس کر رہ گئی۔ پھر آواز سنائی دی، "پاپی اب بھگوان کا واسطہ دے رہا ہے، معصوم ناریاں بھی تجھے بھگوان کا واسطہ دیتی تھیں، کیا تو نے ان پر دیا کیا، کیا تو نے ان کی جان بخش دی، تو نے بہت پاپ کئے۔

تیرا آج کی رات مرنا ضروری ہے۔

اور پھر گنیش ایک انجانی قوت کے تحت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹرانس کی حالت میں چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا، اس نے دروازہ کھولا اور غضب ناک طوفانی موسم میں حویلی سے باہر نکل کر ایک سمت چلتا گیا۔

صبح کے وقت پورے گاؤں میں ناقابل بیان حد تک کہرام مچ گیا تھا۔ کیونکہ گنیش کی بھیانک موت لوگوں کے سامنے تھی۔ ایسا شخص جس کے دب دبے کے آگے کوئی آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی موت؟

پورا گاؤں امنڈ آیا تھا اس کی لاش دیکھنے کے لئے۔ جس کی بھی نظر اس کی لاش پر پڑتی تو وہ دل پکڑ کر رہ جاتا، وہ یک ٹک اس طرف دیکھے جاتا، ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی ان دیکھی طاقت لوگوں کو اس طرف دیکھنے پر مجبور کر رہی ہو، کیونکہ جو بھی اس طرف دیکھتا وہ اسی طرف دیکھے چلا جاتا۔ دیکھنے والے کی خواہش ہوتی کہ اپنی نظروں کو لاش پر سے ہٹالے کیونکہ لاش کی جو بھیانک حالت تھی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

گنیش کپڑوں سے آزاد ایک اونچے درخت پر لٹکا ہوا تھا۔ اس کی گردن میں ایک پتلی رسی سی لپٹی ہوئی تھی ایک سرا گردن میں اور دوسرا سرا درخت کی شاخ سے باندھ دیا گیا تھا۔

پورے جسم پر کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں کہ کسی نوکیلی چیز سے چھید نہ کیا گیا ہو۔ سرے سے لے کر گردن تک ہر جگہ کو چھید دیا گیا تھا۔ ہر سوراخ سے خون نکل کر پاؤں کی طرف آتا اور پھر پاؤں سے نیچے زمین پر ٹپکتا تھا۔

کئی لوگوں کے منہ سے نکل گیا کہ "گنیش بابو نے آتما ہتھیا کرلی ہے۔"

مگر اصل سوال یہ تھا کہ کیا کوئی آدمی اپنے جسم میں اتنے سوراخ کرسکتا ہے اور سوراخ ایسے کہ پاؤں سے لے کر گردن تک، سوراخ جسم کے اگلے حصے اور پچھلے حصے کی طرف بھی تھے۔ گردن منہ اور سر بالکل صحیح حالت میں تھے، ان پر ایک بھی زخم کا نشان نہیں تھا۔

اور پھر اچنبھے کی بات یہ بھی تھی کہ اس درخت کے نزدیک بارش کے پانی کا بھی کوئی نشان نہیں تھا، ایسا لگتا تھا کہ اس جگہ بارش نہیں ہوئی۔

گنیش کی موت کی خبر آنا فانا آس پاس کے گاؤں میں بھی پھیل گئی اور لوگ بھاگے ہوئے اس بھیانک موت کو دیکھنے کے لئے آنے لگے۔

اس کے پریوار والے تو اس کی لاش دیکھ کر دھاڑیں مارنے لگے تھے۔ آنسو تھے کہ ان کی آنکھوں سے رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ درخت کے پاس لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ پریوار والوں کی خواہش تھی کہ جلد از جلد لاش درخت سے اتار کر چتا کی اگنی کے حوالے کردیں۔

جو بھی درخت کے پاس جاتا اور درخت پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو اسے جیسے کرنٹ سا لگتا اور وہ

شخص اچھل کر درخت سے دور ہوجاتا۔

یہ اچنبھے میں ڈالتی ایک نئی مصیبت تھی۔ لاش کو درخت سے اتارنا ضروری تھا اور یہ بھی ضروری تھا کہ لاش اتارنے کیلئے کئی لوگوں کو درخت پر چڑھنا لازمی تھا۔ بغیر درخت پر چڑھے لاش نیچے نہیں آسکتی تھی اور نہ ہی اتنی بڑی سیڑھی تھی کہ اسے لگا کر لاش اتاری جائے۔

ہر آدمی کی بدھی اس معاملے میں ناکام ہوگئی تھی۔ لوگوں نے یہ تو سمجھ لیا تھا کہ گنیش کو کسی انسان نے نہیں مارا ہے۔ یہ ضرور کسی بھٹکی ہوئی آتما کا کیا دھرا ہے۔

چند لوگ دوڑے ہوئے گئے اور مندر کے پرانے پجاری جو کہ اب مندر سے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے الگ ہوگئے تھے ان کے پاس گئے اور ساری کتھا سنادی۔ اور یہ بھی بتادیا کہ "جو کوئی بھی درخت پر چڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے کرنٹ سا لگتا ہے اور جھٹکا کھا کر درخت سے دور جا گرتا ہے۔"

لوگوں کی باتیں سن کر پجاری کو گاؤں والوں اور گنیش کے پریوار پر دیا آگیا۔ لہٰذا پجاری جی ان لوگوں کے ساتھ اس درخت کے پاس چلے آئے جہاں درخت گنیش کی لاش لٹکی ہوئی تھی پجاری نے بڑے غور سے گنیش کی لاش کو دیکھا اور اپنا ہاتھا اپنے سر پر مارا۔

پجاری جی نے ایک شخص کو اپنے قریب بلایا اور اس سے کچھ کہا تو وہ شخص دوڑا ہوا پجاری جی کے گھر چلا گیا اور وہاں سے تھوڑا سا لوبان اور تھوڑا سا سیندور لیا اور پھر اپنے گھر آکر آکر چولہے میں سے دہکتے ہوئے انگارے ایک مٹی کے پیالہ میں لیا اور دوڑتا ہوا پجاری جی کے پاس پہنچ گیا۔

پجاری جی ترنت درخت کے پاس بیٹھ گئے آگ والا پیالہ اپنے سامنے رکھ لیا اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کردیا اور وقفے وقفے سے چٹکی بھر لوبان آگ پر ڈالتے بھی جاتے تھے۔ جب آگ پر لوبان پڑتا تو ڈھیر سارا دھواں نکلتا اور اوپر کو جا کر ہوا میں تحلیل ہوجاتا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد پجاری جی نے لاش کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا۔

انگلی کا اشارہ ایسا تھا کہ شاید کسی کو دور ہٹا رہے ہوں۔ کئی بار انہوں نے ایسا ہی کیا تو گنیش کی لاش ایک مرتبہ زور سے ہل گئی۔ اس کے بعد پجاری جی نے سیندور کی پڑیا لے کر درخت کی جڑ کے قریب آئے اور پھر درخت کے چاروں طرف سیندور سے دائرہ بنادیا۔ اس کے بعد کچھ پڑھ کر درخت پر پھونک ماری۔

لوگوں کی طرف پجاری جی دیکھتے ہوئے بولے۔ "جس کو اوپر چڑھنا ہے، چڑھ جائے اور لاش کو نیچے اتار لے۔"

پجاری جی کی بات سنتے ہی تین نوجوان آگے بڑھے۔ تینوں نوجوان گنیش کے ملازموں میں سے تھے، وہ درخت پر دندناتے ہوئے چڑھ گئے، ایک کے ہاتھ میں لمبی اور مضبوط رسی بھی تھی۔

انہوں نے اوپر گنیش کی گردن میں مضبوطی سے رسی باندھ دی اور پھر آہستہ آہستہ رسی کو نیچے کی طرف ڈھیلا چھوڑنے لگے۔ گنیش کی لاش آہستہ آہستہ نیچے آنے لگی اور پھر لاش بالکل نیچے آگئی تو چار پانچ لوگ آگے بڑھے اور لاش کو پکڑ کر زمین پر لٹادیا۔ اور اس پر چادر ڈال دی گئی۔

ایک شخص دوڑا ہوا گیا اور ایک چارپائی لے آیا تو چارپائی پر گنیش کی لاش کو رکھ کر لوگ حویلی کی طرف چل پڑے۔

شام سے پہلے پہلے گنیش کا کریا کرم کردیا گیا۔ یعنی چتا پر لٹا کر چتا کو آگ دکھلا دی گئی اور اس طرح گنیش کا خاتمہ ہوگیا۔

گنیش کے مرتے ہی ڈاک بنگلہ ویران ہوتا چلا گیا۔ کوئی ایسی رات خالی نہیں جاتی، جب آتماؤں کی دھما چوکڑی نہ ہوتی۔ لوگوں نے ڈاک بنگلہ میں آنا چھوڑ دیا اور اس طرح ڈاک "بنگلہ آسیبی ڈاک بنگلہ" مشہور ہوگیا۔

رسالے میں یہ کہانی "آسیبی ڈاک بنگلہ" پڑھ کر مجھ کو جھرجھری آگئی۔ میں چاندنی سے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چاندنی یہ کہانی بہت ڈراؤنی ہے، مجھے تو بہت خوف محسوس ہورہا ہے۔"

میری بات سن کر چاندنی مسکرانے لگی اور پھر بولی۔ "تو تو بڑے دل گردے کی مالک ہے تو تو کسی سے بھی نہیں ڈرتی۔ ارے یہ من گھڑت کہانی ہے۔ اس رسالے میں ہر ماہ ایک ہارر اسٹوری چھپتی ہے۔ اس رسالے میں ہر موضوع پر کہانیاں ہوتی ہیں تاکہ رسالہ زیادہ بکے۔ ارے کہانی تو کہانی ہوتی ہے اس سے ڈرنا میری نظر میں سوائے بیوقوفی کے اور کچھ نہیں۔ شام کی چائے کمرے میں ہی منگا لیتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ راجندر جی کب تک آئیں گے۔"

"چاندنی میرے لئے کسی کا انتظار کرنا بہت کوفت ہوتا ہے اور میں نے تیرے من کے لئے حامی بھرلی تھی کہ تو راجندر جی سے ملاقات کی خواہش مند ہے، ورنہ میں تو بس....." اور میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ارے میری کٹو گلہری میں کیا کرسکتی ہوں، یہ تو اس ڈاک بنگلے کی ریت ہے کہ جب بھی کوئی سیر سپاٹے کے لئے آتا ہے تو راجندر جی اس سے ملاقات ضرور کرتے ہیں۔ اس میں میرے من کا دوش کیا ہے؟ شام ہورہی ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ راجندر جی سے کے بہت پابند ہوں گے اور جو ٹائم ان کے لئے آنے کا ہے اس ٹائم پر وہ ضرور آئیں گے۔" چاندنی نے یہ کہا اور مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھنے لگی۔

میں نے چائے کے بجائے کافی کا آڈر دے دیا۔ کافی کا سن کر چاندنی بولی۔ "پونم تو تو چائے کے لئے راضی تھی اور اب کافی کا کیوں کہہ دیا۔"

میں بولی۔ "کیا بتاؤں میرے من میں اچانک کافی سما گئی اور کافی کا آڈر دے دیا۔" یہ سن کر چاندنی مسکرانے لگی۔

چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ گرما گرم کافی آگئی تو چاندنی کافی بنانے لگی۔ ایک کپ اس نے مجھے پکڑا دیا اور دوسرا کپ لے کر خود چسکیاں بھرنے لگی۔

ہم دونوں نے کافی ختم ہی کی تھی کہ ڈاک بنگلہ کا انچارج کمرے میں آیا اور بولا۔ "پونم جی راجندر جی آگئے ہیں اور آپ لوگوں کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔" یہ بول کر انچارج کھڑا ہوگیا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم اس کے ساتھ چل پڑیں۔

ڈاک بنگلہ میں ایک کمرہ مخصوص تھا جس میں صرف راجندر جی بیٹھتے تھے بقول انچارج کے۔

بہرحال ہم تو فریش ہوکر بالکل تیار بیٹھے تھے۔ میں نے کہا۔ "اچھا جی انچارج جی چلئے آپ کے سرکار سے مل لیتے ہیں۔ اگر یہی یہاں کی ریت ہے تو ملنا تو پڑے گا، نہیں تو ہوسکتا ہے کہ آپ کے سرکار ہمیں کان پکڑ کر ڈاک بنگلہ سے نکال دیں۔"

انچارج میری بات سن کر ہنسنے لگا اور بولا۔ "نہیں جی ایسا نہیں، بس راجندر بابو نے ایک قانون قائدہ بنا رکھا ہے، اس طرح آنے والوں سے ان کی ملاقات ہوجاتی ہے اور ڈاک بنگلہ میں ٹھہرنے والے بھی ان سے مل کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔"

خیر میں اور چاندنی دونوں انچارج بلرام کے ساتھ راجندر کے مخصوص کمرے میں چلی گئیں۔ ہمیں کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر راجندر بابو تڑاخ اٹھ کر کھڑے ہوئے اور ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا۔ ان کی تقلید میں ہم دونوں نے بھی ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا۔

بلرام ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑا ہوگیا تھا۔ راجندر بابو نے ہم دونوں کو کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا تو میں بول پڑی۔ "پہلے آپ بیٹھیں پھر ہم بیٹھ جائیں گے۔"

میری بات سن کر راجندر بابو نے کہا۔ "نہیں جی، آپ لوگ مہمان ہیں ہمارے اور مہمانوں کی عزت اور آؤ بھگت ہماری ریت ہے۔ مہمانوں کی خدمت کرکے میں بہت خوشی محسوس کرتا ہوں، پہلے آپ دونوں تشریف رکھیں۔"

ان کے التجائیہ انداز کو دیکھتے ہوئے پہلے میں کرسی پر بیٹھ گئی تو پھر چاندنی بھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس

کے بعد راجندر بابو بھی بیٹھ گئے اور بولے۔ "آپ دونوں کیا پینا پسند کریں گی، ٹھنڈا یا گرم؟"

یہ سن کر میں جھٹ بولی۔ "تھینک یو! تھوڑی ہی دیر پہلے ہی ہم نے چائے پی ہے۔ آپ پلیز! رہنے دیں۔ اب کسی چیز کی گنجائش نہیں۔"

راجندر بابو بولے۔ ".....! یہ کیسے ہوسکتا ہے، میں برسوں کی ریت نیم تو ڑ نہیں سکتا۔" اور وہ بلرام کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "بلرام انہوں نے چائے تو پی لی ہے لہٰذا ان کے لئے خوب ٹھنڈا ولایتی شربت بنا کر لاؤ، شربت بہت خوب ہونا چاہئے تاکہ پی کر یہ دونوں خوش ہوجائیں۔" حکم سنتے ہی بلرام شربت لینے چلا گیا۔

راجندر بابو بولے۔ "آپ لوگوں کو کوئی کشٹ تو نہیں پہنچا، یہ میرا خاص حکم ہے ڈاک بنگلہ کے عملہ کو کہ اگر ڈاک بنگلہ میں ٹھہرنے والوں کو کوئی ذرا سا بھی کشٹ پہنچا تو میں کھال کھینچ لوں گا اور یہی وجہ ہے کہ میں خود مہمانوں سے ملاقات کرکے آرام و سکون کے متعلق معلوم کرتا رہتا ہوں۔ کھانے پینے رہنے سہنے سے لے کر گھومنے پھرنے تک کی میں خبر رکھتا ہوں۔

اور ہاں اس بات کا آپ لوگ خیال رکھنا کہ رات سے ڈاک بنگلہ سے زیادہ دور نہیں جانا کیونکہ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی کبھی کبھار ڈاکوؤں کا ڈر رہتا ہے، ناریوں کو اکیلا دیکھتے ہی ان پر جھپٹ پڑتے ہیں اور ان کی عزت خراب کردیتے ہیں کئی دفعہ تو چند کیس ایسے بھی ہوچکے ہیں کہ کسی کھائی میں ناری کی لاش ملی ہے یا پھر کبھی یہ بھی ہوا ہے کہ ناری کا پتہ بھی نہیں چلا۔ انہی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اکثر مہمانوں سے ملتا رہتا ہوں۔

ڈاک بنگلہ میں آنے والے تو خود کو سیاح سمجھتے ہیں مگر میں ان کو سیاح نہیں بلکہ اپنا مہمان سمجھتا ہوں۔ سب کو میں اپنی فیملی کا فرد جانتا ہوں۔

میری تو خواہش ہے کہ آپ دونوں میری حویلی میں آجائیں، میں کبھی کبھی ان مہمانوں کو جو مجھے اچھے لگتے ہیں انہیں حویلی میں ٹھہرالیتا ہوں تاکہ وہ زیادہ آرام و سکون سے رہیں۔ آپ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرکے میں زیادہ خوشی محسوس کروں گا۔"

اتنے میں بلرام تین بہت ہی خوب صورت گلاسوں میں لال رنگ کا شربت ایک ٹرے میں رکھ کر لے آیا اور ٹرے میز پر رکھ دی۔ ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا لیکن راجندر بابو نے اس سے کہا۔ "بلرام اب تم جاؤ اور کام وام کو دیکھو۔" یہ سنتے ہی بلرام فوراً چلا گیا۔

"آپ لوگ شربت پئیں اور بتائیں کہ شربت کیسا ہے؟"

میں نے اور چاندنی نے اپنا اپنا گلاس اٹھالیا اور گھونٹ گھونٹ شربت پینے لگے۔ شربت واقعی بہت مزیدار تھا۔ شربت پینے تک راجندر بابو کی نظریں ہم دونوں پر ہی مرکوز رہیں اور اس دوران انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔

شربت ختم ہوتے ہی وہ بولے۔ "تو آپ نے کیا فیصلہ کیا؟"

"راجندر جی! کیسا فیصلہ؟" میں نے کہا۔

"آپ کا بہت دھنے واد، آپ نے بہت سواد والا شربت پلایا اور پھر آپ بڑے دل والے ہیں کہ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرنے والوں کو اپنا سمجھتے ہیں اور ان کی خیر خیریت معلوم کرتے رہتے ہیں۔ میں بھی بہت سارے علاقے گھوم چکی ہوں مگر جیسا آپ آنے والوں کا خیال رکھتے ہیں ایسا کہیں اور نہیں ہوتا۔" میں نے کہا۔

"بس جی! میری خوشی بلکہ میری بنتی ہے کہ آپ دونوں میری حویلی میں قیام کریں، آپ لوگ میری بات مان لیں گی تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔" راجندر بابو نے کہا۔

میں بولی۔ "آپ کا بہت بہت دھنے واد، ہم دونوں ڈاک بنگلہ میں بہت خوش ہیں اور سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس جگہ اور بھی لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں، سب ایک دوسرے سے گپ شپ کرتے رہتے ہیں تو اس طرح من بہلتا رہتا ہے۔ میں سمجھتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں کہ حویلی میں آپ ہوں گے اور ہم دونوں، اور ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنی باتیں کریں گے۔ آپ چند منٹ ہمارے پاس بیٹھیں گے، ویسے بھی آپ بہت مصروف وقت گزارتے ہیں، ڈاک بنگلہ اور پھر پورے گاؤں کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے۔

آپ پلیز! ہمیں ڈاک بنگلہ میں ہی رہنے دیں۔ ویسے جب آپ کا دل چاہے آ کر ہم سے مل لیا کریں، بلکہ آپ ہمیں بلوا لیا کیجئے گا، ہم خود آپ کے پاس آ جائیں گے، ویسے بھی حویلی اور ڈاک بنگلہ میں فاصلہ ہی کتنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ویسے آپ لوگوں کی مرضی، لیکن اگر آپ ہماری بات مان لیتیں تو اچھا ہوتا، میں نے دل میں مان رکھ کر آپ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔''

اچانک کمرے میں دل دہلا دینے والی آوازیں گونجنے لگیں، الوؤں کی دہشت ناک آوازیں دماغ کو منتشر کر گئیں، ساتھ ہی بلیوں کی رونے کی آوازیں بھی دل میں شگاف ڈالنے لگیں۔

میری اور چاندنی کی حالت تو بیان سے باہر ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی راجندر بابو بھی بدحواس ہوگئے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں، ان کی آنکھوں میں دہشت صاف طریقے سے دیکھی جا سکتی تھی۔ آنکھیں اوپر کو چڑھ کر پھٹی پھٹی رہ گئی تھیں۔

ایسا لگتا تھا کہ یہ آوازیں کمرے کی دیواروں کے اندر سے نکل رہی ہوں۔ ہم دونوں خوف سے کپکپا رہی تھیں، کاٹو تو ہمارے بدن میں خون نہیں، آوازوں میں اس قدر خوف و دہشت تھا کہ میں کیا بتاؤں۔ راجندر بابو بدحواسی کے عالم میں کمرے کی دیواروں کو دیکھ رہے تھے۔

''راجندر جی! یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا۔ میری آواز جیسے گلے میں اٹک رہی تھی۔

ہم دونوں کی بدحواسی دیکھ کر راجندر بابو بولے۔ ''آپ لوگ گھبرائیں نہیں، پتہ نہیں یہ اچانک کیا ہو رہا ہے؟ آج سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ میں بلرام کو بلاتا ہوں۔'' یہ بولتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئے، تو ہم نے بھی غنیمت جانا اور ہم دونوں بھی ترنت کمرے سے نکل گئیں۔

جب ہم کمرے سے باہر راہداری میں آئیں تو سوائے حیرانی کے ہمارے ذہنوں میں کوئی بات نہیں تھی۔ راجندر بابو کا کوئی پتہ نہیں تھا اور پھر سب سے بڑھ کر اچنبھے والی بات یہ تھی کہ ان خوفناک آوازوں کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔ راہداری بلکہ پورے ڈاک بنگلہ میں سکون تھا، کسی قسم کی کوئی بھی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

کاؤنٹر پر بیٹھا بلرام کہیں موجود نہیں تھا بلکہ کوئی اور بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''جناب بلرام جی اور راجندر بابو جو کہ ابھی ابھی اپنے کمرے سے نکلے تھے، آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں؟''

کاؤنٹر پر بیٹھا شخص نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور جھجکتے ہوئے بولا۔ ''بلرام ذرا کسی کام سے راجندر بابو کے ساتھ ترنت حویلی چلے گئے ہیں۔''

''چاندنی یہ چکر کیا ہے؟ انہوں نے تو بولا تھا۔ ''میں بلرام کو بلاتا ہوں کہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں؟'' میں نے کہا۔

چاندنی بولی۔ ''پونم چھوڑ بھی، تجھے کیا ایسی آوازوں سے، گاؤں دیہات میں ایسی آوازیں آتی رہتی ہیں۔'' خیر میں نے اپنے سر کو جھٹکا اور میں بولی۔ ''اچھا چل! ہال میں جا کر بیٹھتے ہیں، جہاں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہال میں بیٹھے لوگوں نے بھی یہ آوازیں سنی ہیں کہ نہیں۔''

میری بات سن کر چاندنی مجھے گھورنے لگی اور بولی۔ ''ارے بھئی یہ آوازیں نہ ہوئیں، جیسے کہ ایٹم بم پھٹ گیا ہے آوازیں..... آوازیں..... بس کر..... اب تیرے منہ سے آوازوں کے متعلق میں نہ سنوں اور ہال میں جا کر کسی اور سے اس معاملے میں ذکر بھی نہ کرنا۔''

میں نے چاندنی کے بازوؤں پر زور سے چٹکی بھری اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''اچھا بابا اب آوازوں

کے متعلق میری زبان بند، کیوں ٹھیک ہے ناں۔'' میں نے کہا۔

ہال میں بڑی گہما گہمی تھی۔ لوگ اپنی اپنی میزوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے، ہال میں بہت ہی مدہوش کن روشنی تھی، ایک عجیب سرور کا احساس ہو رہا تھا، میں نے اپنی انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا اور بولی۔ ''وہ جگہ ٹھیک رہے گی۔'' کیونکہ کونے میں ایک میز خالی تھی، ہم دونوں اس طرف بڑھ گئے اور جا کر اس میز پر بیٹھ گئے۔

کرسی پر بیٹھتے ہی میں نے ایک لمبا سانس کھینچا تو مجھے قدرے سکون محسوس ہوا۔ پورے ہال میں بہت ہی من موہنی ہلکی سریلی آواز میں میوزک بج رہا تھا۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ بہت ہی خوابناک ماحول تھا۔ سونے پر سہاگہ کہ ماحول کے مطابق پورے ہال میں گونج رہا تھا مدھ بھرے میوزک کا سر۔ میں نے اندازہ کیا کہ ہال میں بھی وہ خوفناک دل دہلاتی آوازیں سنائی نہیں پڑی تھیں۔ ویٹر ہمارے قریب آیا تو میں نے سوپ کا آرڈر دے دیا۔ آرڈر لے کر ویٹر چلا گیا۔

میں نے سرگوشی کی۔ ''چاندنی میں وثوق سے کہہ رہی ہوں کہ یہ راجندر بابو مجھے اچھے نہیں لگے، تو نے محسوس کیا ہو کہ نہ کیا ہو لیکن میں نے کافی غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ راجندر بابو دل کے ٹھیک نہیں۔ وہ جتنی دیر باتیں کرتے رہے تو ان کی نظریں صرف میرے سراپے پر ٹکی رہیں اور کسی بھی عورت کو اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگتی کہ سامنے والا مرد اس عورت کے متعلق کیا خیال رکھتا ہے بلکہ میں تو اس سے بھی آگے کی سوچ رہی ہوں کہ وہ ہوس پرست انسان ہیں۔

خوب صورت اور جوان عورتیں ان کی کمزوری ہیں اور شاید اس معاملے میں وہ حد سے گزر جاتے ہوں گے۔ اپنائیت، فیملی فرد اور پھر حویلی میں رہنے کے لئے زور دینا یہ سب ان کی چالبازی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کمزور دل اور لالچی عورتیں ان کے شکنجے میں جکڑ جاتی ہوں گی۔ بہت سی ایسی ہوتی ہیں جو کہ مرد کی چال کو سمجھتی نہیں ہیں اور پھر دھن دولت کی چکاچوند میں کھو جاتی ہیں۔

میرا پختہ یقین یہ بھی ہو گیا ہے کہ جو بھی حویلی میں گئی، وہ اپنے آپ سے گئی اور اس طرح راجندر بابو اسے اپنی چال میں پھانس لیتے ہوں گے۔''

''ارے چل ہٹ تو بہت دور کی کوڑی ہانکنے لگی، تیرا دماغ تو جتنا ایکسپریس سے بھی تیز چل رہا ہے، ارے بہت سے مرد عورت کے ساتھ ہنس بول کر خوش ہو لیتے ہیں اور اس عمل کو اپنی فتح سمجھتے ہیں کہ انہوں نے عورت کے دماغ پر اپنا قبضہ جما لیا اور سب سے بڑھ کر ایسے لوگ اپنی دولت اور شاہ خرچی کا زیادہ پرچار کرتے ہیں، بس یہ عورت کے قریب رہ کر خوشی محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگ اپنی بدنامی سے بھی بہت ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی عزت پر لوگوں کی انگلیاں نہ اٹھ جائیں۔'' چاندنی بولی۔

''چاندنی تو صحیح کہہ رہی ہے لیکن راجندر بابو وہ نہیں جو تو سمجھ رہی ہے۔ ارے میں نے بھی بہت خاک چھانی ہے، قسم قسم کے مردوں کی نظروں کو دیکھا ہے، ہوس پرست نظروں کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں ویٹر ٹرے میں سوپ کے دو پیالے رکھ کر لے آیا۔ اس نے احتیاط سے دونوں پیالے رکھے اور ساتھ ہی سوپ میں ڈالنے والے لوازمات رکھ کر چلا گیا۔ تو میں نے کہا۔

''اچھا اب سوپ پی، باقی باتیں بعد میں۔'' اور میں نے سوپ پینے کے لئے سوپ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

سوپ واقعی بہت مزیدار تھا۔ چمچہ چمچہ میں سوپ پیتی رہی لیکن میرا دماغ راجندر بابو کی آنکھوں میں الجھا رہا۔ ان کی آنکھوں سے ان کی نیت ٹھیک نہیں لگتی تھی۔ آہستہ آہستہ ہم دونوں نے سوپ ختم کیا۔ لیکن میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں اور میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ میں کسی صورت بھی راجندر بابو کی بات نہیں مانوں گی یعنی حویلی میں شفٹ ہونے کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک میرے دماغ میں ''آسیبی بنگلہ'' والے مالک کا خیال آ گیا تو میں مجسم سہم گئی کیونکہ اس کہانی میں بھی بالکل ایسا ہی واقعہ تھا کہ ''ڈاک بنگلہ کا مالک خوب صورت عورتوں اور لڑکیوں کو اپنائیت، محبت اور خلوص کا جھانسہ دے کر حویلی میں لے جاتا اور پھر ان کی عزت لوٹ لیا کرتا تھا۔

اس خیال نے میرے دل و دماغ پر سکتہ طاری کردیا۔ میں نے اپنے وجود میں ایک زبردست جھرجھری محسوس کی اور پھر لرز کر رہ گئی۔ میری آنکھیں بند تھیں۔

''پونم یہ آنکھیں بند کر کے کیا سوچنے لگی۔'' چاندنی کی آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''ارے کیا کوئی سپنوں کا راجا دماغ میں گھس گیا تھا؟''

''چل ہٹ..... میں آزاد رہنا چاہتی ہوں..... میرے دماغ میں کوئی راجا ماجا نہیں آتا، اور نہ ہی میں اس معاملے میں سوچتی ہوں، جو مزہ آزاد رہ کر گھومنے پھرنے میں ہے وہ شادی کے بعد نہیں۔ جب میں اپنے شوق اور گھومنے پھرنے سے بالکل تھک کر کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رہوں گی تو پھر راجا اور شہزادہ کے متعلق سوچوں گی۔'' میں نے مسکراتے ہوئے چاندنی سے کہا۔ تو چاندنی مسکرانے لگی اور بولی۔

''بھئی میں تو ابھی سے سوچنے لگی ہوں کہ کب تک ماتا پتا پر بوجھ بنی رہوں، میں تو اکثر بھگوان سے پرارتھنا کرتی ہوں کہ جلدی سے کوئی میرے آگے سر جھکانے والا آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر لے جائے۔

میری نانی کا ایک بہت زور کا فلسفہ ہے اور وہ اکثر جوان لڑکیوں کو دیکھ کر کہتی تھیں کہ ''عورت بیسی اور گھسی۔''

''بھئی یہ بیسی اور گھسی کا مطلب میں نہیں سمجھی، اس کا مطلب تو سمجھا۔'' میں نے چاندنی سے کہا۔

چاندنی بولی۔ ''نانی کا اصل مقصد یہ ہے کہ عورت بیس سال کی عمر تک بالکل اسمارٹ، مضبوط اور رنگ روپ کی مالک ہوتی ہے، اس عمر تک عورت پر جوانی کا خمار رہتا ہے، اس عمر تک عورت کے گال چمکتے اور دمکتے رہتے ہیں۔

بیس سال کے گزرتے ہی عورت کا چہرہ ماند پڑنا شروع ہوجاتا ہے اور پھر جیسے جیسے عمر آگے کو بڑھتی ہے تو عورت سوچوں کی اتھاہ گہرائی میں اترتی چلی جاتی ہے اور پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس عمر تک رشتے بھی بہت آتے ہیں، ورنہ تو پھر ''عمر یا بیتی جائے اور کوئی رشتہ نہ آئے۔'' کے انتظار میں لڑکی والے گھلنے لگتے ہیں اور جب محلے و خاندان میں کسی کی سگائی ہوتی ہے تو گھر والے اور لڑکی خود سوچتی ہے کہ کاش! ہمارے ساتھ ایسا ہو، یعنی میری بھی شادی جلد ہوجائے۔ لڑکی پر ایسا نفسیاتی اثر ہونا شروع ہوجاتا ہے اور پھر اس کے بعد لڑکی اندر سے مرجھانا شروع ہوجاتی ہے۔

پونم میں نے نانی کی ان باتوں پر بہت غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچی کہ نانی کی باتیں سو فیصد درست ہیں۔ خیر میں تو ابھی انیس کی ہوئی ہوں اور ابھی سے من میں لڈو پھوٹنے لگے ہیں۔''

''تو تو بالکل عقل سے پیدل ہوگئی ہے، ارے مجھے دیکھ میں تو بائیس کی ہو کر بھی سوچ سے بہت دور ہوں۔ نا تو میرا چہرہ ماند پڑ رہا ہے نا میں نفسیاتی ہوگئی ہوں اور نا ہی میں رات میں جاگ جاگ کر کسی کے آنے کا انتظار کرتی ہوں۔ ارے پاگل یہی تو زندگی ہے کہ کھاؤ پیو اور خوش رہو، شادی بیاہ بہت بڑا جھنجھٹ ہے، اس میں پڑ کر لڑکی کہیں کی نہیں رہتی ہے بلکہ یہ سمجھو کہ اس کے پاؤں میں حکم کی زنجیر پڑ جاتی ہے۔ پتی کا حکم، ساس نند اور دیور کا حکم، یہ کرو یہ نا کرو بلکہ اٹھو بیٹھو اور کھاؤ تو بھی ہم سے پوچھ کر ہماری اچھا کے مطابق..... بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو اپنی مثال نہ دے، سینکڑوں میں اگر تو اکیلی ایسی ہے تو سب تو ایسی نہیں ہیں۔ بہرحال زیادہ لوگوں کی یہی رائے ہے کہ بہرحال میں بیس سال تک لڑکی کی شادی ہوجانی چاہئے۔''

قرآن مجید کی 6236 آیات سے 360 عنوانات منتخب کئے گئے

قرآن کے روشن موتی

ایک جامع کتاب

مؤلف: ڈاکٹر مصلح الدین

اس سے پہلے بھی بہت سی کتابیں انگریزی، اردو اور دوسری زبانوں میں شائع ہوچکی ہیں اس کتاب میں ایمان، علم، طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، خوف اللہ، اخلاق، معاشرت، نکاح، طلاق، عدت، معاملات، جہاد، توحید، تبلیغ، پردہ، حدود، آباؤ اجداد، آثار قدیمہ، آثار قیامت، انسان، انسان کی پیدائش، جنگ قیدی، انبیائے کرام، صحابہ کرام اور مذاہب عالم کے عنوانات کے تحت ذیلی عنوانات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب انفرادیت کی حامل ہے جو کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو تسکین دے گی۔

آفسٹ پیپر دلکش ٹائٹل اور خوب صورت طباعت

قیمت -/250 روپے

کامیاب بک ڈپو

نیو اردو بازار کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خیر یہ باتیں بعد کی ہیں، بعد میں سوچوں گی، ابھی تو میرے پیٹ میں چوہے دوڑنے کی سوچ رہے ہیں اور ابھی میں اس کے متعلق سوچ رہی ہوں۔" میں نے کہا تو چاندنی نے اشارے سے ویٹر کو قریب بلایا اور کھانے کا آرڈر دیا۔

اس وقت رات دس کا سمے ہو رہا تھا۔ ہال میں موجود اور لوگ بھی کھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ ویٹر کھانا لے آیا۔ ہم دونوں نے کھانا کھالیا تو ویٹر برتن اٹھانے آیا تو میں نے دو کافی کا آرڈر دے دیا، کافی بھی بہت جلد آ گئی اور ہم دونوں کافی کی چسکیاں لینے لگیں۔ جب کافی ختم ہو گئی تو میں نے کہا۔ "چاندنی میرا من کر رہا ہے کہ آج ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوئیں۔"

چاندنی بولی۔ "ٹھیک ہے اس میں فرق ہی کیا ہے، چل اٹھ میں تیرے کمرے میں سو جاتی ہوں۔"

ایسا میں نے اس لئے کیا تھا کہ "آسیبی ڈاک بنگلہ" کی اسٹوری اور راجندر بابو کے کمرے میں جو خوفناک آوازیں سنائی دی تھیں، یہ سب کے سب میرے دماغ میں بیٹھ گئے لہٰذا میں جانتی تھی کہ چاندنی میرے قریب رہے گی اور ہم باتوں میں لگے رہیں گے تو میرے دماغ سے یہ خوفناک باتیں نکل جائیں گی اور ایسا ہی ہوا چاندنی میرے کمرے میں سوئی تو کافی رات گئے تک ہم دونوں ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہے، لہٰذا میرے دماغ سے وہ باتیں نکل گئیں اور میرا ذہن فریش ہو گیا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ میں نیند کی وادی میں اترتی چلی گئی۔

اس دن صبح کے وقت کافی دیر سے میری آنکھ کھلی تھی۔ میں نے دیکھا کہ چاندنی فریش ہو کر کرسی پر بیٹھی ایک انگلش میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ مجھ پر نظریں پڑیں تو بولی۔ "بھگوان کا شکر ہے کہ تمہاری آنکھ کھلی..... اب جلدی سے اٹھ کر فریش ہو جاؤ..... کیونکہ اس وقت میرے پیٹ میں چوہے دوڑنے شروع ہو گئے ہیں۔"

میں فوراً اٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی جب پورے جسم پر پڑا تو مجھے بہت مزہ آیا۔ خیر میں واش روم سے نکلی اور تھوڑی دیر بعد میں نے کمرے میں ناشتہ منگوالیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد میں چاندنی سے بولی۔ "بھئی آج تو میرا دل کر رہا ہے کہ میں گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر علاقے کی سیر کروں، تیرا کیا خیال ہے؟"

چاندنی بولی۔ "جو حکم سرکار کا۔"

ہم نے کپڑے چینج کئے اور ڈاک بنگلہ سے پرے۔ مین سڑک پر اکثر گھوڑا گاڑی والے کھڑے رہتے تھے اس لئے کہ زیادہ تر سیاح بگھی میں بیٹھ کر سیر کرنا مناسب سمجھتے تھے۔ میں نے ایک زیادہ عمر کو جوان سے کہا۔ "بابا ہم نے سیر کرنا ہے۔"

کوچوان بولا۔ "میری بچیو! شوق سے بیٹھ جاؤ۔"

میں نے پوچھا۔ "بابا جی آپ کتنے پیسے لیں گے تو وہ بولا۔ "آپ لوگ جو خوشی سے دے دیں گی، میں لے لوں گا، میں اس معاملے میں کبھی ضد نہیں کرتا، جو بھگوان دلا دیتا ہے، وہ خوشی خوشی رکھ لیتا ہوں۔"

خیر ہم دونوں گھوڑا گاڑی پر بیٹھ گئیں تو بابا نے بگھی کو آگے بڑھا دیا۔ علاقے کی ہریالی کمال کی تھی۔ جدھر نگاہ اٹھ جاتی تا حد نگاہ ہوا کے دوش پر جھومتے کھیتوں میں پودے دل کو اپنی مٹھی میں لے لیتے تھے۔ خراماں خراماں بگھی چل رہی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی فرحت بخش ہوائیں دل کو لبھا رہی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ بگھی والے بابا تمام علاقے کے بارے میں بتاتے جا رہے تھے۔

آج ہمارا دل جلدی سیر سے واپس آنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا، ایک ایسی جگہ سے بگھی گزرنے لگی جہاں کہ گاؤں کا ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ سوندھی سوندھی مچھلی کی خوشبو آ رہی تھی۔ خوشبو سے میرا دل مچل اٹھا تو میں نے بابا سے کہا۔ "بابا بگھی کو روک لیں اور ہوٹل سے مچھلی لے آئیں۔"

بابا نے بتایا۔ "پتر یہ ہے تو بہت چھوٹا ہوٹل مگر اپنی

صفائی اور ذائقے کی وجہ سے بہت مشہور ہے، اس راستے سے گزرنے والے لوگ اپنی گاڑی روک کر یہاں کی چیزیں ضرور کھاتے ہیں یا پھر چائے تو پیتے ہی ہیں۔"

میں نے بابا کو پیسے دیئے تو بابا مچھلی لینے ہوٹل چلے گئے۔ چند منٹ بعد بابا آئے اور بولے۔

"پتر ہوٹل والا کہہ رہا ہے کہ بی بی کو یہی بلا لیں کیونکہ گرم گرم مچھلی اور گرم روٹیاں یہاں پر کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہو گا، کتنی چیزیں اٹھا کر آپ لے جاؤ گے اور پھر پانی بھی لانا پڑے گا۔"

بابا کی بات معقول تھی، میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے پھر چلیں۔" بابا نے بگھی کو ہوٹل کی جانب موڑ لیا اور چند منٹ میں ہم ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔ ہوٹل والے نے ہمیں ایک طرف بٹھایا۔ ہوٹل واقعی صاف ستھرا تھا۔ بمشکل چار پانچ افراد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ہمارے آگے گرم گرم مچھلی اور گرم روٹیاں آ گئیں۔ میں نے ساتھ والے ٹیبل پر بابا کو بیٹھنے کا کہا اور ویٹر سے بولی۔ "بابا کے لئے بھی یہی چیزیں لاؤ۔"

بغیر کانٹے کی مچھلی بہت عمدہ طریقے سے فرائی کی گئی تھی گرم گرم روٹیاں اور ساتھ میں چٹنی سلاد نے اور بھی مزہ دوبالا کر دیا۔ کنوئیں کا ٹھنڈا پانی پی کر اور بھی دل خوش ہو گیا۔ ہم دونوں نے خوب پیٹ بھر کر مچھلی کھائی کیونکہ شہر میں ایسی سوادوالی مچھلی ملتی نہیں۔

ہوٹل سے واپسی پر بگھی میں بیٹھنے کے بعد میں نے بابا سے سوال کر دیا۔ "بابا یہ جو آپ کے ٹھاکر راجندر بابو ہیں یہ کیسے آدمی ہیں، اوپر سے تو یہ بہت محبت کرنے والے اور دیالو اپنے آپ کو ثابت کرتے ہیں، کیا یہ واقعی ایسے ہیں؟"

"میری بات سن کر بابا کسی گہری سوچ میں پڑ گئے اور پھر بہت غور سے مجھے دیکھا اور ایک بہت لمبا سانس کھینچا۔ پھر بولے۔ "پتر تم دونوں میری اپنی بچی کے برابر ہو، میں تم دونوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا، ٹھاکر راجندر جو نظر آتے ہیں اس کے بالکل الٹ ہیں، گاؤں والوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے، بھگوان بچائے ہر کسی کو اس کی نظر سے، تم لوگ اس کی باتوں میں نہیں آنا، نہیں تو دھوکا اٹھاؤ گی، بس میرا کم کہنا زیادہ سمجھنا اس سے آگے میں اور کچھ نہیں بتا سکتا۔" یہ بتا کر بابا خاموش ہو گئے۔

میں نے چاندنی کو ٹہوکا دیا اور بولی۔ "دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ اس آدمی نے اپنے اوپر اچھائی کا خول چڑھا رکھا ہے۔ خیر بھگوان نے ہمیں بچا لیا کہ ہم نے حویلی میں قیام کرنے والی بات نہیں مانی۔"

شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہم گھوم پھر کر آ گئے۔ میں نے اپنی خوشی سے بابا کو پیسے دیئے تو بابا بہت خوش ہو گئے کیونکہ میں نے ان کی سوچ سے کہیں بڑھ کر پیسے دیئے تھے۔ انہوں نے خوش ہوتے ہوئے ہمیں نستے کہا اور ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے لیکن جاتے جاتے یہ بول گئے کہ۔ "پتر اپنا خیال رکھنا اور ٹھاکر کی باتوں میں نہیں آنا بلکہ اس کی کسی بھی بات پر یقین نہیں کرنا۔"

ڈاک بنگلہ میں آ کر ہم نے شام کی چائے پی اور پھر گپ شپ میں وقت ایسے کٹا کہ ہمیں خبر نہیں ہوئی اور کھانے کا وقت ہو گیا تو ہم نے کھانا کھایا اور اپنے اپنے کمرے میں آ کر سو گئیں۔ کیونکہ سیر میں پورا دن نکل گیا تھا اور پھر بگھی میں بیٹھے بیٹھے تھکن بھی کافی ہو گئی تھی۔

بستر پر گرتے ہی مجھے تو نیند آ گئی مگر چاندنی بستر پر گرنے کے کتنی دیر بعد سوئی مجھے معلوم نہیں کیونکہ وہ اپنے کمرے میں تھی۔

دوسرے دن بھی ہم بابا کی بگھی میں خوب گھومے پھرے، تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، چوتھے دن کے لئے میں نے بابا کو منع کر دیا کہ "بابا آپ کل نہیں آنا کیونکہ میں نے سوچا ہے کہ کل ہم آرام کریں گے۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پتر کوئی بات نہیں آپ لوگ آرام کر لیں۔"

دن بھر ہم نے آرام کیا کیونکہ متواتر تین دن سیر کرتے کرتے ہم واقعی تھک چکے تھے۔ اچانک پانچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بجے بلرام آ گیا اور بولا۔ ”پونم جی آپ دونوں کو راجندر بابو نے اپنی حویلی میں یاد کیا ہے اور میں بگھی بھی لیتا آیا ہوں۔ آپ دونوں پلیز! چلے چلیں کیونکہ اس میں میری بھی عزت کا سوال ہے۔ آپ دونوں کے ساتھ وہ چائے پینا چاہتے ہیں، چائے پیتے ہی میں آپ دونوں کو ڈاک بنگلہ میں لے آؤں گا۔“ بلرام کی بنتی بھری باتیں میرے دل میں اتر گئیں تو میں نے چاندنی سے کہا۔ ”چاندنی چل اس کی بات مان لیتے ہیں اور پھر راجندر کی بات مان لینے میں ہی بہتری ہے۔“

ہم دونوں تیار ہو کر بلرام کے ساتھ حویلی میں پہنچ گئے۔ تو دیکھا کہ راجندر بابو بڑی بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ان کی باچھیں کھل گئیں اور بولے۔ ”آپ نے ہماری بات رکھ لی اس کے لئے بہت بہت دھنے واد۔“

ہمیں اپنے کمرے میں بٹھایا اور بلرام کو چائے لانے کا کہا۔ تھوڑی دیر میں چائے آ گئی تو انہوں نے اشارہ کیا کہ ”بلرام تم برابر والے کمرے میں بیٹھو، میں ان سے چند باتیں کرلوں، پھر انہیں ڈاک بنگلہ میں پہنچا دینا۔“ یہ سنتے ہی بلرام کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

راجندر بابو! بس یہ راگ الاپنے لگے کہ ”آپ لوگ حویلی میں آ جائیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کو زیادہ سے زیادہ آرام وسکون ملے۔“ اور مزید اس قسم کی باتیں لے کر بیٹھ گئے۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ جلد از جلد ان سے جان چھوٹ جائے اور ہم ڈاک بنگلہ میں آ جائیں۔

اچانک کمرے میں بلیوں کی رونے کی کرخت اور خوفناک آوازیں گونجنے لگیں اور ساتھ ہی کئی الوؤں کے چیخنے کی آوازیں دل کو دہلانے لگیں۔ ہم دونوں کا جو حال تھا وہ تو تھا ہی لیکن ہم سے زیادہ خراب حالت راجندر بابو کی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے اچھل پڑے اور بدحواسی کے عالم میں اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا، ان کی حالت دیدنی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے پاؤں پر بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

اور میں اپنے آپ کو اس طرح محسوس کر رہی تھی، جیسے کوئی ہرنی شکاری کے جال میں پھنس گئی ہو۔ میں ذہنی طور پر بہت زیادہ حیران و پریشان تھی کہ پہلے روز بھی جب راجندر بابو ڈاک بنگلہ میں ہم سے ملنے آئے تھے تو اس دن بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ الوؤں کی کرخت چیخ اور بلیوں کی بین کرنے کی آوازیں در و دیوار سے نکلنے لگی تھیں۔

اور آج بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ ”آخر یہ راز کیا ہے؟“

میرے ساتھ ساتھ چاندنی بھی حیران و فکرمند تھی کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ ہم دونوں کا ذہن چکرا رہا تھا، بدن پر لرزش طاری تھی اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ دماغ میں سائیں سائیں ہو رہا تھا، پورا کمرہ ہمیں گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ہم دونوں اپنی اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی تھیں اور ٹکر ٹکر کر ایک دوسرے کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ ہماری نگاہیں راجندر بابو پر بھی مرکوز تھیں۔

راجندر بابو کے چہرے کا رنگ یکلخت فق ہو گیا تھا۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھے ایسا لگ رہا تھا کہ موت ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی ہو، وہ بار بار اپنے گلے کو پکڑ رہے تھے کہ جیسے کوئی چیز گلے میں پھنس گئی ہو یعنی کہ نہ اگلتے بنے اور نہ نگلتے بن رہی تھی۔

”آپ لوگ فوراً یہاں سے چلی جائیں۔“ انہوں نے کہا اور اچانک بے چینی کے عالم میں کمرے سے نکلتے چلے گئے۔ ان کے پیچھے ہم نے بھی کمرے سے نکلنے میں عافیت سمجھی اور گھبراتے ہوئے ہم دونوں بھی کمرے سے نکل گئیں۔

”بلرام!“ راجندر بابو کی آواز چیختے ہوئے سنائی دی۔ بلرام فوراً دوسرے کمرے سے ترنت نکلا تو وہ بھی راجندر بابو کی حالت دیکھتے ہوئے اچنبھے میں پڑ گیا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ راجندر بابو کی ایسی حالت کیوں ہو گئی ہے؟

ہم دونوں نے باہر نکل کر اندازہ لگایا کہ نہ تو الو چیخ رہے تھے اور نہ ہی بلیاں رو رہی تھیں۔ باہر کا ماحول

ایک دم پرسکون تھا اور سب سے زیادہ سوچنے والی یہ بات تھی کہ برابر کے کمرے میں بلرام بیٹھا ہوا تھا۔ تو اس نے بھی کوئی ایسی آواز نہیں سنی تھی۔

کیا یہ اچنبھے میں ڈالنے والی بات نہیں تھی کہ دونوں مرتبہ جب میں اور چاندنی راجندر بابو کے کمرے میں موجود تھی تو یہ حالات پیش آئے تھے۔ ایسا کیوں تھا؟ یہی حیران کن سوچنے والی بات تھی۔

”بلرام انہیں فوراً ڈاک بنگلہ میں چھوڑ آؤ۔“ یہ کہا اور سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

بلرام نے بگھی والے کو آواز دی جو حویلی سے کچھ دوری پر کھڑا اپنے گھوڑے کو چنے کھلا رہا تھا۔ بلرام کی آواز سن کر بولا۔ ”بلرام بابو ابھی آیا۔“ چند منٹ میں بگھی آ کر حویلی کے پاس کھڑی ہو گئی۔ ”چلیں جی!“ بلرام نے کہا تو ہم دونوں فوراً بگھی پر چڑھ کر سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ بلرام کوچوان کے ساتھ بیٹھ گیا تو بگھی ڈاک بنگلہ کی طرف چل پڑی۔

حویلی کے کونے پر پہنچتے ہی گھوڑا بہت زور سے ہنہنایا اور خوفزدہ ہو کر اپنے دونوں پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ اچانک ایسا ہوا تھا اور بگھی پیچھے کو الٹتے الٹتے بچی تھی۔

گھوڑا بہت گھبرایا ہوا تھا اور وقفے وقفے سے اب بھی ہنہنا رہا تھا۔ کوچوان کے بروقت سنبھالا دینے اور زور سے لگام کھینچنے پر گھوڑا اپنی جگہ رک گیا تھا۔ اگر کوچوان ذرا بھی لگام ڈھیلی کرتا تو گھوڑا کب کا کسی اور طرف سرپٹ بھاگ چکا ہوتا۔

بلرام نیچے گرا تھا اور پھر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کافی چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنا بایاں ہاتھ پکڑ کر کراہ رہا تھا۔

میری اور چاندنی کی حالت بھی بہت بگڑی ہوئی تھی۔ میرے منہ سے اچانک نکلا۔ ”بھگوان ہماری رکھشا کر۔“

اس کے بعد میں نے کوچوان سے پوچھا۔ ”کوچوان اچانک یہ کیا ہو گیا، تمہیں گھوڑے کو کنٹرول کرنا نہیں آتا کیا؟“

”نہیں جی! ایسی کوئی بات نہیں، میں نے تو گھوڑے کو فوراً سنبھال لیا، اور ایسا نہ کرتا تو گھوڑا تیزی سے بھاگ کھڑا ہوتا اور نہ جانے کیا ہو جاتا۔ ہم سب کی خیر نہیں تھی اور بگھی بھی چکنا چور ہو جاتی۔“

”گھوڑے کو اچانک ایسا کیا ہو گیا تھا کہ یہ کنٹرول سے باہر ہو گیا؟“ میں نے پوچھا۔

”بی بی جی! میرے خیال میں اسے کوئی ہوائی

بڑی رحمت

انسان کی دیرینہ خواہشات میں سے ایک خواہش یہ بھی ہے کہ وہ کسی طرح اپنے مستقبل میں جھانک کر دیکھے اور یہ معلوم کر سکے کہ آنے والا کل کیسا ہوگا؟ اس کی عمر کتنی لمبی ہوگی؟ وہ آگے چل کر غم دیکھے گا یا خوشیاں؟ حادثے اور سانحے کب اور کہاں پیش آئیں گے اور شادمانی کے اسباب کیا کیا میسر ہوں گے؟

مگر یہ تو سوچئے کہ اگر خالق کائنات انسان کو یہ سب کچھ پیشگی بتا دیتا تو زندگی اس کے لئے موت سے بدتر ہو جاتی۔ آنے والے غموں کے تصور میں اس کی موجودہ خوشیاں بھی زہر کا پیالہ بن جاتیں۔ اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ زندگی کے کس مرحلے میں اس کے کون کون سے پیارے داغ مفارقت دینے والے ہیں تو ایک اسی غم کے باعث دنیا سے اس کا دل چاٹ ہو جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ قدرت نے مستقبل پر غیب کے پردے ڈال رکھے ہیں اور دیکھا جائے تو یہ بھی اللہ کی رحمتوں میں سے ایک بڑی رحمت ہے۔

(ایس امتیاز احمد۔ کراچی)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیز نظر آ گئی ہے۔ گھوڑے جب اچانک ایسی حرکت کرتے ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ ضرور کوئی ہوائی چیز ان کے سامنے آ گئی ہے یا پھر ایسی چیز سامنے سے گزری ہے، میں نے گھوڑے کی لگام ابھی تک پوری طاقت سے کھینچ رکھی ہے۔ اگر ڈھیلی چھوڑ دوں تو یہ آپے سے باہر ہو کر یہاں سے بھاگ نکلے گا۔ میں اس کی گرفت اس وقت تک مضبوط رکھوں گا جب تک یہ شانت نہیں ہو جاتا۔ اور افسوس ہے کہ بلرام بابو کو چوٹ بھی لگ گئی ہے۔

فرسٹ ایڈ بکس بھی ڈاک بنگلہ میں ہوتا ہے، یہ ڈاک بنگلہ میں ہی جا کر کوئی دوا لگا سکیں گے۔"

اچانک ایک گونجدار لیکن خوفناک آواز سنائی دی۔ "راجندر خونی ہے پاپی ہے، ظالم ہے، یہ اپنے عبرت ناک انجام کو ضرور پہنچے گا۔ اس پاپی نے لوگوں کا بھرم کھو دیا ہے، اوپر سے یہ دھرماتما بنا رہتا ہے اور اندر سے یہ دشٹ ہے راکھشش ہے۔" اور ایک سایہ آگے کو نکلتا چلا گیا۔ پھر آواز نہیں آئی۔

چند منٹ بعد گھوڑا شانت ہو گیا تو کوچوان بولا۔ "دیکھا آپ لوگوں نے، میں نا کہتا تھا کہ گھوڑے نے ضرور کوئی نادیدہ قوت دیکھ لی ہے، بلرام بابو کیسی باتیں ہیں راجندر بابو کے لئے۔"

بلرام بولا۔ "بھائی میں بھی تو آپ سب کے ساتھ ہوں، جو آپ نے سنا وہ میں نے بھی سن لیا، پاپ کا انت پاپ پر ہوتا ہے جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ خیر اب جلدی سے چلو، ڈاک بنگلہ، اور بی بی جی میرا تو مشورہ ہے کہ اس بات کا ذکر آپ لوگ کسی اور سے مت کیجئے گا۔"

بلرام کی بات سن کر میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کوچوان نے گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر کے ہلکا سا اشارہ دیا تو آہستہ آہستہ گھوڑا آگے کو چلنے لگا۔

پندرہ منٹ میں بگھی ڈاک بنگلہ کے گیٹ پر رک گئی تو میں اور چاندنی ترنت بگھی سے اتر کر تیزی سے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ میرا سانس پھولا ہوا تھا اور چاندنی کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ٹھنڈا پانی منگایا اور پورا گلاس غٹا غٹ پی گئی۔ چند منٹ بعد میرے من کو شانتی ملی تو مسکرا کر میں چاندنی کی طرف دیکھ کر بولی۔ "چاندنی دیکھ لیا تو نے میرا اندازہ اس راجندر کے لئے کتنا درست تھا۔"

"ہاں پونم! اب تو میں بھی قائل ہو گئی ہوں کہ راجندر واقعی اچھا آدمی نہیں اور میرا تو خیال ہے کہ ہم کل ہی ڈاک بنگلہ چھوڑ دیں، میں تو بہت ڈر گئی ہوں، کیوں کہ جب بھی راجندر ہم سے ملنے آیا تو ان خوفناک آوازوں کا در و دیوار سے نکلنا ضرور کوئی معنی رکھتا ہے۔ تو بھی سوچ لے اور یہاں سے ترنت چلنے کی اوپائے کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔" چاندنی بولی۔

"ہاں چاندنی اب تو میرا بھی من کر رہا ہے کہ یہاں سے چلے چلیں۔ ایسا کرتے ہیں، کل شکر وار (جمعہ) ہے کل تک ٹھہر جاتے ہیں اور پرسوں سٹرڈے ہے، صبح کا ناشتہ کرنے کے بعد یہاں سے نکل جائیں، شام تک گھر پہنچ جائیں گے۔ اگلا دن سنڈے ہوگا، پورا دن آرام کرنے کے بعد دوسرے دن سے زندگی کی مصروفیات دوبارہ شروع، اس معاملے میں تیرا کیا خیال ہے؟" میں نے چاندنی سے پوچھا۔

چاندنی بولی۔ "پروگرام تو تیرا ٹھیک ہے، بس یہ سوچ لے کہ پرسوں ہر حال میں یہاں سے نکلنا ہے۔"

"اچھا بابا پروگرام پکا، پرسوں ہر حال روانگی۔" میں نے کہا۔ اندر سے میرا من بھی بہت بیاکل تھا حالانکہ میں تو بہت مضبوط دل و دماغ کی مالک تھی۔ ڈر خوف اور چھوٹے موٹے معاملات کو تو میں خاطر میں بھی نہیں لاتی تھی۔ لیکن دو مرتبہ راجندر سے ملاقات کے وقت جن حالات سے پالا پڑا تھا اور پھر حویلی سے نکلتے وقت گھوڑے کا اچھلنا اور پھر حویلی کے کونے پر کسی سایہ کی آواز راجندر کے بارے میں، تو ان باتوں نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

تھوڑی دیر تک ہم دونوں انگلش رسالے کی ورق گردانی کرتی رہیں پھر ہال کمرے میں جا کر بیٹھ

گئیں۔ ہال میں من موہنی میوزک سے سارے لوگ لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہال میں بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر میں میرا من شانت ہو گیا۔ تو میں نے کھانے کا آرڈر دے دیا۔

کھانا کھاتے کھاتے دس کا ٹائم ہو گیا تھا۔ کھانا کھا کر میں نے گرما گرم کافی منگائی اور پھر ہم کافی کا مزہ چسکی چسکی لینے لگے۔ ساڑھے دس بجے میں چاندنی سے بولی۔ "چاندنی کیا ارادے ہیں؟ ابھی اور بیٹھنا ہے یا کمرے میں چلیں، بھئی مجھے تو نیند آ رہی ہے۔" میری بات سن کر چاندنی اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔ "مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے، اپنے کمرے میں اکیلے نہیں سوؤں گی، آج تیرے کمرے میں ڈیرہ ڈالوں گی۔"

میں نے کہا۔ "یہ تو اچھا پروگرام ہے۔ ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے، چل ٹھیک ہے۔ دونوں ساتھ سو جاتے ہیں۔"

چاندنی میرے کمرے میں آ گئی۔ تھوڑی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے، اور پھر چاندنی نے چادر نیچے بچھائی اور تکیہ لے کر لیٹ گئی۔ میں نے کہا۔ "ارے اوپر سو جا، کیا نیچے نیند آ جائے گی؟"

چاندنی بولی۔ "بھئی مجھے تو نیچے سونے کی عادت ہے، میں بڑے آرام سے سو جاؤں گی، اب تم بھی سونے کی کوشش کرو، اور گڈ نائٹ۔"

میں بھی بستر پر لیٹ گئی، تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کے خیالوں میں گم رہی اور پھر نیند کی وادی میں اترتی چلی گئی۔ رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، کمرے میں زیرو کا بلب روشن تھا۔ چاندنی میٹھی نیند میں غرق تھی۔ مجھ پر کپکپی طاری تھی۔ اور میں پسینے میں شرابور تھی۔

میں نے خواب دیکھا تھا اور اسی وجہ سے دہل کر رہ گئی تھی۔

میں نے ترنت چاندنی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور اپنی آنکھیں مسلنے لگی اور پھر غور سے مجھے دیکھا۔ "پونم کیا ہوا؟ تیری طبیعت تو ٹھیک ہے، کیا بات ہے؟"

"چاندنی میں نے بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔"

"ارے رات کے اندھیرے میں کیا دیکھ لیا اور مجھے بھی اٹھا دیا۔ سو جا، یہ خواب ماب بے کار ہوتے ہیں۔" چاندنی بولی۔

"نہیں چاندنی میرا دل بہت بیاکل ہو رہا ہے۔ مجھے چین نہیں مل رہا ہے، خواب بہت ڈراؤنا تھا۔" میں بولی۔

"میں نے دیکھا، میں ایک بہت بڑے اجاڑ اور ویران میدان میں کھڑی ہوں، جگہ کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا ہے کہ کون سی جگہ ہے؟ ہر طرف روشنی پھیلی ہے، سرخ رنگ کی روشنی۔

اچانک روشنی ختم ہو جاتی ہے اور چاروں اور اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ میں اپنی آنکھیں مسلنے لگتی ہوں، لیکن اندھیرا اتنا ہے کہ مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

میں کیا کروں..... میں کیا کروں.....؟ یہ سوچنے لگتی ہوں، پھر میرے دماغ میں آیا کہ سامنے کی طرف میں چلوں..... یہ سوچ کر میں نے اپنا قدم آگے کو بڑھا دیا۔ میں آگے ہی آگے بڑھتی رہی۔ خوف و دہشت کا مجھ پر غلبہ تھا۔ اندھیرا اتنا زیادہ تھا کہ اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں چلتے چلتے تھک کر چور ہو گئی تھی۔ چاروں طرف سے بلیوں کے رونے کی پرسوز دل دہلاتی آوازیں دل و دماغ پر سکتہ طاری کر رہی تھیں۔

میں چلتے چلتے تھک گئی، پیاس سے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے، زبان خشک ہو کر تالو سے لگ گئی تھی۔ بہر حال جینے کی آرزو ہمت بڑھا رہی تھی۔ نہ جانے میں کتنی دور نکل آئی تھی، تھکن کی وجہ سے چلنا دوبھر ہو رہا تھا، قدموں میں لڑکھڑاہٹ آ گئی تھی، میری آنکھیں بھی بوجھل ہونے لگی تھیں، کان میں سائیں سائیں کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک ایک کوئی بڑا سا پرندہ میرے سر کے اوپر سے پھڑ پھڑاتا ہوا گزرا تو میں سکتے میں آ گئی، میرے حواس بالکل مفلوج ہونے لگے کہ پھر جسم میں بھرجھری پیدا کرتی ایک طرف کرخت اور ہیبت ناک آواز میرے سر کے اوپر گونجی شاید کسی الو کی آواز تھی۔

میں سہم کر زمین پر بیٹھ گئی اور اس طرح بیٹھے بیٹھے کچھ منٹ گزرے ہوں گے کہ اچانک میرا ذہن جھنجھنا اٹھا تو میں اپنی بچاؤ اور جینے کی خواہش کو دل میں لئے، سرپٹ بھاگنے لگی۔

اچانک زور دار بجلی کڑکی اور اس کی روشنی کی جھلک میں، میں نے دیکھا ایک بہت بڑا گڑھا تھا، میں چونکہ بہت تیز دوڑ رہی تھی، لہٰذا گڑھے کے کنارے پہنچتے ہی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور میں گر پڑی، گڑھے کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا، میں عمیق گہرائی میں گرتی جا رہی تھی کہ اچانک گڑھے میں روشنی کا ایک جھماکہ ہوا اور پھر آنکھوں کو چکا چوند کرتی روشنی گڑھے میں پھیل گئی اس کے بعد مجھے گرتے ہوئے کو دو ہاتھوں نے تھام لیا اور پھر میرے پیر ٹھوس زمین پر رک گئے۔

میں نے جھٹ آنکھیں کھول کر دیکھا تو میری زبردست فلک شگاف چیخ نکل گئی کیونکہ جن ہاتھوں نے مجھے تھاما تھا وہ کوئی اور نہیں راجندر تھا۔ اس کا سر انسان کا اور تمام دھڑ ایک قوی الجثہ سانپ کا تھا۔

اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی کیونکہ میری آنکھ کھل گئی۔

بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں اپنے بستر پر تیرے سامنے موجود ہوں۔ چاندنی مجھے بہت ڈرا لگ رہا ہے۔ میرا سارا جسم اندر سے کپکپا رہا ہے۔ اور میں زار و قطار رونے لگی۔ روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی۔ چاندنی اٹھ کر میرے پاس آئی اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میں نے ایک لمبا سانس کھینچا۔

چاندنی نے گلاس میں پانی بھرا اور میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ تو میں ایک ہی سانس میں پورا پانی پی گئی۔ پانی پینے کے بعد میرے حواس کچھ بحال ہوئے۔

چاندنی بولی۔ ”پونم تو نے راجندر کو اپنے دماغ میں بسا لیا ہے، تو ہر وقت اسی کے متعلق سوچتے لگی ہے۔ اسی لئے راجندر کا وجود تیرے دماغ پر چھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خواب میں تجھے راجندر نظر آیا۔

”نہیں چاندنی مجھے اس کی طرف سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے اور اس بھیانک خواب.....“ میری بات ادھوری رہ گئی تھی کیونکہ چاندنی بول پڑی۔

”ارے بابا اس میں گھبرانے والی کون سی بات ہے، صرف کل ہی کی تو بات ہے، پرسوں ہم اس ڈاک بنگلہ سے روانہ ہو کر کوسوں دور چلے جائیں گے تو شانت ہو جا اور فکر کرنا چھوڑ دے، آرام سکون سے سو جا اس وقت رات کے چار بج رہے ہیں۔“ چاندنی نے کہا۔

”چاندنی میں تیرے پاس سوؤں گی۔“ میں نے کہا تو چاندنی بولی۔ ”چل آ کر لیٹ جا۔“

میں نے تکیہ اٹھایا، چادر لی اور چاندنی کے برابر میں لیٹ گئی۔

صبح جب میں اٹھی تو بہت نڈھال تھی، ایسا لگتا تھا کہ پورے جسم سے طاقت نچوڑ لی گئی ہو، میں اپنے اندر کافی کمزوری محسوس کر رہی تھی، نہا دھو کر فریش ہوئی تو چاندنی نے گرم گرم چائے پلائی، چائے پی کر کچھ توانائی میں نے محسوس کی۔ تھوڑی دیر بعد ہم دونوں نے ناشتہ کیا۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر میں ڈاک بنگلہ میں موجود ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔ ڈاکٹر کو بتایا۔ ”ڈاکٹر صاحب پتہ نہیں کیوں میں اپنے اندر کافی جسمانی کمزوری محسوس کر رہی ہوں۔“

ڈاکٹر نے میرا بلڈ پریشر چیک کیا تو چونک گیا اور بولا۔ ”آپ کا بلڈ پریشر تو کافی لو ہے۔ اس وجہ سے آپ کمزوری محسوس کر رہی ہیں۔ اتنا بلڈ پریشر لو تو نہیں ہونا چاہئے، لگتا ہے آپ نے کچھ زیادہ ہی کسی بات کی ٹینشن لے لی ہے۔“

ڈاکٹر نے ایک انجکشن لگایا چند گولیاں دیں اور بولا۔ ”آپ گرم گرم کافی پی لیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور یہ گولیاں کھا لیجئے گا۔ رات میں بھی آ کر چیک کرا لیجئے گا۔“

میں ڈاکٹر کے پاس سے واپس آ گئی۔ چاندنی بھی میرے ساتھ تھی۔

کمرے میں آ کر میں بستر پر لیٹ گئی۔ اپنا ہاتھ سر پر رکھا اور خیالوں میں گم ہو گئی۔ چاندنی میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں چاندنی نے کافی منگوالی تو میں نے گولیاں کھالیاں اور پھر کافی پینے لگی۔ کافی پینے کے بعد میں دوبارہ بستر پر لیٹ گئی اور نیند کی وادی میں پہنچ گئی۔

جب میری آنکھ کھلی تو دن کے دو بج رہے تھے۔ میں واش روم میں گئی اور شاور کھول کر شاور کے نیچے بیٹھ گئی۔ کافی دیر تک میں شاور کے نیچے بیٹھی رہی، مجھے بہت مزہ آ رہا تھا کیونکہ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی میرے پورے وجود پر گر رہا تھا۔ میں اپنے اندر کافی بہتری محسوس کر رہی تھی کہ اتنے میں چاندنی نے دروازہ کھٹکھٹا دیا تو میں چونکی اور کپڑے پہن کر باہر آ گئی۔

چاندنی بولی۔ ”میں تو ڈر گئی تھی کہ بھگوان خیر کرے اتنی دیر لگا دی۔“

”شاور کے نیچے بیٹھ کر مجھے بہت مزہ آ رہا تھا، اگر تو دروازہ نہ کھٹکھٹاتی تو نہ جانے میں اور کب تک نہیں نکلتی۔“

”بھئی میرا تو بھوک سے دم نکل رہا ہے اور جلدی سے بال بنا اور چل کھانے کے لئے۔“ چاندنی بولی۔

میں نے جلدی جلدی تولیہ سے بال خشک کئے اور چاندنی کے ساتھ ہال کمرے میں چلی گئی۔ جاتے ہی فوراً کھانا منگالیا، کھانا کھایا اور پھر ہم دونوں اپنے کمرے میں آ گئیں اور میں بستر پر لیٹ گئیں۔

کمرے میں بستر پر لیٹے لیٹے پانچ بج گئے تو میں چاندنی سے بولی۔ ”یار کہیں باہر چلتے ہیں۔ کمرے میں لیٹے لیٹے تو اب کمر اور پیٹھ بھی اکڑ گئی ہے۔“

باہر کا نام سن کر چاندنی خوش ہو گئی۔ وہ اپنے کمرے میں گئی اور فوراً ہی کپڑے چینج کر کے آ گئی۔ میں نے چاندنی کا ہاتھ پکڑا اور سیر کے لئے میں نکل پڑی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہم دونوں باتوں میں اس قدر محو تھے کہ ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ ہم کتنی دور آ گئے ہیں۔ خیر ہم سرسوں کے کھیت کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ سرسوں کے پیلے پیلے پھول کھلے تھے ایسا لگتا تھا کہ پورے کھیت کے پودوں پر پیلی چادر بچھائی گئی ہو۔ ہوا جب چلتی تو پودے جھوم جھوم جاتے۔ اتنا دلکش منظر پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

چاندنی بھی بہت خوش تھی۔ اب شام کے جھٹپٹے کا وقت تھا اور ہم دونوں اپنے آپ میں مگن تھے کہ اچانک پانچ آدمی اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے ہمارے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں دیکھ کر ہمارے تو پسینے چھوٹ گئے۔ ان آدمیوں کے انداز بڑے خطرناک تھے۔

میں بولی۔ ”کون ہیں آپ لوگ اور اس طرح ہمارے سامنے کیوں کھڑے ہیں، میں اس کی شکایت راجندر بابو سے کروں گی۔“ میری بات سن کر وہ ہنسنے لگے۔

ان میں سے دو آگے بڑھے اور ہم دونوں کی کلائی پکڑ لی۔ میں نے اور چاندنی نے بہت کوشش کی لیکن ہماری ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں، آخر انہوں نے ہمارے دونوں ہاتھ پکڑ لئے وہ کافی مضبوط اور گٹھیلے جسم کے مالک تھے۔

ان میں سے اور دو آگے بڑھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں رومال پکڑ رکھے تھے اور رومالوں پر شیشی میں سے کوئی دوا نما چیز ڈالی تھی۔ ان دونوں نے رومال چاندنی اور میری ناک پر رکھ دیئے۔ چند منٹ تو ہماری مزاحمت جاری رہی لیکن پھر میں آہستہ آہستہ اپنے ہوش سے بیگانہ ہوتی چلی گئی۔ یقیناً چاندنی کی حالت بھی مجھ جیسی ہی ہوگی۔ مجھے کوئی ہوش نہیں رہا۔

اچانک ایک کربناک اذیت ناک چیخ کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی۔ میرے دونوں ہاتھ پیچھے کو مضبوط رسی سے پلنگ کے پائے سے بندھے ہوئے تھے۔ راجندر کپڑوں سے آزاد میرے اوپر تھا اور مجھے سخت اذیت دینے میں مبتلا تھا۔ مجھے بھی کپڑوں سے آزاد کر دیا گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تکلیف اور اذیت سے میں تڑپنے لگی تھی مگر اس ظالم اور پاپی کو مجھ پر دیا نہیں آرہا تھا۔ میری چیخیں کمرے کی چھت اور دیواروں کو دہلا رہی تھیں۔ میری چیخیں جب زیادہ بڑھیں تو اس کمینہ نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا لیکن میری اذیت ناک چیخوں پر اس کا ہاتھ رکھنا بے مقصد ثابت ہوا۔ پھر طیش میں آکر میں نے اپنا سیدھا پاؤں پوری قوت سے دے مارا تو وہ بلبلاتا ہوا بیڈ سے نیچے جا گرا، پاؤں بڑی زور کا لگا تھا۔ وہ بڑی طیش میں اٹھا اور میرے گالوں پر تھپڑوں کی بارش کردی۔

میرے ہاتھ بندھے ہوئے تھے میں تو ویسے ہی تکلیف سے تڑپ رہی تھی اور اس کے تھپڑوں کی بارش نے میری جان کو اور بھی ہلکان کرکے رکھ دیا۔ میں اپنے آپ میں نہ تھی اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی لیکن اس ذہنی بیمار اور ہوس پرست کو مجھ پر ذرا بھی دیا نہیں آرہی تھی۔

کمینے ظالم پاپی میں تیرا جینا دوبھر کرکے رکھ دوں گی۔ تیرا دھرماتما بنا رہنا خاک میں ملا کر رکھ دوں گی۔ تیری اونچی حویلی اور تیرے رکھ رکھاؤ کو ملیا میٹ کرکے رکھ دوں گی، تیری عزت شان وشوکت کی ارتھی نکال کے رکھ دوں گی تو یہ ناممکن ہے، میں زخمی ناگن بن کر تجھے پل پل ڈسوں گی، تو مرنا چاہے گا تو مر نہیں پائے گا، حرامی مجھے آزاد کرکے دیکھ، میرے ہاتھ کھل جائیں تو میں تجھے بتاؤں کہ تو کتنا طاقتور ہے۔

وہ مجھ پر جھکنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے نفرت اور حقارت سے اس کے منہ پر تھوک دیا تو وہ آپے سے باہر ہوگیا اور طیش میں آگیا۔ اس نے ایک زبردست تھپڑ میرے منہ پر مارا اور الماری سے ایک بڑا سا رومال نکال کر میرا منہ سختی سے باندھ دیا۔ اس صورت میں میرا سانس لینا دوبھر ہوگیا۔ میرا دم گھٹنے لگا اور اس کمینہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔

مجھے دوبارہ اذیت اور تکلیف دینے لگا۔ اب تو میں چیخ بھی نہیں سکتی تھی، تکلیف کی وجہ سے میری آنکھ سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں، سوائے ٹانگیں چلانے کے میں کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی، دونوں ہاتھ تو بندھے ہوئے، منہ پر کپڑا باندھا ہوا تھا اور پھر ٹانگیں اس کمینہ کے قبضے میں تھیں۔

میں بے کس و مجبور پنجرے میں قید فاختہ کی طرح پھڑ پھڑاتے پھڑ پھڑاتے آخر کار ٹھنڈی ہوگئی۔ میری آتما میرا ساتھ چھوڑ گئی۔ میں مجبور تھی مگر میری آتما تو آزاد ہوگئی۔

میں آتما کی صورت میں ایک جگہ حسرت ویاس سے چور کھڑی تھی۔ میرے جسم کو ایک بڑی بوری میں ڈالا گیا اور پھر ایک بہت بڑا وزنی پتھر بھی بوری میں ڈال کر بوری کا منہ مضبوط کرکے ایک رسی سے باندھ دیا گیا۔ اس طرح ایک دوسری بوری بھی تیار کی گئی۔ وہ بوری چاندنی کی تھی۔ چار آدمی دونوں بوریوں کو ایک بیل گاڑی میں رکھ کر کہیں لے چلے۔

میں آتما کی صورت میں ساتھ ساتھ تھی۔ کافی دیر بیل گاڑی چلتی رہی، پھر وہ گاڑی دریا کنارے پہنچ کر رک گئی۔ پہلے سے ایک بڑی کشتی کھڑی تھی۔ ان آدمیوں نے دونوں بوریاں اٹھا کر کشتی میں ڈالیں اور پھر تین آدمی کشتی میں سوار ہوگئے تو کشتی آہستہ آہستہ گہرے پانی کی طرف بڑھتی گئی۔ جب کشتی کافی دور پہنچ گئی تو ملاح نے کشتی روک دی۔ تینوں آدمیوں نے دونوں بوریاں جس میں میری اور چاندنی کی لاشیں تھیں، اٹھا کر پانی میں پھینک دیں۔

اس پر اکتفا نہیں کیا گیا ایک اور منظر دل دہلا دینے والا نمودار ہوا۔ ان تینوں آدمیوں نے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ملاح کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش بھی دریا میں ڈال دی۔ ملاح کو یوں قتل کیا گیا کہ وہ راز کو فاش نہ کردے۔

اس کام سے فارغ ہوکر وہ تینوں آدمی کشتی کو لے کر کنارے آگئے اور بیل گاڑی میں بیٹھ کر جہاں سے آئے تھے وہاں چلے گئے۔

ہم دونوں کی آتمائیں ٹکر ٹکر دیکھنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی تھیں۔ ہماری آتماؤں کے لئے یہ ایک

انجان دنیا تھی، نہ ہم آتما کی صورت میں کہیں جاسکتے تھے۔ ہماری لاشیں تو پانی میں ڈوب گئی تھیں اور ہم دونوں کی آتمائیں دریا کنارے کھڑی یہ سوچ رہی تھیں کہ اب ہم جائیں تو جائیں کہاں۔

ہم آتماؤں کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی کہ اتنے میں ایک بہت ہی نرم و شفیق آواز سنائی دی۔ پتر یو گھبرائیں نہیں! اب تم دونوں کا ناطہ سنسار سے ٹوٹ گیا ہے۔ تم دونوں کو اذیت دے کر مار دیا گیا ہے۔ اب تمہارا سنسار میں کوئی ٹھکانہ نہیں، تمہاری آتمائیں بھٹکتی رہیں گی۔ اگر تمہارا کریا کرم کردیا جاتا اور چتا کی اگنی میں تمہارا شریر جل جاتا تو تمہاری آتمائیں سورگ باشی ہوجاتیں، مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ تم دونوں میرے ساتھ چلو۔ میرا نام شنکر ہے، میرے ساتھ بھی اس ظالم اور پاپی راجندر نے بہت ظلم کیا تو میری آتما بھی تکلیف برداشت نہ کرتے ہوئے شریر کو چھوڑ دیا۔

آتما حویلی میں ہم آتماؤں نے ایک استھان بنا رکھا ہے۔ اس حویلی میں سینکڑوں آتمائیں موجود ہیں اور در بدر بھٹکنے سے بچ گئی ہیں۔

تم دونوں مجھ پر وشواش کرو اور میرے ساتھ چلو۔ آتما حویلی میں تم دونوں کو بھی شانتی ملے گی۔ تم بھی در بدر بھٹکنے سے بچ جاؤ گی۔

میں چاندنی سے بولی۔ ”چاندنی چل ان کے ساتھ چلتے ہیں اب اس کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ بھروسہ تو کرنا ہی پڑے گا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آتمائیں جھوٹ نہیں بولتی ہیں۔“

شنکر نے کہا۔ ”پتری اس ظالم راجندر کا بہت جلد بھیانک انت ہونے والا ہے۔ ایسا بھیانک انت ہوگا کہ دیکھنے والے کانپ جائیں گے کہ اس کی آتما شانتی کے لئے پل پل ترسے گی۔“

اور اس طرح ہماری آتمائیں رات کے اندھیرے میں آتما حویلی میں آگئیں۔“

پونم کی بات ختم ہوئی تو اچانک سنیل کی طبیعت خراب ہوگئی اس کی کرب واذیت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔ وہ پلنگ سے نیچے گر پڑا اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کی ایسی حالت تھی کہ دیکھی نہ جاتی تھی۔

اتنے میں رولو کا کی آواز سنائی دی۔ ”شنکر! اب بس کر، میں تیری اور تیری ساتھی آتماؤں کی بپتا خاموشی سے سن رہا ہوں۔ پھر تجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ تو سنیل کو تکلیف سے دوچار کرے۔ میری بات مان لے اور سنیل کو تکلیف دینا بند کردے، نہیں تو پھر میں مجبور ہوکر کچھ کرنے پر حق بجانب ہوں گا۔ اسی میں تیری اور تیری ساتھی آتماؤں کی بھلائی ہے، میری بات مان کر سنیل کو اب تکلیف دینا چھوڑ دے، نہیں تو بہت پچھتائے گا۔

اور تیرے ساتھ ساتھ تیری ساتھی آتمائیں بھی تکلیف اٹھائیں گی۔ میں مانتا ہوں اور تم سب کی باتیں بالکل درست ہیں کہ واقعی راجندر نے تم سب پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔

راجندر نفسیاتی خواہشات کا غلام بن گیا تھا۔ وہ دولت اور طاقت کے چکر میں فرعون بن بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے خاندان اور عزت دار باپ کا بھی خیال نہیں کیا۔ راجندر کے باپ کا عزت اور انصاف کا ڈنکا ہر طرف بجتا تھا۔ میں نے سنا ہے اور شنکر تمہیں بھی پتہ ہے کہ ٹھاکر رنجیت کتنے ہمدرد، انصاف پرور، کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے والے ہر کسی کی عزت کو اپنی عزت سمجھنے والے، فراخ دل کے مالک اور دیالو قسم کے آدمی تھے۔

کاش! راجندر یہی خیال کرلیتا کہ میرے باپ کی کتنی عزت ہے اور پھر میں بھی تو ایک بیٹے کا باپ ہوں میرا بیٹا کیا سوچے گا میرے کرتوتوں کے متعلق۔

شنکر داس! راجندر کو تم نے بھیانک اور عبرتناک انجام تک پہنچایا۔ وہ گاؤں والوں اور گاؤں سے باہر کے لوگوں کے لئے عبرت بن گیا۔ اس کی موت جس بھیانک اور رونگٹے کھڑے کرتے طریقے سے ہوئی وہ ناقابل فراموش ہے۔

شنکر داس! تم ہی بتاؤ کہ قصور اس کا تھا، اس کے گھر اور خاندان کے لوگوں کا قصور کیا ہے؟ اور تم لوگ جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہیں اذیت دے رہے ہو لیا اس سے تمہارا مقصد حاصل ہوجائے گا، کیا تمہاری روحوں کو سکون مل جائے گا؟ کیا خاندان کے چند لوگوں کو مار کر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ گے؟ کیا تمہاری بھٹکتی روحوں کو قرار آجائے گا۔

تمہارا جواب یقیناً نفی میں ہوگا، میرے خیال میں کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جس سے تم تمام روحوں کو سکون مل جائے، تم لوگوں کا بھٹکنا ختم ہوجائے۔ تم لوگ اصل منزل پر پہنچ جاؤ جو کہ انسان کیلئے آخری آرام گاہ ہے۔'' بس شنکر داس! تم میرا کہنا مان لو اور اس خاندان کی جان چھوڑ دو تو زیادہ اچھا ہے۔'' اور رولو کا خاموش ہوگیا۔

''مہا پرش! یہ نہیں ہوسکتا۔ ہم اس پریوار کی جان نہیں چھوڑیں گے۔ انہیں اذیت دے کر، سسکا سسکا کریں ماریں گے، ہم نے ہر وہ حربہ استعمال کرنا ہے جس سے اس پریوار کی سکھ شانتی ختم ہو، یہ لوگ سکون کے لئے پل پل ترسیں، ہم کسی بھی صورت انہیں معاف نہیں کریں گے اور میں پھر تمہیں چتاونی دیتا ہوں کہ تم جھنجھٹ میں نہ پڑو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، تم ایک دو، دس بیس پچاس کو ختم کردو گے لیکن یہاں تو کئی سو آتمائیں ہیں۔

راجندر کی آتما کو بھی ہم نے قابو میں کر رکھا ہے، میرا تمہیں آخری مشورہ ہے کہ تم اس معاملے سے ہٹ جاؤ۔ میں تمہیں آتما حویلی میں آنے کے لئے بنتی کرتا ہوں کہ تم آتما حویلی میں آؤ، اور اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ آتماؤں کا کیا حال ہے۔

آتمائیں کس بیاکل طریقے سے وقت گزار رہی ہیں۔

مہا پرش! تم سب کی بپتا سنتے سنتے تھک جاؤ گے، تمہارا سینہ پھٹ جائے گا، تمہاری آنکھیں پتھرا جائیں گی، ان آتماؤں کی حالت دیکھ کر اس حرامی راجندر نے ظلم کی انتہا کردی تھی۔ صرف اور صرف ہوس پرستی کے چکر میں۔

مہا پرش! مجھے اور تمام آتماؤں کو مجبور نہ کرو کہ ہم تمہارے راستے میں رکاوٹ بن جائیں اور پھر تمہیں ہم سے شکایت ہو۔ صرف میں ہی نہیں ہوں کہ میں مان جاؤں۔

تمہیں ہم سب کی طاقت کا اندازہ نہیں۔

میں جب چاہوں پل بھر میں سنیل کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ مگر خود ایسا نہیں چاہتا، اسے تڑپتا دیکھ کر مجھے شانتی ملتی ہے۔

میں تمہاری بات مان کر خود کو یا پھر تمام آتماؤں کو بیاکل نہیں کرسکتا۔

میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ آتما حویلی کے تہہ خانے میں راجندر نے بے شمار ہیرے جواہرات اور سونا چاندی چھپا رکھے تھے اس نے اپنے پریوار تک کو وہ دھن دولت نہیں دی۔

مہا پرش! اب تم خود ہی اندازہ لگاؤ کہ جو شخص اپنے سگے اور خونی رشتوں کا نہیں ہوا، وہ غیروں کا ہمدرد کیا ہوسکتا ہے۔

مہا پرش! میں نے راجندر کے چھپائے ہوئے دھن دولت کے متعلق بتادیا، لیکن اس بدذات نے اپنی زندگی میں اپنی پتنی اور بیٹے تک کو نہیں بتایا تھا۔

سنیل کو ہر حال میں مرنا ہے۔ لیکن تم نے میری بات بھی ماننی ہے کہ تم آتما حویلی میں ضرور آؤ، تمہیں آتما حویلی میں آنا پڑے گا ہم دکھیاری آتماؤں کے حال جاننے کے لئے۔ اور پھر تمہیں ہمارے راستے سے ہٹنا پڑے گا۔ نہیں تو ہم تمہیں عبرت ناک انجام کو پہنچادیں گے۔ ایک بات اور..... سن لو میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ اگر سنیل کو اور اس پریوار کو بچا سکتے ہو تو بچالو۔''

رولو کا رعب دار آواز میں بولا۔ ''شنکر داس میں تمہارا چیلنج قبول کرتا ہوں اور میں کل آتما حویلی میں ضرور آؤں گا اور اگر تم میں ہمت ہے تو سنیل کو مزید تکلیف دے کر دیکھو۔

''کل میں آتما حویلی میں آؤں گا..... میرا انتظار کرنا۔''

(جاری ہے)

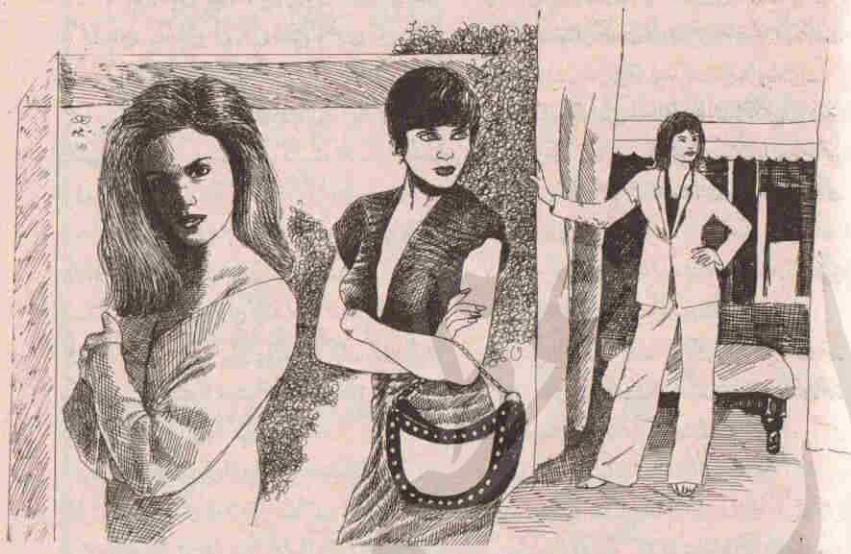

بھٹکتی روحیں

خلیل جبار-حیدرآباد

دوشیزہ تیزی سے بھاگی تلکہ اپنے گھر والوں کو خونی واقعہ کے بارے میں بتائے۔ عورتوں کے جسم سے خون نکل نکل کر فرش کو سرخ کررہا تھا۔ وہ خود کو بہت بہادر سمجھتی تھی لیکن اس کے سامنے تین عورتوں کے قتل ہوگئے اور اس کے منہ سے چیخ تک نہ نکلی۔

سیدھی راہ سے بھٹکنے والے لوگوں کے دلوں پر نشتر چلاتی ایک سبق آموز پرتحیر اور حساس تحریر

اچانک ہما کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے زور سے بیڈ پر سے دھکا دیا ہے وہ زمین پر گر پڑی تھی۔ زمین سے گرتے ہوئے اس کے منہ سے زور دار چیخ بھی نکل گئی۔

اس کی چیخ سن کر سب گھر والے دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے۔ خوف کے مارے اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی اور اس کی زبان سے کچھ بھی بولا نہیں جارہا تھا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے گھر والوں کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا بیٹی؟'' ابا جان نے پوچھا۔

''ضرور یہ وہی خواب دیکھ کر ڈری ہوگی، کیوں ہما بیٹی یہی بات ہے نا؟'' امی جان نے کہا۔

''امی جان وہ دم کیا ہوا پانی اس پر چھڑکیں پھر یہ بولے گی۔'' ارشاد بھائی نے انہیں یاد دلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں، ہاں ہمیں ہما بیٹی پر پانی چھڑکنا چاہئے۔" ابا جان نے پانی کی بوتل اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

پانی کے چھڑکتے ہی ہما کو ہوش آ گیا اور وہ اپنی بانہیں امی جان کے گلے میں ڈالتے ہوئے سسک پڑی۔

"ہمت سے کام لے بیٹی تیری ساری پریشانی دور ہو جائے گی۔" امی جان نے دلاسہ دیا۔ "بیٹی نیند آئے تو کم از کم ٹیلی ویژن کو بند کر دیا کرو۔ فضول میں بجلی ضائع ہوتی ہے۔ ہمیں پتا ہے کہ تمہیں ٹیلی ویژن کے ڈرامے دیکھنے کا بہت شوق ہے لیکن جب نیند آ جائے پھر ٹی وی چلتے رہنے کا کیا فائدہ۔"

"ہما بیٹی تمہاری امی بالکل درست کہہ رہی ہیں۔ اکثر خواب میں بھی ڈراموں کے سین آ کر انسان کو پریشان کر دیتے ہیں اس لئے تم زیادہ ٹیلی ویژن مت دیکھا کرو۔ ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" ابا جان نے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔

"ضرور تمہیں وہی خواب نظر آیا ہوگا جو کبھی کبھی تمہیں آتا ہے۔" امی نے کہا۔

"ہاں..... ہاں..... وہی خواب تھا لیکن آج اس نے مجھے بیڈ سے بری طرح سے دھکا دیا ہے۔ اس لئے میں زمین پر گر پڑی ہوں۔" ہما نے بتایا۔

"ایسا ہے کہ آج تم اپنی امی کے ساتھ سو جاؤ تاکہ تمہیں کسی قسم کا کوئی خوف نہ آئے۔" ابا جان نے کہا۔

کئی دن سے ہما کو ڈراؤنے خواب نظر آ رہے تھے۔ خواب میں دو تین چڑیل نما عورتیں نظر آ رہی تھیں جس کے بال بکھرے ہوئے تھے زبانیں باہر کو ابلی ہوئی تھیں زبان لال سرخ جیسے ابھی ابھی انہوں نے کسی انسان کا خون پیا ہے۔ وہ اس کا گلا دبانے کی کوشش کرتی تھیں لیکن اچانک خوف سے اس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ آج بڑی عجیب بات خواب میں ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ان تینوں عورتوں میں سے ایک عورت نے اس کو اپنے ہاتھوں میں ایسے اٹھا لیا جیسے کسی تنکے کو اٹھایا ہو پھر اس نے فضا میں اچھال دیا وہ فضا سے اچھلی اور بیڈ پر آ گری۔

"اے لڑکی تم نے ہم کو جگا کر اچھا نہیں کیا ہے۔ اس کی ہم ایسی سزا دیں گے تو اور تیرے گھر والے زندگی بھر یاد رکھیں گے۔ دوسری عورت بولی۔

"مم..... مم..... میں نے تمہارا کک..... کک..... کیا بگاڑا ہے تم..... تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔" ہما ہمت کر کے بولی۔

"سالی سب تیرا قصور ہے لیکن..... لیکن..... اس کی سزا تجھے اور تیرے گھر والوں کو ضرور ملے گی۔" تیسری عورت بولی۔

"میں تمہیں جانتی تک نہیں پھر میرا قصور کیسے ہو گیا۔" وہ غصے سے بولی۔

"ہم کو تو یہ آنکھیں مت دکھا حرام زادی۔" یہ کہتے ہوئے پہلی عورت نے لات ماری۔ لات اتنی زور دار تھی کہ اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اسے لات نہیں ماری گئی بلکہ زور سے دھکا دیا گیا ہے وہ بیڈ سے نیچے جا پڑی تھی۔ اس کی چیخ کی آواز نے گھر والوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا اور وہ کمرے میں آ گئے تھے۔

ہما خود حیران تھی کبھی اس سے کوئی ایسی غلطی نہیں ہوئی کہ کسی کو کوئی نقصان پہنچے پھر یہ تینوں خواتین کیوں اس کے پیچھے پڑ گئیں تھیں۔ وہ ان عورتوں کے بارے میں جتنا سوچتی تھی اس کا ذہن اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔ وہ اس وقت کالج سے لوٹی تھی۔ ابھی اس نے کتابیں ٹیبل پر رکھی ہی تھیں کہ اچانک وہ تینوں عورتیں پردے کے پاس کھڑی دکھائی دیں۔ ہما کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان عورتوں کو حقیقت میں نہیں خواب میں دیکھ رہی ہے۔ وہ عورتیں اس طرح نظر آئیں گی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی دل اس کا بے اختیار چیخ مارنے کو چاہا۔ لیکن ہما نے حوصلے سے کام لیتے ہوئے ان سے بات چیت کرنے کا ارادہ کر لیا۔

"اے تم جو کوئی بھی ہو میری حالت پر رحم کھاؤ

اور خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔" ہما نے کہا۔

"ہم تیرا پیچھا ہرگز نہیں چھوڑیں گے تو نے ہماری روحوں کو پھر سے بے چین کر دیا ہے۔ ہماری روحیں بڑی سکھ چین سے تھیں۔" ایک خاتون نے کہا۔

"اگر مجھ سے انجانے میں کوئی ایسی غلطی ہو گئی ہے تو میں آپ تینوں سے معافی چاہتی ہوں، خدا کے لئے تم میرا اب پیچھا چھوڑ دو۔" ہما نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔

"ایسا ممکن نہیں ہے تمہیں اس کا حساب دینا ہوگا۔ ورنہ ہم تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو ایسے ہی پریشان کرتی رہیں گے۔" دوسری خاتون بولی۔

"کسی انسان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور پھر وہ اس شخص سے معافی مانگ لے ایسے میں اس شخص کا معاف کر دینا بڑا پن ہوتا ہے کیا تم اپنے بڑے پن کا ثبوت دے کر مجھے معاف نہیں کر سکتیں۔" ہما نے کہا۔

"کاش ہمارے یہ بس میں ہوتا اور ہم تم کو معاف کر دیتیں۔ لیکن اس کا ازالہ تم کو کرنا ہی پڑے گا۔ اس کا ازالہ تم کو کس طرح کرنا ہے وہ عنقریب تم پر ظاہر ہو جائے گا۔" تیسری عورت بولی۔

ابھی ہما ان سے مزید بات چیت کرنا چاہتی تھی کہ وہ عورتیں غائب ہو گئیں۔

ہما کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ کیا کھیل شروع ہو چکا ہے۔ وہ ان تینوں عورتوں کو جانتی تک نہیں تھی پھر وہ ان کے ساتھ کس طرح کوئی زیادتی کر سکتی تھی۔ رات کو وہ بظاہر ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی لیکن اس کا ذہن ان تینوں عورتوں کی طرف تھا۔ اچانک اس کو ایسا محسوس ہوا کہ نیچے صحن میں کوئی ہے۔ اس نے اوپر گیلری سے صحن میں جھانکا۔ تین عورتیں صحن میں موجود تھیں اور ایک شخص ان پر پستول تانے ہوئے تھا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ یہ کون اجنبی آدمی اور عورتیں ان کے گھر میں اتنی آسانی سے گھس آئے ہیں اور وہ شخص ان عورتوں پر ہی پستول تانے ہوئے ہے۔ ابھی وہ کچھ سوچنے بھی نہ پائی تھی کہ اس شخص نے فائر کر کے تینوں

ڈرڈائجسٹ کا مشہور و معروف سلسلہ
قسط نمبر 1 سے قسط نمبر 11 تک
مکمل اور طویل ترین داستانِ حیرت
کتابی شکل میں تیار ہے۔
نمبر 1
رولوکا
پراسرار قوتوں کا مالک
جس کے انوکھے انہونے پر تحیر پراسرار
اور ناقابل یقین دیدہ دلیری
شیطانی طاقت پراسرار بونا کے علاوہ
ہنومان مندر کا پجاری، عجیب الخلقت
انسان، جھنگائی قبیلہ، اچھا دھاری ناگن،
دوسری دنیا کے باسی، اجنتا کے جنات،
روپ بدلنے والی، ہولی پور کا جن، ٹیلی
پیتھی کا قیدی، ایلورا کا جن قبیلہ کو صفحۂ ہستی
سے مٹانے کا محیر العقول طریقہ کار۔
جو کہ پڑھنے والوں کو حیرت میں ڈال دے گا
تحریر: اے وحید قیمت =/150
ڈرپبلی کیشنز
کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی
Ph:32744391

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورتوں کو ہلاک کردیا۔ وہ عورتیں تڑپنے لگیں ان کے جسموں سے نکلنے والے خون سے صحن سرخ ہوگیا تھا۔ ان عورتوں نے تڑپ تڑپ کر اپنی جانیں دے دیں۔ اس شخص نے ان کے مرتے ہی ان کے پاس سے ایک بھاری سی پوٹلی حاصل کر کے باہر کی طرف دوڑ لگادی وہ آدمی ہما کو جانا پہچانا سا لگ رہا تھا کہ وہ اس شخص کو پہلے بھی دیکھ چکی ہے۔ وہ تیزی سے نیچے کو بھاگی تاکہ اپنے امی اور ابو کو جا کر اس صورتحال سے آگاہ کرے۔ ہما اس وقت بڑی بہادر بنی ہوئی تھی۔ اس کو خود پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے تین عورتوں کے قتل ہوگئے اور اس کے منہ سے چیخ تک نہ نکلی یہ اس کے حق میں اچھا ہی ہوا تھا کہ چیخ نہ نکل سکی۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ چیخ سن کر کوئی ہما کی جانب متوجہ ہوجاتا اور اس کو قتل کردیتا تاکہ کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔ ہما سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اپنی امی ابو کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"امی ..... امی..... ہمارے..... ہمارے..... صحن میں ایک شخص..... نے تین عورتوں کو قتل کردیا ہے۔ ہما نے گھبرائی ہوئی حالت میں کہا۔

"یہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کررہی ہو، تمہارے ابو نے سونے سے قبل اچھی طرح باہر کے گیٹ کو لاک کیا تھا کسی کے اندر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امی نے اس کو سمجھایا۔

"امی ایک بار چل کر صحن کو دیکھ لیں..... پھر آپ مجھ سے کہنا۔" ہما نے ضد کی۔

"اچھا بھئی ہم اپنی بیٹی کی تسلی کے لئے کمرے سے باہر نکل کر دیکھ لیتے ہیں۔" ابا جان نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

ہما ان کے ساتھ خود بھی صحن میں آئی۔ صحن میں کوئی بھی نہیں تھا۔

"کہاں ہیں قتل ہونے والی عورتوں کی لاشیں۔" امی جان نے ہما کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"امی..... امی..... یہاں..... یہاں ہی تھیں ان کی لاشیں، لیکن یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"لگتا ہے ہماری بیٹی نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔" ابا جان نے مسکراتے ہوئے بولا۔

ہما گم صم کبھی صحن کو کبھی اپنی امی ابو کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑی حیران ہو رہی تھی۔ اس نے چند لمحوں پہلے خود اپنی آنکھوں سے تین عورتوں کو قتل ہوتا دیکھا تھا پھر ان کی لاشیں اتنی جلدی کیسے غائب ہوگئیں حتیٰ کہ فرش پر بہتا ہوا سرخ خون بھی ایسے غائب تھا جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔

"ہما چلو رات کافی ہو چکی ہے تم اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ صبح تمہیں کالج بھی جانا۔" ابا جان نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

ہما نے ابا جان اور امی جان کو سونے کے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر خود بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ہما بیٹی کو ڈرامے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ اس لئے سوتے میں اس کو ڈراموں کے منظر یاد آجاتے ہیں۔" ابا جان نے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"اکثر یہ ہوتا ہے کہ انسان دن میں جو کچھ دیکھتا ہے وہ اس کے ذہن کے لاشعور میں محفوظ ہو جاتی ہیں اور خواب میں اس طرح دکھائی دیتی ہیں کہ جیسے حقیقت میں اس کے سامنے ہو رہا ہے۔ کسی ڈرامے کا منظر خواب میں آجانے پر وہ حقیقت سمجھ کر ہمیں جگا کر بتانے آگئی کہ گھر میں قتل ہوگیا ہے تین عورتوں کا قتل ہوجائے گھر کے اور کسی فرد کو پتا نہ چلے ایسا ممکن ہوسکتا ہے۔"

"پھر بھی کسی عامل کو دکھا لینا چاہئے تاکہ ہمیں جو وہم ہو رہا ہے وہ ختم ہوجائے گا۔" امی جان نے کہا۔

"میں نے تمہارے کہنے سے پہلے ہی شاہ صاحب سے پوچھ لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ان دنوں لڑکے اور لڑکیاں ٹی وی پروگراموں میں اپنا قیمتی وقت زیادہ ضائع کرتے ہیں اس لئے ان کے خوابوں میں وہی کچھ نظر آتا ہے۔

گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آسیب وغیرہ کا کوئی چکر ہوا تو وہ ضرور اس کا توڑ کردیں گے فی الحال استخارے میں انہیں ایسی کوئی بات نظر نہیں آرہی ہے جس سے ہم سمجھیں کہ ہماری بیٹی آسیب کا شکار ہوگئی ہے۔ اور آسیب اس کو تنگ کررہے ہیں۔" ابا جان نے کہا۔

ان کے سمجھانے پر امی جان مطمئن ہوگئیں۔

"ہما اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ وہ انڈین ڈراموں کو بڑے شوق سے دیکھتی تھی اس کے چھوٹے بہن بھائیوں کی اس بات پر ان سے بنتی نہیں تھی انہیں انڈین ڈرامے بالکل پسند نہیں تھے اکثر ان کی اپنی بڑی بہن سے اس معاملے پر تلخ کلامی بھی ہوجاتی تھی۔ لیکن وہ بھی ضد کی پکی تھی کسی صورت میں چینل تبدیل نہیں کرتی تھی۔ اکثر وہ اپنے پسندیدہ ڈراموں کو نشر مکرر کے طور پر نشر ہونے پر کئی کئی بار دیکھتی اور خوش ہوتی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ نشئی ہوگئی ہے اور ان ڈراموں کو دیکھے بغیر کسی پل چین نہیں آتا تھا۔ اس لئے ابا جان نے اس کو نیا ٹی وی سیٹ لاکر دے دیا تھا کہ بچوں میں ڈراموں کے معاملے پر آپس میں جھگڑا نہ ہو۔ اس وقت بچے ڈرائنگ روم میں موجود نہیں تھے اس لئے وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

اچانک ٹی وی اسکرین کے سامنے وہ تینوں عورتیں آکھڑی ہوئیں۔ انہیں اپنے سامنے دیکھ کر ہما بدحواس سی ہوگئی۔

"تمہیں انڈین ڈرامے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ میں پوچھتی ہو میرا کیا قصور ہے جو تم مجھے تنگ کرنے آجاتی ہو۔" ایک عورت بولی۔

"ان ڈراموں سے تمہارا کیا تعلق ہے۔" ہما ہمت کر کے بولی۔

"بہت گہرا تعلق ہے جس کا تم کیا کوئی اور بھی تصور نہیں کرسکتا۔" دوسری عورت پر اسرار انداز میں بولی۔

"ہما کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسی بات کریں گی۔ وہ حیرت سے بت بنی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"سن لڑکی! وہ انسان جو حادثاتی قتل کردیئے جاتے ہیں ان کی روحیں دنیا میں ہی بھٹکتی رہتیں ہیں انکو کسی پل چین نہیں آتا۔ وہ اپنا انتقام حاصل کرنا چاہتی ہیں ہم کوئی فرشتہ صفت عورتیں نہیں تھیں۔ ہمارا پیشہ انسانوں کو لوٹنا تھا۔ ہمارا ساتھی ایک مرد تھا۔ ہم چاروں مل کر مختلف گھروں میں بھیس بدل کر ڈکیتی کرتے تھے۔ ایک دن ہم نے ایک ایسے بنگلے میں گھسے جہاں ایک سیٹھ صاحب نے اپنی تین بیٹیوں کی شادی کے لئے بہت سا جہیز اور زیورات منگوا کر اپنے بنگلے میں رکھے ہوئے تھے۔ ٹھیک دو روز بعد ان کی بیٹیوں کی شادی تھی۔ اس رات ہم کو موقع مل گیا۔ مال بہت تھا لیکن ہم وہ مال ایک دفعہ میں لوٹ کر نہیں لے جاسکتے تھے اس لئے یہی فیصلہ کیا کہ صرف زیورات ہی لے جاتے ہیں۔ یہی ہم لوگوں کے لئے کئی مہینوں کو کافی ہوں گے واردات کے بعد وہ مرد ہمیں اس مکان میں لے آیا۔ اتنے ہیرے جواہرات میں جڑا سونا کبھی اس نے زندگی میں نہیں دیکھا تھا اس لئے اس کی نیت میں فرق آگیا اور اس نے ہم تینوں کو حصہ دینے کی بجائے ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنالیا تھا۔ اس گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے تین فائر کر کے ہمیں ٹھکانے لگادیا۔ اور صحن کو کھود کر دفن کردیا۔ یہ کارروائی کر کے وہ سمجھ رہا تھا کہ شاہانہ زندگی گزارے گا۔ لیکن ہماری روحوں نے اس کی نیندیں حرام کرنے کا پروگرام بنالیا تھا۔ ہم آئے دن اس کو اور اس کے گھر کے افراد کو تنگ کرنے لگے۔ اس شاطر انسان نے عملیات کا سہارا لے کر ایک عامل کے ذریعے سے ہمیں زمین کی تہہ تک محدود کردیا تھا۔ وہ بنگلے سے اڑائے ہوئے زیورات کی بدولت عیش کررہا ہے اور ہماری روحیں زمین کی تہہ میں بری طرح تڑپ رہی تھیں کہ تم لوگوں نے یہ بنگلہ خرید لیا اور رہائش اختیار کرلی۔ اس دوران تم نے انڈین چینل دیکھنا شروع کردیئے۔ انڈین چینل کے ڈراموں میں بھگوان کی مورتیاں اور بھجنگ لازمی دکھایا جاتا ہے۔ ان بھجنگ کی بدولت اتنا ہوگیا ہے کہ ہماری روحیں اس بنگلے میں جہاں چاہیں جاسکتی ہیں آزادی کے ساتھ لیکن بنگلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے باہر نہیں۔ ہم نے تمہیں جو تنگ کرنا شروع کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ تمہارے ٹی وی ڈرامے دیکھنے سے ہم اس بنگلے میں آزادی کے ساتھ گھومنے پھرنے لگ گئے ہیں لیکن اپنا انتقام نہیں لے سکے۔ اب تمہیں ہماری روحوں کو سکون دلانے کو اس شخص کو پولیس کے ہاتھوں گرفتار کرا کے پھانسی دلانی ہے۔ ورنہ ہم تمہیں اور پھر تمہارے گھر والوں کو بھی تنگ کریں گے۔'' دوسری عورت نے کہا۔

''میں اس شخص کو کہاں تلاش کروں۔ میں نے دیکھا تک نہیں ہے۔'' ہما نے کہا۔

''کیا تم نے جاگتے میں ہمیں قتل ہونے والا منظر نہیں دیکھا۔ جس نے ہمیں قتل کیا تھا۔ اس کی صورت تمہیں صاف نہیں دکھائی دی تھی۔'' تیسری عورت نے کہا۔

''اچھا..... اچھا وہ شخص..... اس کا چہرہ مجھے جانا پہچانا سا لگتا ہے۔ اگر تمہارا قاتل ہے تو پھر میں اس کو تلاش کرلوں گی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسے میں نے اسی شہر میں دیکھا ہے۔'' ہما نے کہا۔

''ٹھیک ہے اب ہم تمہیں تنگ نہیں کریں گے۔ لیکن تم اپنا وعدہ نہیں بھولنا جو ہم سے کیا ہے۔'' پہلی عورت نے کہا۔

''ہاں..... ہاں..... تم بے فکر رہو۔'' ہما نے کہا۔

ہما کے وعدہ کرنے پر وہ تینوں عورتیں خواب کی طرح غائب ہوگئیں۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔

ہما کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس نے اس شخص کو کہاں دیکھا ہے۔ سوچتے سوچتے اس کا ذہن بوجھل ہونے لگا اور اس کو غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ اچانک وہ زور سے صوفے سے اچھلی اسے یاد آ گیا تھا کہ اس شخص کو اس نے کہاں دیکھا ہے۔ پچھلی بار جب وہ ناصر سنار کی دکان پر گئی تھی اس کو وہیں دیکھا تھا۔ اور اس دکان کا مالک ناصر سنار ہی تھا۔

''اف میرے خدا کیا ناصر سنار ہی ان عورتوں کا قاتل ہے، مجھے شام کو ابو کو ساری بات تفصیل سے بتانی پڑے گی۔'' ہما نے خود کلامی کی۔

شام کو ابو کے آنے پر جب ہما نے آج کی ساری بات بتائی وہ سوچ میں پڑ گئے۔ اور کچھ کہے بغیر باہر چلے گئے۔ جب وہ رات گئے دیر سے گھر پہنچے سب حیران ہوگئے کہ وہ کبھی بھی بغیر بتائے اتنی دیر رات کو باہر نہیں رہتے تھے۔ ان کا چہرے پر خوشی چمک رہی تھی۔ وہ ہما کو دیکھ کر مسکرائے۔

''ہما بیٹی تمہاری بات سچ ثابت ہوئی۔ تمہاری بات سن کر میں جیسے ہی شاہ جی کے پاس پہنچا اور ان کو بتایا۔ انہوں نے استخارہ نکال کر بتایا کہ یہ بات بالکل سچ ہے۔ پھر میں اپنے بچپن کے دوست انسپکٹر رضوان کے پاس پہنچا۔ انسپکٹر رضوان نے ناصر سنار کو تھانے پر بلا کر پوچھا لیکن وہ مسلسل انکار کرتا رہا لیکن جب سختی کی تو اس نے سارا راز اگل دیا کہ واقعی اس نے تینوں عورتوں کے قتل کیے ہیں۔ اور وہ ہندو مذہب کا ماننے والا ہے۔ لوگوں کو دھوکے دینے کی غرض سے مسلمان بنا ہوا ہے۔ کل صبح پولیس کی ٹیم آ کر صحن سے گھڑا کھود کر ان عورتوں کی لاشیں جو ہڈیوں میں تبدیل ہو چکی ہیں ان کے ڈھانچے پوسٹ مارٹم کر کے ہندوؤں کے قبرستان میں پہنچا دیے جائیں گے۔ ابا جان نے تفصیل بتائی۔

ابا جان کی بات سن کر ہما اور سب گھر والوں کو سکون سا آ گیا تھا۔ وہ رات سب گھر والے سکون کی نیند سوئے۔

صبح ہونے پر پولیس پارٹی پہنچ گئی اور ان تینوں عورتوں کے ڈھانچے صحن کھود کر نکال لیے۔

اس واقع کو تین سال ہو چکے ہیں۔ پھر ان روحوں نے ہما کو تنگ نہیں کیا۔ ناصر سنار جس کا اصل نام رام چند تھا۔ اسے عمر قید اور جرمانے کی سزا ہو چکی ہے۔ وہ اپنی قید کے دن جیل میں گزار رہا ہے۔ ہما نے اس دن سے انڈین ڈرامے دیکھنے سے توبہ کرلی ہے۔ وہ اب بھولے سے بھی انڈین چینل نہیں لگاتی۔

فائبر بھوت

انور فرہاد

نوجوان نے اپنے انٹرنیٹ کا کوئی بٹن دبایا، کمپیوٹر کے آن ہوتے ہی اس کے اندر سے عجیب الخلقت عفریت برآمد ہونے لگی تھی جنھوں نے حیرت انگیز تباہی مچانا شروع کردی تھی۔ وہاں موجود لوگوں کی ایسی موت واقع ہوئی تھی کہ سب جل کر راکھ ہوگئے۔

جدید سائنسی ترقی اور معلومات پر مبنی ایک چونکا دینے والی حقیقت، کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے؟

گھر کے سارے لوگ نوید کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔ اس کے کمرے سے اچانک چیخ کی آواز سنائی دی تھی، اس کے کمرے میں پہنچتے ہی سب ''ارے!!'' کہہ کر نوید کی طرف لپکے جو کمرے میں چت پڑا ہوا تھا۔ سب اس پر جھک گئے تھے۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ منہ کھلا ہوا تھا اور وہ بے ہوش تھا۔ اس عالم میں اسے دیکھ کر سب بوکھلا گئے تھے۔ ان کی بوکھلاہٹ کا یہ حال تھا کہ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ وہ بیہوش پڑا ہوا ہے، کچھ لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ ''تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کیوں بے ہوش ہوگئے ہو؟'' پھر کسی کو ہوش آیا۔ اس نے فیملی ڈاکٹر کو فون کر کے گھر بلا لیا تھا۔

ڈاکٹر نے معائنہ کر کے کہا۔ ''بیہوشی کا سبب خوف ہے۔''

''مگر کیسا خوف، کیا ڈر۔؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں ڈاکٹر صاحب! کمرے میں بیٹھے بیٹھے کس چیز نے ایسا ڈرا دیا کہ اس کے ہوش وحواس قابو میں نہیں رہے؟"

"یہ تو ہوش میں آنے کے بعد خود ہی بتا سکیں گے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا اور پھر اسے ہوش میں لانے کی تدبیر ہونے لگی۔ ذرا دیر بعد نوید کے جسم نے ایک جھرجھری سی لی، اور پھر اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں ہلکی ہلکی حرکت نظر آنے لگی۔ پھر ذرا توقف کے بعد اس نے زور زور سے پلکیں جھپکانے کے بعد خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ جب اسے اپنے قریب گھر کے لوگ نظر آئے تو اس کی آنکھوں سے خوف کی پرچھائیاں دور ہوگئیں۔ اب اسے اس بات کا خیال آیا کہ وہ کمرے کی فرش پر پڑا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، کچھ پوچھتا کئی آوازیں بیک وقت اس کی سماعت سے ٹکرائیں۔

"کیا ہوگیا تھا تمہیں؟"

"کیوں بیہوش ہوگئے تھے؟"

"کیا دیکھ کر ہوش وحواس کھو بیٹھے؟"

نوید نے پلکیں پٹ پٹا کر سب کی طرف دیکھا..... کچھ بولنا چاہا پھر غالباً ارادہ بدل دیا پھر کھڑے ہوتے ہوئے مسکرا دیا۔ "آپ لوگ تو خواہ مخواہ پریشان ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی بلا لیا۔ کمرے میں ایسا کون ہوگا، جسے دیکھ کر ہوش وحواس کھو بیٹھوں گا۔؟ میرا خیال ہے..... اچانک میرا سر چکرایا ہوگا اور میں....."

"ڈاکٹر صاحب! ذرا اس کا بلڈ پریشر تو چیک کریں۔" نوید کی والدہ بولیں۔ "اچانک سر چکرانے کا کہیں یہ مطلب تو نہیں کہ بلڈ پریشر بالکل لو ہوگیا ہے۔؟"

ڈاکٹر نے بلڈ پریشر چیک کرنے کے بعد کہا۔ "بلڈ پریشر نہ لو ہے نہ ہائی بالکل نارمل ہے۔"

ماں کی تشویش تو دور ہوگئی تھی، مگر کچھ لوگ یہ ضرور سوچ رہے تھے کہ اگر بلڈ پریشر بالکل نارمل ہے تو اچانک سر چکرانے والی بات میں کتنی صداقت ہے؟

☆.....☆.....☆

نوید اس گھر کا ایک اہم فرد تھا اس وجہ سے گھر کے تمام لوگ اس کی اس طرح بیہوشی پر فکرمند تھے۔ وہ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا تھا۔ بہت ہی اچھی ملازمت کرتا تھا۔ گھریلو اخراجات کا بڑا حصہ اس کی آمدنی سے پورا ہوتا تھا۔ صحت مند تھا، اور عام نوجوانوں کی طرح سیر وتفریح کا دلدادہ تھا، نا ہی فضول شغولیات میں وقت صرف کرتا تھا۔ اسے اگر کسی بات کا شوق تھا تو تجربات کا تھا۔ وہ جدید سائنسی معلومات اور ٹیکنالوجی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی تگ ودو میں سر گرداں رہتا تھا۔ اس کا کمرہ جدید سائنسی علوم کی کتابوں اور میگزین سے بھرا رہتا تھا۔ کمپیوٹر، لیپ ٹاپ اور انٹرنیٹ نے بھی اس کمرے کی خصوصی حیثیت کو نمایاں کیا ہوا تھا۔ اکثر وہ رات رات بھر جاگ کر مطالعہ کرتا رہتا یا کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ساتھ جڑا رہتا۔ اس کے کمرے میں بلا ضرورت کسی کو بھی آنے جانے کی ممانعت تھی۔ جب بھی وہ باہر جاتا تو کمرے کو بند کر کے تالا لگا جاتا تھا۔ چابی اپنے پاس رکھتا تھا۔ اس بات بھائی بہنوں نے قدرے احتجاج بھی کیا تھا مگر ان کی والدہ نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کرا دیا تھا کہ اپنے کمرے میں وہ آنے جانے کی اجازت نہ دے تو اس پر میں تم لوگوں کو کیا پریشانی ہے؟ تم لوگ اس کے کمرے میں جا کر کرو گے بھی کیا؟ اسے ڈسٹرب ہی کرو گے۔ وہ اگر پرسکون ہو کر اپنا کام کرنا چاہتا ہے تو اسے کرنے دو۔"

ناہید بیگم کی باتوں پر انکے بچے تلملا کر رہ گئے تھے۔ ایک دو نے دل ہی دل میں یہ کہہ کر بھی رہ گئے "یہ امی جان نہیں بول رہی ہیں ان کے کماؤ پوت کا پیسہ بول رہا ہے۔"

جس بات سے منع کیا جائے اس میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ نوید کے اس طرح روکنے ٹوکنے سے اس کے بھائی بہنوں کے تجسس میں اضافہ ہوگیا تھا کہ آخر وہ اپنے کمرے میں کرتا کیا ہے۔؟ جس پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنے کمرے کو نو گو ایریا بنا دیا ہے۔ ایسی باتیں سوچتے تو سبھی

تھے لیکن خورشید اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہوگئی تھی۔ نوید کی یہ بہن کسی قدر نوید سے جلتی بھی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے بھی سائنس اور آئی ٹی ٹیکنالوجی کی خاصی معقول تعلیم حاصل کی تھی اس کے باوجود اسے اتنی اچھی ملازمت نہیں ملی جتنی اچھی ملازمت نوید کرتا تھا۔ کما کر وہ بھی لاتی تھی مگر نوید کے مقابلے میں بہت کم۔ اس لئے اس کی والدہ بھی اسے وہ اہمیت نہیں دیتی تھیں جو نوید کو دیتی تھیں۔ خورشید ہر وقت اس ٹوہ میں لگی رہتی تھی کہ کسی طرح اسے نوید کے کمرے میں داخل ہونے کا موقع مل جائے تاکہ اسے یہ کھوج لگانے کا موقع مل جائے کہ آخر وہ اپنے کمرے میں کرتا کیا ہے؟

آج جب وہ اپنے کمرے میں بیہوش پایا گیا تو خورشید کو اور کرید ہوئی کہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اب زیادہ ضروری ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر کے بقول بیہوشی کی وجہ خوف تھا۔ آخر وہ کمرے کے اندر بیٹھے بیٹھے کس بات پر اس قدر خوفزدہ ہوگیا تھا کہ اس کے ہوش و حواس رخصت ہوگئے۔ اس سلسلے میں سوچتے سوچتے اسے اس بات کا خیال آیا کہ عام حالات میں وہ اپنا کمرہ بند نہیں رکھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کواڑ بھیڑ لیتا ہے۔ شاید اس وجہ سے جب وہ بے ہوش ہوا تھا تو ہمیں اس کے کمرے میں داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی تھی۔ اس سوچ نے اسے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس کے کمرے میں جھانکنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا مناسب موقع دیکھ کر اس نے یہ تاک جھانک کا کام شروع کر دیا۔ اس کا کمرہ ذرا الگ تھلگ تھا۔ غالباً اس لئے اس نے اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ اسے ہر وقت بند رکھا جائے۔ خاص طور پر ڈسٹ کے وقت وہ کمرے کا دروازہ کھلا رکھتا یا زیادہ سے زیادہ بھیڑ دیا کرتا تھا۔

خورشید نے ایسے ہی وقت کا انتخاب کیا۔ جب گھر کے سارے لوگ خواب خرگوش میں مبتلا ہو جاتے تھے خورشید چپکے سے اپنے کمرے سے نکل کر نوید کے کمرے کی طرف جاتی۔ کبھی کمرہ کھلا ہوتا تو دور کھڑی ہو کر کسی آڑ میں چھپ کر جائزہ لیتی، کواڑ بند ہوتے تو قریب جا کر اندر جھانکتی۔ دونوں صورت میں وہ اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں کر سکی تھی کہ یا تو اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب ہوتی یا وہ کچھ لکھ رہا ہوتا یا پھر اس کی نگاہیں کمپیوٹر یا انٹرنیٹ پر مرکوز ہوتیں۔ لیکن اس صورت حال سے وہ مایوس نہیں ہوئی بلکہ اس کے کمرے میں داخل ہو کر کھوج نکالنے کا عزم وارادہ کر لیا۔ انسان کا ارادہ اگر پختہ ہو تو وہ سب کچھ کر لیتا ہے۔ خورشید کی جستجو بھی سچی تھی اس لئے اس نے کسی نہ کسی طرح سے نوید کے کمرے کی ڈپلی کیٹ چابی بنوالی۔ جس کے بعد ایک دن اس کی عدم موجودگی میں مناسب موقع دیکھ کر اس کے کمرے میں داخل ہوگئی اور کمرہ اندر سے بند کر کے اچھی طرح جائزہ لینے لگی۔

جدید سائنسی کتابوں اور میگزینز کے علاوہ دیگر کئی چیزیں بھی اسے حیران کرنے والی تھیں۔ مختلف اسکیچز اور ڈائی گرام جو ہاتھ سے بنائے گئے تھے۔ حیران کن تھے۔ کچھ تو سمجھ سے بالاتر تھے، کچھ عجیب وغریب شبیہہ اور شکل وصورت کے تھے۔ اور پھر جب اس نے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ میں جھانکا تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت میں کئی گنا اضافہ ہوگیا کہ وہی شبیہہ اور شکل وصورت کمپیوٹر گیم کی طرح متحرک ہیں۔ ان میں کچھ تو اتنے مہیب اور خوفناک تھے کہ اپنی بے ساختہ چیخوں کو اس نے بڑی جدوجہد کے بعد دبایا۔ اس روز تو وہ زیادہ دیر نوید کے کمرے میں نہیں رہی کہ اگلی بار مزید چھان بین کرے گی۔

ایک دن ٹی وی پر ہیری پورٹر کی ایک فلم دیکھ رہی تھی تو ایک دم اسے خیال آیا کہ نوید کے بنائے ہوئے اسکیچ اور شبیہہ اس فلم کے مافوق الفطرت کرداروں سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں۔ وہ سوچنے لگی۔ "تو کیا نوید کوئی ایسا تجربہ کر رہا ہے کہ وہ بھی عجیب الخلقت کردار تخلیق کرے۔ مگر کیوں؟ وہ ایسا تجربہ کیوں کرنا چاہتا ہے؟ وہ ڈراؤنی شکلیں بنا کر آخر کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟" اور پھر وہ یہ بھی سوچنے لگی کہ "کہیں ایسی ہی کسی شبیہہ یا شکل کو دیکھ کر تو وہ بے ہوش نہیں ہوگیا تھا؟" مگر اگلے لمحے اس خیال کو اس نے خود ہی رد کر دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۔نہیں ایسا ممکن نہیں ۔اگر وہ خود ان کا تخلیق کار ہے تو انہیں دیکھ کر ہرگز اس قدر خوفزدہ نہیں ہوسکتا۔اپنی بنائی ہوئی تصویروں کو متحرک اور زندہ دیکھ کر تو اسے خوشی ہوتی ہوگی ۔تو پھر......تو پھر......اس کے ڈرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟اس وقت تو اس کے ذہن نے اس سوال کا کوئی مناسب جواب نہیں دیا۔

البتہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ جہاں اس کی تگ ودو نے اتنی باتوں کا سراغ لگایا ہے۔آئندہ چھان کے بعد شاید اس سوال کا جواب بھی اسے مل جائے۔کئی دنوں کے بعد اسے دوبارہ نوید کے کمرے میں داخل ہونے کا موقع ملا۔اس روز تلاشی کے دوران اسے ہیری پورٹر کے کچھ ناول اور ان پر بنائی گئی فلموں کی سی ڈیز ملیں جن سے اسے اپنے اس خیال کو تقویت لے کر اس نے ہیری پورٹر کے مافوق الفطرت کرداروں کے انداز ہی میں یہ شبیہیں اور شکلیں تخلیق کی ہیں مگر کیوں؟ کیا محض تفریح کے لئے یا کسی خاص مقصد کے لئے؟ تفریح کے لئے کوئی پاگل ہی اتنی جدوجہد کرے گا۔نوید ہرگز اتنا باؤلا نہیں۔اس نے یقیناً کسی مقصد ہی کو سامنے رکھ کر یہ بھان متی کا کنبہ تخلیق کیا ہے۔اس مرحلے تک پہنچنے کے لئے یقیناً اسے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہوں گے۔

خورشید خود بھی آئی ٹی ٹیکنالوجی میں دسترس رکھتی تھی۔اس لئے اس نے انٹرنیٹ کو آن کر کے اپنے طور پر بڑے احتیاط کے ساتھ ہینڈل کرنے کوشش کی اور نوید کے تخلیق کردہ کرداروں کو متحرک کیا تو اسے اس بات کا کسی حد تک اندازہ ہوا کہ ای میل کے پیغامات کی طرح ان کرداروں کو بھی مطلوبہ جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے۔مگر کیسے؟ اس بات پر اس نے فی الحال کوئی تجربہ کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کہیں ذرا سی بھول چوک سے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔یہ بھان متی کا کنبہ جتنا بھیانک نظر آتا ہے، اس قدر خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میری غلطی سے وہ مطلوبہ جگہ جانے کی بجائے باہر نکل کر مجھ پر حملہ کردے۔یہ سوچتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا نوید کی بے ہوشی کا سبب بھی کہیں اس کی ایسی ہی کسی غلطی کا سبب تو نہیں؟ کہیں مس ہینڈلنگ کی وجہ سے اس کا کوئی خوفناک کردار انٹرنیٹ سے باہر تو نہیں آ گیا تھا؟ یہ اور ایسی ہی دیگر باتیں سوچ کر وہ انٹرنیٹ کو مزید چھیڑ چھاڑ کئے بغیر اس کے پاس سے ہٹ گئی۔

نوید کے کمرے سے باہر آ کر وہ مسلسل یہی سوچتی رہی کہ نوید کی ان خفیہ سرگرمیوں سے آخر کیسے پردہ اٹھایا جائے؟ کس طرح یہ معلوم کیا جائے کہ کوئی پراسرار کھیل کیوں کھیل رہا ہے؟ وہ شخص جو بے مقصد کی شغل میلے کا قائل نہیں، وہ کوئی بے مقصد اور بے وجہ کام کیسے کرسکتا ہے؟ یقیناً اس کے پیش نظر کوئی وجہ، کوئی مقصد ضرور ہے مگر اس کا جواب مجھے کون دے گا......کون دے سکتا ہے؟ اس کا اصل جواب تو وہی دے سکتا ہے۔مگر اس کا جواب وہ مجھے کیوں دے گا؟

سوچتے سوچتے وہ یہ سوچنے لگی......کچھ بھی ہو، میرا بھائی بہت ذہین ہے، اس نے جس مقصد کے لئے بھی بھان متی کا یہ کنبہ تخلیق کیا ہے، یہ اس کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔پھر اسے اس بھائی پر جس سے وہ نفرت کرتی تھی، تھوڑا تھوڑا پیار آنے لگا۔ پھر وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگی۔اس سے دوستی کیسی رہے گی؟ اور اس کا جواب بھی خود ہی دیا۔کہتے ہیں کہ جو مسئلہ تلوار سے حل نہیں ہوتا وہ پیار سے حل ہوجاتا ہے۔ اور پھر وہ مسکرانے لگی۔اگر یہ بات درست ہے تو پھر میں اس حکمت عملی سے فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں؟

☆......☆......☆

نوید کے موبائل کی گھنٹی گنگنائی تھی۔اس نے سیل فون کان سے لگا کر ''ہیلو'' کہا دوسری طرف سے آواز آئی۔''نوید بھائی! گرم گرم کافی چلے گی؟ میں نے اپنے لئے بنائی ہے، سوچا، موسم کے لحاظ سے شاید میرے بھائی کو بھی اس کی طلب ہو۔''

''ہاں......سردی کچھ بڑھ گئی ہے۔کافی چلے گی، بھجوادو۔''

اور پھر ذرا دیر بعد، دروازے کے باہر سے آواز آئی۔''نوید بھائی! کافی لائی ہوں۔''

''دروازہ بند نہیں ہے، کھول کر چلی آؤ۔''

اور خورشید ہاتھ میں ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوگئی۔''ارے تم خود کیوں آئیں؟ کسی کے ہاتھ بھیج دیا ہوتا۔''

''اس وقت سب اپنے لحافوں میں دبکے خراٹے لے رہے ہیں، کس سے بھیجتی؟''

نوید نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔بارہ بج کر کچھ منٹ ہوئے تھے۔''ہاں......اس وقت اگرچہ زیادہ رات نہیں ہوئی ہے مگر جاڑے کی رات ہے نا۔''

خورشید نے ٹرے رکھی تو اس میں دو کپ موجود تھے۔اور ابلے ہوئے انڈوں کی قاشیں بھی نظر آرہی تھیں ''یہ دوسرا کپ کس کے لئے ہے؟'' نوید نے پوچھا۔

''دوسرا کپ میرا ہے۔میں نے سوچا بھائی کے ساتھ ہی بیٹھ کر پی لوں گی۔انڈے بھی لیجئے نا۔''

انڈے کی قاش اٹھاتے ہوئے نوید بولا۔''گھر کے تمام لوگ سو رہے ہیں۔تم کیوں جاگ رہی ہو؟''

''میں۔'' خورشید مسکرائی۔''آپ کی طرح مجھے بھی، لکھنے پڑھنے کی عادت ہے۔اور اس کام کے لئے رات کے وقت سے اچھا وقت اور کوئی نہیں ہوتا۔''

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' نوید نے اس کی تائید کر کے بولی۔''ہمارے گھر میں لکھنے پڑھنے کا شوق لوگوں کو کم ہی ہے۔بہت ہوا تو اخبار پڑھ لیا۔ مجھے تو پڑھنے کا ایسا نشہ ہے کہ......'' خورشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔''ہیری پورٹر کے ناول تک نہیں چھوڑتی۔''

نوید نے کافی کے کپ کی طرف بڑھایا ہوا ہاتھ روکتے ہوئے، سنجیدگی سے کہا۔''تم ہیری پورٹر کے ناول کے ذکر پر مسکرائیں کیوں۔؟''

''یہ بچوں کے لئے ہیں نا......انہیں پڑھنے کی میری عمر تو نہیں۔''

''وہ بچوں کے لئے لکھے ضرور گئے ہیں، لیکن پڑھتا وہ ہر عمر کے لوگوں کے لئے ہیں۔بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ بڑی عمر کے لوگوں کے لئے ان میں زیادہ فکرانگیز باتیں ہیں۔''

''مگر نوید بھائی!'' خورشید بدستور مسکراتی ہوئی بولی۔''ان کی کہانی کیسی اوٹ پٹانگ ہوتی ہے اور ان کے عجیب وغریب کردار......! خدا کی پناہ کیسے بھیانک ہوتے ہیں۔''

''خورشید! انہیں محض مافوق الفطرت اور بھیانک کہہ کر ان کی تخلیق کار کی ذہنی بلندیوں کی توہین نہ کرو۔اس نے جو کچھ آج اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے، بہت ممکن ہے، کل یہ کردار حقیقت کا روپ دھار کر دنیا میں ایک نئی تاریخ رقم کریں۔''

''میرا ذہن آپ کی اس دلیل کو قبول نہیں کرتا۔''

''پہلے پہل ایسا ہی ہوتا ہے۔اس وقت بھی لوگوں نے ایسے ہی خیال کا اظہار کیا تھا جب کہانیاں لکھنے والوں نے اپنے کردار کو ہوا میں اڑایا تھا یا جادوئی مرتبان میں سینکڑوں میل دور کے منظر دکھائے تھے۔مگر سائنس دانوں نے ان کے تخیل کو سچ ثابت کر دکھایا۔کیا آج انسان ہوائی جہاز کے ذریعہ ہوا میں اڑتا نہیں، ٹیلی ویژن کے ذریعہ دنیا بھر میں کیا ہو رہا ہے، اپنے گھر میں بیٹھا نہیں دیکھتا۔؟''

خورشید ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھی۔''اگر اس نظر سے سوچا جائے تو......'' وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''کہو کہو......تم کیا کہنا چاہتی ہو......رک کیوں گئیں؟''

''نوید بھائی! انسان کے ہوا میں اڑنے یا جادوئی مرتبان کے خیال کو حقیقت کا روپ دے کر سائنسدانوں نے یقیناً انسانیت کی عظیم خدمت کی ہے مگر ہیری پورٹر کے کرداروں کو اگر حقیقی زندگی دی جائے گی تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔؟''

''سائنس کی تمام ایجادات سے محض تعمیری کام ہی نہیں لئے جاتے، ان سے تخریبی کارروائیاں بھی کی جاتی ہیں۔بندوق، رائفل، پستول، کلاشنکوف سے لیکر گولے بارود، ایٹم اور ہائیڈروجن بم سے کون سی تعمیر و ترقی کا کام لیا جاتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کا مطلب ہے ہیری پورٹر کے کرداروں سے بھی تخریبی کارروائی کا کام لیا جائے گا۔؟"

"پتہ نہیں۔تم کیا پڑھتی لکھتی ہو۔ تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کی سوچ میں بھی تبدیلی آ رہی ہے۔آج کا دور کمپیوٹر اور موبائل فون کا دور ہے۔لوگ انگلی کے ذرا سے اشارے سے اپنی بہت سی ضرورتیں پوری کر لیتے ہیں کیا یہ بات ممکن نہیں کہ آنے والے دنوں میں جنگیں بھی اس طرح لڑی جائیں؟ جیتے جاگتے انسانوں کو جنگوں کی بھٹی میں جھونکنے کی بجائے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعہ ایسے ہی مافوق الفطرت کرداروں کے ذریعہ جنگ لڑی جائے۔"

"اوہ! کیا ایسا ممکن ہے!!"

"سائنس دانوں کے لئے کوئی بات ناممکن نہیں۔ وہ ہر ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔"

☆......☆......☆

خورشید اپنے بستر پر دراز دیر تک نوید کی باتوں پر غور و فکر کرتی رہی۔نوید بھی کوئی خطرناک کھیل کھیل رہا ہے۔اس کی باتوں سے اس اعتماد کا پتہ چلتا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن نہیں۔ابھی تو اس نے اپنے کمپیوٹر پر مافوق الفطرت کچھ کرداروں کو کارٹون کی طرح متحرک کیا ہے۔کل کلاں کو وہ ان سے دوسروں کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔اس خیال سے وہ لرز کر رہ گئی تھی۔ "کیا یہ اچھی بات ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ اسے روکا بھی تو نہیں جا سکتا۔تو پھر کیا کیا جائے؟" وہ بہت دیر تک ایسی ہی باتیں سوچتی رہی۔پھر اسے نیند آ گئی تھی۔

اگلی بار مناسب موقع دیکھ کر جب وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو چھان بین کے دوران اسے ایک ڈائری ملی۔جس میں نوید اپنے تاثرات لکھتا تھا۔اسے ڈائری کے مختلف صفحات پر کچھ اس قسم کی باتیں لکھی ہوئی ملیں۔

"اگر ہیری پورٹر کے کرداروں کو کمپیوٹر میں فیڈ کر کے انہیں متحرک کیا جا سکتا ہے اور کمپیوٹر سائنس سے فلم بنائی جا سکتی ہے تو میں اپنے اسکیچز اور شبیہوں کو کمپیوٹر میں فیڈ کر کے انہیں متحرک کیوں نہیں کر سکتا۔؟"

"نیک نیتی سے کی جانے والی کوشش کبھی ناکام نہیں ہوتی۔فیڈ تو میں نے کر دیئے ہیں، بس انہیں چلانا پھرانا رہ گیا ہے۔وہ بھی ایک دن ہو جائے گا۔"

"جو محنت سے جان نہ چرائے، کوشش جاری رکھے، کامیابی اسی کے قدم چومتی ہے۔میرے تخلیق کردہ کردار چلنے پھرنے لگے ہیں......اور میرے لئے انتہائی مسرت اور حیرت کا مقام ہے کہ متحرک ہونے کی صورت میں ان کی عجیب غریب حرکات و سکنات ہوتی ہیں۔"

"یہ میری محنت اور لگن کا ہی نتیجہ ہے کہ میں اس مقصد کے قریب تر پہنچ ہو چکا ہوں کہ ان کرداروں کو اپنے کمپیوٹر سے دوسروں کے کمپیوٹرز تک پہنچاؤں۔ میری سوچ یہ تھی کہ اگر ہم چیٹنگ کر سکتے ہیں۔دوسروں تک اپنی باتیں پہنچا سکتے ہیں تو اس طرح ان کرداروں کو دوسروں تک کیوں نہیں پہنچا سکتے۔؟"

"یہ بڑا نازک کام ہے۔ ذرا سی بھول چوک سے غلط نتیجہ بھی نکل سکتا ہے۔اور ایسا ہوا بھی۔میری ذرا سی بھول سے میرا کردار میرے کمپیوٹر سے باہر نکل کر مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔وہ تو بس اللہ نے بچا لیا کہ جانے کیسے کمپیوٹر نے خود ہی اسے باہر نکل کر کچھ کرنے سے روک لیا......ورنہ اس روز تو میں......"

"اب میں نے بہت محتاط قدم اٹھانا شروع کر دیا ہے۔اور میرے کردار دوسروں کے کمپیوٹر پر پہنچ کر حملہ کرنے لگے ہیں۔اور اسے سائبر حملوں جیسا ہی سمجھا جانے لگا ہے۔"

"میں نے اس بات کی کوشش تو کی ہے کہ میرے ابھی حملہ آور کا کوئی سراغ نہ مل سکے، مگر اس بات کا کوئی یقین نہیں ہے کہ میرے حملوں کو روکنے کے لئے کسی جوابی کارروائی کا بندوبست نہ کیا جائے۔"

"میرے کرداروں نے دشمن کے کئی انٹرنیٹ کلبوں میں اچھی خاصی تباہی مچا دی ہے۔میرے حوصلے بہت بلند ہو گئے ہیں۔اور اب میں سوچ رہا ہوں کہ دشمن کے اہم اداروں پر حملے کر دوں۔"

"او مائی گاڈ......!!" خورشید کے منہ سے بے ساختہ نکلا...... "یہ نوید بھائی کو کیا ہو گیا ہے! سانپ کے

بل میں کیوں ہاتھ ڈال رہے ہیں؟ اگر ایسا ہوا تو کیا ان کے آئی ٹی، ماہرین اس سائبر کرائم کو روکنے کے لئے جوابی کارروائی نہیں کریں گے۔؟"

اس نے ڈائری بند کی، اسے اس کی جگہ رکھا اور اپنے کمرے میں آ کر بے تابی سے ٹہلنے لگی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے بھائی کو وہ اس خطرناک کھیل سے کیسے روکے۔جب انہیں خود بھی اس بات کا احساس ہے کہ ان کے حملوں کو روکنے کے لئے جوابی کارروائی بھی کی جا سکتی ہے۔تو پھر ایسا قدم کیوں اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں جس سے انہیں سراسر نقصان کا اندیشہ ہے۔یا اللہ! میں کیا کروں!!! انہیں کیسے روکوں؟

بہت دیر بعد اس کے پراگندہ ذہن میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ان کے کمپیوٹر سسٹم میں گڑبڑ پیدا کر دی جائے۔ہاں......یہ طریقہ ٹھیک رہے گا۔مگر......مگر ایسے گڑبڑ گھوٹالہ کرنے پر کہیں کوئی نیا مسئلہ پیدا نہ ہو جائے......کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔نہ بابا میں پورا منتر جانے بغیر سانپ کے بل میں ہاتھ نہیں ڈالوں گی......کہیں انٹرنیٹ کے عفریت باہر آ کر میرا ہی ٹیٹوا نہ دبا دیں۔کہیں میرے گھر اور محلے میں تباہی نہ مچا دیں۔ذرا دیر بعد وہ سوچ رہی تھی، اس بارے میں کسی سے مشورہ لینا چاہئے......مگر کس سے؟ یہ اطلاع تو کسی کے لئے بھی بم دھاکے سے کم نہیں ہوگی اس کے بعد پتہ نہیں کیا صورت حال پیدا ہو۔لہٰذا اس نے اس خیال کو بھی رد کر دیا۔

دن اسی بے چینی میں گزر گیا۔رات کو بھی نہ خورشید کو سکون ملا نہ نیند آئی۔نہ پڑھنے لکھنے سے دل بہلا نہ ٹی وی دیکھنے کا کوئی فائدہ ہوا......وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔اچانک اس کے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔اس نے اسے کان سے لگا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ارے بھئی! جی چاہ رہا ہے آج کافی کا دور چل جائے۔کیا خیال ہے تمہارا۔؟"

"اچھا خیال ہے۔لا رہی ہوں بنا کر کافی۔"

کافی بناتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔"آج ان ہی سے دوٹوک باتیں کر لوں گی۔ان سے کہہ دوں گی کہ آپ جو خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں، اس سے آپ ہی کو نہیں......ہمارے گھر کو محلے کو اور پورے شہر کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔خدارا یہ کھیل بند کر دیں۔یہ آپ کا پاگل پن ہے۔آپ چھوٹی موٹی کارروائی کر کے آپ حکومت کو اپنے خلاف محاذ آرائی پر مجبور کرنے کا خیال دل سے نکال دیں۔"

ابھی وہ کافی اور ابلے ہوئے انڈے ٹرے میں لئے نوید کے کمرے میں داخل ہوئی ہی تھی کہ اس کی نظر ایک کمپیوٹر پر پڑی، جس کے اسکرین پر کچھ مناظر متحرک تھے۔خورشید کو دیکھ کر نوید نے کہا۔"آؤ آؤ آج تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں۔"

وہ ٹرے میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔کمپیوٹر اسکرین کی طرف دیکھا تو اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔اس میں اس کی اپنی تصویریں نظر آ رہی تھیں۔اس کمرے میں آ کر اس نے جو چھان بین کی تھی، اسی کی عکاسی تھی۔وہ جو کچھ سوچ کر آئی تھی بھول گئی اور سوچنے لگی......"اللہ خیر کرے......اب بھائی کا کیا ری ایکشن ہوگا؟" کمپیوٹر اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس نے ڈرتے ڈرتے نوید کی طرف دیکھا۔وہ بڑے مزے سے انڈے کھا رہا تھا اور کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔اس کے چہرے بشرے سے کوئی ناراضگی یا خفگی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

"مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ......" نوید نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔"میری ریسرچ سے، میرے کارنامے سے کوئی تو آگاہ ہے۔تاکہ میرے بعد وہ اس بات کی گواہی دے سکے کہ ایک بڑی طاقت کو ایک عام سے نوجوان نے کس طرح للکارا تھا......"

خورشید نے کچھ بولنا چاہا تھا کہ نوید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے اپنی بات آگے بڑھائی "بہادری یہ نہیں کہ نہتے پر اپنی طاقت آزمائی جائے۔مجھے اس بات کا دعویٰ نہیں کہ میں انہیں تہس نہس کر دوں گا۔میں تو بس یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کمزور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگ بھی زور آوروں کو یہ سوچنے پر مجبور کر سکتے ہیں کہ کمزور بھی کبھی کبھی طاقتوروں کو للکار سکتے ہیں....."

"مگر نوید بھائی!" نوید جیسے ہی سانس لینے کے لئے رکا تو خورشید بول پڑی۔ "وہ آپ کو معاف تو نہیں کردیں گے، کیا آپ پر جوابی حملہ نہیں کریں گے؟"

"پہلے تم ان کی تباہی کا یہ منظر خود دیکھو۔" کہتے ہوئے اس نے اپنے انٹرنیٹ کا کوئی بٹن دبایا اور اس کی اسکرین پر گویا کسی فلم کا منظر نظر آنے لگا۔ ایک کمپیوٹر کے آن ہوتے ہی اس کے اندر سے عجیب الخلقت عفریت برآمد ہونے لگے تھے جنہوں نے آناً فاناً حیرت انگیز تباہی مچانا شروع کردی تھی۔ وہاں موجود لوگوں کو سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ ان کی موت ایسے واقع ہوئی تھی کہ وہ جل کر راکھ ہو گئے تھے جبکہ وہاں کا سارا الیکٹرانک نظام بھی فائبر بھوتوں نے تہس نہس کردیا تھا۔

"جانتی ہو، یہ کون سی جگہ تھی؟"

خورشید اس قدر مبہوت تھی کہ وہ بس سوالیہ نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئی۔ "یہ ان کا وہ ایئر بیس تھا جہاں سے وہ اپنے حملوں کو کنٹرول کرتے تھے۔ یہاں کیا ہوا.....؟ کیسے ہوا.....؟ یہ بتانے کے لئے وہاں کوئی زندہ سلامت رہا نہ ہی ایسی کوئی شناخت یا نشان باقی بچا جسکی مدد سے وہ اندازہ لگا سکیں۔" وہ ذرا رکا.....اور کافی کا آخری گھونٹ لینے کے بعد بولا۔ "میں نے ایسے ہی ان کے کئی اہم تنصیبات کو بلڈوز کردیا ہے۔"

"مگر.....مگر نوید بھائی! اس تباہی و بربادی کے بعد وہ لوگ خاموش تو نہیں بیٹھے ہوں گے۔ ان کے ماہرین اس کی کھوج میں لگ گئے ہوں گے کہ یہ حملے کہاں سے ہوئے اور کس نے کئے۔؟"

"یقیناً وہ اس بارے میں سر ٹکرا رہے ہوں گے۔ مگر اس کا سدباب میں نے پہلے ہی کردیا ہے کہ انکے ہاتھ آسانی سے کوئی سرا نہ آجائے۔ تم پوچھو گی کیسے۔؟ میں نے کیا کیا ہے؟ جس طرح تمہارے موبائل فون کی ایک سم ہے جسے نکال دو تو تمہارا فون ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کے سسٹم سے میں نے یہ حملے کئے ہیں یوں سمجھو کہ حملوں کے بعد ان کی سم نکال کر ان حملوں کی ساری شناخت مٹادی۔ یوں سمجھو قتل کے بعد موقع واردات کو دھو کر صاف کردیا ہے۔"

"پھر بھی نوید بھائی! وہ خاموش تو نہیں بیٹھے ہوں گے۔ کچھ نہ کچھ تو معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔"

"ہاں.....وہ یقیناً خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے۔ اس تباہی و بربادی کی کھوج میں سرگرداں ہوں گے اور اس کے ساتھ یہ سوچ بھی رہے ہوں گے کہ وہ اپنی تمام تر حفاظتی تدبیروں کے باوجود محفوظ نہیں ہیں۔ کہیں ان کے کمزور اور ناتواں دشمن کل کلاں کو ان کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادیں۔ اور انشاء اللہ وہ دن ضرور آئے گا خورشید جب دشمن کا وجود صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائے گا۔"

خورشید اپنے کمرے میں واپس آکر بستر پر لیٹ گئی۔ اسے نوید کی کامیابیوں سے اتنی خوشی حاصل نہیں ہوئی تھی جتنی اس کی خطرے میں گھری زندگی کے بارے میں سن کر تھی۔ ہر گزرنے والے دن کے ساتھ اس کی سوچوں اور فکروں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا تھا۔ اسے گویا چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ بس ہر وقت یہی سوچتی رہتی تھی کہ جانے کب کیا ہو جائے۔ اور پھر ایک دن ہونے والی جو بات تھی وہ ہو کر رہ گئی۔

رات کا آخری پہر تھا جب ایک دھماکے کی آواز آئی تھی۔ گھر کے سارے لوگ اٹھ گئے تھے۔ سب سے پہلے خورشید نوید کے اس الگ تھلگ کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ اس کے پیچھے باقی لوگ بھی دوڑ پڑے تھے مگر کمرے کے قریب جا کر سب ایک دوسرے کو ہونقوں کی طرح دیکھ رہے تھے کیونکہ کمرے کا کہیں وجود نہیں تھا۔ جہاں کمرہ تھا وہ چھوٹا سا ٹکڑا کسی ریگستانی خطے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ گرد و غبار سے اٹے اس ٹکڑے سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا اور بس کچھ اور وہاں نظر نہیں آرہا تھا۔

تصفیہ

عمران ساجد-حیدرآباد

اپنے گریبان میں نہ جھانکنے والے لوگ اکثر دوسروں پر انگلیاں اٹھاتے ہیں اور پھر وہ خود ذلت و رسوائی کے حقدار ٹھہرائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے دور رہیں۔

کیا دل میں نرم گوشہ رکھنے والے لوگ ہمیشہ سرخرو ہوتے ہیں؟ یہ کہانی پڑھ کر ہی پتہ چلے گا

"یہ تم نے کیا نراج پھیلا رکھا ہے؟" ریڑھی پر سبزیاں بیچنے والے دکاندار کے پاس پہنچتے ہوئے اس بزرگ سے آدمی نے غصیلے لہجے میں کہا جس نے بے داغ لباس پہن رکھا تھا اور جس کے بال برف کی طرح سفید تھے۔

"کیا ہوا بزرگوار۔؟" دکاندار نے اپنے ہاتھ ایک میلے سے بڑے رومال سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"بزرگ سے آدمی نے ایک تھیلی جس میں پیاز بھرے ہوئے تھے تھیلے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ تم نے دیئے ہیں اس بچے کو۔" انہوں نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا جو بارہ تیرہ برس کا تھا اور ساتھ ہی کھڑا ہوا تھا۔

"بارہ روپے کلو کے حساب سے جبکہ ہمارے گھر کے سامنے والی دکان میں یہ آٹھ روپے کلو کے حساب سے مل رہے ہیں۔ لوٹنے کی کوئی حد ہوتی ہے۔" وہ چیخے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر بزرگوار یہ بڑی والی پیاز ہے۔" دکاندار نے کہا۔

"ایسی ہی وہ پیاز بھی ہے جو ہمیں سستی مل رہی ہے۔" معمر آدمی نے کہا۔ "مجھے پتا ہے کمتر درجہ والی صرف چھ روپے میں ملتی ہے۔"

"نہیں جی۔ مال مال میں فرق ہوتا ہے۔"

"کوئی فرق نہیں ہوتا۔ تم لوگ لوٹتے ہو۔ ٹھگ ہو۔" معمر آدمی نے گرج کر کہا۔

"دیکھو جی، بک بک مت کرو۔" دکاندار نے بھی نتھنے پھلا کر آستینیں اوپر کی۔

اسی وقت بازار میں نزدیک والی دکان سے کسی کی بلند آواز ابھری۔

"تم دکان داری کرتے ہو یا جیب تراشی؟"

دونوں جھگڑے والوں نے مڑ کر دیکھا۔ دکاندار کے کاؤنٹر کے پاس ایک ادھیڑ عمر آدمی کرتا پاجامے میں ملبوس کھڑا کاؤنٹر کے ادھر موجود شخص سے کہہ رہا تھا۔

قریب کھڑے دوسرے گاہک نے پوچھا۔ "کیا ہوا صاحب؟"

"یہ دیکھئے۔ یہ چوہے مار شکنجہ اس دکان نے اٹھارہ روپے میں مجھے دیا ہے۔ ابھی میں نے آگے جا کر اس کے دام معلوم کیے تو پتا چلا یہ صرف بارہ روپے میں مل رہا ہے۔ یہ بد دیانتی کی حد نہیں تو کیا ہے یہ دکانداری ہے یا ڈکیتی۔"

دکاندار نے غصے سے گاہک کو دیکھا اور بولا۔ "دیکھو جی سیدھی طرح بات کرو۔ وہیں سے لے لو جا کر جہاں سستا ملتا ہے۔"

"ہم وہیں سے لے لیں گے۔ لیکن یہ ضرور بتاؤ کہ تم دکاندار ہو یا ڈاکو؟"

دکاندار نے کاؤنٹر کا تختہ ہٹایا اور باہر نکل آیا اس کے تیور خاصے خطرناک تھے وہ میلے کچیلے لباس میں تھا حالانکہ اس کی ہارڈ ویئر کی دکان سامان سے بھری ہوئی تھی اس کے اندر دو تین اور اسی قبیل کے لوگ موجود تھے وہ سب کے سب بھی آگے بڑھے۔

"میں ایک پائی زیادہ نہیں دوں گا۔" رکشے سے اترنے والے جوان نے جو کوٹ پینٹ میں ملبوس تھا اور جس نے سنہری عینک لگا رکھی تھی زور سے کہا تو سب کی توجہ ادھر ہو گئی۔

"کیسے نہیں دو گے؟" رکشا ڈرائیور رکشا سے نکلتے ہوئے بولا وہ ایک لحیم شحیم اور بڑی مونچھوں والا آدمی تھا اور شلوار قمیض پہنے ہوئے تھا جو خاصی میلی تھیں۔

"تمہارا میٹر تیز ہے۔" نوجوان نے کہا۔ "میں روز آتا ہوں کبھی بیس روپے سے زیادہ نہیں بنے تم کو تیس روپے کیوں دوں کیا حرام کے ہیں میرے پاس؟"

"کوئی میٹر تیز ویز نہیں تم پورے پیسے دو۔" رکشا ڈرائیور آگے بڑھا۔

"تم لوگوں نے لوٹ مچا رکھی ہے۔" نوجوان چیخا۔ "چور ہو تم لوگ، اوئے بس چپ کر۔"

پھر اس سے قبل کہ بات بڑھتی ایک بڑی سی کار آگے آ کر رک گئی اور اس کا پچھلا دروازہ کھلا اس میں سے ایک شخص تھری پیس کا سوٹ پہنے نمودار ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر ایک باوردی ڈرائیور بیٹھا ہوا تھا وہ بھی باہر آ گیا صاحب نے باہر نکل کر اپنا سگار فضا میں لہرایا اور کہا۔

"میں سڑک کے ادھر سے دیر سے دیکھ رہا ہوں یہاں کیا جھگڑے چل رہے ہیں یہ بزرگوار، یہ صاحب اور یہ نوجوان۔" اس نے تینوں لڑنے والوں کی طرف اشارہ کیا۔ "میں نے ان سب کی باتیں سنی ہیں مجھے ان سب پر بے حد غصہ آ رہا ہے۔" اس نے ان تینوں کو کڑی نظروں سے گھورا۔

دکاندار، ٹھیلے والا اور رکشہ ڈرائیور۔ تینوں مزید چوڑے ہو گئے۔

"صاحب جی ان کا دماغ خراب ہے آخر ہم لوگ بھی عزت والے ہیں۔" رکشہ والے نے کہا۔

"ہاں اور کیا آخر یہ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں۔" دکاندار نے کہا۔

"یہ آدمی جو بوڑھا نہ ہوتا تو میں اس کے....." ٹھیلے والے نے ایک بری سی بات کہی۔

"بس۔ بس۔" سوٹ والے نے ہاتھ اٹھا کر ٹھیلے والے کو ٹوکا۔

پھر وہ سفید پوش تینوں شکایت کرنے والوں کی طرف مڑا، وہ تینوں شکلوں سے پڑھے لکھے اور شریف لوگ لگ رہے تھے۔

"کیا آپ کو خدا نے عقل نہیں دی ہے؟" اس نے معمر آدمی سے کہا جو ٹھیلے والے سے الجھا تھا۔

معمر آدمی کو خاموش دیکھ کر وہ مزید بولا۔ "یہ شخص صبح چھ بجے سے اپنا ٹھیلا لے کر یہاں آ جاتا ہے اور سارا دن اسی جگہ دھوپ سردی، بارش میں جما رہتا ہے نہ اسے ٹھیک سے غذا میسر ہے نہ لباس نہ گھر۔ اگر یہ گاہکوں کو لوٹتا ہے تو اس کی سزا کیا ہو سکتی ہے؟ ارے آپ اس سے الجھ رہے ہیں آپ کو تو اس پر ترس آنا چاہئے۔"

سوٹ پیس والے کو طرف دار پا کر ٹھیلے والے کا چہرہ دمکنے لگا۔

تب سوٹ والا نوجوان کی سمت مڑا اور بولا "اور کیا خدا نے آپ کو آنکھیں نہیں دیں آپ اس رکشہ والے سے لڑ رہے ہیں صرف اس لئے کہ یہ آپ سے بیس کی جگہ تیس طلب کر رہا ہے؟ کیا عجیب بات ہے ارے اس کی طرف دیکھیں یہ شخص کسی سے رکشہ کرائے پر لے کر نکلتا ہے اور تمام دن چلاتا ہے اور اسی طرح رقمیں وصول کرتا ہے مگر پھر بھی اس کے بچے نہ اسکول جاتے ہیں نہ گھر کی روٹی اسے نصیب ہوتی ہے۔"

اپنی طرف داری میں بولتے دیکھ کر رکشہ ڈرائیور مزید سینہ پھلا کر نوجوان کو گھورنے لگا۔

سوٹ والا اس بار اس ادھیڑ عمر آدمی کی سمت گھوما جو دکاندار کی بے ایمانی کا شکار ہوا تھا اور بولا۔ "اور میاں تم۔ کیا تم سوچ نہیں سکتے کہ یہ شخص جس کے تن پر میلا سا کپڑا ہے اور جو علاقے سے اپنے یہاں بھیک مانگتا ہوا آیا تھا یہاں پہنچتے ہی دکان کھول کر بیٹھ جاتا ہے یہ اپنی تقریباً آدھی عمر اس دکان میں گزار چکا ہے اور یہ ہر روز باقاعدگی سے اپنا وقت اس دکان میں گزارتا ہے تاکہ اس کی دکان میں سامان بھرا ہے مگر اس بھری دکان کے

بے وقوف

برابر کے فلیٹ میں پوری رات کے لئے ناچ گانے کا جشن چل رہا تھا۔ اور خوب شور شرابہ ہو رہا تھا۔ ادھر کے رہنے والے صاحب کو جب کسی طرح نیند نہ آئی۔ تو وہ رات کو تین بجے بستر پر لیٹے لیٹے دیوار کو زور زور سے تھپتھپانے لگے۔ برابر کے فلیٹ سے فوراً غصے میں بھری ہوئی آواز آئی۔

کیسے احمق پڑوسی سے پالا پڑا ہے بھلا یہ بھی کوئی تصویریں ٹانگنے کا وقت ہے۔

(شگفتہ جمیل۔ اسکاٹ لینڈ)

بعد بھی کیا تم نے سوچا کہ یہ کس بھوک کا شکار ہے؟ کبھی تم نے سوچا کہ اتنا کمانے کے بعد بھی یہ آسودہ کیوں نہیں ہوتا لیکن تم نے کبھی نہیں سوچا ہوگا۔" سوٹ والے نے تاسف سے کہا۔

دکاندار نے سوٹ والے کی حمایت پر اپنے شکایتی گاہک کو تمسخر سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

تینوں شکایتی معمر آدمی، نوجوان عینک والا اور سفید پوش ادھیڑ عمر آدمی بجھ سے گئے۔

تب سوٹ کیس والے نے انہیں گویا مشورہ دیا۔

"آپ ان سے نہیں نمٹ پا رہے ہیں نا؟ فکر مت کریں خدا ان سے خود نمٹ رہا ہے۔ ان کی صورتیں ان کا لباس ان کی زندگی آپ دیکھ رہے ہیں ان کی کمائی میں کبھی برکت نہیں ہو سکتی۔ خدا نے ان کے لئے خود سزا تجویز کر دی ہے جائیں اپنا کام کریں۔"

اتنا کہہ کر سوٹ والا اپنی کار میں جا بیٹھا۔ ڈرائیور نے بھی پڑھتی سے اپنی جگہ سنبھالی اور چمچماتی ہوئی کار آگے بڑھ گئی اپنے پیچھے کئی کھلے ہوئے منہ، ہانپتی ہوئی سانسیں اور حیرت زدہ آنکھیں چھوڑ کر.....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

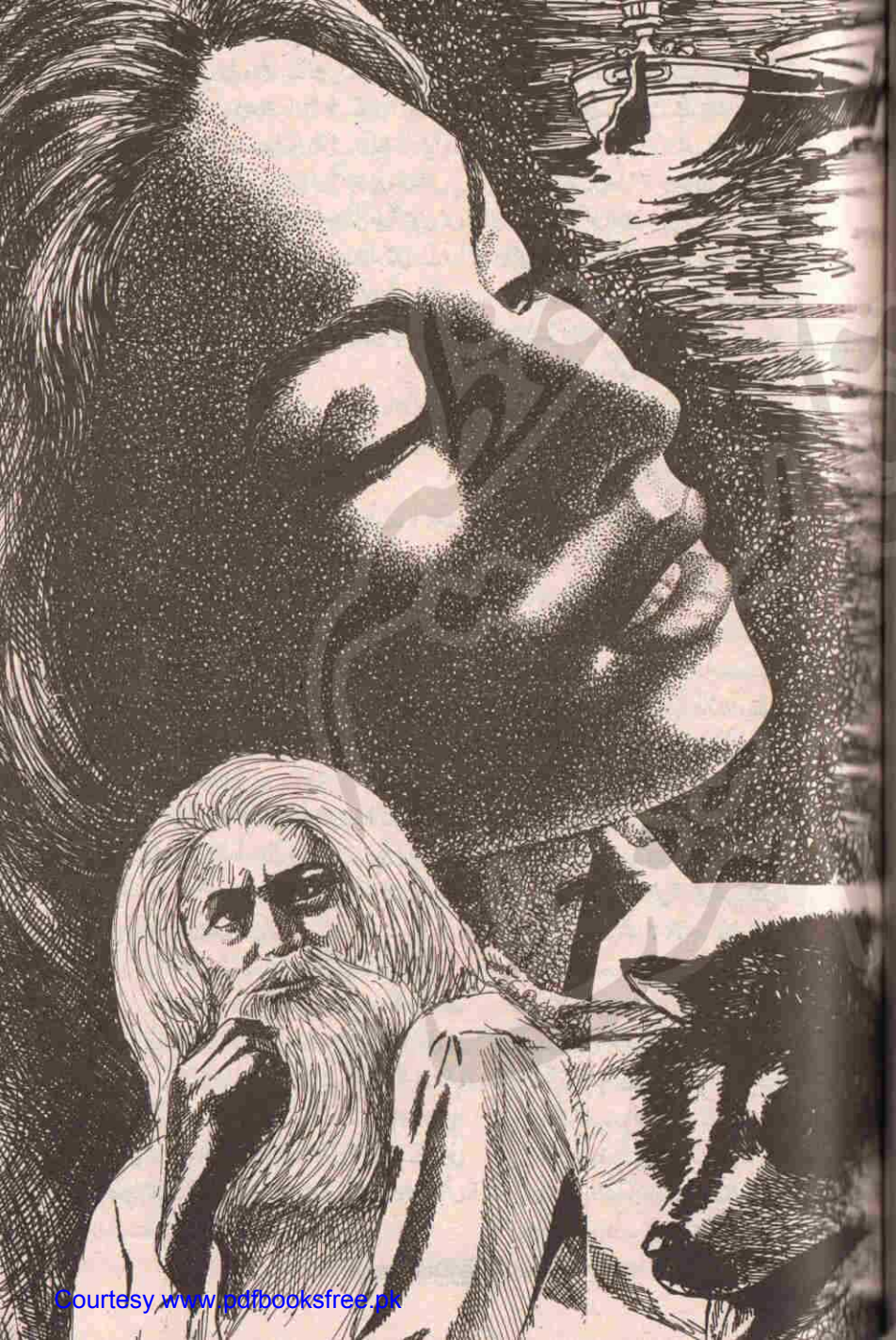

کٹھن مراحل

جسیم الدین-حیدرآباد

جیسے ہی تلوار کی تیز دھار ہوا کے پردے چیرتی ہوئی نوجوان کے قریب آئی تو نوجوان نے بجلی کی تیزی سے جگہ بدل لی اور حملہ آور دیوار سے ٹکرا گیا، تو نوجوان نے تلوار سے حملہ آور کی گردن اڑادی۔ گردن کا کٹنا تھا کہ.....

نیند کی حالت میں رونما ہونے والا خونی واقعہ جو جاگنے پر حقیقت کا روپ دھار لیتا تھا

اس خوفزدہ اور سوئے ہوئے ماحول میں زندہ اور حرکت کرتا ہوا واحد جسم میرا تھا..... لیکن میری اس حرکت میں میری اپنی مرضی شامل نہیں تھی۔ میری چال ڈھال اس روبوٹ سے مشابہہ تھی جس کا ریموٹ کنٹرول کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں ہو اور وہ اسے کنٹرول کرتے ہوئے دور کہیں بیٹھا اپنی جانب بلا رہا ہو..... تھوڑی دیر بعد میں لکڑی کے مضبوط چبوترے پر بنے ایک قدیم مکان کے سامنے موجود تھا۔ شاید یہی میری منزل تھی..... مکان کے سامنے پہنچ کر میں رکا نہیں، کیونکہ مجھے رکنے کی اجازت نہیں تھی۔

"ٹھک ٹھک ٹھک....." لکڑی کی مضبوط سیڑھی پر میرے قدموں کی آہٹ نے ماحول کی گہری خاموشی میں یوں ارتعاش پیدا کیا، جیسے ٹھہرے ہوئے پرسکون پانی میں پتھر پھینک کر غیر متوقع ہلچل پیدا کردی گئی ہو۔

میں میکانکی انداز میں سیڑھیاں طے کرتا ہوا ایک چھوٹے سے برآمدے میں پہنچا تو مکان کا بند دروازہ میری دستک کا منتظر تھا۔ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا بند دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ہاتھ بڑھا کر دستک دی..... ابھی میرا ہاتھ واپس نہیں پلٹا تھا کہ بند دروازہ پراسرار چرچراہٹ سے کھلتا چلا گیا۔

"اندر آجاؤ....." ایک سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔ اور میں کسی فرمانبردار بچے کی طرح بنا کوئی سوال جواب کئے اندر داخل ہوگیا۔ اب میں ایک لمبی راہداری میں موجود تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی دروازہ خود بخود بند ہوگیا۔ راہداری میں گھپ اندھیرا تھا۔ میں صورت حال سے بے نیاز پر سکون انداز میں یوں آگے بڑھ رہا تھا جیسے ساری زندگی اسی مکان میں گزری ہو۔ راہداری سے ملحق مختلف کمروں کے سامنے سے گزرنے کے بعد آخر کار یہ سفر ایک بند دروازے کے سامنے پہنچ کر ختم ہوگیا۔ لیکن اس مرتبہ دستک دینے کی نوبت نہ آئی..... دروازہ خود بخود کھلا اور میں دہلیز پار کر کے کمرے میں داخل ہوگیا۔

ابھی میں حالات پر غور ہی کر رہا تھا کہ گہرے تاریک کمرے کے وسط میں ہلکی زرد روشنی کا مدھم سا دائرہ نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ پھیلنے لگا..... روشنی تیز ہوتے ہی اس دائرے میں نظر آنے والی کٹھری نما چیز بھی واضح دکھائی دینے لگی جو فرش پر بے ترتیبی سے پڑی تھی..... چند لمحے ہر چیز کسی کینوس پر بنے لینڈ اسکیپ کی طرح ساکت رہی، پھر اچانک اس بے جان کٹھری میں حرکت پیدا ہوئی اور مراقبے کے انداز میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے سر اٹھایا۔

اس کا منہ دیوار کی طرف اور پیٹھ میری جانب تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے فرش کے روشنی والے حصے میں حرکت پیدا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی اور وہ کسی ریوالونگ چیئر کی طرح گھومنے لگا۔ اور اس بیٹھے ہوئے شخص کا چہرہ دھیرے دھیرے گھومتا ہوا میرے سامنے آ گیا..... میری جانب رخ مڑتے ہی اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور غور سے میری طرف دیکھا..... یہ ایک طویل العمر بوڑھے کا کراہیت آمیز قسم کا چہرہ تھا جس پر گوشت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ آنکھوں کی جگہ گڑھوں میں چمکتے ہوئے دو سرخ انگاروں کی تاب نہ لاکر میں نے فوراً نظریں جھکالیں۔ جب کہ میری اتھل پتھل اور بے سکون شخصیت کو دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر فتح یاب ہونے کی خوشی میں زہریلی مسکراہٹ چھا گئی۔

"کون ہو تم....." بمشکل میرے منہ سے نکلا کیوں کہ اب میں مکمل ہوش میں تھا اور ہر تبدیلی کو آنکھوں کے سامنے محسوس کر رہا تھا۔

"خوش آمدید..... دوست۔" میری بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے میرا استقبال کیا۔

"میں کہاں ہوں..... اور مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے.....؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"تم نیند کے پار ایک نئی دنیا میں ہو..... اور خوش قسمت ہو کہ تمہیں چند اہم کاموں کے لیے چن لیا گیا ہے۔" بوڑھے نے شیطانی انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیسا اہم کام؟"

"تمہارے کام کا تعین تو شیطان دیوتا کے احکام کے مطابق کیا جائے گا..... اس وقت تمہیں یہاں بلانے کا مقصد تمہارے جسم پر شیطانی مہر ثبت کر کے تمہیں شیطان دیوتا کے غلاموں میں شامل کرنا ہے۔"

"مگر کیوں.....؟" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے وقت گزر رہا ہے..... رات ڈھلنے سے پہلے یہ ضروری کام نمٹا لیا جائے، باقی باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔" بوڑھے نے میرا سوال ایک مرتبہ پھر نظر انداز کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر روشنی کے دائرے سے باہر نکل گیا، جہاں کہ اب گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ میری آنکھوں نے حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اسے اندھیرے میں ادھر ادھر تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دیا۔

"مجھے یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے....." میں زیر لب بڑبڑاتے ہوئے واپس پلٹنے ہی والا تھا کہ محسوس ہوا، میرے قدم زمین سے چپک چکے تھے اور جسم پتھر کی مانند سخت ہو چکا تھا۔ اس سے قبل کہ میں بچاؤ کی کوئی تدبیر سوچتا، بوڑھا بلند آواز میں کوئی منتر پڑھتا ہوا دوبارہ اسی زرد روشنی کے دائرے میں آ کھڑا ہوا..... اپنی جگہ پہنچ کر اس نے ہتھیلی کا رخ میری جانب کیا تو فرش کے جس حصے پر میں کھڑا تھا کسی بیلٹ کی مانند حرکت میں آ گیا اور میں ساکت حالت میں اس بیلٹ پر کھڑا آگے بڑھنے لگا۔ بوڑھے کے مقابل پہنچتے ہی فرش کی حرکت رک گئی..... اب بوڑھے نے منتر پڑھتے ہوئے میرے گرد چند چکر کاٹنے شروع کر دیے۔ وہ کسی نامانوس زبان میں بولے چلا جا رہا تھا جب کہ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ منتر مکمل ہوتے ہی اس نے میرے مقابل کھڑے ہو کر اپنی بند مٹھی میرے چہرے کے سامنے کھولتے ہوئے اس پر پھونک ماری..... خالی ہتھیلی پر گہرا سیاہ دھواں پیدا ہوا اور میرے نتھنوں میں گھستا چلا گیا..... اس عمل سے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اندر کی روشنی یکلخت گہرے اندھیرے میں بدل گئی ہو اور سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا ہو..... اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنے شیطان دیوتا کی شان میں باآواز بلند چند نعرے لگائے اور میرا گریبان کھینچتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں پکڑی دہکتی ہوئی سلاخ میرے بائیں کندھے پر داغ دی۔

سلاخ جسم سے چھوتے ہی بے اختیار میرے حلق سے بھیانک چیخ نکلی اور ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اپنی ہی زوردار چیخ سے میری آنکھ کھلی تو میں اپنے کمرے میں بستر پر موجود تھا۔ میرا سارا جسم پسینے سے شرابور اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا..... بلب روشن کر کے وقت دیکھا تو صبح کے چار بج رہے تھے۔ ایک انجانے خوف سے میرا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا، لیکن وجہ سمجھ سے باہر تھی۔ میں کچھ دیر قبل دکھائی دینے والے خواب کے سحر سے چھٹکارہ پانے کی کوشش میں مصروف تھا کہ بائیں کندھے پر درد کی شدید ٹیس اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے جلدی سے شرٹ کے بٹن

کھول کر دیکھا تو مارے حیرت کے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"اف خدایا..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

میرے بائیں کندھے پر ایک مہر کا نشان تھا جس پر خوفناک شیطانی شبیہ صاف نظر آ رہی تھی۔ میں نے قد آور آئینہ میں دیکھا

میں نے اٹھ کر کمرے کا جائزہ لیا۔ دروازہ بند تھا۔ پردے صحیح حالت میں تھے۔ یہاں تک کہ میرا جوتا بھی اپنی جگہ پڑا تھا۔ غرض یہ کہ کمرے میں موجود ہر چیز بالکل ویسے ہی تھی جیسے میں نے رات کو سونے سے پہلے دیکھی تھی اور کہیں سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہو رہی تھی کہ میں رات کو گھر سے باہر گیا تھا یا کوئی دوسرا شخص میرے کمرے میں آیا تھا۔

"اگر سب کچھ ٹھیک ہے تو پھر یہ نشان.....؟" سورج نکلنے تک میں انہی سوچوں میں گم رہا۔

☆.....☆.....☆

میں ایک پولیس انسپکٹر ہوں۔ لیکن دیگر تمام خامیوں کے باوجود، بنا کسی معقول وجہ کے چھٹی کرنا مجھے پسند نہیں..... اس لیے پریشانی کے باوجود میں معمول کے مطابق تیار ہو کر تھانے روانہ ہو گیا، مگر نہایت بددلی کے ساتھ۔

سارا دن میں ذہنی انتشار کا شکار رہا اور بات بات پر اپنے ماتحت عملے کو ڈانٹتا رہا۔ میرے عتاب کا سب سے زیادہ نشانہ بننے والا شخص حوالدار بشیر تھا جو آج کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کر رہا تھا جب کہ میں نے بھی اسے بات بات پر ڈانٹنے کی قسم کھا رکھی تھی..... شام کو تھکا ہارا گھر لوٹا تو بخار کی کیفیت تھی۔ اسلیے وقت سے پہلے ہی سونے کے لیے بستر میں جا گھسا۔ پھر جانے کس وقت مجھے نیند آ گئی..... اور..... اور۔

☆.....☆.....☆

"سلطان! کیا تم نے آج انسپکٹر خان میں کوئی خاص تبدیلی محسوس کی ہے؟" حوالدار بشیر نے اونگھتے ہوئے کانسٹیبل سے پوچھا۔

"کیسی تبدیلی؟" وہ لاپروائی سے بولا۔

"معلوم نہیں..... لیکن کچھ ہے ضرور۔" حوالدار بشیر کے لہجے میں الجھن تھی۔

"صاحب! آپ بڑے افسر ہیں۔ بڑا دماغ رکھتے ہیں، ہر چیز کو گہری نظر سے دیکھتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتیں محسوس کرتے ہیں اور پھر ان پر غور کر کے مسائل کا حل نکالتے ہیں..... میں تو ایک سپاہی ہوں، آپ کے حکم کا غلام۔ خود بتائیں، بھلا میرے سوچنے سے کیا کام..... ویسے بھی اگر میں سوچ سکتا تو پولیس کی نوکری ہی کیوں کرتا؟" سلطان نے ایک ہی نشست میں اپنا مدعا بیان کیا اور بے فکر ہو کر اونگھنے لگا۔

"بہر حال تم مانو نہ مانو..... انسپکٹر خان میں ضرور کوئی تبدیلی ہے۔"

ابھی اس نے بات مکمل نہیں کی تھی کہ مجھے دروازے میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

"سر آپ.....؟" بمشکل اس کے منہ سے نکلا۔

"تم دونوں ذرا میرے دفتر میں آؤ۔" یہ کہہ کر میں اپنے کمرے میں جا بیٹھا۔

"ہوں..... تو تم دونوں کو مجھ میں تبدیلی محسوس ہو رہی ہے۔" ان کے آتے ہی میں کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی..... جی نہیں سر..... ایسی کوئی بات نہیں۔" دونوں بیک وقت بولے۔

"تمہیں شاید معلوم نہیں، مجھ پر شک کرنا میرے قتل کی سازش کے مترادف ہے..... اور اپنے قتل کی سازش کرنے والوں کو میں بھلا کیسے معاف کر سکتا ہوں....." میری بات سن کر وہ دونوں گھبرا گئے اور فوراً اپنی غلطی مان کر مجھ سے معافیاں مانگنے لگے..... لیکن میرے ارادے تو کچھ اور ہی تھے۔ میں خاموشی سے چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور پھر اس سے قبل کہ وہ کچھ سمجھتے میرے دائیں ہاتھ میں پکڑا خنجر گولی کی رفتار سے حوالدار بشیر کے سینے میں دل کے مقام پر پسلیوں کو چیرتا ہوا اندر گھستا چلا گیا..... وار اتنا اچانک اور شدید تھا کہ بشیر سنبھل نہ سکا اور آن کی آن میں زمین بوس ہو گیا۔

کانسٹیبل سلطان جو مجھے اس روپ میں دیکھ کر حیرت سے بت بن گیا تھا، حوالدار کی بھیانک چیخ سن کر یکدم ہوش میں آ گیا..... مگر میں نے اسے بچاؤ کی مہلت نہ دی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حوالدار کے سینے میں دستے تک گھونپا ہوا خنجر جھٹکے سے واپس کھینچ کر پوری قوت سے سلطان کی شہ رگ میں گاڑ دیا۔ سلطان کی دم توڑتی آنکھوں نے حیرت سے اور خوف سے آخری بار میری جانب دیکھا اور پھر اس کا دراز قد بھاری بھرکم وجود کسی مست شرابی کی طرح جھومنے کے بعد، کٹے ہوئے شہتیر کی طرح میرے اوپر آ گرا۔ اس کے کٹے ہوئے گلے سے ذبح کیے جانے والے بکرے جیسی آوازیں آ رہی تھیں، جب کہ تازہ اور گرم خون کے فوارے نے میرے چہرے کو رنگین بنا دیا۔

☆.....☆.....☆

میرے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور آنکھ کھل گئی..... میں بیڈ کے بجائے اوندھے منہ فرش پر پڑا تھا۔ گہرا سانس لے کر اٹھنے کی کوشش کی تو محسوس ہوا، میرے دونوں ہاتھ گیلے ہیں اور منہ کا ذائقہ کڑوا ہو رہا ہے۔ کچھ سمجھ نہ آنے پر کمرے میں روشنی کی تو سامنے موجود قد آور آئینے پر نظر پڑتے ہی میرا رنگ فق ہو گیا..... میرے دونوں ہاتھ اور چہرہ خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھتے ہی، خون کے عجیب ذائقے سے مجھے ابکائی سی محسوس ہونے لگی۔

"اف خدایا..... یہ کیا ہو رہا ہے۔" بمشکل میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ میز پر پڑے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"یس..... انسپکٹر اسپیلنگ۔" میں نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"سر! سب انسپکٹر اکرم بول رہا ہوں..... ایک بری خبر ہے۔"

"کیا ہوا.....؟" میں چونکا۔

"سر! ابھی ابھی حوالدار بشیر اور سپاہی سلطان کو کسی نے قتل کر دیا۔" اکرم نے جواب دیا۔

"کیا....." میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

"میں صحیح کہہ رہا ہوں جناب..... اور یہ واقعہ تھانے میں ہی پیش آیا ہے۔"

"اوہ..... کیسے ہوا یہ سب.....؟"

"معلوم نہیں..... باقی عملے کے مطابق وہ دونوں اپنے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے..... پھر اچانک اٹھ کر آپ کے کمرے میں چلے گئے۔ کچھ دیر بعد ان کی چیخیں سن کر باقی سپاہی وہاں پہنچے تو وہ دونوں مردہ پڑے تھے۔"

"اب ان کی لاشیں کہاں ہیں؟"

"انہیں ہم نے فوراً ہسپتال روانہ کر دیا تھا..... کیونکہ حوالدار میں مجھے ہلکی سی جان محسوس ہو رہی تھی۔ مگر ابھی ابھی ہسپتال سے اطلاع ملی ہے کہ وہ بھی انتقال کر چکا ہے....."

"ٹھیک ہے تم بھی ہسپتال پہنچو، میں وہیں آ رہا ہوں۔"

"بہتر جناب۔"

ضروری ہدایات دے کر میں نے فون رکھا اور میز پر پڑا جگ اٹھا کر گلاس میں پانی انڈیلا لیکن مارے خوف کے پانی سے بھرا جگ بُرے ہاتھ سے چھوٹ گیا کیونکہ میں جگ سے جو پانی گلاس میں ڈالتا جا رہا تھا وہ خون بنتا جا رہا تھا..... گہرا سرخ خون۔ میں گھبرا کر کمرے سے ملحق باتھ روم میں پہنچا اور واش بیسن کا نل کھول کر تیزی سے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لگا، مگر چہرے پر بڑھتی ہوئی چپچپاہٹ کا احساس ہوتے ہی سامنے موجود شیشے کی جانب دیکھا تو میرا منہ پانی کے بجائے خون سے لتھڑا ہوا تھا۔

"یا اللہ خیر..... یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟" میں بد حواسی کے عالم میں واش روم سے نکلا..... پھر جانے میرا پاؤں کس چیز سے الجھا اور میں منہ کے بل زمین پر آ گرا۔ میرا ذہن ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں ڈوب رہا تھا..... اس مرتبہ جاگوں گا تو نہ جانے کیا ہو چکا ہوگا، ڈوبتے ہوئے ذہن میں آخری سوال گونجا اور منظر بدل گیا.....

☆.....☆.....☆

"مجھے تو یہ کچھ اور ہی کھیل نظر آتا ہے....." حوالدار اور کانسٹیبل کی نعشوں کا معائنہ کرنے والا ڈاکٹر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ہم دونوں اس وقت ہسپتال کے ایک کمرے میں موجود تھے۔

"کیسا کھیل؟" میں چونکا۔

"شاید کوئی انہونی بات..... یا پھر نہایت ہوشیاری سے قتل..... آپ کے عملے کا کوئی شخص بھی ملوث ہو سکتا ہے۔" اس نے گول مول جواب دیا۔

"نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا۔" میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"ایسا ہی ہے۔" وہ اپنی بات پر اڑ گیا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"جس وقت ان دونوں کو یہاں لایا گیا، حوالدار بشیر زندہ تھا۔"

"پھر.....؟"

"اس کی نبض ابھی چل رہی تھی..... جب فوری طبی امداد دی گئی تو قدرت نے اسے اتنی مہلت دے دی کہ وہ قاتل کا نام بتا سکے۔ اس نے میرے سامنے دم توڑا اور مرتے وقت وہ نہایت مدھم آواز میں بڑبڑاتے ہوئے ایک نام لے رہا تھا۔"

"کس کا نام.....؟" مجھے پیروں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"ویسے میں نے اس بات کا ذکر ابھی تک اپنی رپورٹ میں نہیں کیا۔" ڈاکٹر نے میرا سوال ان سنا کرتے ہوئے آخری جملے پر زور دیا۔

"میں نے پوچھا ہے کس کا نام.....؟" گھبراہٹ کے باوجود میں نے خود پر قابو رکھا۔

"برا مت مانیے گا انسپکٹر صاحب..... مرتے وقت وہ آپ کا نام لے رہا تھا۔" ڈاکٹر کی بات سنتے ہی میرا دل بس سے باہر ہو گیا اور مجھے اپنی رگوں میں خون کی بجائے لاوا دوڑتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ رہی سہی کسر اس کے ہونٹوں پر موجود طنزیہ مسکراہٹ نے نکال دی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھے بلیک میل کر کے کوئی ڈیل کرنے کے خواب دیکھ رہا ہو.....

"کک کک..... کیا ہو رہا ہے آپ کو.....؟" مجھے غصے سے لال پیلا ہوتا دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو..... میں پریشان ہو کر تمہارے پاؤں پکڑ لوں گا، تمہیں لمبی رقم کی پیش کش کروں گا، تمہارے سامنے گڑگڑا کر اس بات کو راز رکھنے کی درخواست کروں گا..... احمق ہو تم۔ یہ بات کر کے تم نے خود پر زندگی حرام کر لی ہے..... اپنی موت کو دعوت دی ہے....."

"آپ میری بات غلط سمجھ رہے ہیں..... ایسی کوئی بات نہیں، میں تو آپ کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر آپ....."

"ڈاکٹر کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی میرا ہاتھ حرکت میں آیا اور دو انگلیاں اس کی خوبصورت آنکھوں میں گھستی چلی گئیں۔ ڈاکٹر نے تڑپ کر میری گرفت سے نکلنے کی بہت کوشش کی، لیکن اب آنکھوں کی جگہ صرف دو گہرے سوراخ موجود تھے جن سے خون چشموں کی مانند ابل کر چہرے کو رنگین بنا رہا تھا۔ دوسری طرف مجھ میں تو دنیا جہان کی طاقت سمٹ آئی تھی..... میں نے کسی ریسلر کی طرح دونوں ہاتھوں میں دبوچ کر ڈاکٹر کو سر سے اونچا اٹھایا اور پوری طاقت سے سر کے بل دیوار پر دے مارا..... ڈاکٹر توپ سے نکلے گولے کی مانند دیوار سے ٹکرایا اور اس کی کھوپڑی پھٹ کر کئی حصوں میں تبدیل ہو گئی.....

اسی لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے منہ پر گھونسہ مارا ہو..... میری آنکھ کھل چکی تھی اور میں ابھی تک اپنے کمرے کے فرش پر پڑا تھا۔ ابھی ہسپتال والے واقعے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ میز پر پڑے وائرلیس سیٹ میں جان پڑ گئی.....

"یس..... انسپکٹر خان اسپیلنگ..... اوور....." میں نے وائرلیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"جناب غضب ہو گیا..... بشیر اور سلطان کا معائنہ کرنے والا ڈاکٹر بھی قتل ہو گیا۔" سب انسپکٹر اکرم جانے کیا بتائے چلا جا رہا تھا اور میں بے جان پتھر کی مانند چپ چاپ اس کی تقریر سننے پر مجبور تھا۔

☆.....☆.....☆

"مجھے سونا نہیں چاہیے..... میری نیند ہر مرتبہ ایک نئے حادثے کے باعث کھلتی ہے....." جیپ چلاتے ہوئے میں نے سابقہ حالات کو نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا۔

ہسپتال پہنچا تو وہاں قیامت کا سماں تھا..... اخباری نمائندے کھونٹوں سے بندھے بدمست بھینسوں کی طرح رسے تڑوا کر لاشوں تک پہنچنے کی جدوجہد میں مصروف تھے تاکہ کسی طرح کوئی نئی خبر حاصل کر سکیں۔ دوسری طرف پولیس کی بھاری نفری ان کے سامنے آہنی دیوار بنی کھڑی تھی۔

"عجیب صورت حال ہے....." میں نے تینوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاشوں کا سرسری معائنہ کرنے کے بعد سب انسپکٹر سے کہا۔

"معلوم نہیں، کون بدذات تھا..... کیسی بے رحمی سے مارا ہے۔ مجھے تو یہ کوئی شیطانی چکر لگتا ہے۔" سب انسپکٹر اکرم نے جواب دیا۔

"جس وقت ڈاکٹر کا قتل ہوا تم کہاں تھے.....؟" میں نے کچھ سوچ کر اس سے پوچھا۔

"سلطان اور بشیر کی لاشوں کے پاس کھڑا ان کے لواحقین کو دلاسہ دے رہا تھا۔"

"اور ڈاکٹر؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"وہ اپنے کمرے میں تھا۔"

"اس دوران تم نے کسی کو ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوتے یا باہر نکلتے دیکھا....." میں نے گھما پھرا کر مطلب کی بات پوچھی۔

"نہیں..... بالکل نہیں..... یہی تو حیرت کی بات ہے، ڈاکٹر کا کمرہ ہمارے سامنے تھا اور پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ جب کہ کسی کو اس طرف جانے کی اجازت بھی نہیں تھی۔" اس کا تفصیلی جواب سن کر مجھے عجیب سا سکون محسوس ہوا۔ ضروری کارروائی کرنے کے بعد تینوں لاشیں ورثا کے حوالے کردی گئیں۔ اس دوران پولیس کے اعلیٰ حکام بھی اسپتال پہنچ گئے تھے۔ قتل کی ان عجیب و غریب وارداتوں نے شہر میں خوف و ہراس کی نئی لہر کو جنم دے دیا تھا۔ جس میں اخبارات کی جانب سے شائع کیے جانے والے ضمیموں کا بڑا ہاتھ تھا..... نازک حالات کو کنٹرول کرنے کے لیے نامعلوم قاتل کے خلاف مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کردی گئی..... اور تفتیشی افسر بھی مجھے ہی مقرر کردیا گیا۔

تمام معاملات سے فارغ ہو کر میں آرام کرنے کے لیے اپنے دفتر میں آبیٹھا۔ میری اپنی حالت بھی زیادہ اچھی نہیں تھی۔ احساس گناہ اور بے گناہ ہونے کا احساس بیک وقت میرے دل و دماغ پر حاوی تھا۔ میں خود کو دنیا کا بے بس ترین انسان ذہنی طور پر ہار مان چکا تھا۔ اعلیٰ حکام مجھ پر ملزم کا کوئی سراغ ڈھونڈنے کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے..... جب کہ میں انہیں یہ بتانے سے قاصر تھا کہ خود اپنے ہی خلاف ثبوت مہیا کرنا میرے اختیار سے باہر ہے..... جب ذہن سوچتے سوچتے کام کرنا بند کر گیا تو لمحہ بھر کے لیے مجھے ہلکی سی اونگھ آئی اور غنودگی کی حالت میں ایک شیطانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"کتنی دلچسپ بات ہے، قاتل بھی تم ہو..... اور کوتوال بھی۔"

"کون ہو تم؟" میں اسی حالت میں بڑبڑایا۔

"تمہارا ہمزاد..... تمہارا باطن..... یا یوں سمجھو تمہارے اندر کا انسان۔" یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی واقعی میرے اندر بیٹھا مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔

"کیوں کر رہے ہو یہ سب کچھ؟" میرے لہجے میں بے بسی نمایاں تھی۔

"اس لیے کہ تمہیں عظیم شیطان دیوتا کے غلاموں میں شامل کیا جاچکا ہے..... تم یقیناً بہت خوش قسمت ہو کہ بنا محنت کیے اس بڑے دربار تک رسائی پاگئے۔"

"کیا بے گناہوں کو قتل کرنا خوش قسمتی کی علامت ہے.....؟" میں نے طنزیہ کہا۔

"ہاں بالکل..... اس لیے کہ یہ بھی ایک برائی ہے..... گناہ ہے..... شر ہے..... اور یہی شر، شیطان دیوتا کو پسند ہے۔"

"میں ایسا نہیں کروں گا۔" میں پرعزم لہجے میں بڑبڑایا۔

"تم میں اتنی طاقت نہیں کہ شیطان دیوتا سے الجھ سکو..... تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ وہی کرو جو کہا جائے۔" کرخت سرگوشی دوبارہ سنائی دی۔

"اب کیا چاہتے ہو؟" میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"اس وقت تمہیں پہلی مرتبہ اپنے جسم سمیت کارلوس کے پاس جانا ہے۔"

"کون کارلوس؟" میں نے پوچھا۔

"وہی، جس نے تمہارے جسم پر غلامی کی مہر داغی تھی۔"

"مگر میں وہاں کیسے جاسکتا ہوں..... مجھے تو راستے کا علم نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو، صرف جیپ میں جا بیٹھو۔

تمہارا کام ختم ہوجائے گا۔"

حکم سن کر میں فرمانبردار بچے کی طرح دفتر سے نکلا اور اسی غنودگی کے عالم میں باہر کھڑی جیپ میں جا بیٹھا..... اب میرے ہاتھ اسٹیئرنگ اور پاؤں ایکسیلیٹر پر تھے..... جیپ یوں خود بخود چل رہی تھی جیسے کنٹرول کسی دوسرے کے ہاتھوں میں ہو۔ خود بخود اسٹیئرنگ گھومتا، بریک لگتی اور گیئر بدلتا۔ میری حیثیت تو صرف مسافر کی تھی۔

جیپ شہر کی بھیڑ سے نکل کر کسی نامعلوم منزل کی جانب رواں تھی، دیر تک سفر کرنے کے بعد اس نے پختہ سڑک کو خیرآباد کہا اور درختوں کے بیچ بنی کچی سڑک پر سفر کرتی آگے بڑھنے لگی..... میں نے آج سے پہلے کبھی اس علاقے میں قدم نہیں رکھا تھا..... جانے کن اونچے نیچے اور ناہموار راستوں سے ہوتے ہوئے جیپ کی بریکیں چرچرائیں تو میں اس پراسرار مکان کے سامنے موجود تھا جہاں سے اس ہولناک کہانی کا آغاز ہوا تھا۔

"جیپ سے نیچے اترو..... اور مکان کے اندر چلے جاؤ۔" آواز ایک مرتبہ پھر سنائی دی۔

آخری حکم ملتے ہی میرا ذہن مکمل طور پر بیدار ہوگیا۔ میں نے پہلی مرتبہ ہوش و حواس کے ساتھ ارد گرد کا جائزہ لیا، میں واقعی ویرانے میں بنے ہوئے جانے پہچانے مکان کے سامنے کھڑا تھا..... کچھ سوچنے کے بعد میں آگے بڑھا اور لکڑی کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گیا اور سامنے موجود بند دروازے پر دستک دی..... دروازہ کھلا اور میں تاریک راہداری میں داخل ہوگیا۔ میں نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر ماچس ڈھونڈنے کی کوشش کی، لیکن ماچس نہ ملی..... کچھ دیر گہرے اندھیرے میں کھڑے رہنے کے بعد میری آنکھیں اس کی عادی ہوگئیں..... کیوں کہ جو لوگ اندھیرے میں رہنے کے عادی ہوں انہیں اس بات کا بخوبی احساس ہوتا ہے کہ اندھیرے کی بھی اپنی ایک روشنی ہوتی ہے، ایک ایسی کیفیت جسے بیان نہیں کیا جاسکتا، صرف محسوس کیا جاسکتا ہے..... اپنی اسی حس کو استعمال کرتے ہوئے میں آگے بڑھا اور آخر کار اس کمرے کے سامنے جا پہنچا جہاں میرے کندھے پر مہر داغی گئی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اس لیے میں چپ چاپ اندر جا کھڑا ہوا..... اس کے ساتھ ہی کمرے کا دروازہ بند ہوگیا اور زرد روشنی نمودار ہوگئی جس میں کھڑا کارلوس شیطانی مسکراہٹ چہرے پر سجائے مجھے گھور رہا تھا۔

"تمہاری کارگردگی بتا رہی ہے، ہمارا انتخاب غلط نہیں تھا....." اس نے مجھے داد دی۔

"لیکن میں اس سے خوش نہیں ہوں..... اس لیے آزاد کردو مجھے۔" بات مکمل کرتے ہی مجھے یوں محسوس ہو جیسے میں بٹ رہا ہوں..... میرا وجود نہایت غیر محسوس طریقے سے دو حصوں میں تقسیم ہو رہا ہے..... اور واقعی ایسا ہی تھا۔ اب بالکل میری شکل و صورت کا ایک آدمی میرے جسم سے جدا ہو کر سامنے کھڑا تھا۔ حیرت سے میری سانس اٹکنے لگی..... مجھ میں اور اس میں بال برابر بھی فرق نہیں تھا۔

وہ آدمی مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور کارلوس کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

"یہی تمہارا ہمزاد ہے..... تمہارے اندر کا انسان اور ہمارا اصل غلام....." مجھے ششدر دیکھ کر کارلوس نے وضاحت کی۔

میں منوں وزنی قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور اپنے ہمزاد کو چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا..... لیکن میرا ہاتھ اس کے وجود کے آر پار ہوگیا، بالکل اسی طرح جیسے کسی نے دھوئیں میں ہاتھ گھمایا ہو۔

"نہیں تم مجھے چھو نہیں سکتے..... لیکن میں جب چاہوں اور جسے چاہوں چھو سکتا ہوں۔ مجھے تمہارے علاوہ کوئی نہیں دیکھ سکتا..... لیکن میں ہر کسی کو دیکھ سکتا ہوں..... مجھ پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرسکتا۔ لیکن میں جسے چاہوں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔" اس نے بالکل میرے لہجے میں کہا۔

"کیا چاہتے ہو مجھ سے.....؟" میں نے سنبھل کر کارلوس سے سوال کیا۔

"تمہارا تعاون۔"

"صاف بات کرو....."

"صاف بات یہ ہے، اگر تم سیدھی طرح ہمارے لیے کام کرو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ دنیاوی عیش و آرام کی تمام سہولتیں تمہاری پہنچ میں ہوں گی..... لیکن اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گڑبڑ کرنے کی کوشش کرو گے تو ایسے بے شمار ثبوت خود بخود پیدا ہو جائیں گے جو تمہاری جیتی جاگتی دنیا کو اس فیصلے پر مجبور کر دیں گے کہ تمہیں پھانسی پر لٹکا دیں۔" بوڑھے نے دھمکی دی۔

"مطلب کی بات کرو....." دھمکی سن کر میں کچھ ڈھیلا پڑ گیا۔

"تو سنو تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ ہمارے حکم کے مطابق کام کرو اور ان مقاصد کو حاصل کرنے میں ہماری مدد کرو جو ہم خود حاصل نہیں کر سکتے۔" کارلوس نے جواب دیا۔

"لیکن تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو..... پھر بھلا تمہیں میری مدد کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے نیا سوال کیا۔

"اس لیے کہ تمہاری سرزمین نیک لوگوں کی ہے اور یہاں برے لوگوں کی کثرت کے باوجود ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو اپنی عبادت اور پرہیزگاری کے باعث ہمارے مشن میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اور تمہیں ہماری ہدایات کے مطابق انہیں لوگوں کو ختم کرنا ہوگا..... لیکن یاد رہے تم ہر وقت اور ہر جگہ ہماری پہنچ میں ہو۔ اگر کبھی بھی محسوس ہوا کہ تم ہمارے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو تمہارا انجام بہت بھیانک ہوگا۔" کارلوس کی بات مکمل ہوتے ہی زرد روشنی کا دائرہ ختم ہو گیا اور میں روبوٹ کی طرح چلتا ہوا واپس مکان سے باہر آ گیا۔ اب میں غنودگی کے عالم میں جیپ چلاتا ہوا واپس تھانے کی طرف جا رہا تھا.....

☆.....☆.....☆

اس واقعے کو کئی روز گزر چکے تھے..... اس دوران مجھ سے کئی جرائم سرزد ہوئے جن میں سے قابل ذکر مشہور دینی راہنما احمد حسن کا قتل تھا۔ میں بذات خود احمد حسن کی بہت عزت کرتا تھا لیکن آج میرا سر ندامت سے جھکا ہوا تھا کیونکہ یہ قتل میرے ہی ہمزاد نے کیا تھا..... حد سے بڑھتی ہوئی ذہنی پریشانی کے باعث میں نے بیماری کا بہانہ کر کے چند روز کی رخصت لے لی..... دوسری طرف میری نائف کارکردگی کے باعث اعلیٰ حکام نے مجھ سے بشیر اور سلطان کے قتل کی تفتیش واپس لے کر ایس پی کے سرد کر دی تھی۔ کیوں کہ شہر میں بڑھتے ہوئے قتل و غارت نے عوام میں خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا اور لوگ اس نامعلوم قاتل سے بری طرح دہشت زدہ تھے جو آئے دن کسی نہ کسی اہم شخصیت کو قتل کر کے بدامنی پھیلانے پر تلا ہوا تھا۔

اس رات بھی میں اپنے فلیٹ میں بیٹھا حالات پر غور کر رہا تھا کہ کال بیل کی سریلی آواز نے چونکا دیا۔

"اس وقت کون آ سکتا ہے....." میں نے بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھولا۔ میرے سامنے تیس بائیس سالہ ایک خوبصورت لڑکی نہایت سفید لباس پہنے کھڑی تھی۔ جب کہ اپنے لباس اور حال حلیے سے وہ کسی قدیم دور کی شہزادی لگ رہی تھی۔

"آپ یقیناً انسپکٹر خان ہیں....." مجھے محو دیکھ کر اس نے اپنی خوبصورت آنکھیں مٹکائیں۔

"جی ہاں..... لیکن آپ....."

"میرا نام روبیلا ہے..... یہ ہماری پہلی ملاقات ہے، اس لیے آپ مجھے نہیں جانتے۔" اس نے اپنا تعارف کروایا۔

"اگر ہماری پہلی ملاقات ہے تو آپ مجھے کیسے پہچانتی ہیں.....؟" میرا لہجہ خالص پولیس والا تھا۔

"اندر آنے کے لیے بھی کہیں گے یا یہیں تفتیش مکمل کرنے کا ارادہ ہے....." روبیلا نے مسکراتے ہوئے مجھے اخلاقیات کا سبق پڑھایا۔

"اوہ!..... آئی ایم سوری!..... مجھے خیال ہی نہیں رہا۔" میں نے شرمندہ ہوتے ہوئے اسے راستہ دیا۔

"کوئی بات نہیں، ہو جاتا ہے ایسے بھی....." راستہ ملتے ہی وہ اندر داخل ہوئی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جی فرمایئے....." میں نے اس کے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"مجھے ایک کام تھا آپ سے۔"

"معافی چاہتا ہوں، میں تھانے کے کام گھر پر نہیں کرتا..... بہتر ہے آپ کل دفتر تشریف لے آئیں۔" مجھے اس کے پرسکون رویے سے کوفت ہونے لگی تھی۔ وہ یوں اطمینان سے میرے سامنے بیٹھی تھی جیسے مستقل رہنے آئی ہو۔ جب کہ میرا ذہن اپنے ہی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔

"آپ غلط سمجھے ہیں..... مجھے آپ سے ذاتی کام ہے۔"

"کیسا کام.....؟"

"کسی کو قتل کروانا ہے....." اس نے آگے بڑھ کر سرگوشی کی۔

"اچھا..... لیکن آپ کو یہ تو ذہن میں رکھنا چاہئے تھا کہ آپ غلط آدمی سے رابطہ کر رہی ہیں۔ میں انسپکٹر ہوں قاتل نہیں....." اس کی بات سن کر میں بے اختیار مسکرا دیا۔

"وہ تو معلوم ہے..... لیکن مجھے معلوم ہوا ہے، آپ نے پولیس کی نوکری کے ساتھ ساتھ کوئی پارٹ ٹائم نوکری بھی تلاش کر لی ہے۔" روبیلا نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"کیسی نوکری؟" میں نے چونک کر دیکھا۔

"یہی..... لوگوں کو قتل کرنے کی۔ اور اس میں بہت کامیاب بھی ہیں۔"

"کک..... کون ہو تم..... اور کیسے جانتی ہو یہ سب....." میں نے اس پر ریوالور تان لیا۔

"ریوالور نیچے کرو انسپکٹر خان..... گولی ہمیشہ زندہ جسم پر چلائی جاتی ہے، روحوں پر نہیں۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"روح..... تت تت..... تم بھی یقیناً کارلوس کی ساتھی ہو....."

"نہیں میں اس کی ساتھی نہیں ہوں۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو..... تم سب مجھے برباد کرنے پر تلے ہو..... نہیں ہوتے مجھ سے مزید گناہ۔" بہت تھک گیا ہوں میں، بہت تھک گیا ہوں..... خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔" میں بے جان جسم کی مانند صوفے پر گر پڑا۔

"پہلی بات یہ، میں کارلوس کی دوست نہیں، دشمن ہوں اور میرے یہاں آنے کا مقصد تمہیں مزید پریشان کرنا نہیں بلکہ مدد کرنا ہے..... اور دوسری بات یہ کہ مجھے معلوم ہے کہ تم اچھے آدمی ہو، لیکن افسوس اپنی ہی چند کوتاہیوں کے باعث کارلوس کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئے ہو۔" میری حالت سنبھلی تو اس نے مجھے تسلی دی۔

"کیا تم واقعی سچ کہہ رہی ہو.....؟" مجھے واقعی اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں بالکل سچ....."

"کیا دشمنی ہے تمہاری کارلوس سے؟"

"قاتل ہے وہ میرا..... اور میرے باپ کا۔"

"کیسے ہوا یہ سب.....؟" اب میں سنبھل چکا تھا۔

"میرا باپ پادری تھا..... لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کرنا اور برائی سے روکنا اس کی زندگی کا مشن تھا۔ کارلوس بھی کسی دور دراز علاقے سے آ کر ہمارے گاؤں میں رہنے لگا۔ وہ ایک برا آدمی تھا۔ لوگوں کو اذیت پہنچانا اور جادو ٹونے کی مدد سے انہیں برے کاموں پر مجبور کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ جب میرے والد نے اسے ان حرکتوں سے روکا تو وہ ان کا جانی دشمن بن گیا اور ایک روز موقعہ پا کر اس نے میرے والد کو قتل کر دیا۔ میں نے اس ظلم پر بہت احتجاج کیا، لیکن گاؤں کے لوگ اس سے ڈرتے تھے، اس لیے کسی نے میرا ساتھ نہ دیا، اسی دوران میں نے تنہائی میں قرآن کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کی اور اسلام قبول کر لیا..... جب میرا احتجاج زیادہ بڑھا اور یہ بات بھی عام ہو گئی کہ پادری کی بیٹی نے اسلام قبول کر لیا ہے تو کارلوس کو نیا موقعہ مل گیا۔ اس نے گاؤں والوں سے کہا یہ مسلمان لڑکی تمہارے لیے منحوس ہے اسی لیے شیطان دیوتا نے اس کی بھینٹ مانگی ہے تاکہ تم پر سے نحوست دور ہو سکے۔ گاؤں کے جاہل لوگ فوراً راضی ہو گئے کیوں کہ انکار کی صورت میں انہیں اپنی بیٹیوں کی بھینٹ پیش کرنا پڑتی۔ ویسے بھی وہاں اکثریت عیسائیوں کی تھی اور وہ مجھ سے متنفر ہو چکے تھے اس لیے کسی نے احتجاج نہ کیا اور مجھے اس مکروہ کام کے لیے چن لیا گیا..... میں نے بہت منت سماجت کی لیکن کسی نے میری فریاد نہ سنی اور مجھے شیطان دیوتا کے قدموں میں قتل کر دیا گیا۔ اس دن سے آج تک میری روح یونہی بھٹک رہی ہے۔ میں آج بھی کارلوس سے نفرت کرتی ہوں اور اس کا خاتمہ چاہتی ہوں۔ یہ میرا انتقام بھی ہے اور مشن بھی کیوں کہ اگر وہ زندہ رہا تو علاقہ اچھے لوگوں سے خالی ہوتا جائے گا۔" روبیلا کے چہرے پر اداسی اور آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک تھی۔

"اس واقعے کو کتنا عرصہ بیت چکا ہے.....؟" میں نے پوچھا۔

"نصف صدی سے پہلے کی بات ہے۔"

"کیا..... نصف صدی سے زیادہ....." میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حیرت سے کہا۔

"ہاں..... اور اس وقت میری عمر بیس برس کی تھی۔"

"یعنی اس وقت تمہاری عمر ستر اسی برس ہے....."

"ہاں....."

"نہیں نہیں..... کون مانے گا تمہاری بات۔"

"میری عمر آج بھی بیس برس ہی ہے..... روح جب جسم کا ساتھ چھوڑ دے تو ماہ و سال کی گردش اور موسموں کی تبدیلی بے معنی ہو جاتی ہے..... یہ تمام پابندیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی سانس چلتی ہے اور دل دھڑکتے ہیں....." اس نے کسی فلسفی کی طرح مجھے سمجھایا۔

"ہوں..... وہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن ایک بات مجھے مسلسل پریشان کر رہی ہے..... میں ایک مسلمان ہوں، اللہ پر مکمل بھروسہ رکھتا ہوں، پھر کارلوس نے اس شیطانی کام کے لئے مجھے کیوں منتخب کیا.....؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"یہ درست ہے تم مسلمان ہو..... لیکن یہ غلط ہے کہ اللہ پر مکمل بھروسہ رکھتے ہو اور اس سے ڈرتے ہو....."

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"خود سوچو! نماز تم نہیں پڑھتے..... قرآن کو سمجھنے کی کوشش تم نے کبھی نہیں کی، رشوت کا زہر تمہارے خون میں شامل ہو چکا ہے..... پولیس کی وردی کو غنڈہ گردی کا لائسنس سمجھتے ہو..... بے گناہوں پر ظلم کرتے ہو اور گناہگاروں کا ساتھ دیتے ہو..... پھر سب سے بڑا ظلم یہ کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہو۔ دوسری بات یہ کہ نیکی اور بدی دو عالمگیر طاقتیں ہیں۔ ان کے پیروکار دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں یا یوں سمجھو، یہ ایک ایسی جنگ ہے جو ابد تک جاری رہے گی..... اس جنگ میں کبھی نیکی جیتتی اور کبھی بدی۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے، بدی کی فتح ہمیشہ عارضی ہوتی ہے جب کہ نیکی کی فتح مستقل۔ کیوں کہ نیکی سے امید اور حوصلہ ملتا ہے اور بدی سے مایوسی اور ناامیدی پھیلتی ہے....."

وہ بولتی جا رہی تھی اور میں سنتا چلا جا رہا تھا، جانے کتنا وقت گزر گیا اور ہمیں احساس ہی نہ ہوا۔

☆.....☆.....☆

"تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہئے..... کیوں کہ میں مزید کوئی قتل نہیں کرنا چاہتا۔"

دوسرے روز میں نے روبیلا سے سوال کیا۔

"فوری تو اس مشکل پر قابو پانا ممکن نہیں، البتہ عارضی طور پر ہم اسے روک سکتے ہیں۔" وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"وہ کیسے؟" میں چونکا۔

"وہ اس طرح کہ تم اپنی نیند کا دورانیہ کم کر دو۔ اپنا زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں صرف کرو تاکہ تمہاری کھوئی ہوئی روحانی طاقت بحال ہو سکے۔ اللہ کی مدد کے بغیر کچھ ممکن نہیں....." اس نے جواب دیا۔

"لیکن اس طرح تو کارلوس کو پتا چل جائے گا..... اس نے کہا ہے کہ وہ ہر وقت میری نگرانی کرائے گا اور اگر شک ہو گیا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

"وہ محض دھمکی تھی..... جاگتے میں نہ تو وہ تمہیں دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی تم پر اپنی مرضی مسلط کر سکتا ہے۔ تم صرف نیند میں اس کا حکم ماننے کے پابند ہو اور یہ بات صرف میں جانتی ہوں۔" روبیلا نے مجھے تسلی دی۔

اس کی ہدایات سن کر میں نے وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے کی کوشش کرنے لگا..... لیکن میرے دل کی دھڑکن یکدم تیز ہو گئی اور ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ نہ تو مجھے نماز یاد آ رہی تھی اور نہ قرآن کی کوئی آیت۔ کافی دیر گونگے بہروں کی طرح جائے نماز پر کھڑے رہنے کے بعد میں واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا تمہیں؟" روبیلا میری حالت دیکھ کر بولی۔

جب اسے صورت حال کا علم ہوا تو وہ بھی پریشان ہو گئی۔

"ایک بری خبر میرے پاس ہے۔" اس نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔

"کیسی خبر.....؟"

"مجھے میری معلومات کے ذریعے معلوم ہوا ہے، کالوس آج رات نیند کے دوران تمہارے ہمزاد سے ایک نہایت محترم بزرگ قاسم روحانی کو قتل کروانے کا ارادہ رکھتا

ہے..... اس کے خیال میں قاسم روحانی اس کی راہ کے سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔"

"نہیں!..... یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ایسے نہیں ہونے دوں گا۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے۔ قاسم روحانی نہایت نیک اور قرب الٰہی رکھنے والے بزرگ ہیں۔" روبیلا نے جواب دیا۔ "تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے.....؟"

"میرے خیال میں تمہیں فوری طور پر قاسم روحانی کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں اصل صورت حال سے آگاہ کرنا چاہئے..... وہ یقیناً تمہاری مدد کریں گے۔"

روبیلا کا مشورہ سن کر میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر چلنے کی تیاری کرنے لگا۔ رات کافی بیت چکی تھی۔ قاسم روحانی ایک چھوٹے سے قصبے میں رہتے تھے جو تقریباً دو گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ لوگ جوق در جوق اپنی مشکلات کے حل کے لیے ان سے دعا کروانے کے لیے جاتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ میں اور روبیلا رات ہی کو ان کے گاؤں روانہ ہو گئے اور صبح فجر تک اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

قاسم روحانی کے گاؤں پہنچے تو طلوع سحر کا وقت تھا۔ قدرت نے انہیں بہت سی دنیاوی دولت بھی عطا کی تھی، لیکن انہوں نے ساری دولت خلق خدا کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی۔ میں نے روبیلا کو اس کے اصرار پر گاؤں سے باہر اتارا اور خود نماز پڑھنے مسجد میں چلا گیا۔

فجر کی نماز میں نے ان کی امامت میں ادا کی..... مجھے حیرت ہو رہی تھی یہاں پہنچ کر میری قوت ایمانی لوٹ آئی تھی اور میں نماز پڑھ سکا تھا..... باجماعت نماز سے فارغ ہو کر وہ اپنے حجرے میں واپس چلے گئے اور میں مسجد کے صحن میں موجود دوسرے لوگوں کے درمیان آ بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کا ایک خادم میرے پاس آیا اور بولا۔

"حضرت صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں....."

"مجھے....." میرے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"جی ہاں....." وہ مسکرایا۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں حجرے میں داخل ہوئے تو قاسم روحانی میرے منتظر تھے۔ وہ بہت محبت سے پیش آئے اور بولے۔

"بیٹا تم دور سے آئے ہو، اور بہت پریشان ہو۔ اس لیے آج ہم ناشتہ تمہارے ساتھ کریں گے....." اسی دوران خادم نے دسترخوان بچھا دیا اور ہم ناشتہ کرنے لگے۔

ناشتے کے دوران میں نے بات کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا اور میری طرف متوجہ ہوئے۔

"مجھے معلوم ہے تم وہ کام نہیں کرنا چاہتے جو تم سے لیا جا رہا ہے..... کارلوس تمہیں کسی اور مقصد کے لیے میرے پاس بھیجنا چاہتا تھا..... لیکن تمہاری نیت صاف ہے، اس لیے تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں..... کل تک تمہارا ہمزاد کارلوس کے شیطانی حکم کا پابند تھا۔ لیکن آج کے بعد وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے کام کرے گا اور اس شیطانی طاقت کو تباہ و برباد کر کے دم لے گا، جو اس سارے فساد کی جڑ ہے۔"

"محترم! تو کیا میرا سکون اور میری نیند مجھے واپس مل جائے گی۔"

"ہاں بالکل..... لیکن ابھی تمہیں کئی کٹھن مراحل سے گزرنا ہوگا۔ بہت سے معاملات کو سلجھانا ہوگا، اس لیے گھبرانا بالکل نہیں۔"

پھر انہوں نے کچھ آیات کی تلاوت کر کے مجھ پر دم کیا۔ میری حالت غیر ہونے لگی، جسم کانپنے لگا..... یوں محسوس ہو رہا تھا کہ سانس گھٹنے سے میں مر جاؤں گا۔ پھر اچانک مجھے زوردار چھینک آئی اور میرے نتھنوں سے گہرا سیاہ دھواں نکل کر تیزی سے فضاء میں بلند ہوا اور پھر سیاہ راکھ کی صورت میں زمین پر بکھر گیا۔ ساتھ ہی میری حالت سنبھلنے لگی اور سانس کی رفتار معمول پر آ گئی۔

"درحقیقت یہی شیطانی دھواں تھا جو تمہیں اس کا حکم ماننے پر مجبور کرتا تھا..... اس کے جسم سے نکلتے ہی شیطانی مہر کی اہمیت بھی ختم ہو گئی ہے، جو تمہارے کندھے پر داغی گئی تھی۔ اب وہ محض ایک نشان سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔" انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر دیر تک وہ آنے والے حالات کے بارے میں گفتگو کرتے رہے، اس سلسلے میں انہوں نے مجھے چند قرآنی آیات یاد کروائیں اور ایک تعویز دیا جو مستقبل میں میرے کام آسکتا تھا۔ آخر میں انہوں نے میرے لیے خصوصی دعا کی اور روبیلا کے لیے خوشخبری سنائی کہ جلد ہی اس کی بھٹکتی روح کو سکون ملنے والا ہے۔

قاسم روحانی سے رخصت ہو کر قصبے سے باہر پہنچا تو روبیلا کچی سڑک پر اسی جگہ موجود تھی جہاں میں اسے اتار کر گیا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر جیپ روکی تو وہ مسکراتی ہوئی ہوا کے جھونکے کی مانند میرے ساتھ والی سیٹ پر آ بیٹھی۔ میں نے اسے ساری بات تفصیل سے بتائی تو وہ بہت خوش ہوئی۔ آخر میں جب اسے خوشخبری سنائی کہ اس کی پریشان حال روح کو بہت جلد سکون ملنے والا ہے تو وہ بہت خوش ہوئی اور مسکرانے لگی۔

باتوں باتوں میں سفر کٹ گیا اور ہم واپس شہر پہنچ گئے۔ اپنے فلیٹ کے سامنے پہنچ کر میں نے جیپ روکی ہی تھی کہ پولیس کی گاڑیوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔

"سر آپ؟" میں نے جلدی سے اتر کر سامنے کھڑے ایس پی صاحب کو سیلوٹ کیا۔

"ہاں..... مجبوراً مجھے خود آنا پڑا کیوں کہ بعض وجوہ کی بنا پر ہمیں شک ہے کہ دینی رہنما احمد حسن کے قتل میں تم بھی ملوث ہو۔" ایس پی نے آنے کا مقصد بیان کیا۔

"مگر کیسے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق جس گولی سے احمد حسن کی موت واقع ہوئی وہ سرکاری ریوالور سے فائر کی گئی تھی..... شک کے باعث آج صبح تمہاری غیر موجودگی میں فلیٹ کی تلاشی لی گئی تو وہ ریوالور مل گیا جس کے میگزین میں چھ کی بجائے پانچ گولیاں ہیں۔ اب چھٹی گولی کہاں استعمال ہوئی ہے اس کی وضاحت تمہیں خود کرنی پڑے گی۔" ایس پی نے جواب دیا۔

"مگر سر..... میں؟" میں نے کچھ کہنا چاہا۔

"باقی باتیں تھانے میں ہوں گی....." انہوں نے میری بات کاٹ کر پاس کھڑے سپاہی کو اشارہ کیا اور زندگی میں پہلی مرتبہ میری کلائیوں میں ہتھکڑی پہنا دی گئی۔ میں نے گردن گھما کر جیپ کی طرف دیکھا جہاں روبیلا حیران و پریشان کھڑی تھی۔ اس نے دور سے مجھے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور میں نے آہستہ سے سر ہلا دیا..... کیوں کہ میں جانتا تھا، میرے علاوہ نہ تو کوئی اسے دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی اس کی آواز سن سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

زندگی میں بھی کبھی حالات کس قدر تیزی سے کروٹ بدلتے ہیں اس بات کا اندازہ مجھ سے بہتر کسے ہو سکتا ہے..... اور وہ کرسی جس پر بڑے بڑے مجرم بیٹھتے تھے اور میں ڈنڈا ہاتھ میں پکڑ کر ان سے پوچھ گچھ کیا کرتا تھا، اس کرسی پر آج میں خود بیٹھا تھا اور وہی ڈنڈا ہاتھ میں پکڑے ایک دوسرا پولیس افسر مجھ سے بے تکے سوال کر رہا تھا۔ کافی دیر تک مجھ سے سر کھپانے کے بعد بھی جب وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو جانے میرے دماغ میں کیا آئی۔

"اگر میں سب کچھ سچ سچ بتا دوں تو کیا آپ یقین کر لیں گے.....؟"

"ہاں ہاں..... کیوں نہیں۔" اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

روبیلا بھی اس وقت کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ اس نے چیخ چیخ کر مجھے خاموش رہنے کی ہدایت کی، لیکن جانے کیوں میرے سر پر تو سچ اگلنے کا بھوت سوار تھا..... میں نے شروع سے لے کر احمد حسن کے قتل تک ساری تفصیل اسے سنا دی اور وہ تمام قتل بھی قبول کر لیے جو میرے ہمزاد نے اب تک کیے تھے۔ میری کہانی سن کر تفتیشی افسر نے سگریٹ کا لمبا کش لیا اور میری طرف یوں دیکھا جیسے اسے میری ذہنی حالت پر شک ہو۔

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو؟" اس نے نیا سوال کیا۔

"ہاں میں ثبوت پیش کر سکتا ہوں....."

"اچھا..... کیسا ثبوت پیش کرو گے تم....." وہ چونکا۔

"یہ دیکھیں میرے کندھے پر آج بھی شیطانی مہر کا

نشان موجود ہے۔" میں نے جھٹ سے شرٹ کے بٹن کھول کر کالر نیچے کیا۔ اور کمرے میں موجود پولیس افسر میرے سر پر جھک گیا۔

"کہاں ہے؟" اس نے میرے کندھے سے نظریں ہٹا کر چہرے کی طرف دیکھا۔

"یہ دیکھیں....." میں نے نشان پر انگلی رکھی۔

"لیکن یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" میں نے زور سے کہا۔

"یہ لوگ بھی سچ کہہ رہے ہیں..... وہ نشان صرف تمہیں یا مجھے دکھائی دیتا ہے باقی لوگوں کو نہیں....." روبیلا کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"اف خدایا....." مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

"کیا تم اس مکان کا ایڈریس بتا سکتے ہو جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔" مجھے پریشان دیکھ کر وہ دوبارہ بولا۔

"جی نہیں۔ میں صرف نیند کی حالت میں وہاں گیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی اور ثبوت۔"

"ہاں یاد آیا..... میرے بیڈ روم کی میز پر آج بھی وہ گلاس موجود ہے جس میں پانی خون میں تبدیل ہو گیا تھا۔" میں نے نئی حماقت کی۔

"ٹھیک ہے، ہم چیک کر لیں گے..... میرا خیال ہے انسپکٹر تم زیادہ تھکے ہوئے ہو۔ اس لیے باقی باتیں کل کریں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا، جیسے اسے یقین ہو میں واقعی پاگل ہوں۔ اس کے بعد مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا اور تمام لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

"یہ تم نے بہت برا کیا..... کیا ہو گیا تھا تمہیں، اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لی۔" خاموشی چھاتے ہی روبیلا مجھ پر برس پڑی۔

"میں پولیس کی مدد کرنا چاہتا تھا اس لیے جذبات میں آ کر سب کچھ اگل بیٹھا۔" میں نے شرمندگی سے جواب دیا۔

"یہ مدد تمہیں بہت مہنگی پڑ سکتی ہے....." اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن اب بحث فضول تھی۔ کافی دیر تک ہم دونوں نئی حکمت عملی پر باتیں کرتے رہے۔ اس چھوٹی سی بیوقوفی نے نئی مشکل کھڑی کر دی تھی۔ میں بہت دیر تک اس نئی مصیبت کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر جانے کس وقت مجھے نیند آ گئی۔

آنکھیں بند ہوتے ہی ذہن میں تیز روشنی کا فلیش چمکا اور مناظر بدلنے لگے..... میرا ہمزاد ایک مرتبہ پھر آزاد ہو چکا تھا۔ لیکن اس مرتبہ مقابلہ نیکی اور بدی کے درمیان تھا۔

بند دروازے کے سامنے پہنچ کر میں نے زور سے ٹھوکر ماری تو دروازہ دھماکے سے کھل گیا..... زرد روشنی میں کھڑا کارلوس گہری سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

"تم نے مجھ سے غداری کی ہے اور آج تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی....."

"بدی چاہے جتنی بھی طاقت ور ہو جائے..... فتح ہمیشہ نیکی کی ہوتی ہے اور آج یہ ثابت ہو جائے گا۔"

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔" اس نے مختصر جواب دے کر زور سے فرش پر پاؤں مارا۔

اس کا پاؤں زمین پر پڑتے ہی کمرے میں زلزلہ سا آ گیا۔ لکڑی کے تختوں سے بنے فرش میں تیزی سے لہریں اٹھیں تو میں اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا، اس اچانک حملے سے میں سنبھل نہ سکا اور دھڑام سے فرش پر گر گیا۔

گرتے ہی میں تیزی سے سنبھل کر اٹھا اور کارلوس کی جانب لپکا..... لیکن قدم اٹھاتے ہی میں ایک مرتبہ پھر اپنا توازن کھو بیٹھا، کیونکہ میرے ارد گرد تمام فرش ابلتی ہوئی گرم دلدل میں تبدیل ہو چکا تھا..... اور صرف وہی ایک ٹکڑا ٹھوس تھا جس پر میں کھڑا تھا۔ توازن بگڑتے ہی میں تیزی سے منہ کے بل دلدل کی جانب لپکا۔ لیکن دلدل سے چند انچ اوپر ہی ہوا میں یوں معلق ہو گیا جیسے کسی نے مجھے پکڑ رکھا ہو۔ درحقیقت یہ روبیلا کی مہربانی تھی۔ اس نے مجھے ابلتی دلدل میں گرنے سے بچا لیا تھا۔

"گھبراؤ مت، وہ آیت پڑھو جو قاسم روحانی نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصیبت کے وقت پڑھنے کا بتایا تھا۔" اس کی تیز آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں نے جلدی سے اس کی ہدایت پر عمل کیا تو ابلتی ہوئی گرم دلدل آن کی آن میں ٹھنڈی ہو کر ایک مرتبہ پھر ٹھوس فرش بن گئی۔ جو کہ صرف ایک شیطانی دھوکہ تھا۔

"اوہ..... تو حالات اتنے سادہ نہیں ہیں۔" کارلوس کے لہجے میں پہلی مرتبہ تشویش محسوس ہوئی، لیکن میں نے اسے سنبھلنے کی مہلت نہ دی اور لمبی جست لگا کر اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا۔ مگر یہ میری خوش فہمی تھی، میرے بازوؤں کا گھیرا تنگ ہوتے ہی اس کا وجود گرم سیاہ ریت میں تبدیل ہوا اور تیز دھار کی صورت میں لکڑی کے فرش کو چیرتا ہوا نیچے غائب ہو گیا۔

"یہاں سے نکلو..... یہ شیطانی مکان زمین بوس ہونے والا ہے۔" روبیلا کی تیز آواز سنائی دی۔

مگر اس سے قبل کہ میں بند دروازہ کھول کر باہر نکلتا کمرے کے چاروں کونوں سے تیز روشنی کے ترچھے سلاخ برآمد ہوئے اور فضا میں بلند ہو کر ایک نقطے پر یکجا ہونے کے بعد تیر کی مانند میری جانب لپکے..... میں نے جلدی سے قاسم روحانی کے دیے ہوئے تعویذ کا رخ اس آتشی سلاخ کی طرف کر دیا۔ روشنی پوری قوت سے تعویذ کے ساتھ ٹکرائی اور پارہ پارہ ہو کر فضاء میں بکھر گئی۔

اس سے نمٹ کر میں نے جلدی سے دروازہ کھولا اور راہداری میں دوڑ لگا دی۔ اچانک کسی چیز سے میرا پاؤں الجھا اور میں منہ کے بل زمین پر گر گیا..... لیکن یہ گرنا میرے لیے زندگی ثابت ہوا کیونکہ میرے گرتے ہی راہداری کی دائیں دیوار سے بے شمار تیز دھار سلاخیں گولی کی رفتار سے نکلیں اور بائیں دیوار میں پیوست ہو گئیں۔ اگر اس وقت میں کھڑا ہوتا تو میرا جسم چھلنی بن چکا ہوتا۔

میں فوجی انداز میں رینگتا ہوا مکان سے باہر آ گیا۔ میرے باہر نکلتے ہی لکڑی کے مکان میں زوردار تھرتھراہٹ پیدا ہوئی اور وہ زمین میں دھنسنے لگا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے زمین کے نیچے کھینچ رہا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے مکان سطح زمین سے یوں غائب ہو گیا جیسے اس کا وجود کبھی تھا ہی نہیں۔

اب میرے سامنے وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا قدیم قبرستان تھا، جس میں موجود بے شمار قبریں اپنی شناخت کھو کر محض مٹی کی ڈھیر رہ گئی تھیں..... انہی قبروں کے درمیان بھاگتا ہوا کارلوس چاند کی مدہم روشنی میں ایک پتلا سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس ٹیلے کی جانب بڑھ رہا تھا جو کہ قبرستان سے تھوڑے فاصلے پر بنا چھوٹا سا کھنڈر نما مندر صاف نظر آ رہا تھا۔

"یہی وہ خونی مندر ہے جہاں شیطانی دیوتا کا مجسمہ نصب ہے..... وہی مجسمہ جس کے قدموں میں مجھے اور دوسرے بے شمار لوگوں کو قتل کیا گیا، تمہیں ہر صورت کارلوس سے پہلے مندر میں پہنچنا ہے۔" روبیلا کی آواز سنائی دی۔

روبیلا کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے میں نے ایک مختصر راستے کا انتخاب کیا اور مندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ہمزاد ہونے کے باوجود اس شیطانی دنیا میں میری نقل و حرکت زندہ انسان کی مانند تھی۔ ایسا زندہ انسان جسے کوئی دوسرا دیکھ نہیں سکتا، محسوس نہیں کر سکتا..... سوائے ان لوگوں کے جو اس منظر نامے کا حصہ تھے۔

گرتے پڑتے ٹیلے کی سیڑھیاں چڑھ کر جب میں مندر میں داخل ہوا تو کارلوس پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

"تو اپنی موت کا تعاقب کرتے ہوئے آخر کار یہاں تک پہنچ ہی گیا۔" اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔

"فوراً مجسمے کے گلے میں لٹکی نیام میں سے تلوار نکال لو اور یہی وہ تلوار ہے جس کی مدد سے کارلوس کو واصل جہنم کیا جا سکتا ہے۔" روبیلا کی تیز آواز سنائی دی۔

لیکن اس کا فقرہ مکمل ہونے سے قبل ہی کارلوس کسی چھلاوے کی مانند اچھلا اور نہایت پھرتی سے مجسمے کی نیام میں سے تلوار نکال کر ہوا میں لہراتے ہوئے بولا۔

"میں جانتا ہوں روبیلا مسلسل تیری راہنمائی کر رہی ہے۔ لیکن اس مرتبہ بہت دیر کر دی اس نے۔ اب تلوار میرے ہاتھ میں ہے اور آج میں شیطان دیوتا کو خوش کرنے کے لیے تمہارے خون کا نذرانہ پیش کروں گا۔"

وہ منتر پڑھتا ہوا غصے سے میری جانب بڑھا.....

جیسے ہی اس نے مجھ پر وار کرنے کے لیے تلوار ہوا میں لہرائی، میں بجلی کی تیزی سے قلابازی کھا کر مجسمے کے بالکل قریب جا کھڑا ہوا۔ اپنا وار خالی دیکھ کر اس کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے بنا سوچے سمجھے مجھ پر دوسرا حملہ کر دیا..... یہی تو میں چاہتا تھا۔ جیسے ہی تلوار کی تیز دھار ہوا کے پردے کو چیرتی ہوئی مجھ تک پہنچی میں نے پھرتی سے اپنی جگہ بدل لی، جس کے نتیجے میں پتھر اور لوہے کے ٹکراؤ سے فضاء میں تیز کھنکھناہٹ گونجی اور میرے بجائے شیطان دیوتا کے مجسمے کی گردن کٹ کر زمین پر آ گری۔

اپنے ہی ہاتھوں اپنے دیوتا کے کٹنے کا منظر دیکھ کر کارلوس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا..... تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر آ گری اور مارے خوف کے اس کا جسم بری طرح کانپنے لگا..... لیکن یہ سب صرف چند لمحے کے لیے تھا۔ پھر اس کی سرخ آنکھوں میں انتقام کے انگارے مزید دہک اٹھے اور وہ چیختا چلاتا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ ایک ایسا بوڑھا جو محض ہڈیوں کا ڈھانچہ کھائی دیتا ہو اس قدر طاقتور بھی ہو سکتا ہے اس بات کا اندازہ مجھے اب ہو رہا تھا۔ اس کے مضبوط ہاتھوں میں میری حیثیت کسی کھلونے سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ بار بار مجھے اپنے کندھوں سے بلند کرتا اور کسی نہ کسی چیز پر پٹخ دیتا۔ میرا سارا جسم زخمی ہو چکا تھا اور دائیں پاؤں کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔

شدید تکلیف کے باوجود موقع ملتے ہی میں نے کارلوس کو ایک زوردار دھکا دیا تو وہ مجھے چھوڑ کر دور جا گرا..... اس مرتبہ میں نے موقع ضائع کرنے کے بجائے جلدی سے اٹھ کر قریب پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور پوری قوت سے مجسمے کی ٹانگ پر دے ماری۔ ٹانگ ٹوٹتے ہی مجسمہ زمین پر گر گیا، لیکن میں رکا نہیں اور اگلے حملے کی تیاری کرنے لگا..... میری توقع کے عین مطابق کارلوس میرا دوسرا حملہ روکنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھا، یہی اس کی غلطی تھی..... جیسے ہی وہ میرے قریب پہنچا، میں نے بجلی کی تیزی سے ہوا ہی میں تلوار کا رخ بدلا اور کارلوس کا سر گردن سے جدا ہو کر مندر کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اب اس کا بے جان جسم کٹے ہوئے درخت کی مانند زمین پر پڑا تھا، جب کہ اس کے ناپاک وجود سے بہنے والا سیاہی مائل خون مندر کے پیاسے فرش کو سیراب کر رہا تھا۔ اور اس طرح باطل کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

چھ ماہ گزر چکے ہیں۔

کارلوس کے خاتمے کے بعد جب میں ہوش کی دنیا میں واپس لوٹا تو شدید زخمی تھا۔ لیکن پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی پولیس نے میری بات کا اعتبار نہ کیا اور الٹا میری خراب حالت کو خودکشی کی کوشش قرار دے کر عدالت کے حکم پر مجھے علاج کے لیے ذہنی امراض کے ہسپتال بھجوا دیا۔ اس وقت بھی میں ہسپتال میں زیر علاج ہوں..... میری موجودہ حالت اس شخص کی مانند ہے جس کے سامنے سمندر اور پیچھے کھائی ہو۔ یعنی اگر مجھے ذہنی طور پر تندرست قرار دیا جاتا ہے، تو جیل میرا مقدر ہو گی اور اگر ذہنی طور پر بیمار قرار دیا جاتا ہے تو باقی زندگی پاگل خانے میں گزرے گی۔

کارلوس کی موت کے ساتھ روبیلا کا انتقام بھی پورا ہو گیا..... اس کی بھٹکتی روح کو سکون مل گیا اور وہ ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت ہو گئی۔ لیکن اس مختصر ملاقات میں اس نے مجھے سوچنے کا ایک انداز سکھایا۔ اس نے مجھے قائل کیا کہ "اپنے مذہب سے سچی محبت ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا راز ہے..... جب کہ اپنے رب پر بھروسہ ہر مشکل میں کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔

"شکریہ روبیلا....."

قاسم روحانی کا چند ماہ قبل انتقال ہو چکا ہے، لیکن ان کی کہی ہوئی ایک بات آج بھی مجھے حرف بہ حرف یاد ہے۔

"ابھی تمہیں کئی کٹھن مراحل سے گزرنا ہوگا، بہت سے معاملات کو سلجھانا ہوگا اس لیے گھبرانا نہیں۔"

قاسم روحانی کے انہی الفاظ کو یاد کرتا ہوں تو ایک نیا حوصلہ ملتا ہے کیوں کہ، رات کتنی ہی گہری اور طویل کیوں نہ ہو..... انشاءاللہ سحر ضرور ہوتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

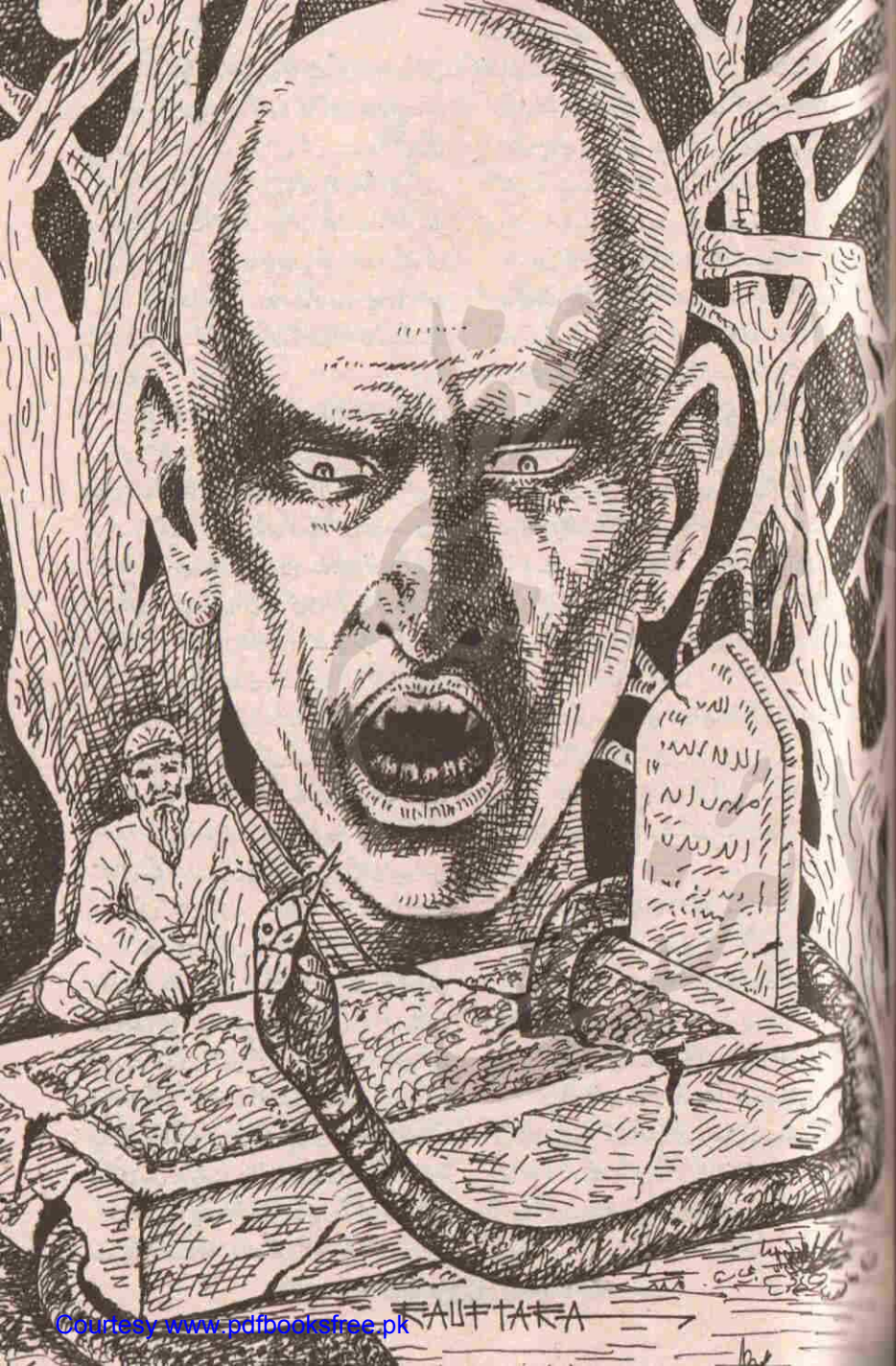

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہرِ وحشت

قسط نمبر:14

ایم اے راحت

رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا، پرہول ماحول، ویران اجاڑ علاقہ اور وحشت و دہشت طاری کرتا وقت، جسم و جاں پر سکتہ طاری کرتا لرزیدہ لرزیدہ سناٹا، نادیدہ قوتوں کی عشوہ طرازیاں، نیکی بدی کا ٹکراؤ، کالی طاقتوں کی خونی لرزہ بر اندام کرتی لن ترانیاں اور ماورائی مخلوق کی دیدہ دلیری جسے پڑھ کر پورے وجود پر کپکپی طاری ہوجائے گی، برسوں ذہن سے محو نہ ہونے والی اپنی مثال آپ کہانی۔

دل ودماغ کو مبہوت کرتی خوف وحیرت کے سمندر میں غوطہ زن خیر وشر کی انوکھی کہانی

ہر آنکھ میں نعمت علی کیلئے نفرت ابل رہی تھی۔ وہاں موجود بھیانک شکلیں خوفناک انداز میں اسے گھور رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اگر انہیں ذرا بھی موقع مل جائے تو وہ نعمت علی کو کچا چبا جائیں۔ اسی وقت گوٹلا آگے بڑھی۔ اور اس نے نفرت بھری آواز میں کہا۔

”یہ کیا کررہا ہے تو۔؟ ہمارا سب کچھ کیا دھرا مٹی میں ملائے دے رہا ہے۔“

”میں تجھے بھی مٹی میں ملادوں گا۔ سمجھی؟“ نعمت علی خود بھی آپ سے باہر ہونے لگا تھا۔ ان معصوم بچوں کا یہ حال دیکھ کر اس کے دل میں محبت کا سمندر امنڈ آیا تھا۔ کیسی کیسی معصوم شکلیں تھیں۔ جو سہمی ہوئی نگاہوں سے اس ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان میں کون ہندو تھا۔ کون مسلمان، کون کرسچن، اس وقت ان تمام باتوں کی تحقیق کا وقت نہیں تھا یہ سب انسانوں کے بچے تھے معصوم اور بے گناہ، نہ انہوں نے کسی مسلمان کو ہندو بن کر نقصان پہنچایا تھا۔ اور نہ کسی مسلمان بچے نے کسی ہندو بچے کا۔

یہ سب تو ابھی ان تمام باتوں سے بے نیاز تھے اور وہ بھی ہوتے اس وقت نعمت علی ماحول کا حکمران تھا۔ کیونکہ اس کے اندر جذبے کی دیوانگی پیدا ہوچکی تھی۔ وہ اپنی زندگی دینے پر تل گیا تھا۔ اور زندگی کی قیمت پر ان بچوں کو نقصان پہنچنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن گوٹلا ایک بھیانک شکل اختیار کرتی جارہی تھی۔ اس کا جسم پھولتا جارہا تھا۔ اور چہرہ انتہائی خوفناک ہوگیا تھا۔ دفعتاً ہی، نعمت کو اپنا بچپن یاد آگیا۔

مدد علی نے مار پیٹ کر اسے کتنی ہی بار کلام پاک پڑھایا تھا۔ اور کلام پاک وہ چیز ہے کہ جس کا ایک بھی لفظ ذہن پر نقش ہوجائے۔ تو موت کے وقت تک وہ نقش نہیں مٹ سکتا۔ اس وقت اسے ایک آیت یاد آگئی تھی اور سچی بات یہ ہے کہ جب انسان مصیبت میں گھر جاتا ہے۔ اور اگر وہ کسی اہل ایمان کی اولاد ہوتا ہے۔ تو کلام الٰہی کا ایک لفظ بھی اس کے لئے مددگار ثابت ہو جاتا ہے۔ اور وہ ضرور اس کے ذہن میں ابھر آتا ہے۔ چنانچہ نعمت علی نے ایک آیت کا ورد شروع کیا۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ شیطانی عمل اللہ کے کلام کے سامنے بے بنیاد ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی قوت کیوں نہ رکھتا ہو۔ گوٹلا جو ایک بھیانک بدن اور بھیانک شکل اختیار کرتی جارہی تھی، اور یقینی طور پر اس لئے کہ وہ آگے بڑھ کر نعمت علی پر حملہ کرے، اور اس کو زیر کرکے اس کا خاتمہ

کردے۔

لیکن اچانک ہی یوں لگا جیسے کسی غبارے میں سوئی چبھ جاتی ہے۔ اور گوٹلا کا پھولتا ہوا بدن ایک دم پچکنے لگا۔ اور اس کے بعد اس میں سے ہوا نکلتی چلی گئی۔ گوٹلا خود پاگلوں کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اور نعمت علی کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ کلام پاک کی آیت پڑھ رہا تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ سب لوگ جو یہاں موجود تھے۔ چیختے چلاتے۔ جدھر جس کا منہ اٹھا، دوڑتے چلے گئے تھے۔

وہ بچے جو سہمے ہوئے تھے۔ اب حیران نگاہوں سے ان منتشر ہونے والے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ گوٹلا صرف ایک فٹ کی رہ گئی۔ اور اس کی باریک باریک چیخیں فضاء میں گونجنے لگیں۔ وہ زمین پر گر کر لوٹنے لگی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ بالکل ہی پست ہوگئی۔ اب وہاں اس کی ننھی سی لاش پڑی ہوئی تھی۔ معصوم بچے سہمی ہوئی نگاہوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ اب انہیں اس بات کا پتہ چل گیا کہ ان کی مدد کرنے والا انہیں موت سے بچانے والا کون ہے؟ چنانچہ وہ پیار بھرے انداز میں آگے بڑھے اور نعمت علی کے پاس پہنچ گئے۔ نعمت علی کے دل میں بھی محبت کا سمندر امنڈ آیا تھا۔ اس نے بچوں کو پیار کیا۔ اور پھر ان سے ان کے بارے میں پوچھنے لگا۔ چند بچوں نے اپنے بارے میں تفصیل بتائی۔

جو یہ تھی کہ انہیں جگہ جگہ سے اغواء کیا گیا ہے۔ وہ اپنے ماں باپ سے ملنے کیلئے رونے لگے۔ تو نعمت علی نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”نہیں بچو! رونے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں تمہارے گھروں تک پہنچادوں گا۔“ اس وقت نعمت علی کے دل میں اور کوئی خیال نہیں تھا۔ وہ بس ان معصوم بچوں کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ ماضی میں جو کچھ ہو چکا تھا۔ اس نے اس کو نظر انداز کردیا تھا۔ چنانچہ وہ احتیاط سے بچوں کو لیکر اس پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔ اسے نہیں معلوم تھا۔ کہ یہ کون سی جگہ ہے اور پہاڑی کے دامن میں کیا ہوگا۔ بس وہ احتیاط کے ساتھ بچوں کو سنبھالے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ قدرت بھی ایسے موقعوں پر پوری پوری مدد کرتی ہے۔ آپ نیکیاں کر کے تو دیکھیں۔ آپ کے راستے ابتداء میں بہت مشکل ہوتے ہیں لیکن آخر کار آسان ہوتے چلے جاتے ہیں۔

ان بچوں کو پہاڑی سے اتار کر نیچے تک لانا نعمت علی نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ اور پھر نجانے کتنا وقت گزرا۔ صبح کا اجالا پھوٹنے لگا تھا۔ اور ماحول روشن ہوتا جارہا تھا۔ جب وہ پہاڑی کے دامن میں پہنچا تو سورج نکل آیا تھا۔ اور سامنے ہی ایک بستی نظر آرہی تھی۔ کون سی بستی تھی؟ کیا نام تھا اس کا اس بارے میں نعمت علی کچھ نہیں جانتا تھا، نہ ہی اس نے ان معصوم بچوں سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ بہر حال بچوں کے ساتھ وہ آبادی میں داخل ہوگیا۔ تب اسے پہلی بار ایک پولیس کانسٹیبل نظر آیا۔ جو ہندوستانی پولیس کی وردی پہنے ہوئے تھا۔ ہاتھ میں ڈنڈا تھامے گشت کررہا تھا۔

نعمت علی کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اور وہ آگے بڑھ کر اس کے پہنچ گیا۔

”سنیے بھائی صاحب!“ اس نے کہا۔ اور کانسٹیبل اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ان بچوں پر نگاہ ڈالی۔

”ابے کیا ان بچوں کو اغواء کر کے لایا ہے۔؟“

”ہاں..... آپ مجھے پولیس اسٹیشن لے چلیں۔“ نعمت علی نے جواب دیا اور وہ حیرانی سے نعمت علی کو دیکھنے لگا۔

”قصہ کیا ہے۔ بتائے گا نہیں۔؟“

”بھائی! میں نے اغواء کرنے والوں سے ان بچوں کو چھڑایا ہے۔ اور میں انہیں ان کے ماں باپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ تم مجھے پولیس اسٹیشن کا راستہ بتاؤ۔ یا مجھے خود پولیس اسٹیشن لے چلو۔“ پولیس والا کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

”آؤ.....“ اور وہ آگے آگے چل پڑا۔ نعمت علی بچوں کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بڑے پولیس اسٹیشن میں داخل ہوگئے کانسٹیبل نے اسے وہیں روکا۔ اور روکنے کے بعد اندر چلا گیا۔ وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اندر پہنچ کر اس نے پولیس اسٹیشن کے انچارج سے کہا۔

”صاحب جی! بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے میں نے؟“ انچارج نے اسے دیکھا اور غصیلے لہجے میں بولا۔

”کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے تو نے؟“

”صاحب جی! پچھلے دنوں جو بچوں کے اغواء کے کیس ہورہے تھے۔ میں نے اغواء کرنے والوں کے سربراہ کا پتہ لگالیا ہے۔“

”کب، کہاں، کیسے۔؟“ انچارج نے حیرت سے کہا۔ اور کانسٹیبل کو گھورنے لگا۔

”صاحب جی! بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں نے سپر مین کا کردار ادا کیا ہے۔ چلو بھئی چلو میرا ساتھ دو۔ اسے اندر لے آؤ۔ کانسٹیبل نے کہا اور پھر وہ بچوں کے ساتھ نعمت علی کو لیکر اندر داخل ہوگیا۔

”یہ ہے وہ بندہ سر جی! جو بچوں کو اغواء کر کے لے جارہا تھا۔ بس میں نے اسے کور کرلیا۔ اور یہاں تک لے آیا۔“ انچارج نے ان بچوں کو دیکھا۔ اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

”ارے یہ تو سیٹھ دھرم لعل کا بیٹا ہے اس کے اغواء کی رپورٹ اور یہ..... یہ..... کاشی ناتھ کا بیٹا ہے۔ اوہو..... تو نے تو بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا جگت تیری، ترقی ہو جائے گی۔ پرواہ مت کر۔ تجھے ہیڈ کانسٹیبل بنوادوں گا۔ اور اسے پکڑو..... پکڑو..... یہ بھاگنے نہ پائے۔“ انچارج صاحب نے پولیس والوں سے کہا۔ اور پولیس والے نعمت علی کے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔

نعمت علی حیران نگاہوں سے انچارج کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”سر! میں نے ان بچوں کو اغواء نہیں کیا ہے۔ میں نے اسے یہ بتایا تھا کہ میں تو انہیں اغواء کرنے والوں کے چنگل سے چھڑا کر لایا ہوں۔ آپ ان بچوں سے پوچھ لیجئے۔“

”پوچھوں گا بیٹا۔ اچھی طرح پوچھوں گا۔“ انچارج نے کہا۔ اور پھر نعمت علی کو مزید کچھ کہے بغیر لاکر میں بند کردیا گیا۔ جبکہ انچارج صاحب بچوں کو لیکر دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے۔ نعمت علی حیران حیران سا اپنی جگہ بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔ کہ کیا اس کی نیکیوں کا اسے یہ ہی صلہ ملے گا۔ مگر کوئی بات نہیں اس نے جو کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ اس کے بعد چاہے کچھ بھی ہوجائے۔ اس کا دل اور ضمیر تو مطمئن رہے گا۔

دوپہر تک وہ لاک اپ میں بند رہا۔ کوئی تین بجے کے قریب اسے لاک اپ سے نکال کر انچارج کے کمرے میں لایا گیا۔ یہاں ایک ایس پی صاحب! اپنے ماتحت ڈی ایس پی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے نعمت علی کو دیکھا۔ اور ایکدم حیران سے ہوگئے۔ پھر انہوں نے ڈی ایس پی کے کان میں کچھ کہا۔ اور ڈی ایس پی بھی نعمت علی کو گھورنے لگا۔ ایس، پی صاحب نے کہا۔

”جاؤ۔ ذرا فائل لے کر آؤ جلدی سے یا کسی سے منگواؤ۔“

”جی سر!..... جی سر!“ ڈی ایس پی نے کہا۔ اور سیلوٹ کر کے باہر نکل گیا۔

”اسے قبضے میں رکھو..... دروازے بند کردو۔“ ایس پی صاحب نے کرخت لہجے میں کہا۔ بھاری بدن اور بڑی بڑی مونچھوں کے ساتھ ان کا چہرہ بہت خطرناک نظر آرہا تھا۔ اور نعمت علی سوچ رہا تھا کہ اب کوئی نئی کہانی آغاز ہورہی ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ کوئی آدھے گھنٹے تک اسے ایک جگہ کھڑے رہنا پڑا۔ اسے بیٹھنے تک کیلئے نہیں کہا گیا تھا۔

پھر ڈی ایس پی، صاحب ایک فائل لے کر اندر آئے۔ اور ایس پی صاحب کے سامنے پیش کردیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایس پی صاحب اسے کھول کر دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر تک وہ فائل دیکھتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے بھاری لہجے میں کہا۔

"ہوں..... تو یہ بات ہے۔؟" کیا بات تھی۔ یہ بات نعمت علی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ایس پی صاحب نے کہا۔

"تو تم پاکستانی جاسوس ہو۔ پاکستان سے آئے ہو۔" نعمت علی کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا تھا۔ آیا تو وہ پاکستان سے ہی تھا۔ بے شک جاسوس نہیں تھا۔ لیکن کتنی ہی بار اس کے دل میں خیال آیا تھا۔ کہ اسے جب بھی پکڑا جائے گا اسے پاکستانی جاسوس سمجھا جائے گا۔ لیکن اسے اس بات کی امید نہیں تھی کہ اس کا باقاعدہ فائل بن گیا ہوگا۔

وہ اس بات پر حیران رہ گیا تھا ایس پی صاحب نے فائل پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"اور اب تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ یہ بچے تمہیں کہاں سے ملے اور..... اور.....؟" ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائے تھے۔ کہ اچانک دروازے پر کچھ ہنگامہ سا ہوا۔ اور پھر کوئی اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک دراز قامت عورت تھی۔ جس کا بدن بھی بھاری تھا۔ لیکن چہرہ انتہائی دلکش بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ پرسحر تھا۔ اسے دیکھ کر دل پر ایک عجیب و غریب سا احساس ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ دو عورتیں اور بھی تھیں۔ جو خاص قسم کا لباس پہنے ہوئے تھیں۔ جیسے وردی ہو۔ لیکن ان کی کمر میں بندھی ہوئی پیٹی میں ہولیسٹر لگے ہوئے تھے۔ اور ان میں پستول تھے۔ گویا وہ اس عورت کی باڈی گارڈز تھیں، چہرے سے وہ بھی کافی خطرناک نظر آتی تھیں۔

ایس پی نے انہیں دیکھا۔ اور ایکدم کھڑا ہو گیا۔

"ارے، ارے دیوی جی! آپ..... آپ یہاں کیسے؟" ایس پی نے حیرانی سے کہا۔ اور عورت نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بولی۔

"اور تم جانتے ہو، ایس پی کہ جب میرے کسی آدمی پر کوئی مشکل پڑتی ہے تو میں فوراً اس کی مدد کیلئے آجاتی ہوں۔ تمہیں سب سے پہلے اس سے یہ پوچھنا چاہئے تھا۔ کہ یہ کون ہے؟" عورت نے کہا۔ اور نعمت علی کی طرف دیکھ کر بڑی احتیاط سے ایک آنکھ دبائی۔ نعمت علی نے اس کی آنکھ دیکھ لی تھی۔ لیکن کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔

ایس پی نے حیرت سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں دیوی جی! آپ آیئے براہ کرم بیٹھئے۔" ایس پی نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ لیکن عورت سرد لہجے میں بولی۔

"نہیں ایس پی۔ تمہارا نام راجکمار ہے ناں۔؟" "نہیں راجکمار میں بیٹھنے کیلئے نہیں آئی۔ تم نے میرے آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اس نے ایک اچھا کام کیا اور تم نے اسے جاسوس قرار دے دیا۔" عورت نے کہا اور ایس پی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"مم..... مم..... میں سمجھا نہیں....."

"اس کا نام شنکر ہے۔ اور یہ اٹھارہ سال سے میرے پاس رہتا ہے۔ یہ بچے اسے گونگی پہاڑی پر ملے تھے۔ ان کے ساتھ انیائے ہو رہا تھا۔ اس نے انہیں بچایا۔ اور خود انہیں لے کر پولیس تھانے پہنچ گیا تمہارے سپاہی نے جھوٹ بولا ہے تم سے اور اس کے بعد یہ ایس ایچ او صاحب جو خود کو بہت مہان سمجھتے ہیں اپنے آپ کو۔ یہ جاسوس نہیں ہے۔ اٹھارہ سال سے میں اسے جانتی ہوں۔ اگر کبھی شکلیں مل جائیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کسی بے گناہ پر شک کرنا شروع کر دو۔

"نہیں..... نہیں..... دیوی جی!..... آپ..... آپ چاہیں تو یہ فائل دیکھ لیں۔"

"میرے سامنے یہ فائل کیا تو اسے پھاڑ کر پھینک دوں گی۔ لاؤ دکھاؤ مجھے کہاں ہے فائل۔" عورت نے کہا۔

نعمت علی یہ سارا ہنگامہ حیران نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"د..... دد..... دیکھ لیجئے۔ میرا دوش نہیں ہے۔" ایس پی صاحب نے کہا۔ اور فائل آگے بڑھا دیا۔ نعمت علی تو یہ سب کچھ نہیں دیکھ سکا تھا۔ لیکن فائل میں

جو تصویر لگی ہوئی تھی۔ وہ سو فیصدی اسی کی تھی۔ لیکن اچانک ہی بدل گئی تھی۔ اب اس تصویر میں بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ ایک آنکھ بھینگی تھی۔ اور ایک بالکل ہی بدلی شکل کا آدمی نظر آرہا تھا۔

عورت نے نعمت علی کی طرف دیکھا اور پھر ایس پی کی طرف۔

"میرا خیال ہے۔ آپ لوگوں کی آنکھیں بری طرح خراب ہو گئی ہیں۔ اے ادھر آؤ۔" اس نے نعمت علی کو اشارہ کیا۔ اور پولیس کے وہ سپاہی جو نعمت علی کو پکڑے کھڑے ہوئے تھے۔ جلدی سے اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔

"سنا نہیں تم نے ادھر آؤ۔" عورت نے کہا نعمت علی بے اختیار آگے بڑھ گیا اسے یہ عورت جادوگرنی معلوم ہو رہی تھی۔ جس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ حیران کن تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ عورت نے ایس پی سے کہا۔

"اب ذرا یہ چہرہ ملاؤ۔ ڈی ایس پی۔ تم بھی ادھر آؤ..... اور تم بھی..... دانشور....." عورت نے طنزیہ لہجے میں۔ ایس ایچ او سے کہا۔ وہ لوگ تصویر پر جھک گئے۔ اور پھر حیرت سے آنکھیں پھاڑنے لگے۔ ایس پی نے کہا۔

"بھر..... بھر..... بھگ، بھگوان کی سوگندھ..... بھگوان کی سوگندھ..... یہ..... یہ..... یہ کیا ہوا۔ اس میں تو ابھی ابھی اس بندے کی تصویر لگی ہوئی تھی۔"

"اس میں تو تصویر نہیں لگی ہوئی تھی۔ راجکمار جی! مجھے منسٹر صاحب سے بات کرنی پڑے گی۔ کہ وہ آپ کی آنکھوں کا چیک اپ کرائیں۔ اور یہ بتائیں کہ آپ اس عہدے کے قابل ہیں بھی یا نہیں۔"

"ش..... شش..... شما کر دیجیے، دیوی جی! مم..... مم..... معافی چاہتا ہوں۔ آپ..... سے۔ غلطی ہو گئی مجھ سے۔" ایس پی صاحب بری طرح گڑگڑانے لگے۔ اور عورت آگے بڑھ کر بولی۔

"شنکر اندر آؤ..... میرے ساتھ۔ آؤ..... سنا نہیں تم نے۔" اس نے نعمت علی سے کہا۔ اور نعمت علی نے اس وقت یہ ہی غنیمت سمجھا۔ کہ اس عورت کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ باہر ایک ایک بہت خوبصورت گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ جس کا ڈرائیور اس کے پاس موجود تھا۔ اس کے پیچھے ایک دوسری گاڑی بھی کھڑی ہوئی تھی۔

عورت آگے بڑھی تو ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ تو عورت نے کہا۔ "تم ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔" یہ الفاظ نعمت علی کو مخاطب کر کے کہے گئے تھے۔"

نعمت علی کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ کہ عورت کے احکامات پر عمل کرے۔ اور وہ ڈرائیور کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں باڈی گارڈ عورتیں دوسری گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔ یہ شان و شوکت اور یہ انداز دیکھ کر ہی نعمت علی کو یہ پتہ چل گیا تھا۔ کہ عورت بہت بڑی شخصیت کی مالک ہے۔ اور اس کے علاوہ یہ کہ وہ پر اسرار حیثیت بھی رکھتی ہے۔ دو کام ہوئے تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ عین اس وقت پہنچی تھی۔ جب نعمت علی کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والا تھا۔ دوسری بات یہ کہ وہ تصویر ایس پی نے نعمت علی کو بھی دکھائی تھی۔ جو سو فیصدی نعمت علی کی تھی لیکن دوسری بار اس تصویر کے نقوش بدل گئے تھے۔ یہ کوئی معمولی عمل نہیں تھا۔ لیکن بہر حال اس عمل نے فوری طور پر نعمت علی کو فائدہ پہنچایا تھا۔ اور اب آگے کیا ہوتا ہے کہ اچھی خاصی تفریح کی زندگی گزار رہا تھا۔ سارے معاملات بہتر سے بہتر چل رہے تھے۔ کہ اچانک ہی زندگی میں خیر الدین خیری داخل ہوا۔ اور اس کے بعد کایا ہی پلٹ گئی۔

بڑے شاندار اقدامات ہوئے۔ بہت کچھ ملا۔ لیکن اب جب بگڑا تھا تو بنائے نہیں بن رہی تھی۔ لیکن بس ایک عزم اس نے اپنے ذہن میں زندہ رکھا تھا۔ اور تنہائیوں میں بار بار کہتا تھا۔ "خیر الدین خیری۔ دوست! تم اس دنیا سے جا چکے ہو۔ لیکن تمہاری روح نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

میرے گھر کے حالات بہتر ہو گئے۔ میری اپنی شخصیت پتہ نہیں کیا ہے کیا ہو گئی۔ اور اب تم مشکل میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑے ہو تو یہ مت سمجھنا کہ نعمت علی ایک خود غرض دوست ہے۔ اور تمہیں چھوڑ کر ہندوستان سے پاکستان واپس چلا جائے گا۔ اول تو اس کے امکانات ہی مشکل نظر آرہے ہیں۔ لیکن اگر وقت نے اس کا موقع بھی دیا۔ تو تم یقین کرو۔ کہ نعمت علی تمہاری روح کے ساتھ ہی اپنے وطن واپس جائیگا۔"

گاڑیاں سفر کرتی رہیں۔ یہ عورت کون ہے۔ اور اس سے کیا چاہتی ہے۔ اور اسے شنکر کہہ کر کیوں مخاطب کیا ہے؟

یہ سوالات بھی نعمت علی کے ذہن میں تھے۔ لیکن سارے سوالات کے جوابات فوراً ہی نہیں مل جاتے البتہ جس حویلی میں عورت داخل ہوئی تھی۔ وہ خالص ہندوانہ طرز کی پرانی حویلی بنی ہوئی تھی۔ عورت جس قدر شان و شوکت کی مالک تھی۔ اس کے مطابق حویلی کو بھی ویسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ گیٹ کھلا اور دونوں گاڑیاں اندر داخل ہوگئیں۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا اور عورت نیچے اتری۔ تو نعمت علی بھی نیچے اتر آیا۔ عورت نے کہا۔

"شنکر جی مہاراج کو مہمان خانے میں لے جاؤ۔ اور ایک معزز مہمان کی حیثیت سے ان کے سارے کام کرو۔ جایئے شنکر جی!"

"لیکن میڈم! آپ.....؟"

"کچھ نہیں شنکر مہاراج! ہماری میزبانی کا لطف اٹھایئے۔ ہم آپ سے ملیں گے اور بہت سی باتیں کریں گے۔ جایئے۔" عورت نے پاٹ دار لہجے میں کہا۔ اور نعمت علی کے جواب کا انتظار کئے بغیر اندر حویلی میں چلی گئی۔

"جبکہ وہ دونوں باڈی گارڈ عورتیں۔ نعمت علی کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔"

"آیئے شنکر جی! مہاراج" انہوں نے بھی اسے شنکر ہی کے نام سے مخاطب کیا۔ نعمت علی یہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ عورت کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر اس کے پس منظر میں کچھ گہرائیاں ہیں۔ لیکن پھر بہر حال جن حالات سے وہ ایکدم گزرا تھا۔ ان کے تحت اسے اس عورت سے تعاون ہی کرنا تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے عزم میں پختہ تھا۔ اور خیر الدین خیری کے ساتھ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ جس مہمان خانے میں اسے لایا گیا تھا، وہ کسی بھی طرح ایک شاندار حویلی سے کم نہیں تھا۔

ایک بہت ہی بڑا کمرہ، جس میں موٹا قالین بچھا ہوا تھا۔ کئی جگہ تخت بچھے ہوئے تھے۔ ایک چھپر کھٹ تھا۔ پرانی طرز کی کھڑکیاں اور دروازوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ چھت پر فانوس لٹکا ہوا تھا۔ مکمل خانہ البتہ جدید طرز کے مطابق کمرے کے ایک کونے میں موجود تھا۔ یہاں ہر آسائش فراہم کر دی گئی تھی۔ دونوں باڈی گارڈ عورتوں نے کہا۔

"آپ کی سیوا کے لئے ہم کسی کو مقرر کئے دیتے ہیں۔ جو ضرورت ہو۔ آپ انہیں بتا دیجئے گا۔" یہ کہہ کر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گئیں تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک خوبصورت جوان عورت جس کی عمر تیس بتیس سال کے قریب تھی۔ ہاتھوں میں لباس لئے اندر داخل ہوئی۔ یہ لباس دھوتی اور کرتے پر مشتمل تھا۔

"شنکر جی مہاراج! کپڑے بدل لیجئے آپ۔؟"

"مم.....مم.....مجھے دھوتی باندھنا نہیں آتی۔" بے اختیار نعمت علی کے منہ سے نکل گیا۔ عورت بے اختیار ہنس پڑی۔

"میں سکھائے دیتی ہوں۔"

"تت.....تم.....؟"

"تو کیا فرق پڑتا ہے۔ آیئے۔" عورت نے کہا۔

"نہیں.....نہیں تم جاؤ۔ میں جو کچھ بھی ہوگا کرلوں گا۔" نعمت علی نے کہا اور عورت ہنستی ہوئی واپس چلی گئی۔

نعمت علی نے اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ پھر وہ اس لباس کو دیکھنے لگا۔ بہت ہی خوبصورت اور قیمتی سلک کا کرتا تھا۔ اور باریک ململ کی دھوتی تھی۔ اسے ہنسی آنے لگی۔ پنڈت کا روپ دھارتے ہوئے تو اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ گیروا لباس پہنا تھا۔ لیکن اب

دھوتی اور کرتا۔ یہ ذرا ٹیڑھی چیز تھی۔ لیکن بہر حال ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ اس نے یہاں ہندوؤں کو دھوتی باندھے ہوئے دیکھا تھا۔

آدھے گھنٹے تک کوشش کرتا رہا لیکن دھوتی صحیح نہیں بندھی تو اس نے تہمند کے انداز میں جسم پر لپیٹ لیا۔ اور اوپر سے کرتا پہن لیا۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد وہی عورت واپس آئی۔ اور نعمت علی کو دیکھ کر ہنس پڑی۔

"یہ آپ نے دھوتی باندھی ہے۔"

"بس جیسی باندھنا آتی تھی باندھ لی۔"

"دیکھئے میں آپ کو اس کی ترکیب بتائے دیتی ہوں۔" عورت نے کہا۔

"مم.....میں نے منع کیا ہے ناں تمہیں۔"

"میں بتاتی ہوں آپکو۔" اس نے کہا اور باہر رخ کر کے آواز دی۔ "دھونی۔ اندر آؤ۔" ایک ادھیڑ عمر شخص اندر داخل ہوگیا۔

"شنکر جی مہاراج کو دھوتی باندھنا سکھاؤ۔ میں باہر جارہی ہوں۔" عرض یہ کہ دھونی نے اپنا لباس اتار کر جس کے نیچے وہ زیریں لباس پہنے ہوئے تھا۔ کئی بار دھوتی باندھ کر دکھائی۔

"یہ زیریں لباس نعمت علی کو بھی دیا گیا تھا۔" نعمت علی نے بہر حال یہ غنیمت سمجھا کہ دھونی سے یہ سب کچھ سیکھ لے۔ اور اس کے بعد اسے دھوتی باندھنا بھی آگیا۔ دھونی نے مطمئن انداز میں مسکرا کر گردن ہلائی اور بولا۔

"اور ایک دو بار سیکھ لیں مہاراج۔"

"نہیں.....بس ٹھیک ہے۔"

"آپ بہت سندر لگ رہے ہیں۔ کتنے سندر ہیں آپ۔" جا بھائی.....باہر جا.....میں سندر ہوں یا سندر لال۔ تو، تو باہر جا....." دھونی خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دوپہر کا کھانا آگیا۔

سبزی پکی ہوئی تھی۔ پوریاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف حلوہ تھا۔ بڑی سی تھالی میں یہ کھانا لگا ہوا تھا۔ کئی قسم کے اچار اور چٹنیاں بھی تھیں۔ نعمت علی نے اس پر تعرض نہیں کیا۔ اور کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اسے اپنی آنکھوں میں بوجھ محسوس ہونے لگا۔ بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر میں اسے نیند آ گئی۔

شام کو پانچ بجے تھے۔ جب اسے، اس خوبصورت عورت نے پھر سے جگایا اور بولی۔

"جاگ جایئے مہاراج، اشنان کر لیجیے۔ آپ کا دوسرا لباس اندر موجود ہے۔"

"اب مجھے ہر گھنٹے کے بعد لباس بدلنا پڑے گا۔"

"آپ کی مرضی ہے مہاراج ویسے آپ ان کپڑوں میں بھی بڑے سندر لگ رہے ہیں۔" عورت بڑی ڈھیٹ قسم کی معلوم ہوتی تھی۔ آنکھوں میں حیاء نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ بہر حال نعمت علی غسل خانے میں داخل ہوگیا۔

غسل خانہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔ نعمت علی نے سوچا جتنا وقت اس عورت کے ساتھ گزرتا ہے۔ گزار لیا جائے۔ کم از کم اسے تحفظ حاصل تھا۔ ورنہ بڑا مسئلہ ہو جاتا اسے کسی بھی طرح پہچان لیا گیا تھا۔ اور نجانے کیوں اس پر پاکستانی جاسوس ہونے کا الزام لگا دیا گیا تھا۔

کافی دیر تک غسل کرتا رہا۔ باہر آیا تو وہی عورت چائے لئے موجود تھی۔ اور یہ چائے انتہائی خوبصورت ٹرالی میں لگی ہوئی تھی۔ اس نے حسب معمول مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ چاہیں تو باہر کھلی فضاء میں بھی چائے پی سکتے ہیں۔" نعمت علی نے سوچا کہ اب بلاوجہ اس سے گریز کرنا حماقت ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں، یہیں ٹھیک ہے۔ تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"بھگوان کا شکر ہے۔ آپکو خیال تو آیا۔ شنکر جی مہاراج۔ میں شانتی ہوں۔"

"ٹھیک۔" شانتی مجھ سے باتیں کرو گی۔؟"

"کیوں نہیں۔؟" جو باتیں آپ کرنا چاہیں گے تو کروں گی۔"

"تو بیٹھ جاؤ....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی۔" اس نے کہا۔ اور سامنے آرام سے بیٹھ گئی۔

"میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں شانتی! کہ میں کس کا مہمان ہوں؟"

"رانی پورن وتی کا۔"

"رانی.....؟"

"ہاں.....وہی جو آپکو یہاں لے کر آئی ہیں۔"

"کہاں کی رانی ہیں یہ؟"

"بس سمجھ لیجئے۔ سنسار بہت بڑا ہے۔ کہیں نہ کہیں کی تو ہوں گی ہی۔"

"نہیں شانتی اگر مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہو۔ تو سب کچھ سچ سچ بتادو۔ ورنہ تمہاری مرضی۔"

"دوستی تو ہے۔ ہماری شنکر مہاراج مجھے آپ کی سیوا پر لگایا گیا ہے۔ داسی ہوں آپ کی مگر اگر آپ داسی کے بجائے دوست کہنا چاہتے ہیں تو کہہ لیجئے۔ میں تو ہر حالت میں آپ سے تعاون کروں گی۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ کہ رانی پورن وتی کہاں کی رانی ہیں۔؟"

"کہیں کی بھی نہیں ہیں۔ بس رانی کہلاتی ہیں۔ کیوں کہ رانیوں جیسی ہیں۔ بہت بڑی شخصیت ہے ان کی۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ ساری حکومت میں ان کا بڑا عمل دخل ہے۔ جو کچھ مجھے معلوم ہے۔ اس سے آپ نے دیکھ ہی لیا ہوگا۔ کہ لوگ کس طرح ان کی عزت کرتے ہیں۔"

"کیا تم جانتی ہو۔ میں کون ہوں۔؟"

"نہیں.....میری اتنی حیثیت نہیں ہے۔ بس رانی جی! نے آپ کا نام شنکر جی بتایا سو ہم نے مان لیا۔ اس سے آگے کی جاننے کی ہمیں کوئی آ گیا نہیں ہے۔" نعمت علی سوچ میں ڈوب گیا۔

عورت کا نام معلوم ہوگیا تھا۔ یہ پتہ چل گیا تھا کہ وہ بہت بڑی شخصیت کی مالک ہے۔ اور کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ کہ شانتی سے اور کیا کہے چنانچہ فیصلہ یہ ہی کیا کہ خاموش رہا جائے۔ اور وقت کا انتظار کیا جائے۔

یہاں اسے ہر طرح کی آسائشیں حاصل تھیں سب کچھ مل گیا تھا اسے لیکن ایک خوف ایک احساس اب بھی دل میں موجود تھا۔ وہ یہ کہ ہندوستان کی حکومت اسے پاکستانی جاسوس سمجھتی ہے۔ اس کی تلاش جاری ہے۔ یہ تو نہیں پتہ چل سکا تھا اسے کہ اگر وہ گرفتار ہوگیا۔ تو اس پر کیا بیتے گی۔ لیکن بہت ساری باتیں صرف سوچنے کیلئے ہوتی ہیں۔ اور انہیں آسانی سے سوچا جاسکتا ہے۔ اسے پتہ تھا کہ اگر اس کی اصل حیثیت نمایاں ہوگئی۔ تو پھر اس پر کیا گزرے گی۔

خیر ان تمام باتوں کیلئے جو بھی آنے والا وقت کہے وہ دیکھا جائے گا۔ لیکن کچھ بھی ہو جائے۔ خیر الدین خیری کو چھوڑ کر بھاگنا ناممکن ہے۔ غالباً یہاں آئے ہوئے پانچواں دن ہوگیا تھا۔ اس شام موسم ابر آلود تھا۔ آسمان پر گہرے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ فضاء میں ایک سونی سونی سی کیفیت تھی۔ بدن میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ جس کمرے میں اسے رکھا گیا تھا۔ وہ مہمان خانے کا ایک بہت ہی روشن کمرہ تھا۔ دائیں جانب ایک بڑی سی کھڑکی تھی۔ جو لان کی جانب کھلتی تھی۔ اور یہاں سے خوبصورت پھولوں کا نظارہ بہت ہی خوبصورت لگتا تھا۔

پھول بھی رانی پورن وتی نے بہت ہی خوبصورت لگائے ہوئے تھے۔ غالباً اسے پھولوں کا شوق تھا۔ شام ہوگئی۔ پھر ہلکی ہلکی بوندا باندی، ہونے لگی، اور پھر اچانک ہی شانتی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"رانی جی نے آپ کو بلایا ہے۔ شنکر جی مہاراج!"

"ایں....." نعمت علی اچھل پڑا۔

"جی۔" اصل میں انہیں بارش کی بوندیں بہت پسند ہیں۔ اگر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہو تو پھر انہیں چین نہیں آتا۔ شاید آپ کو وہ اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتی ہیں۔"

"کہاں ہیں وہ؟"

"باہر باغ میں۔"

"مجھے باغ میں بلایا ہے؟"

"ہاں۔"

"تم میری راہنمائی کرو۔" نعمت علی نے کہا۔

شانتی اسے لے کر چل پڑی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ باغ میں داخل ہوگئی۔ بہت ہی خوبصورت اور حسین لان بنا ہوا تھا۔ اور اس لان کے ایک خوبصورت پھولوں والے گوشے میں رانی پورن وتی نظر آ رہی تھی۔ سفید رنگ کی ململ کی ساری میں ملبوس ہوئے۔ خود بھی سفید اور پھولوں جیسی کھلی ہوئی نظر آ رہی تھی ہلکی ہلکی بوندوں میں اس کی سفید ساڑی بھیگ گئی تھی۔ اور جگہ جگہ سے اس کے سفید بدن سے چپکی ہوئی تھی۔ ساڑی کے نیچے سے اس کا گلابی رنگ اس طرح جھلک رہا تھا کہ اس پر نگاہیں ٹکانا مشکل ہو جائے۔ نعمت علی کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اسے شالی یاد آ گئی۔ وشالی ہی تو اس کی محبت تھی۔ اور وہ اسے بہت بار یاد کر چکا تھا۔ لیکن چونکہ خود برے حالات کا شکار تھا۔ اس لئے محبت کو کوئی جنون نہیں مل سکا تھا۔

رانی پورن وتی اسے دیکھ کر مسکرائی۔

اس کی مسکراہٹ میں بڑی لگاوٹ تھی۔ ویسے بھی انتہائی حسین نقوش کی مالک تھی۔ اور اس وقت تو بادلوں کی چھاؤں میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

"آؤ.....نعمت علی، آؤ....." اس بار رانی نے اسے اس کے اصل نام سے پکارا تھا۔ اور نعمت علی کو صورت اس بات پر حیرت ہونی ہی تھی۔

"آؤ.....بیٹھیں۔ گیلی گھاس بری تو نہیں لگے گی۔"

"نہیں۔ پورن وتی جی!" نعمت علی نے بھی اسے اس کے نام سے مخاطب کیا۔ اور وہ ہنس پڑی۔

"واہ.....تم نے مجھے میرے نام سے پکارا ہے۔ کیا بات ہے۔ ویسے لوگ مجھے یہاں دیوی کہتے ہیں۔"

"میں بھی آپکو دیوی کہوں گا۔"

"نہیں بابا.....نہیں۔ کون کہتا ہے تم سے یہ بات سب نے دیوی کہہ کہہ کر میری مت ماردی ہے۔ کوئی تو ایسا ہے جو مجھے پورن وتی کہہ کر پکارے۔ بلکہ ایک کام کرو۔؟"

"جی۔؟"

"دوست، تم مجھے صرف پورن کہو۔ کہو گے؟"

"اگر آپ کا حکم ہوگا تو ضرور کہوں گا۔"

"چلو بیٹھو.....ویسے ایک بات سچ.....سچ کہوں دھوتی کرتے میں تم بڑے پیارے نظر آ رہے ہو۔"

"میں بھی ایک بات کہوں آپ سے، پورن جی۔"

"بولو.....بولو.....؟"

"یہ سب آپ نے مجھے پہنا دیا ہے۔ ورنہ....."

"ورنہ.....کیا....."

"ورنہ مجھے سچ مچ یہ لباس پہننا بھی نہیں آتا تھا۔"

"مجھے بہت سندر لگ رہے ہو۔ اور پھر اس وقت بادلوں کی چھاؤں میں تو تم بہت ہی پیارے لگ رہے ہو۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں غلط جذبے سے یہ سب کچھ کہہ رہی ہوں۔ اچھے دوست، اچھے ہی لگتے ہیں۔"

"تو کیا آپ نے مجھے دوستی کا درجہ دیا ہے۔"

"ہاں.....دینا چاہتی ہوں۔ اگر تم سویکار کرو۔"

"میری خوش قسمتی ہوگی۔"

"تم بیٹھو تو سہی۔ خوش قسمت" پورن وتی نے کسی قدر شوخ لہجے میں کہا۔ اور خود بھی گھاس پر بیٹھ گئی۔ نعمت علی کی نگاہ خود بخود اس کی جانب اٹھ گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ کہ اگر غور سے پورن وتی کو دیکھا جاتا تو ایمان ڈگمگانے لگتا تھا۔ اس نے پہلے کبھی کسی کو ایسی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اب دل چاہ رہا تھا کہ پورن وتی کے ایک ایک نقش کو غور سے دیکھتا رہے۔ پورن وتی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور ہنس پڑی۔

"تو دیکھو ناں۔ منع کس نے کیا ہے تمہیں۔؟" وہ بولی، اور نعمت علی ایک دم جھینپ سا گیا۔ پورن وتی ہنس پڑی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہیں تعجب ہو رہا ہوگا کہ تمہارے من کی باتیں کیسے پڑھ رہی ہوں۔"

"میں حیران ہوں۔ پورن جی۔"

"یہ "جی" بھی نکال دو۔ پورن کے آگے سے مجھے خوشی ہوگی۔"

"جیسی آپ کی مرضی....."

"اصل میں، میں، بھانا سیوک ہوں۔ سمجھ رہے ہو نا؟" بھانا سیوک۔

"میں نہیں جانتا۔"

"میرے گرو بھانا مہاراج ہیں۔ انہوں نے مجھے بہت سی شکتیاں دی ہیں۔ انہوں نے مجھے انوکھی شکتی بھی دی ہے۔ اس انوکھی شکتی کے ذریعے میں، من کی باتیں جان لیتی ہوں۔ اور بھی بہت سے گن دیئے ہیں انہوں نے مجھے، اور انہی گنوں کی بنا پر مجھے تمہارا پتہ ملا۔"

"اب جب آپ نے اتنی بات کہی ہے پورن تو میں آپ سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"آج میں نے تمہیں اسی لئے اپنے پاس بلایا ہے۔ پوچھو۔"

"آپ مجھے کتنا جانتی ہیں۔"

"بہت زیادہ نہیں۔ جب میں نے اپنے گیان سے یہ پوچھا۔ کہ میں جو کچھ چاہتی ہوں اس کے لئے کوئی ایسا کردار مجھے بتایا جائے۔ جو میرے کام آسکے تو اس میں تمہارا نام نکل آیا۔

پھر میں نے سوچا کہ تم مجھے کہاں ملو گے تو میرے گیان نے مجھے بتایا کہ اس لمحے تم تھانے میں ہو۔ اور مشکل کا شکار ہو۔ میں نے تمہاری مشکل کا پتہ لگایا۔ اور آخر کار میں وہاں پہنچ گئی۔ اور تمہیں ان کے چنگل سے نکال لائی۔"

"کیا آپ کو یہ بات معلوم ہے۔ پورن! کہ میں پاکستانی جاسوس نہیں ہوں۔"

"ہاں..... میں جانتی ہوں۔"

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں یہاں کیسے آپھنسا۔؟"

"نہیں..... یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"کیا آپ نے معلوم نہیں کیا؟"

"کیا تھا..... پر ایک بات کہوں۔؟" تم بھی لال چادر میں لپٹے ہوئے ہو۔"

"لال..... چادر؟" نعمت علی نے سوال کیا۔

"ہاں۔ ہمارے گیان میں کچھ باتیں ایسی ہیں۔ جن کے بیچ ہم دخل نہیں دے سکتے۔ بھانا جی مہاراج نے مجھے بتایا ہے کہ اگر کوئی تمہیں لال چادر میں لپٹا ہوا آئے تو اس کی گہرائیوں میں جانے کی کوشش مت کرو۔ ہاں..... اگر تمہیں اس سے کوئی کام ہے۔ تو دوستوں کی طرح سیوا کر کے اس سے اپنا کام نکالو۔"

"مم..... مگر..... م..... میں..... تو اس لال چادر کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"پتہ نہیں۔ یہاں میں یہ نہیں کہہ سکتی۔ کہ تمہارے من میں جھانک کر میں سچ اور جھوٹ کا پتہ چلا سکوں۔" نعمت علی کے دل میں اچانک ہی یہ خیال آیا کہ ممکن ہے یہ لال چادر اس کی اپنی ذات سے تعلق رکھتی ہو۔ اور اس کا تعلق خیر الدین خیری سے ہو۔ جس نے اسے بھی تھوڑی بہت قوتوں میں لپیٹ دیا ہے۔ کیونکہ وہ ایک آدمی نہیں تھا۔ بلکہ ایک عالم تھا۔

ایک لمحے کے لئے یہ بات اس نے سوچی۔ پھر چونک کر پورن وتی کی طرف دیکھا کہ کہیں وہ اس کے ذہن کو پڑھ تو نہیں رہی۔

"کوشش کر رہی تھی۔ مگر جب میں نے تمہارے من میں جھانکا۔ تو مجھے لالی، ہی لالی نظر آئی۔ اس لئے اپنی اس چادر کے بارے میں سوچ رہے ہو۔" نعمت علی کا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔

بڑی پر اسرار شخصیت ملی تھی اسے۔ پورن وتی اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"چلو آؤ..... ایک معاہدہ کریں۔"

"کیا.....؟" نعمت علی نے سوال کیا۔

"اگر تمہارے پاس۔ لال چٹنی ہے۔ تو تم اسے مجھ پر استعمال نہیں کرو گے۔ اور میں تمہارے من کی

بھانپنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ سیدھے سیدھے باتیں کرتے ہیں ہم لوگ۔"

"آپ کہہ لیجئے پورن، پر میں آپ کو سچ بتاؤں میرے پاس کوئی شکتی نہیں ہے۔ سیدھا سادھا سا آدمی ہوں۔ ہاں! کسی چکر میں پڑ کر پاکستان سے ہندوستان چلا آیا تھا۔ میرا ایک ساتھی تھا۔ جو یہاں آکر مجھ سے بچھڑ گیا ہے۔ یوں سمجھ لو پورن کہ وہی سب کچھ تھا۔ میں تو بس اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اور کچھ نہیں....."

"تم سچ کہہ رہے ہو۔ ایک بات اور کہوں۔ میرے سامنے جھوٹ بولنے والے کی آنکھوں کا رنگ گہرا نیلا ہو جاتا ہے۔ اور جو سچ بولتا ہے۔ اس کی آنکھیں سفید ہی رہتی ہیں۔ میں نے وعدے کے مطابق تمہارے من میں نہیں جھانکا۔ لیکن تمہاری آنکھوں میں ضرور دیکھتی رہی ہوں۔ اور تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ سچ کہہ رہے ہو۔ جو کوئی بھی تمہارے ساتھ تھا۔ میں اس کے بارے میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔ کیونکہ وہی لال شکتی والا تھا۔ وہ کہاں گم ہو گیا یہ بھی بھگوان ہی جانے۔ خیر..... تو میں تم سے کہہ رہی تھی کہ میرے گیان نے مجھے تمہارا نام بتایا۔ اور میں تمہیں تلاش کرتی ہوئی تھانے پہنچ گئی۔ اور وہاں سے یہاں لے آئی۔

اصل میں نعمت علی۔ تنہائی میں میں تمہیں نعمت علی کے نام سے ہی پکاروں گی۔ کیونکہ مجھے تمہاری ہی ضرورت تھی۔ ایک مسلمان کی۔" نعمت علی کو گزرا ہوا وقت یاد آ گیا۔

جادوگروں کی سرزمین ہندوستان پر اسرار قوتوں کا مرکز یہاں تو قدم قدم پر ایسی ہی شخصیتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ بالکل ایسے ہی کردار سے وہ کچھ عرصے پہلے خیر الدین خیری کی معیت میں نمٹ چکا تھا۔ اور اس نے کچھ لوگوں کو مشکلات سے نجات دلائی تھی۔ پورن وتی بھی تقریباً ویسی ہی تھی۔ لیکن اب صورتحال بالکل مختلف تھی۔ کیونکہ خیر الدین خیری اس کے ساتھ نہیں تھا۔ یہاں تک اس سرخ قوت کے بارے میں پورن وتی نے بتایا تھا۔ اس سے پہلے نہ تو نعمت علی کو اس کا کوئی تجربہ ہوا تھا۔ اور نہ اسے اس بارے میں معلوم تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ خیر الدین خیری نے اسے اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ لیکن یہ تو خوشی کی بات تھی کہ خیر الدین خیری کی کوئی قوت اس کے پاس موجود ہے۔ یعنی اگر کوئی اس بات کو جاننے کی کوشش کرے کہ وہ کس طرح پاکستان سے ہندوستان آیا۔ اور یہاں کیسے کیسے مسائل میں گرفتار ہوا۔ تو کوئی جان نہیں سکے گا۔ اس بات نے اسے بڑا سکون بخشا تھا۔ اب اسے اپنی ذہانت سے کام لے کر پورن وتی سے فائدہ اٹھانا تھا۔

چنانچہ اس نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے بتایئے..... میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں۔"

"ہاں۔ وہی سوچ رہی ہوں۔ دیکھو! ہم گیان شکتی والے لوگ ایک دوسرے سے ٹکراتے رہتے ہیں۔ ہمارے پاس کالی طاقتیں بھی ہوتی ہیں۔ اور روشنی والی قوتیں بھی۔ میں کالی شکتی کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ جو میرے لئے بہت زیادہ ہے۔ اور تمہیں ایک بات بتاؤں کہ بھانا سیوک ہونے کی وجہ سے میرے گرو۔ بھانا جی مہاراج میری حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ ورنہ وہ پاپی اب تک مجھے کھا چکا ہوتا۔"

"کون پاپی؟" نعمت علی نے سوال کیا۔ تو اچانک ہی پورن وتی کی آنکھوں کا رنگ بدلنے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک دانت پیستی رہی۔ اور اس کے بعد آہستہ سے بولی۔

"پرمیت سنگھ، راجہ پرمیت سنگھ، یہ نام نعمت علی کے لئے اجنبی تھا۔ اس نے کہا۔

"کون ہے یہ راجہ! پرمیت سنگھ۔؟"

"بڑا ہی پاپی ہے۔ کالے جادو کا ماہر۔ سنسار میں نجانے کیسے کیسے نقصان پہنچا چکا ہے، بہت ظالم ہے۔ پر بڑا دھرماتما بنا ہوا ہے۔ یہ میں ہی جانتی ہوں کہ وہ اندر سے کیا ہے؟"

"ہوں۔ تو پھر؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں تمہیں بتا رہی ہوں۔ وہ خود تو جو کچھ بھی ہے۔ سو ہے ہی۔ مگر ایک اس کا مددگار بھی ہے۔ جس نے اسے صحیح معنوں میں کالی شکتی دی ہوئی ہے۔ اصل مسئلہ اس مددگار کا ہے۔ وہ مددگار اسے ہر طرح کی طاقتیں دیتا ہے۔ اور وہ اسی کے بل پر جو کچھ کرتا ہے۔ سو کرتا ہے۔ وہ مددگار اس کا گرو ہے۔ اور کون جانے وہ شیطان ہی ہو۔ بس کالی شکتی اس کے ذریعے پرمیت سنگھ کو پہنچتی ہے۔"

"پرمیت سنگھ ہے کہاں؟"

"ریاست "الور" میں۔ تم نے اس ریاست کا نام سنا ہوگا۔"

"ہاں۔ شاید کبھی میرے کانوں سے گزرا تو ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اصل میں، میں تمہیں یہ بتانا چاہتی تھی۔ کہ تم نے جس طرح ان بچوں کو بچایا ہے۔ اس میں تمہارے ایمان کی شکتی شامل تھی۔ اور ایمان کی وہ شکتی صرف تمہارے ہی پاس ہے۔ کیوں کہ اس کا تعلق تمہارے دین دھرم سے ہے۔" ایک بار پھر نعمت علی چکرا کر رہ گیا تھا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ پہاڑی پر اس نے گوٹلا کے چنگل سے ان بچوں کو بچانے کے لئے۔ کلام پاک کی ایک آیت پڑھی تھی۔ جو اسے بچپن سے یاد تھی۔ اور اس آیت ہی کی وجہ سے اسے گوٹلا پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ اور وہ معصوم بچے بچ گئے تھے۔ اس نے کہا۔

"تو پھر..... پورن؟"

"ایک اور بات تم سے کہوں۔؟" میرے پاس اتنی ہی شکتی ہے۔ پر میں تمہیں اپنے کام کیلئے مجبور نہیں کر سکتی، ہاں۔ اگر تم میرا ساتھی بن جاؤ۔ تو میں تم سے پوچھوں گی کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میں تمہارا وہ کام کر دوں گی۔ اور میری ایک اور پیشکش سن لو۔ تم اگر پاکستان جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں پوری عزت آبرو کے ساتھ پاکستان کی سرحد پار کرا سکتی ہوں۔ سرکاری طور پر بھی کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور اگر تم سرحد پار ویسے جانا چاہو گے۔ تو کوئی بھی تمہیں نہیں روک سکتا۔ سمجھ رہے ناں تم۔؟ لیکن میں یہ اس وقت کروں گی۔ جب تم میرا کام کر دو گے۔" نعمت علی اسے یہ تو نہیں بتا سکا۔ کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ لیکن اس نے اپنے طور پر دل میں یہ سوچا کہ ذرا سا وقت گزرے گا تو پورن وتی سے ہی یہ پوچھے گا۔ کہ کیا وہ اسے اس کے ساتھی کی تلاش میں مدد دے سکتی ہے۔ لیکن مسئلہ تو یہ تھا کہ خیر الدین خیری بیچارہ کہیں گم نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی روح ایک شیطان کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔

پھر اس کے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ ممکن ہے۔ یہ جادوگر عورت اسے ایسی کوئی ترکیب بتا سکے جس سے خیر الدین خیری کی روح کو آزاد کرایا جا سکے۔ بہتر یہ ہے کہ پورن وتی سے تعاون کیا جائے۔ اس وقت پورن وتی۔ گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ اس نے نہ تو اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔ اور نہ ہی اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش۔ وہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

نعمت علی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتی ہو پورن! کہ اگر تم مجھے راجہ پرمیت سنگھ کے مقابلے پر بھیجو گی تو میں اس میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"بس یہ خیال میرے من میں ہے۔ بلکہ مجھے اس کیلئے ہوشیار بھی کیا گیا ہے۔ کہ اگر تم دل سے میری معاونت کیلئے تیار ہو جاؤ۔ تو میرا کام بن سکتا ہے۔"

"مجھے سوچنے کیلئے کچھ وقت دو گی پورن وتی۔"

"ہاں..... ابھی تو سے ہی سمے ہے۔ تو تم اس کام کا آغاز اماوس کی رات سے کرو گے۔ جب کالی شکتیاں پھیلائے ہر طرف ناچتی پھرتی ہیں۔ اس سے تمہیں ان کے بیچ سے گزرنا ہوگا۔ اور تبھی میں تمہیں راجہ پرمیت سنگھ کی راجدھانی الور پہنچانے کی کوشش کروں گی۔"

"راجدھانی..... تو کیا وہ سچ مچ وہاں کا راجہ ہے؟"

"ارے نہیں۔ ریاستیں..... اب ریاستیں کہاں رہی ہیں۔ پر اس کے پرکھے راجہ تھے۔ اور انہوں نے لوگوں پر خوب ظلم کیے ہیں۔ اور اب وہ راجہ جیسا بنا ہوا ہے۔ حکومت میں بھی اس کی بات ہے اصل میں حکومت میں ان سب کی بات ہوتی ہے۔ جن کے پاس کوئی شکتی

ہوتی ہے۔ راجہ پرمیت سنگھ، مجھ سے میری شکتی چھین لینا چاہتا ہے۔ اور میں اس سے اس کی۔ پر میں نیک ارادوں سے اسے نیچا دکھانا چاہتی ہوں۔ جبکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ اس نے کھیل ہی نیارے کئے ہوئے ہیں۔ وہ بہت ظالم ہے۔ اور دھرماتما بنا ہوا ہے۔ اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے تو تمہیں پتہ چلے گا۔ میں یہ سب باتیں تمہیں اس لئے بتا رہی ہوں کہ اگر تم میرے کام کیلئے تیار ہو جاؤ۔ تو یہ صرف میرا کام ہی نہیں ہوگا۔ بلکہ نیک کام ہوگا۔ ابھی تم نے مجھ سے سمے مانگا ہے۔ میں خود بھی تمہیں کہہ چکی ہوں کہ چاند ڈوبنے میں ابھی بہت دن باقی ہیں۔ تم کوئی صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے پورن۔ میں ایسا ہی کروں گا۔"

"اور میں تمہیں بتاؤں۔ میں بار بار تمہارے سامنے نہیں آؤں گی۔ بات یہ ہے کہ میں بھی انسان ہوں۔ میرے من میں بھی انسانی کھوٹ ہے۔ تم بہت سندر ہو۔ دھوتی اور کرتے میں تم راجکمار لگ رہے ہو۔ ہو سکتا ہے میرے من میں تمہارے لئے کبھی کوئی برائی آ جائے۔ اگر کوئی ایسی برائی میرے من میں آئی تو تم میرے کسی کام کے نہیں رہو گے۔"

"اوہ..... ٹھیک ہے۔"

"پرشانتی تمہاری پوری پوری دیکھ بھال کرے گی۔ اور تمہیں ہر طرح کی آسانیاں دے گی۔ تم اس سے من کی ہر بات کہہ سکتے ہو۔ وہ میرے بھروسے کی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ پورن۔"

"دیکھو..... موسم کتنا اچھا ہے۔ اس سندر موسم میں ایک سندر شہزادہ میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ حالانکہ میں بارش کی دیوانی ہوں۔ پر یقین کرو۔ من میں کھوٹ آ رہی ہے۔ تمہارے لئے۔ تم اگر چاہو تو چلے جاؤ۔ یا پھر اس موسم میں رکنا چاہتے ہو۔ تو رکو۔ میں جا رہی ہوں۔ لیکن ٹھہرو..... میں ہی جا رہی ہوں۔ مجھے جانے دو میں شانتی کا رس پیوں گی۔ تاکہ مجھے سکون مل جائے۔" وہ کچھ لمحے بنے بغیر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس نے نعمت علی کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ پھر آنکھیں بند کئے کئے ہی واپس مڑ گئی۔

نعمت علی اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ اس کے اندر عورت جاگ رہی تھی۔ اور وہ اس عورت کو قابو نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ واپس پلٹی۔ سفید ساڑی اب اس کے پورے بدن سے چپک گئی تھی۔ اور تھوڑی دور نکلنے کے بعد یوں لگا۔ جیسے وہ ساڑی بھی اس کے بدن پر نہ ہو۔ نعمت علی اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

اچانک ہی کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ اچھل کر پیچھے دیکھنے لگا۔ لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے حلق سے ڈری ڈری آواز نکلی۔

"کک..... کون ہے؟ کون ہے؟" لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے پلٹ کر پورن وتی کو دیکھا۔ تو اس کا وہاں کوئی وجود نہیں تھا۔ جبکہ اتنی دیر میں وہ کسی بھی طرح حویلی کے اس دروازے تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ جہاں سے اندر داخل ہوا جا سکے۔ نعمت علی ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

ان تمام حالات نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی اسے اس طرح کے واقعات پیش آ چکے تھے۔ لیکن پراسرار واقعات کا نیا نیا سلسلہ ہر بار منفرد ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ وہیں کھڑا بارش کی بوندوں میں بھیگتا رہا۔ یہ بوندیں اسے بھی اس وقت اچھی لگ رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی اس کے دل میں ایک پرسوز احساس جاگا۔ یہ وشالی کا احساس تھا اور اس کے منہ سے ایک مدھم سی آواز نکلی۔

"وشالی! تو نے مجھے زندگی کی اس مشکل سے روشناس کرایا ہے۔ جس میں کبھی نہیں پڑا تھا میں۔ تو مجھے بہت یاد آتی ہے۔ کون ہے کہاں ہے۔ میں نہیں جانتا۔" وہ وہاں سے واپس چل پڑا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اپنی رہائش گاہ کے اندر داخل ہو گیا۔

مہمان خانے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ ہاں شانتی اس کے کمرے کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۔اس نے مسکراتے ہوئے نعمت علی کو دیکھا۔اور بولی۔

"مل آئے رانی جی! سے؟"

"ہاں....."

"بھیگ گئے ہو پورے کے پورے۔"

"کپڑے بدل لوں گا۔"

"ہاں.....میں نے دوسرے کپڑے رکھ دیئے ہیں۔تولیہ بھی وہیں ہے، میرے لئے اگر کوئی سیوا ہو تو مجھے بتاؤ۔" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ نعمت علی نے اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹالیں۔اور کمرے میں داخل ہوگیا۔اس نے شانتی کا چہرہ نہیں دیکھا۔جو پرسوز آگ سے سلگ رہا تھا۔اندر داخل ہوکر اس نے لباس تبدیل کیا۔اب اسے دھوتی باندھنا بھی آ گیا تھا۔نیا کرتا اور دھوتی پہن کر وہ سیڑھی پر جا بیٹھا۔ اور سیڑھی پر پاؤں لٹکائے لٹکائے پورن وتی سے اس ملاقات کے بارے میں سوچنے لگا۔بڑی انوکھی لیکن دلچسپ کہانی اس کے سامنے آئی تھی۔راجہ پرمیت سنگھ۔ ایک نیا نام جس کے بارے میں پورن وتی نے بتایا تھا کہ "بڑا ظالم آدمی ہے۔کالے جادو کا ماہر ہے۔"

دیکھیں تو سہی یہ سب کچھ کیا ہے؟ ویسے حقیقت یہ ہے کہ پورن وتی نے بھی نعمت علی کے دل پر ایک عجیب سا نقش چھوڑا تھا۔اگر استاد محترم ساتھ ہوتے تو ان سے اس بارے میں معلومات حاصل کی جاتی۔خیر الدین خیری کا خیال بھی ایکدم اس کے دل میں آیا۔اور اسے یوں لگا جیسے اس کی کوئی بہت ہی عزیز ہستی اس سے رخصت ہوگئی ہو۔اچانک ہی شانتی نے کمرے میں جھانک کر کہا۔

"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔؟" شنکر مہاراج"

"نہیں۔تم جاکر۔آرام کرو۔میں بھی آرام کرنا چاہتا ہوں۔" نعمت علی نے بے رخی سے کہا۔اور اس نے شانتی کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر دیکھا۔وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی واپس مڑ گئی تھی۔

دروازہ اس نے خود ہی بند کر دیا تھا۔

نعمت علی کچھ دیر سوچتا رہا۔پھر اس کے بعد مسہری پر لیٹ گیا۔نجانے کب اسے نیند آ گئی تھی۔ عجیب عجیب خواب نظر آتے رہے تھے۔مدد علی اور آسیہ بیگم کو بھی خواب میں دیکھا۔وہ دونوں مطمئن تھے۔اور پرسکون وقت گزار رہے تھے۔ان کے اپنے مسائل تو حل ہو ہی چکے تھے۔صبح تک وہ خوابوں میں گھرا رہا۔دوسرا دن معمول کے مطابق تھا۔شانتی اسے ہر چیز دے رہی تھی۔لیکن شام کو کچھ عجب واقعات پیش آئے۔اس کے کمرے کی ایک کھڑکی پائیں باغ کی جانب کھلتی تھی۔اور اگر کھڑکی کھول دی جاتی تو اس میں سے پھولوں کی خوشبو کے ایسے جھونکے آتے۔کہ سارا کمرہ معطر ہو جاتا۔

رات کے کوئی ساڑھے گیارہ پونے بارہ بجے تھے۔تمام کاموں سے فراغت ہوگئی تھی۔پورن وتی اس سے روزانہ ملاقات نہیں کرتی تھی۔بس جب بھی کبھی ملنا چاہتی اسے اطلاع بھجوا دیتی تھی۔شانتی ہی اس کی ہر طرح کی دیکھ بھال کرتی تھی۔اتنی رات گئے شانتی بھی آرام کرنے چلی گئی ہوگی۔

نعمت علی کو نیند نہیں آ رہی تھی۔اس نے کھڑکی کے پاس جاکے کھڑکی کھول دی۔کمرے کی روشنی بند تھی۔اس کھڑکی میں سلاخیں وغیرہ نہیں تھیں۔بلکہ اس طرح شیشہ لگے ہوئے تھے کہ اگر دروازے کھول دیئے جاتے تو کھڑکی میں سے آنے جانے کا راستہ ہو جاتا تھا۔اس کے علاوہ کھڑکی سے نیچے کی زمین بھی اتنی گہری نہیں تھی کہ کود کر جانے میں کوئی دقت ہوتی اور اس وقت کھڑکی سے باہر جو منظر نعمت علی نے دیکھا وہ خاصا دلچسپ تھا۔

اس نے دیکھا کہ پورن وتی ایک درخت کے نیچے آسن جمائے بیٹھی ہوئی ہے۔اس نے یوگا کے انداز میں آسن جما رکھا تھا۔اور اس کے دونوں ہاتھ جڑے ہوئے تھے۔آنکھیں بند تھیں۔کافی دیر تک وہ اسی طرح جاپ کرتی رہی۔اس وقت چاند نکلا ہوا تھا۔اور اس کی روشنی پورن وتی پر پڑ رہی تھی۔

پورن وتی درحقیقت اس وقت آکاش کی

اپسرا ہی لگ رہی تھی کافی دیر تک وہ جاپ کرتی رہی۔ اور اس کے بعد اس نے آسن بدلا۔زمین پر دونوں ہاتھ ٹکائے اور دونوں گھٹنوں کے بل عجیب سے انداز میں ہوگئی۔لیکن پھر نعمت علی نے ایک انتہائی حیرت انگیز منظر دیکھا۔

پورن وتی کا بدن چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔چھوٹا، چھوٹا، اور چھوٹا۔اس وقت بھی وہ ایک خاص قسم کی ساڑی باندھے ہوئے تھی لیکن نعمت علی کو یوں لگا جیسے بدن چھوٹا ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کچھ تبدیلیاں بھی رونما ہونے لگی ہوں۔اور پھر نعمت علی نے دنیا کے سب سے حیرت انگیز منظر دیکھا۔

پورن وتی ایک فاختہ کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ خوبصورت فاختہ جو اپنے قد وقامت کے مطابق تھی۔

اچانک ہی اس نے پر پھیلائے اور زمین پر پاؤں ٹکا کر ایک دم فضا میں اڑ گئی۔اس کے بعد نعمت علی نے اسے فاختہ کی شکل میں اڑتے ہوئے دیکھا۔نعمت علی کا سر چکرانے لگا تھا۔اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑ لیا۔

فاختہ تھوڑی دور تک فضاء میں بلند ہوئی۔اور اس کے بعد آہستہ آہستہ بلند ہوتی چلی گئی۔پھر وہ غائب ہوگئی۔نعمت علی حیرت کے مارے منجمد کھڑا رہا۔دفعتاً ہی اس کے دل میں ایک خیال آیا۔جا کر دیکھے تو سہی کہ پورن وتی فاختہ بن کر کہاں گئی۔کیا وہ اپنے کمرے میں ہے؟ کیا یہ صرف اس کا وہم تھا۔یا پھر جو کچھ ہوا ہے وہ حقیقت ہے۔لیکن اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔جب کمرے کے دروازے پر جا کر اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔نعمت علی ایک ٹھنڈی سانس لے کر مسہری پر آ بیٹھا۔یہ انتہائی حیرت ناک منظر اس کے ذہن سے نہ مٹنے والا تھا۔

دوسرے دن پورن وتی غالباً حویلی میں موجود نہیں تھی۔شانتی نے یہ ہی بتایا کہ "دیوی جی! حویلی سے باہر گئی ہوئی ہیں۔"

دوسرا، تیسرا، چوتھا۔اور پھر کئی دن گزر گئے۔اور یہاں تک کہ اماوس کی رات قریب آنے لگی۔اس میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے۔اس دن پورن وتی نے اسے خاص طور سے اپنے پاس بلایا۔اور بڑے مسکراتے ہوئے اسکا خیر مقدم کیا۔

"تمہاری صحت پہلے سے بہت اچھی ہوگئی ہے۔شنکر جی مہاراج! لیکن میرا خیال ہے کہ اب میں تمہیں شنکر جی! کہنے کے بجائے وکرم راج کہا کروں گی۔"

"وکرم راج.....؟" نعمت علی نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں۔" یہ تمہارا نیا نام ہے۔"

"مگر کیوں؟ میرا اصل نام تو تمہیں معلوم ہے۔"

"تمہارا دوسرا نام شنکر تھا۔تھا ناں۔؟"

"ہاں۔"

"لیکن اب تم وکرم راج ہو۔اور تمہارا تعلق ریاست کرما گڑھی سے ہے۔جسے تم بہت عرصے پہلے چھوڑ چکے ہو۔" سمجھ رہے ہو ناں تم۔اب سے آ گیا ہے وکرم راج کہ تم راجہ پرمیت سنگھ کے پاس چلے جاؤ۔ تمہیں الور جانا ہوگا۔ایک آوارہ گرد سیاح کی حیثیت سے۔میں تمہیں اور بہت ساری تفصیلات بتاؤں گی۔ راجہ پرمیت سنگھ گھوڑوں کا رسیا ہے۔اس کے اصطبل میں ایک سو دو گھوڑے ہیں۔بے شمار گھوڑوں کا تعلق مشرق وسطیٰ سے ہے۔اس نے بھاری بھاری قیمتوں پر یہ گھوڑے خریدے ہیں۔ان گھوڑوں کی دیکھ بھال کیلئے چوبیس بندے ہیں۔جو سب کے سب ماہرین فن ہیں اس کی بہن کرنا وتی، بھی گھوڑوں کی رسیا ہے۔اور اپنے آپ کو بہت بڑا گھڑ سوار سمجھتی ہے۔دونوں بہن بھائی گھوڑوں کے دیوانے ہیں۔اکثر دہلی، اور بمبئی میں ان کے گھوڑے ریس میں شریک ہوتے ہیں۔اور اس طرح وہ پورے ہندوستان میں مشہور ہے۔میں تمہیں خاص طور سے یہ بتانا چاہتی ہوں۔کہ تمہیں ان تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ایک ماہر گھوڑ سوار کا کردار ادا کرنا ہوگا۔اس سے تمہیں یہ آسانی ہو جائے گی کہ وہ خود تمہیں اپنے قریب رہنے کی دعوت دیں گے۔" نعمت علی نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعجب سے پورن وتی کو دیکھا اور بولا۔

"لیکن مجھے تو گھوڑ سواری نہیں آتی۔"

"مجھے تو آتی ہے۔" پورن وتی مسکرا کر بولی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں گھوڑ سواری سکھا دوں گی"

"اتنے مختصر سے وقت میں۔"

"چند لمحوں کے اندر اندر اس بات کی تم بالکل چنتا مت کرو۔ یہ تمہارا نہیں میرا کام ہے۔"

"ٹھیک ہے" نعمت علی نے اس بات کو دل سے تسلیم کیا کہ جو عورت فاختہ بن کر اڑ سکتی ہے۔ جو آسانی سے ذہنوں کو پڑھ کر دلوں کا حال جان لیتی ہے اس کے لئے یہ کام مشکل نہیں ہوگا۔ پھر پورن وتی اسے بہت کچھ بتانے لگی۔ سارا کام چوکس کر دیا تھا اس نے۔ اور اس کے بعد اماوس کی رات کا انتظار کیا جانے لگا۔ جس کے دوسرے دن نعمت علی کو ریاست الور روانہ ہو جانا تھا۔ یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں اور نعمت علی اس چکر میں تھا کہ کسی بھی طرح یہ بات معلوم کرے کہ خیر الدین خیری کی روح کو کس طرح پردھان سنگھ کے قبضے سے آزاد کرائے۔ لیکن ایسے کام جلد بازی میں نہیں ہوتے۔ ان کیلئے وقت کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اور نعمت علی بھی صبر و سکون کے ساتھ اس وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ جب اسے اپنے مطلب کی کوئی ایسی شخصیت ملے جو خیر الدین خیری کی رہائی میں اس کی مددگار ثابت ہو سکے۔

اماوس کی رات کو پورن وتی کا ڈھنگ ہی نرالا تھا۔ وہ بالکل دیویوں جیسا لباس پہنے ہوئے تھی۔ گلے میں مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہاتھ میں ترشول تھا۔ اور اسی درخت کے پاس اس نے نعمت علی کو بلایا تھا۔

رات گہری تاریک تھی۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور اس وقت ساری چیزیں ایک ہیولے کی شکل میں نظر آ رہی تھیں۔ لیکن پورن وتی کی آنکھیں بلی کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ان آنکھوں سے نیلی شعاعیں خارج ہو رہی تھیں۔ اور پورن وتی کا حسین چہرہ اس وقت انتہائی بھیانک نظر آ رہا تھا۔ اس نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور اس کے بعد نعمت علی پر پھونک ماری اور نعمت علی کو یوں لگا جیسے گہرے زرد رنگ کا ایک غبار اس کے بدن سے آ کر لپٹ گیا ہو اور وہ غبار آہستہ آہستہ اس کے بدن میں پیوست ہوتا جا رہا تھا۔

یہاں تک کہ وہ غبار نعمت علی کے بدن میں گم ہو گیا۔ اور نعمت علی اپنے آپ کو تھوڑا سا بھاری بھاری محسوس کرنے لگا۔ تب پورن وتی نے کہا۔

"اور تجھے اب وہ شکتی مل گئی ہے۔ وکرم راج، جو تجھے راجہ پرمیت سنگھ کے پاس لے جائے گی۔ اور پرمیت سنگھ تیری اصلیت نہیں جان پائے گا۔ لیکن خیال رکھنا اس کے ساتھ کوئی ایسی ہستی منسلک ہے۔ جو نامعلوم ہے۔ تجھے اس نامعلوم ہستی سے ہوشیار رہنا ہوگا۔ پورن وتی اسے آہستہ آہستہ کچھ بتانے لگی۔ اور نعمت علی نے اسے ذہن نشین کر لیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ پھر اس نے پورن وتی سے کہا۔

"ایک بات کہوں۔ تم سے پورن۔؟"

"ہاں....." تیرے اس تخاطب نے ہی مجھے سرشار کر دیا ہے۔ بول؟ کیا کہتا ہے؟"

"میری ایک مشکل ہے جسے تم جانتی ہو گی۔"

"ہاں۔ لیکن تو نے مجھے اس کے بارے میں کبھی نہیں بتایا۔ اور میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں۔ کہ میں تیرے من کے اندر جھانک کر بھی اس مشکل کو تلاش نہیں کر سکتی۔"

"اگر میں اس کام میں کامیاب ہو جاؤں تو کیا تم اس مشکل میں میری مدد کرو گی۔"

"بھگوان کی سوگندھ کروں گی۔ اگر تو ذرا بھی مجھے بتا دیتا تو میں دل و جان سے کوشش کرتی۔"

"پہلے میں تمہارا کام کر دوں۔ اسکے بعد تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔"

"میرا وعدہ ہے تجھ سے۔" پورن وتی نے کہا۔

کافی دیر تک وہ مختلف قسم کے عمل کرتی رہی۔ اور بار بار نعمت علی کو انوکھے معاملات سے دوچار ہونا پڑا۔

اس کے بعد وہ اپنے اندر ایک عجیب سا ہلکا پن محسوس کرنے لگا تھا۔

اور اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ انتہائی پھرتیلا اور طاقتور ہو۔ اسے اپنے بدن کی توانائی میں ہزار گنا زیادہ اضافہ محسوس ہوا تھا۔ اور یہ باتیں اس کے لئے کافی خوش آئند تھیں۔ یہاں تک کہ صبح کا ستارہ نمودار ہوا تو پورن وتی نے کہا۔

"جا اب جا کر سو جا۔ دوپہر تک سوتا رہ۔ تجھے ٹرین سے سفر کرنا ہے۔ میں اس کا انتظام کر دوں گی۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ تھوڑا سا ناشتا کرنے کے بعد نعمت علی گہری نیند سو گیا تھا۔ پھر بارہ بجے کے قریب شانتی نے ہی اسے جگایا تھا۔ شانتی اداس نظر آ رہی تھی۔

"آپ کی سب چیزیں تیار ہیں مہاراج۔ آپ کو تھوڑی دیر کے بعد چلے جانا ہے۔ باہر گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔ ڈرائیور آپ کو اسٹیشن تک لے جائے گا۔"

شانتی کے لہجے کی اداسی نعمت علی اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ لیکن ساری باتیں فضول تھیں۔ جو اس کے دل میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کا تو کوئی پتہ ہی نہیں تھا۔ اور نعمت علی کو امید بھی نہیں تھی کہ وہ دوبارہ کبھی اس کے پاس آ سکے گی۔ یہ ایک احمقانہ قسم کا پیار تھا۔ جو اس کے دل میں جاگ اٹھا تھا۔

بہر حال پورن وتی اس کے بعد اس کے پاس نہیں آئی۔ یہاں تک کہ شانتی نے آ کر کہا۔ "تمام کام تیار ہو چکے ہیں۔ گاڑی کا وقت بھی ہونے والا ہے۔ ڈرائیور آنے والا ہے۔" نعمت علی اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ جو ایک بے پناہ خوبصورت اور جدید کٹ بیگ میں تھا۔ باہر نکل آیا۔ اور اس کے بعد وہ اس گاڑی تک پہنچ گیا۔ جو بہت قیمتی اور شاندار گاڑی تھی۔

اس ڈرائیور کو بھی وہ پہلے کئی بار دیکھ چکا تھا۔ ڈرائیور نے اس کیلئے دروازہ کھول دیا۔ اور نعمت علی اندر بیٹھ گیا۔ تمام انتظامات کر دیئے گئے تھے۔ اسٹیشن پہنچنے کے بعد ڈرائیور نے نعمت علی کے ٹکٹ اس کے حوالے کر دیئے۔ اور اسے مختصر سی باتیں بتائیں۔ ایک قلی نے اسے ٹرین کے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں پہنچا دیا۔ اور نعمت علی کی زندگی کے نئے سفر کا آغاز ہو گیا۔

اب اس کے پاس بے پناہ سوچوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ کتنے کردار آئے تھے اس کی زندگی میں۔ کتنے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ ہندوستان آتے ہوئے بہت سے احساسات دل میں تھے۔ ہندوستان کی زندگی بے پناہ خوبصورت ہوتی اگر خیر الدین خیری کے ساتھ وہ حادثہ نہ پیش آ جاتا۔ اس نے ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ آواز دی۔

"استاد محترم.....استاد محترم۔! آپ نے تو کہا تھا کہ جب بھی میں آپ کو استاد محترم کہہ کر آواز دوں گا۔ آپ پاتال میں بھی ہوں گے تو میرے پاس آ جائیں گے۔ کہاں ہیں استاد محترم۔ کہاں ہیں؟"

لیکن خیر الدین خیری کی آواز نہیں سنائی دی۔

وقت گزرتا رہا۔ نعمت علی کا سفر جاری رہا۔ پھر اس نے ٹرین کے شیشے سے باہر دیکھا۔ رات برق رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ سفر کرتے ہوئے سارا دن ہی گزر گیا تھا۔ ٹرین کے باہر کا ماحول بہت عجیب تھا۔ ہندوستان کی سرسبز و شاداب سرزمین نگاہوں کے سامنے تھی۔ لیکن اس وقت پھر اس کے دل میں وشالی کا خیال آ گیا تھا۔ اس کی آرزو ہوئی کہ وشالی اسے ٹرین کے ساتھ ساتھ دوڑتی ہوئی نظر آئے۔ وہ آنکھیں پھاڑتا رہا۔ لیکن اب وشالی کا وجود اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"سب ہی ساتھ چھوڑ گئے۔" اس دوران اس کے ذہن میں اور بھی بہت سے خیالات آتے رہے تھے۔ ریاست "الور" کے بارے میں اسے بتا دیا گیا تھا۔ کہ وہاں تک کا سفر کوئی بارہ گھنٹے کا ہے اسے آرام سے وقت ملے گا۔ بہر حال یہ بارہ گھنٹے رات کو کوئی ساڑھے تین بجے پورے ہوئے تھے۔ ساڑھے تین بجے ٹرین الور کے اسٹیشن پر رکی۔

سرخ پتھروں کے پہاڑ چاروں طرف کھڑے تھے۔ ماحول بہت خوشگوار محسوس ہو رہا تھا۔ ان علاقوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں گرمی کی شدت ہوتی ہوگی۔ لیکن یہ موسم بہت خوشگوار موسم تھا۔ پہاڑیاں ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ ''الور'' کا اسٹیشن بھی جدید ترین بنا ہوا تھا۔

ٹرین کو یہاں آدھے گھنٹے رکنا تھا۔ وہ اطمینان سے نیچے اتر گیا۔ ہاتھ میں خوبصورت سا سوٹ کیس تھا۔ جس میں اس کے لباس وغیرہ موجود تھے۔ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا وہ اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ ریاست ''الور'' کا نام اس نے بہت پہلے سنا تھا۔ راجپوتانہ کے علاقے میں یہ ریاست تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ ریاست اس قدر جدید ہوگی۔ ویسے تو ہندوستان کے تمام ہی شہر موجودہ وقت کے لحاظ سے بے مثال ہو چکے تھے۔

یہ ریاست بھی کافی خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ باہر نکلا تو ٹیکسی ڈرائیوروں نے اسے گھیر لیا۔

''سر جی! کہاں۔؟'' ''سر کہاں جانا ہے؟'' آخر کار ایک ٹیکسی ڈرائیور سے بات چیت ہوگئی اور اس ڈرائیور نے اسے ہوٹل دیو داس پہنچا دیا۔ بس یہاں تک ہی کی بات تھی۔ دیو داس کافی اچھا ہوٹل تھا۔ اسے وکرم راج کے نام سے ایک کمرہ کرائے پر حاصل ہوگیا۔ اور وہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ اس میں مقیم ہوگیا۔ اب ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا جس طرح ایک خاص مقصد کے تحت رانی پورن وتی نے اسے یہاں بھیجا تھا۔ اس طرح وہ اپنے کردار کو یہاں پوری طرح نبھالے۔ اب اس نے دوسری بہت سی باتیں سوچنا چھوڑ دی تھیں۔ شام تک ہوٹل دیو داس کے اس بڑے کمرے میں رہا۔ جہاں اسے زندگی کی تمام آسائشیں حاصل تھیں۔ جبکہ یہاں ہر طرح کے گوشت کا استعمال باقاعدگی سے ہوتا تھا۔ ہندو ہوٹل تھا۔ زیادہ تر ہندو ہی نظر آ رہے تھے۔ لیکن ڈائننگ ٹیبلوں پر ہر طرح کے کھانے موجود تھے۔

خاص روایت شکنی تھی یہاں۔ واقعی اسے پہلی بار کسی ہوٹل کا سابقہ پڑا تھا۔ سبزی، ترکاری البتہ یہاں کی کافی عمدہ تھی۔ شام کو وہ باہر نکلا ریاست کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے اس نے ایک ویٹر کا سہارا لیا۔ جس کا نام دین دیال تھا۔ دین دیال نے اسے الور، کے بارے میں ساری تفصیلات بتائیں۔ اور انہی تفصیلات میں راجہ پرمیت سنگھ کے ہارس شو کا بھی تذکرہ تھا۔ یہ ہارس شو پانچ دن کے بعد ایک خاص علاقے میں ہونا تھا۔

یہ دن تو اس نے یہاں پرسکون گزارہ۔

لیکن دوسرے دن دین دیال جس سے اس نے اچھی خاصی دوستی کر لی تھی۔ کے ذریعے ایک ٹیکسی منگوائی اور اس ٹیکسی میں اس نے چھوٹے سے لیکن بہت خوبصورت شہر کی قابل دید جگہوں کا نظارہ کیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو بھی اس نے پورے دن کیلئے مخصوص کر لیا تھا۔ پر ٹیکسی ڈرائیور نے اسے وہ جگہ بھی دکھائی۔ جہاں راجہ پرمیت سنگھ کا ہارس شو ہوا کرتا تھا۔

''راجہ صاحب بڑے دھرماتما ہیں۔ صاحب جی! بس یوں سمجھ لیجیے ایک انوکھے سادھو ہیں وہ..... سادھوؤں کو عام طور سے پوجا پاٹ سے فرصت نہیں ہوتی۔ وہ پوجا پاٹ بھی کرتے ہیں۔ لیکن گھوڑے ان کا جیون ہیں۔''

''وہ رہتے کہاں ہیں۔؟''

''صاحب جی! آپ پہلے کبھی الور نہیں آئے۔؟''

''نہیں..... پہلی بار آیا ہوں۔''

''میں آپ کو ان کا محل دکھاتا ہوں۔''

سچ مچ محل ہی تھا۔ ویسے پورن وتی نے اسے بتایا تھا کہ ''راجہ پرمیت سنگھ کے پرکھے سچ مچ راجہ تھے۔'' یہ محل بھی اسی دور کا تھا۔ لیکن راجہ پرمیت سنگھ نے اس پر رنگ و روغن کرا کر اسے نئے وقت کا بنا دیا تھا۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ یہ کوئی قدیم عمارت ہے۔ بہت ہی وسیع و عریض عمارت تھی۔ راجہ اگر چاہتا تو پارس شو یہیں پر کرا سکتا تھا۔ لیکن بہر حال تمام تر معلومات کرنے کے بعد نعمت علی اس ہارس شو کا انتظار کرنے لگا۔

چار دن اس نے الور کی سیر کرتے ہوئے

گزارے تھے۔ اس دوران کوئی ایسا عمل نہیں ہوا تھا۔ جو قابل ذکر ہوتا۔ پورن وتی یا اس کی پراسرار قوتوں نے اس سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ البتہ اپنے اندر جو کیفیتیں وہ محسوس کر رہا تھا۔ وہ ناقابل یقین تھیں۔

اسے بہت زیادہ اعتماد تھا کہ جب وہ ہارس شو، میں اپنے کردار کی ادائیگی کیلئے اترے گا۔ تو اس میں اسے کامیابی حاصل ہوگی۔ اور یہ اعتماد اسے پورن وتی نے ہی بخشا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دن آ گیا۔ جب اسے راجہ پرمیت سنگھ کے ہارس شو میں شرکت کرنی تھی۔ ریاست کے لوگ اس میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ جس کا اظہار اب ہو رہا تھا۔ جو میدان ہارس شو کیلئے مخصوص کیا گیا تھا۔ وہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بس وسیع و عریض جگہ خالی تھی۔ جہاں گھوڑوں کے کمالات دکھائے جاتے تھے۔

کوشش کر کے نعمت علی سب سے آگے کی جگہ بیٹھ گیا۔ اس نے لوگوں سے جگہ مانگ لی تھی۔ جو اسے آسانی سے دے دی گئی تھی۔ ورنہ اس رش میں اتنی جگہ مل جانا ایک مشکل کام تھا۔ لوگ باقاعدہ میلے کی سی حیثیت سے یہاں آ رہے تھے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ ان میں بڑی ماڈرن قسم کی عورتیں بھی تھیں۔ جو بے شک رنگ برنگے لباس پہنے ہوئے تھیں۔ لیکن اچھی خاصی تعلیم یافتہ نظر آ رہی تھیں۔ ان کیلئے ایک الگ جگہ بنائی گئی تھی۔

پھر اناؤنسر نے لاؤڈ اسپیکروں پر راجہ پرمیت سنگھ کی آمد کا اعلان کیا۔ راجہ صاحب کیلئے ایک باقاعدہ انکلوژر بنایا گیا تھا۔ نعمت علی نے دور سے راجہ صاحب کو دیکھا۔ اور ان کے ساتھ چار پانچ خواتین بھی تھیں۔ اور شاید وہ لڑکی بھی جس کا نام کرناوتی بتایا گیا تھا۔

وہ گھوڑ سواری کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ راجہ کے ساتھ ہی اندر آئی تھی۔ اور اس کے بارے میں پتہ چل چکا تھا۔ کہ یہ راجہ پرمیت سنگھ کی بہن ہے۔ کافی خوبصورت لڑکی تھی۔ گہرے گہرے سیاہ بال سبک نقوش چہرے پر جو تمکنت چھائی ہوئی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا۔ کہ کوئی شہزادی ہی ہے۔ اسے دیکھ کر نعمت علی کو اپنی شہزادی یاد آ گئی۔ جو بیچاری صرف ایک روح تھی۔ اور جس کا حصول ناممکنات میں سے تھا۔ پھر مزید اعلانات ہوتے رہے۔ بڑی باقاعدگی تھی۔ اس کے بعد دو بندے بہت ہی خوبصورت گھوڑوں کو پکڑے ہوئے داخل ہوئے اور اس گھوڑے کا تعارف کرایا جانے لگا۔

گھوڑے کی ہسٹری بتائی جا رہی تھی۔ جس نے بمبئی میں دو ڈربی ریس جیتی تھیں۔ ان کے بارے میں یہ بتایا جا رہا تھا کہ یہ گھوڑے ڈربی کیا بلکہ دنیا بھر کی کسی بھی ریس میں دوڑنے کیلئے تیار ہیں۔ ایک ایک کر کے گھوڑے لائے جاتے رہے۔ پھر گہرے براؤن رنگ کا ایک انتہائی خوبصورت گھوڑا۔ جسے چار بندے پکڑے ہوئے تھے۔ اور جس کے تیور خراب تھے۔ لایا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی کرناوتی، اپنی جگہ سے اٹھ کر سیڑھیاں طے کر کے نیچے آنے لگی۔

غالباً یہ ہی وہ گھوڑا تھا۔ جسے رام کرنے کے لئے پورن وتی نے نعمت علی کو تیار کیا تھا۔ گھوڑے کی شان واقعی دیکھنے کے قابل تھی۔ چار آدمی اسے پکڑے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے کافی لمبی لمبی رسیاں باندھی ہوئی تھیں تاکہ انہیں گھوڑے کے قریب نہ آنا پڑے۔ گھوڑا کسی بھی طرح ان کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اناؤنسر نے لاؤڈ اسپیکر پر گھوڑے کا نام شیر دل بتایا۔ اس نے کہا۔ ''شیر دل شہزادی کرناوتی کا گھوڑا ہے۔ اور اس نے آج تک اپنی پیٹھ پر کسی کو سواری نہیں کرنے دی۔ کوئی ماں کا لال کرناوتی کے علاوہ ایسا نہیں ہے۔ پورے راجپوتانہ میں جو شیر دل کی پیٹھ پر سواری کر سکے۔ شیر دل نے اب تک بارہ ریسیں جیتی ہیں۔ اور وہ دنیا کے کئی ملکوں میں دوڑنے کے لئے جا چکا ہے۔'' عقب سے ایک خوب صورت ٹرالی لائی گئی جس پر ایوارڈ سجے ہوئے تھے۔ اناؤنسر نے بتایا کہ ''یہ وہ ایوارڈ ہیں۔ جو شیر دل کو حاصل ہوئے ہیں۔'' بے شمار تعریفیں کرنے کے بعد کرناوتی قریب آ گئی۔ اس نے خدام سے کہا۔ ''شیر دل کی یہ راسیں، کھول دی جائیں۔'' شیر دل کے قریب آ کر اس نے اس کے گلے میں بندھی ہوئی رسی پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ ڈالا اور خاص ذریعے سے پھنسائی ہوئی راسیں، کھل گئیں۔ خادموں نے رسیاں کھینچ دیں۔ شیر دل جو اچھل کود کر رہا تھا۔ وہ ایکدم ختم ہوگئی۔

یہ کرناوتی کی جسمانی قوت سے ممکن نہیں تھا۔ یقینی طور پر کوئی ایسا عمل کیا گیا تھا۔ جس سے شیر دل کرناوتی کے قابو میں آ گیا تھا۔ ورنہ کرناوتی معصوم سی نرم و نازک سی لڑکی، نظر آ رہی تھی۔ البتہ اس کے انداز میں بہت ہی فخر و غرور تھا۔ ظاہر ہے جس حیثیت کی مالک تھی اس میں اپنے آپ کو اس غرور سے بچانا بہت مشکل کام تھا۔ اس نے گھوڑے کی گردن میں بندھی ہوئی رسی پکڑ لی تھی۔ اور پھر وہ گھوڑے کو پورے پنڈال میں گشت کرانے لگی۔ ہر طرف سے تالیاں ابھر رہی تھیں۔ اور کرناوتی کو داد و تحسین دی جا رہی تھی۔ ایسے سرکش گھوڑے کو جسے چار آدمی بھی نہ سنبھال پا رہے تھے۔ اور دہشت سے ان کا برا حال تھا۔ کرناوتی اسے لے کر گھماتی پھر رہی تھی۔ اناؤنسر باقاعدہ اعلان کر رہا تھا۔

"اور یہ اعلان ہر ماہ کیا جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی شیر دل کی پیٹھ پر سواری کر سکے تو اسے بیس لاکھ روپے اور بہت بڑا اعزاز دیا جائے گا۔ راجہ صاحب خود اسے اپنے ہاتھ سے انعام دیں گے۔ یہ بہت بڑا اعزاز جیتنے کیلئے جو بھی چاہے اس کھیل میں شرکت کر سکتا ہے۔" اعلان بار بار دہرایا جاتا رہا۔

اور اب نعمت علی کی کارکردگی کا وقت آ گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔ لوگوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ چاروں طرف سے آوازیں ابھرنے لگیں۔ لوگ شاید نعمت علی کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔ نعمت علی نے ایک مائیک بردار سے مائیک لے کر اس سے کہا۔

"میں اس گھوڑے کو آسانی سے قابو میں کر سکتا ہوں۔" کرناوتی رک گئی۔ اس نے کینہ توز نگاہوں سے نعمت علی کو دیکھا۔ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ اس کی آنکھوں کا جلال بھی قابل دید تھا۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی نعمت علی کے پاس آ گئی۔ اور پھر نعمت علی سے اپنی خوبصورت آواز میں بولی۔

"تم کون ہو نوجوان کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام وکرم راج ہے۔"

"کہاں سے آئے ہو؟" کرناوتی نے پوچھا۔

"آوارہ گرد ہوں۔ کوئی شہر نہیں ہے اب میرا۔ گھومتا پھرتا ہوں۔ پچھلے دنوں دہلی سے آیا ہوں یہاں۔"

"کسی کام سے..... کسی کے مہمان ہو؟"

"ہاں..... ریاست الور کا مہمان ہوں۔ اور کسی کا مہمان نہیں ہوں۔"

"ہم مہمانوں کو نقصان نہیں پہنچنے دیتے۔ اگر تم اسی ریاست کے مہمان ہو۔ تو سمجھ لو ہمارے مہمان ہو۔ تمہیں ایسا کام کرنے سے روکا نہیں جا رہا۔ صرف چیتاونی دی جا رہی ہے۔ بہتر ہے شیر دل سے نہ کھیلو۔ یہ کسی کو معاف نہیں کرتا۔ بات صرف اتنی نہیں ہے کہ تمہیں اپنی پیٹھ سے گرا دے۔ بلکہ تمہیں اپنے سموں سے کچل دے گا۔ جب تک تم زندہ رہو گے یہ تمہیں کچلتا رہے گا۔ یہ اس کی فطرت ہے۔"

"اگر آپ ڈر رہی ہیں کہ میں آپ کے شیر دل کو گیدڑ بنا دوں گا تو یہ دوسری بات ہے۔ ورنہ اس طرح کے گھوڑے میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔" نعمت علی نے کہا۔ اور کرناوتی کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے اس کی راسیں اب تمہارے ہاتھ میں۔" کرناوتی نے کہا۔ نعمت علی کو سچ مچ اس وقت ڈر لگ رہا تھا۔ خیر الدین خبری ہوتا تو وہ اس طرح کے دس گھوڑوں کی پرواہ نہ کرتا۔ لیکن پورن وتی پر پورا بھروسہ تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ کبھی زندگی میں اس کا واسطہ گھوڑے سواری سے نہیں پڑا تھا۔ اور آج وہ امتحان میں پڑ گیا تھا۔

کرناوتی جیسے ہی چند قدم پیچھے ہٹی۔ گھوڑے نے دولتیاں چلائیں۔ اور رخ بدل کر نعمت علی کو لاتیں مارنے کی کوشش کی۔ لیکن اس وقت نعمت علی کو بھرپور طریقے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس

میں اس کی اپنی سوچ اور عقل کا دخل نہیں ہے کوئی پراسرار قوت اسے اس مہارت سے گھوڑے سے بچانے کی طاقت بخش رہی تھی۔

وہ گھوڑے کی پشت سے پیچھے ہٹ گیا۔

اور پلٹ کر سامنے آیا۔ گھوڑا بہت زیادہ اودھم مچا رہا تھا۔ کبھی وہ سیدھا کھڑا ہو جاتا۔ کبھی پاؤں کے بل پر۔ جھک کر دولتیاں مارتا۔ لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔ نعمت علی اس کی راس مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ اور آہستہ آہستہ اس کے چہرے سے اپنا فاصلہ کم کرتا جا رہا تھا۔ وہ اب اپنے آپ میں نہیں رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ گھوڑے کے قریب پہنچ گئے، گھوڑے نے منہ کھول کر اسے کاٹنے کی کوشش کی لیکن اچانک ہی نعمت علی کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ اس نے گھوڑے کی راس کو چہرے کے قریب سے موڑا اور گھوڑے کی گردن مڑتی چلی گئی۔

لوگ ایک دم خاموش ہوگئے تھے۔ گھوڑے کا منہ اوپر کی جانب اٹھ گیا۔ نعمت علی نے اسے ایڑ پر موڑا اور گھوڑا بری طرح ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اس کی گردن ٹیڑھی ہوگئی تھی۔ پھر اچانک ہی وہ زمین پر گر پڑا۔ لوگ اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔ دور بیٹھا ہوا راجہ پرمیت سنگھ حیرت سے آنکھیں پھاڑے نعمت علی اور گھوڑے کی کشمکش دیکھ رہا تھا۔

گھوڑا جیسے ہی نیچے گرا نعمت علی اچھل کر۔ اس کے بائیں سمت آ گیا۔ اس کے بعد اس نے راس ڈھیلی کی تو گھوڑا اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن نعمت علی اب اس پوزیشن میں تھا۔ کہ گھوڑا اٹھا تو وہ اس کی پشت پر ہو۔ اس نے اسی طرح گھوڑے کی کمر پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ اور وہی ہوا۔ راس ڈھیلی ہوئی تو گھوڑا اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن نعمت علی اس کی پشت پر تھا۔ ایک شور برپا ہوگیا تھا۔ گھوڑا اب بھی اچھل کود کر رہا تھا لیکن یوں لگتا تھا۔ جیسے نعمت علی اس کی پشت کا ایک حصہ ہو۔ اس نے گھوڑے کی راس مضبوطی سے پکڑی ہوئی تھی۔

اس کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ لگ یوں رہا تھا۔ جیسے ابھی گھوڑے کی گردن پر سے ہوتا ہوا اس کے سامنے آ گرے گا۔ اور گھوڑا اسے کچل ڈالے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ گھوڑا پورے پنڈال کا چکر لگانے لگا۔ اس نے ہر ممکن کوشش کر لی۔ لیکن نعمت علی کو اپنی جگہ سے اکھاڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اور یہ جانور کی خاصیت ہوتی ہے۔ کہ جب وہ بے بس ہو جاتا ہے۔ تو ہار مان کر اپنے سوار کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔

کئی چکر لگانے کے بعد گھوڑا آخر کار رک گیا۔

تماشائیوں نے تالیاں بجا بجا کر پنڈال سر پر اٹھا لیا تھا۔ لیکن کرناوتی ایک طرف کھڑی ہوئی عجیب ہی نگاہوں سے گھوڑے کو دیکھ رہی تھی۔ گھوڑا اب بالکل سیدھا ہوگیا تھا۔ اور نعمت علی آرام سے اس کی پشت پر بیٹھا ہوا تھا۔ صحیح معنوں میں اس کے ہوش و حواس رخصت تھے۔ اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ جیسے ہی وہ گھوڑے کی پشت سے اترے گا۔ گھوڑا پھر اسے اپنی لاتوں پر رکھ لے گا۔

لیکن بہر حال اترنا تھا۔ تماشائی مسلسل تالیاں بجا رہے تھے۔ اناؤنسر نے اعلان کیا۔

"جے ہنومان، جے بھگوتی، جے درگا دیوی! یہ پہلا جوان ہے۔ جس نے شیر دل کو قابو میں کر لیا ہے اور اب شیر دل کے اندر کوئی ایسی بات نہیں رہی جس پر راجکماری کرناوتی۔ اپنی اجارہ داری دکھا سکیں۔" نعمت علی گھوڑے سے نیچے اتر گیا۔ راس اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن وہ کرناوتی کا عمل نہیں دیکھ سکا تھا۔

کرناوتی کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ گھوڑے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اور پھر اس نے نعمت علی سے کہا۔ "وہ گھوڑے کی راس اس کے ہاتھ میں دے دے۔" نعمت علی گردن خم کر کے پیچھے ہٹ گیا تھا۔

اور اب وہ واپس پبلک کی طرف جا رہا تھا۔ لیکن اچانک ہی دھائیں، دھائیں دھائیں دھائیں کی چار آوازیں مسلسل ابھریں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور گھوڑے کے جسم کے مختلف حصوں سے خون کی دھاریں پھوٹنے لگیں۔ وہ بری طرح اچھل کر ادھر ادھر بھاگا۔ اور پبلک میں بھگدڑ مچ گئی۔ لیکن وہ پبلک تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ چند ہی قدم چلنے کے بعد اس نے قلا بازی کھائی۔ اور نیچے گر پڑا۔ جبکہ کرناوتی۔ اپنی پستول کی نال کو پھونک مار رہی تھی۔

پھر اس نے آگے بڑھ کر مزید تین فائر گھوڑے پر کئے۔ اور گھوڑے کا جسم پھڑ پھڑا کر سرد ہو گیا۔ مجمع میں ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ راجہ پرمیت سنگھ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے باڈی گارڈز کو کرنا وتی کی طرف بھیجا اور وہ ڈرتے ڈرتے کرناوتی کے پاس پہنچ گئے۔

"راجکماری جی۔ آپکو راجہ صاحب بلا رہے ہیں۔"

"ہاں..... آ رہی ہوں۔" کرناوتی نے یہ کہہ کر پستول کی طرف دیکھا اور پھر اسے گھوڑے پر دے مارا۔ اور اس کے بعد آہستہ آہستہ چلتی ہوئی راجہ پرمیت سنگھ کی جانب چل پڑی نعمت علی پبلک کے پاس پہنچ چکا تھا۔

لیکن راجہ پرمیت سنگھ نے شاید کچھ اور لوگوں کو اشارہ کیا تھا۔ چار افراد نعمت علی کے پاس پہنچ گئے۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں مہاراج؟"

"کیوں۔؟" کیا مجھے گرفتار کر لیا جائے گا۔ یا مجھے بھی گولی مارنے کا ارادہ ہے۔"

"راجہ پرمیت سنگھ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آیئے۔" ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا۔ اور نعمت علی ان کے ساتھ چل پڑا۔ سب کچھ اسی انداز میں ہو رہا تھا۔ جس کی پیش گوئی پورن وتی نے کی تھی۔ مجمع منتشر ہو چکا تھا۔ ہارس شو مکمل ہو گیا تھا۔ اور آج شاید برسوں کے بعد اس میں ایک المناک حادثہ ہوا تھا۔ کرناوتی کا پسندیدہ گھوڑا مارا گیا تھا۔ کرناوتی کی طبیعت کا اندازہ اس بات سے ہوتا تھا۔ کہ اس نے گھوڑے کو ایک منٹ کی زندگی نہیں دی تھی۔ گھوڑے کی لاش اب بھی گراؤنڈ میں پڑی ہوئی تھی۔ کرناوتی کہاں گئی تھی۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ نعمت علی کا خیال تھا کہ یہ لوگ جو اسے لینے کے لئے آئے ہیں۔ اسے لے کر راجہ پرمیت سنگھ کے پاس پہنچیں گے۔ لیکن وہ چاروں آدمی اسے لئے ہوئے ایک گاڑی کے پاس پہنچ گئے گاڑی کا دروازہ کھولا گیا اور اسے اندر بیٹھنے کیلئے کہا گیا۔

"لیکن..... میں....." نعمت علی نے کہنا چاہا تو ایک بڑی بڑی مونچھوں والے شخص نے خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"شکر کرو۔ وہ گولیاں گھوڑے کے بدن میں اتر گئیں ورنہ انہیں تمہارے بدن میں اترنا چاہئے تھا۔ تم نے جو جرأت کی ہے۔ اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔"

"ٹھیک اس کا مطلب ہے کہ پنڈال میں تمہارے آدمی جو بکواس کر رہے تھے۔ وہ صرف ایک جھوٹ اور فریب تھا۔" نعمت علی نے تڑکی بہ تڑکی کہا۔ اور مونچھوں والے شخص کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔"

"تم نے کہا تھا کہ جو اس گھوڑے کو رام کرے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ یہی انعام دیا جانا تھا۔ راجہ پرمیت سنگھ کے وعدے پر۔"

"اگر تم نے زیادہ بکواس کی تو میں اسی وقت تمہیں زندہ دفن کر دوں گا۔"

"تم..... یا تمہارے یہ سارے ساتھی۔" نعمت علی کو بھی غصہ آ گیا۔

"کیا مطلب؟"

"تم نے دیکھا کہ تمہارے گھوڑے کا کیا حال کیا اس سے برا حال میں تمہارا کر سکتا ہوں۔ تمہاری مونچھیں پکڑ کر..... اور اگر کوئی غلط فہمی ہے تمہیں تو پھر آؤ..... گاڑی سے نیچے اترو۔"

"مجھے تو تم پاگل ہی لگتے ہو۔ خاموش ہو کر بیٹھو۔" مونچھوں والے نے کسی قدر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس دوران گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

(جاری ہے)

زہر دولت

ساجدہ شاہین۔ ہندواں سرگودھا

ایک شخص نے کسی اور کے لئے ایک خونی منصوبہ مکمل کرلیا۔ وہ اپنے منصوبے پر بہت خوش تھا لیکن وہ یہ بھول بیٹھا تھا کہ ایک ذات اوپر آسمان پر بیٹھی ہے جس کا نام اللہ ہے۔ اللہ نے اس شخص کا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور ایسا ہوتے ہی ایک ناقابل یقین واقعہ سامنے آیا۔

دل و دماغ میں ہلچل مچاتی ذہن سے محو نہ ہونے والی ایک انمٹ اور ناقابل فراموش کہانی

"اک بات پوچھوں مہر.....؟" عمران نے اپنی کزن کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں پوچھو..... تمہیں کب سے اجازت کی ضرورت پڑ گئی.....؟" مہر نے تیکھی نظروں سے عمران کی طرف دیکھا۔

"یہ محبت کیا ہوتی ہے؟" عمران نے مہر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی مجھے کیا پتہ۔ کیا میں نے کوئی محبت میں ماسٹرز کیا ہوا ہے؟" مہر کے لہجے کی شرارت صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

"مہر مذاق نہیں۔" عمران نے اسے مزید مذاق سے باز رکھتے ہوئے کہا۔ "میری بات کا جواب دو" عمران بولا

"یار بھئی مجھے کیا پتہ یہ کیا ہوتی ہے اور کیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتی ہے؟ ویسے میں نے اس کے بارے میں سنا بہت ہے کہ جب کسی کو محبت ہوتی ہے تو اس بے چارے کی رات کی نیند اور دن کا چین لٹ جاتا ہے؟ وہ فراق محبوب میں ٹھنڈی آہیں بھرتا رہتا ہے اور نتیجتاً اسے نمونیہ ہو جاتا ہے۔'' مہر اپنی بات کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور عمران اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

''کیا کوئی اتنا خوبصورت بھی ہنس سکتا ہے؟'' عمران نے دل میں سوچا ضرور لیکن مہر سے کہنے سے باز رہا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس بات کو مذاق میں اڑا دے گی۔

''اچھا تم ہی بتا دو فلاسفر صاحب کہ یہ محبت کیا ہوتی ہے؟'' مہر نے عمران سے پوچھا۔ جواباً کچھ دیر وہ خاموش رہا پھر بولا۔

''مہر.....! یہ جو محبت ہوتی ہے نا، اس کی تشریح مکمل لفظوں میں آج تک کوئی نہیں کر سکا۔ اسے صرف وہی محسوس کر سکتے ہیں جو اس کا شکار ہو جاتے ہیں، جب محبت ہو جاتی ہے نا تو پھر محبوب کے علاوہ کچھ اچھا نہیں لگتا، دل ہر وقت اس کی قربت کے لئے تڑپتا ہے، اگر محبوب ساتھ ہو تو اجاڑ رستے بھی دلکش لگتے ہیں اور اگر محبوب دور ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا، برستی بارش، دلکش موسم، حسین پھول، دھنک اور سارے خوبصورت مناظر بے معنی ہو جاتے ہیں۔ یہ جو محبت ہوتی ہے نا.....! یہ بہت پاکیزہ جذبہ ہے، کسی ملاوٹ کے بغیر اور محبوب کی خوشی کو ہی ہر حال میں مقدم جانا جاتا ہے..... وہ خوش ہو تو خود بخود ہنسنے کو دل چاہتا ہے اور محبوب کی اداسی خود اپنے دل کو اداس کر دیتی ہے۔''

مہر حیران و پریشان منہ کھولے عمران کی باتیں سن رہی تھی وہ جو ہمیشہ ان باتوں سے پرہیز کرتا تھا آج بولنے پر آیا تو بولتا چلا گیا۔

''تم نے کبھی محبت کی ہے مہر.....؟'' عمران اب مہر سے سوال پوچھ رہا تھا۔ مہر جو منہ کھولے اسے سن رہی تھی اس کے سوال پوچھنے پر نور آسیدھی ہو گئی۔

''عمران آج تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میں نے آج تک تمہارے منہ سے محبت کا نام تک نہیں سنا اور آج.....؟ اور کان کھول کر سن لو۔'' مہر نے اس کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ''یہ محبت کیا ہوتی ہے؟ مجھے نہیں پتہ اور نہ آج تک مجھے کسی سے ہوئی ہے اور بائی داوے، تم نے یہ بے ہودہ سوال مجھ سے کیوں پوچھا۔؟''

''یہ بے ہودہ لفظ نہیں ہے مہر۔ پلیز! اس خالص جذبے کو بے ہودگی کا نام مت دو۔ تمہیں محبت ہوئی نہیں نا! ورنہ تم یوں نہ کہتیں۔'' عمران نے افسوس سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اچھا..... آئی ایم سوری۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم اس بارے میں اتنے سیریس۔۔۔ ہو۔ یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں کسی سے محبت ہو گئی ہے۔؟'' مہر نے سوالیہ نظروں سے عمران کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

اس کے جواب میں وہ کچھ بولنے ہی والا تھا کہ مہر کی امی کی آواز آئی جو مہر کو کسی کام سے بلا رہی تھیں۔

مہر ''ابھی آئی'' کہتی ہوئی اندر کی طرف بھاگ گئی۔

عمران امیر کبیر والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، جب وہ ففتھ میں تھا تو اس کے والدین کی ڈیتھ ہو گئی یا ان کو مار دیا گیا کیونکہ وہ اکثر لوگوں کی چہ میگوئیاں سنتا رہتا تھا کہ اس کے تایا نے اس کے والدین کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا لیکن عمران نے کبھی یقین نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس کے والدین کی ڈیتھ کے بعد وہی تایا اسے اپنے گھر لے آئے تھے اور اسے ایک اچھے سے اسکول میں داخل کروا دیا تھا، وہ خود بھی بہت دولت مند تھے اور بھلا دولت کی خاطر وہ کیوں عمران کے والدین کو قتل کراتے حالانکہ یہ بات بہت عرصہ تک لوگوں کے ذہنوں اور زبانوں پر رہی تھی۔

ایک رات ایک ہی وقت میں مرنا بہت عجیب سا لگتا تھا اگر ایکسیڈنٹ ہوتا تو الگ بات تھی لیکن ایک رات وہ دونوں اپنے بیڈروم میں سوئے اور صبح مردہ پائے گئے۔

عمران کے تایا کو اطلاع دی گئی جو دوسرے شہر میں تھے وہ فوراً پہنچ گئے۔ انہوں نے سب کو بتایا کہ ''وہ فیکٹریوں کے کچھ معاملات کی وجہ سے اس شہر گئے ہوئے تھے اور جیسے ہی انہیں اطلاع ملی وہ فوراً آ گئے۔''

پولیس نے دونوں ڈیڈ باڈیز کو پوسٹ مارٹم کے لئے اسپتال لے جانا چاہا تو عمران کے تایا سیٹھ کریم نے اپنے تعلقات اور پیسہ استعمال کر کے اس کو رکوا دیا۔ بقول ان کے ''میں اپنے بھائی اور بھابھی کی لاشوں کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتا۔''

اور اسی دن دونوں کو مقامی قبرستان میں دفن کرا دیا اور یوں یہ معاملہ ہمیشہ کے لئے دب گیا اور سیٹھ کریم اپنے بھتیجے عمران کو لے کر اپنے گھر آ گئے۔

عمران ابھی بہت چھوٹا تھا اس لئے سیٹھ کریم نے فیکٹریوں کے معاملات اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور وہاں سے بچت کی رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرواتے رہے حالانکہ ان رقوم پر صرف عمران کا حق تھا۔

سیٹھ کریم کی بھی صرف ایک ہی بیٹی تھی مہر، وہ بہت خوبصورت تھی۔ عمران کی فوراً اس سے دوستی ہو گئی تھی۔ وہ بہت جلد گھل مل جانے والی تھی، وہ فورتھ میں تھی اور عمران ففتھ میں۔ دونوں ایک ہی اسکول میں زیر تعلیم تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ دونوں بڑے ہوتے گئے اور ان کی دوستی مزید پختہ ہوتی گئی۔ وہ ہر وقت ایک ساتھ رہتے تھے۔ یونیورسٹی جانا ہوتا یا مہر کو شاپنگ کرنا ہوتی۔ پھر جب بارش ہوتی تو دونوں کی موج ہو جاتی۔ مہر کو بارش میں نہانے کا جنون کی حد تک شوق تھا، اور عمران بھی اس کا ساتھ دیتا تھا۔ کبھی کبھار وہ لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے، نت نئے ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے، ان کی کسی اور سے دوستی نہیں تھی، وہ خود میں ہی اتنے مگن رہتے کہ انہیں کسی اور دوست کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ بہر حال دونوں ایک دوسرے کی ذات میں مگن رہتے تھے۔

''افروز بیگم! یہ عمران مہر کے بہت قریب نہیں ہوتا جا رہا؟'' سیٹھ کریم نے اپنی بیگم سے پوچھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے مہر اور عمران ناشتہ کر کے یونیورسٹی کے لئے نکلے تھے اور حسب معمول ان کے درمیان نوک جھونک بھی جاری تھی جسے سیٹھ کریم نے بہت محسوس کیا تھا اور ان کے جانے کے بعد انہوں نے کڑے تیوروں سے اپنی بیگم سے پوچھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ دونوں بچپن سے ایک ساتھ رہتے ہیں اکٹھے کھیلا، اکٹھے پڑھا ہے وہ تو شروع سے ہی ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں اور آپ یہ آج کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' افروز بیگم نے جیسے انہیں یاد دلاتے ہوئے سوال بھی کر دیا۔

''نہیں بیگم..... ان کا یوں فری ہونا مجھے ناگوار لگنے لگا ہے، اب یہ دونوں بچے نہیں رہے، انہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے۔'' سیٹھ کریم نے ناگواری سے کہا۔

''مجھے بہت حیرانگی ہو رہی ہے کہ آپ آج کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ اگر وہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش ہیں تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ ساری زندگی بھی تو انہوں نے اکٹھے گذارنی ہے تو جتنی انڈر اسٹینڈنگ ہو گی، اتنی اچھی زندگی گزرے گی'' افروز بیگم نے اپنی خواہش زبان پر لاتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب.....؟ یہ تم ساری زندگی گزارنے کی بات کیوں کر رہی ہو؟'' سیٹھ کریم نے چونکتے ہوئے کہا۔

''میرا مطلب بہت واضح ہے! عمران اپنا بچہ ہے، دیکھا بھالا ہے اور اتنی بڑی جائیداد کا مالک بھی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ اور مہر ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں تو یہ بہت مناسب بات ہے کہ ہم ان کی شادی کر دیں، ہماری ایک ہی بیٹی ہے ساری زندگی ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گی'' افروز بیگم نے اپنی بات کی وضاحت کی تو سیٹھ کریم بھڑک اٹھے۔

''تم نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟ میں اپنی بیٹی کی شادی اس آدمی سے کر دوں جو ہمارے ٹکڑوں پر پلا ہے۔ نہیں بیگم..... نہیں..... ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ تم یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو۔!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ یہ بات بھول رہے ہیں کہ عمران ہمارے ٹکڑوں پر نہیں پلا بلکہ ہم اس کی فیکٹریوں کی آمدنی کھا رہے ہیں وہ تین فیکٹریوں کا مالک ہے لیکن آج بھی اسے ماہانہ جیب خرچ ملتا ہے۔ آمدنی کا سارا حساب کتاب آپ کے پاس ہے لیکن اس نے کبھی آپ سے نہیں پوچھا کہ آپ نے فیکٹریوں کا کیا کیا ہے؟ وہاں سے حاصل ہونے والی آمدنی کہاں جاتی ہے؟ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک آپ سے ضرور حساب مانگ چکا ہوتا۔" افروز بیگم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال ہی دی۔

وہ شروع سے ہی جانتی تھیں کہ سیٹھ کریم نے وہاں سے ملنے والا سارا روپیہ اپنے ہی اکاؤنٹ میں رکھا ہے اور انہی روپوں سے اب وہ نئی فیکٹری لگانے کے چکر میں ہیں۔ وہ خود دل کی بہت نرم تھیں لیکن سیٹھ کریم کی وجہ سے زبان نہیں کھولتی تھیں۔ ورنہ انہیں عمران اپنے بیٹوں کی طرح عزیز تھا، اور انہوں نے تو یہ سوچ لیا تھا کہ جیسے ہی عمران اور مہر کی تعلیم مکمل ہوگی وہ ان دونوں کی شادی کردیں گی، انہوں نے سوچا تھا کہ سیٹھ کریم کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے لیکن اب وہ بہت حیران ہو رہی تھیں کہ اچانک سیٹھ کریم کو کیا ہوگیا ہے؟

"بکواس بند کرو تم..... میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا..... اب تم اپنے دل میں ان کی شادی کا خیال تک نہیں لانا ورنہ میں آج ہی اسے اس گھر سے نکال دوں گا۔" سیٹھ کریم کا اشارہ عمران کی طرف تھا۔ لیکن وہ خود بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ عمران کو کبھی گھر سے نہیں نکال سکتے کیونکہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو پھر اپنی تمام فیکٹریاں اور جائیداد عمران کو واپس کرنی پڑیں گی جو وہ کسی صورت نہیں کرسکتے تھے۔

☆.....☆.....☆

"عمران..... عمران.....!" وہ اپنی کلاس سے نکل ہی رہا تھا کہ اس نے ایک لڑکے کو اپنی طرف بھاگ کر آتے دیکھا جو اسے زور زور سے پکار بھی رہا تھا اور اس کے چہرے پر بدحواسی طاری تھی۔

عمران فوراً اس کی طرف بڑھا۔ "کیا بات ہے علی! تم اس قدر بدحواس کیوں ہو رہے ہو؟" عمران نے اس سے دریافت کیا۔

"وہ..... وہ جو راجو ہے نا۔ راجو....." اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"بولو علی! کیا ہوا راجو کو.....؟ تم بتاتے کیوں نہیں؟" عمران حقیقتاً پریشان ہوگیا تھا۔

"راجو جو کہ بدمعاشیاں کرتا ہے، جس نے سب کو بہت پریشان کیا ہوا ہے۔ اس نے تمہاری کزن کو بہت تنگ کیا تو تمہاری کزن مہر نے اس کو تھپڑ مار دیا۔ وہ بہت غصے میں آ گیا، اب وہ مہر کو گھسیٹ کر پچھلے کمروں کی طرف لے گیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ مہر کے تھپڑ کا بدلہ لے گا اس کی عزت لوٹ کے۔ اس نے سب کو پستول دکھایا تھا۔ جس کی وجہ سے کوئی بھی مہر کو اس سے نہیں چھڑا سکا جب وہ مہر کو لے گیا تو میں فوراً تمہیں بتانے آ گیا۔"

جیسے ہی علی نے بات مکمل کی عمران کو سب کچھ گھومتا ہوا محسوس ہوا وہ تیزی سے ان کمروں کی طرف بھاگا جو یونیورسٹی کی پچھلی سائیڈ پر تھے اور وہاں کوئی نہیں جاتا تھا۔ اس کا خون کھول رہا تھا وہ کسی صورت برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ مہر کو کوئی ہاتھ بھی لگائے۔

جیسے ہی عمران ان کمروں کی طرف پہنچا اسے مہر کے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں وہ بجلی کی سی تیزی سے اس کمرے کی طرف بھاگا اور ایک ٹھوکر سے دروازہ کھول دیا..... سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا۔

راجو مہر کے کپڑے پھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن مہر اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھی، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کرسکے گی۔

عمران فوراً آگے بڑھا اور راجو کا گریبان کڑ لیا۔ مہر کی اسے دیکھ کر جان میں جان آئی۔

"کمینے تیری اتنی جرأت کہ تو مہر کی عزت لوٹنے کی کوشش کرے۔ آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" عمران یہ کہتے ہوئے اس پر پل پڑا اور اسے لاتوں اور

گھونسوں پر رکھ لیا..... راجو نے اپنے بچاؤ کی بہت کوشش کی لیکن عمران پر تو جیسے جن سوار تھا اسے مار مار کر ادھ موا کردیا۔ راجو یونیورسٹی کا چھٹا ہوا بدمعاش کہلاتا تھا اب بھیگی بلی بنا زمین چاٹنے پر مجبور تھا۔ اس کو پستول نکالنے کا خیال بھی نہیں رہا تھا۔

مہر ایک کونے میں سمٹی سکڑی کھڑی تھی۔ راجو کے ہوش ٹھکانے لگا کر عمران اس کی طرف بڑھا تو وہ بھاگ کر اس کے گلے لگ گئی اور رونے لگی۔ عمران نے بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا اور اسے لے کر باہر کی طرف بڑھا، باہر بہت سے اسٹوڈنٹس جمع ہو چکے تھے۔ وہ انہیں نظر انداز کرتا مہر کو لیکر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے مہر کو سختی سے منع کیا کہ گھر میں اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو کسی سے ان کا سامنا نہیں ہوا تو انہوں نے شکر ادا کیا، ورنہ مہر کی درگوں حالت دیکھ کر گھر والے سوالات کی بوچھاڑ کردیتے..... عمران نے اسے جلدی سے چینج کرنے کا کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

عمران کو یہ سوچ کر وحشت ہو رہی تھی کہ اگر اسے پتہ نہ چلتا اور راجو مہر کی عزت لوٹ لیتا تو اس پر کیا گذرتی۔ وہ تو جیتے جی مر جاتا کیونکہ مہر کی ذرا سی بھی تکلیف اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی وجہ یہ کہ وہ مہر سے محبت کرتا تھا۔ جس کا پتہ ابھی مہر کو بھی نہیں تھا۔ اس دن وہ اسے بتانے والا تھا لیکن مہر کے جانے کے بعد اس نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا کہ کیا پتہ وہ اس کی محبت قبول کرتی بھی کہ نہیں.....؟

تھوڑی دیر بعد دروازہ پر دستک ہوئی اور دروازہ کھلنے کی آواز آئی، اس نے دروازہ کی طرف دیکھا تو مہر اندر آ رہی تھی۔ وہ فوراً سیدھا ہوگیا اور جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کیں لیکن مہر دیکھ چکی تھی۔

"یہ تمہاری آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہو رہی ہیں؟" مہر نے تشویش سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

عمران نے اس کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں مہر کا دلکش سراپا اداسی میں اور بھی قیامت ڈھا رہا تھا۔

"کچھ نہیں بس یونہی۔" عمران نے ٹالنا چاہا لیکن مہر جاننے پر بضد تھی۔

"تم روئے ہو نا عمران؟ مجھ سے مت چھپاؤ پلیز! مجھے صاف صاف بتاؤ۔"

"مہر اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کرپاتا اور شاید ساری زندگی تمہارا سامنا نہیں کرپاتا لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میری مہر کی عزت بچائی، مہر اگر وہ کمینہ راجو اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا تو میں بھی زندہ نہ رہتا۔ مہر میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، آج تک میں نے صرف تمہیں ہی چاہا ہے اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو درد مجھے بھی ہوتا ہے اور میرا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ میں اس گھٹیا انسان کی جان لے لیتا۔" جوش محبت اور جذبات سے عمران کی آواز بھرا گئی۔

مہر بے یقینی کے عالم میں اسے تکتی رہ گئی۔ اس بات کا تو اسے آج ہی ادراک ہوا تھا کہ وہ عمران سے کتنی محبت کرتی ہے لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ عمران تو کب سے اسے ہی چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوگئے اور وہ بولی۔

"عمران! میں کتنی خوش قسمتی ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور میری حفاظت کرنا بھی جانتے ہو، پہلے مجھے محبت کا پتہ نہیں تھا، مجھے تو آج پتہ چلا ہے کہ میں تو تم سے محبت کرنے لگی ہوں اور میری خوش نصیبی ہے کہ تم مجھ سے پہلے سے محبت کرتے ہو۔"

"کیا واقعی مہر۔ تم مجھ سے محبت کرنے لگی ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا، آج میں بہت ڈسٹرب تھا اس واقعہ کی وجہ سے لیکن تم نے مجھے ہلکا پھلکا کردیا۔ مہر تھینک یو سو مچ۔" عمران بہت خوش تھا کہ مہر اس سے محبت کرتی ہے اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ مہر کے والدین اس کی شادی مہر سے ضرور کردیں گے۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی زندگی اس خوشی سے خالی رہے گی۔

سیٹھ کریم اس وقت ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اس کے سامنے ایک ایسا آدمی بیٹھا تھا۔ جو شکل سے ہی قاتل نظر آرہا تھا۔

"کیا بات ہے سیٹھ؟ مجھے کیوں یاد کیا؟" وہ آدمی بولا۔

"تم جانتے ہو دلاور کہ مجھے کس وقت تمہاری ضرورت پیش آتی ہے؟" سیٹھ کریم نے خباثت سے آنکھ دبا کر کہا۔

"نام بتاؤ سیٹھ! ہم کل ہی اس کا پتا صاف کردے گا۔" دلاور بولا۔

"اس کا نام عمران ہے اور وہ ہمارے ہی گھر میں رہتا ہے، بس تم کو یہ خیال رکھنا ہوگا کہ اس کی موت ایک حادثہ لگے۔" سیٹھ کریم نے اپنے منصوبے سے اسے آگاہ کیا۔

"کام ہو جائے گا سیٹھ..... لیکن ہم اس کا پچاس ہزار لے گا۔ پچیس ہزار روپے اور پچیس ہزار کام ہو جانے کے بعد۔" دلاور کسی ماہر پیشہ ور کے سے انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے! مجھے پتہ تھا کہ تم اتنی رقم کا تقاضا کرو گے، یہ رہا پچیس ہزار اور باقی کام کے بعد۔" یہ کہہ کر سیٹھ کریم نے رقم کا لفافہ دلاور کی طرف بڑھا دیا۔ لفافہ لینے کے بعد دلاور فوراً وہاں سے اٹھ گیا اور سیٹھ کریم کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

عمران کے والد سیٹھ رحیم اور سیٹھ کریم دونوں سگے بھائی تھے ان کے والد کی بہت سی فیکٹریاں تھیں جسے والد نے اپنی زندگی میں ہی دونوں بھائیوں کے نام کر دی تھی۔ کریم شروع سے ہی غلط مزاج کا شخص تھا۔ جو فیکٹریاں ان کے باپ نے رحیم کے نام کی تھیں ان پر شروع سے ہی کریم کی نظر تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح رحیم فیکٹریاں اس کے حوالے کردے یا وہ اس سے چھین لے۔ لیکن اس کا کوئی داؤ چل نہیں رہا تھا۔ جب عمران پیدا ہوا تو وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا لیکن پھر اس کے شیطانی دماغ نے ایک منصوبہ سوچ لیا جس کے مطابق وہ اپنے بھائی اور بھابھی کو قتل کر دیتا تو عمران اس کے سرپرستی میں آجاتا۔ وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اس سے باپ جیسا سلوک کرتا پھر موقع ملتے ہی اسے بھی اپنے راستے سے ہٹا دیتا اس طرح وہ تمام فیکٹریوں کا بلاشرکت غیرے مالک بن جاتا۔

بہت سوچ سمجھ کر اس نے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔ اور ایک دن موقع ملتے ہی دونوں میاں بیوی کو موت کی نیند سلا دیا۔

پولیس آئی اور تحقیقات کی لیکن کوئی ثبوت نہیں ملا کیونکہ کریم نے خود ہی سارے ثبوت مٹا دیئے تھے اور پیسے کے بل بوتے پر پوسٹ مارٹم بھی رکوا دیا اور چپکے سے دونوں کو دفنا دیا گیا، پولیس کو پیسہ مل چکا تھا اس لئے ان کو کیا پڑی تھی کہ وہ سراغ تلاش کرتے۔

پھر وہ عمران کو گھر لے آیا اور اس طرح وہ سب کچھ ہوتا چلا گیا جو اس نے سوچا تھا اور اب آخری پتا کھیلنا باقی تھا جس کا وہ مکمل ارادہ کر چکا تھا اور اس کے بعد وہ تمام جائیداد، کاروبار کا بلاشرکت غیرے مالک بن جاتا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ ظالم کی رسی کو اللہ ڈھیل دیتا ہے اور جب ظالم کا ظلم حد سے بڑھ جائے تو ایک جھٹکے سے اللہ رسی کھینچ لیتا ہے اور سوچنے سمجھنے کا وقت بھی نہیں ملتا۔ سیٹھ کریم کا کوئی بیٹا بھی نہیں تھا کہ جس کے لئے وہ اتنی جائیداد بناتا۔ وہ خود بڑھاپے کی سرحد پر تھا، آخر اتنی دولت کا وہ کیا کرتا؟۔

لیکن اور زیادہ کے لالچ نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔ وہ دولت کے پیچھے پاگل ہو چکا تھا حالانکہ یہ بات تو اس کے سوچنے کی تھی کہ اتنی دولت کا وہ کرے گا کیا.....؟ قبر میں تو صرف انسان کے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں اور دنیاوی چیزیں وہاں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ لیکن گناہ کا احساس ہونا بھی بہت بڑی بات تھی جو اسے حاصل نہیں تھی۔

ایک دن صبح کے وقت عمران بولا۔ "اماں آج میں دوسرے شہر جا رہا ہوں مجھے کچھ کام ہے میں شام تک واپس آجاؤں گا۔" اس کے بعد اس نے اپنے کمرے کا رخ کیا تاکہ کچھ ضروری چیزیں ساتھ لے سکے۔

سیٹھ کریم جو ابھی اندر داخل ہو رہا تھا۔ فوراً واپسی کے لئے مڑ گیا، باہر آکر اس نے جلدی سے دلاور کا نمبر ملایا اور اسے ضروری ہدایات دینے لگا، اس نے دلاور کو ہدایت کی کہ "عمران کا ایکسیڈنٹ اس طریقے سے ہونا چاہئے کہ کسی کو شک نہ ہو اور نہ ہی وہ زندہ بچے۔" اس کو اچھی طرح سمجھانے کے بعد اس نے اپنے آفس کا رخ کیا، وہ بہت خوش تھا کہ اس کی برسوں کی خواہش پوری ہونے والی تھی لیکن وہ اس ہستی یعنی اللہ کو بھول گیا تھا جو اس سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے، اللہ کی نظر اس کی ہر حرکت پر تھی، سیٹھ کریم نہیں جانتا تھا کہ اس کا منصوبہ اس پر ہی الٹنے والا ہے، وہ جو ہر قدم پر کامیاب ہوتا آیا تھا، اور اس نے دولت کی خاطر سگے رشتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اب اس کے حساب کا وقت آچکا تھا۔

ہوا یوں کہ سیٹھ کریم نے جیسے ہی سنا کہ عمران دوسرے شہر جا رہا ہے وہ فوراً وہاں سے نکل آیا تھا تاکہ دلاور کو سارا منصوبہ سمجھا سکے لیکن وہ نہیں جان سکا کہ جیسے ہی وہ گھر سے نکلا، مہر نے بھی عمران کے ساتھ شہر جانے کی ضد شروع کر دی تو۔ آخر کار عمران کو ہتھیار ڈالنا پڑے اور وہ دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔

جیسے ہی دن کے 12 بجے، ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سیٹھ کریم نے فوراً ریسیور کان سے لگا دیا، وہ دلاور کے فون کا منتظر تھا لیکن دوسری طرف سے ملنے والی خبر نے اس کے ہوش و حواس چھین لئے۔

فون اس کے گھر کے ملازم نے کیا تھا، ملازم نے بتایا کہ "عمران اور مہر بی بی کا ایکسیڈنٹ میں موت واقع ہو گئی ہے اور ان کی گاڑی کو آگ لگ گئی جس کی وجہ سے لاشیں شناخت کرنے میں بہت دشواری پیش آئی، بڑی مشکل سے پولیس نے ان کا سراغ لگایا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ مہر تو گھر میں تھی، عمران تو اکیلا سفر پر گیا تھا۔" سیٹھ کریم دہاڑتے ہوئے بولا۔

"نہیں صاحب! مہر بی بی بھی ان کے ساتھ تھیں، وہ ضد کر کے ان کے ساتھ گئی تھیں حالانکہ عمران صاحب نے ان کو بہت روکا تھا۔" ملازم کی آواز اسے کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی، سیٹھ کریم کی آنکھوں میں پچھلے سارے منظر گھومنے لگے

کہ اس نے دولت کے لالچ میں کیا نہیں کیا؟ وہ سارے مناظر کسی فلم کی طرح اس کے دماغ میں پھرنے لگے، وہ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ بیٹی جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، جو ایک پل بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوتی تو اسے ساری دنیا ویران لگتی تھی۔ سیٹھ کریم نے عمران کو مارنا چاہا تو ساتھ میں اس کی بیٹی بھی ماری گئی، اس کے گناہوں کا کفارہ اس کی بیٹی کو ادا کرنا پڑا تھا۔

اچانک اس کے جسم کو جھٹکا لگا اور وہ کرسی سے لڑھکتا چلا گیا۔ اس کو فوراً اسپتال لے جایا گیا جہاں ڈاکٹروں نے جواب دے دیا کہ "یہ اب ٹھیک نہیں ہو سکیں گے اور ساری زندگی بستر پر گزاریں گے۔"

ادھر افروز بیگم اتنے بڑے صدمے کی تاب نہ لاتے ہوئے اس دار فانی سے کوچ کر گئیں اور سیٹھ کریم کو اپنی بیٹی کا آخری دیدار بھی نصیب نہیں ہوا۔ یہ سچ ہے کہ جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔

اور ظالم، ظلم کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی اوپر بھی موجود ہے جو انسان کے ہر کرتوت کا حساب رکھتی ہے۔

وہ دولت جس کے لئے سیٹھ کریم نے اتنا بڑا خونی کھیل کھیلا تھا۔ اب حکومت کی تحویل میں وہ دولت چلی گئی تھی، اس کی دولت اس کو نہ اس دنیا میں بچا سکتی تھی اور نہ آخرت کے عذاب سے۔ سیٹھ کریم بستر مرگ پر پڑا دوسروں کا محتاج ہو چکا تھا۔

سیٹھ کریم کی طرح اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ آخر کچھ لوگ کب تک دولت کی خاطر سگے رشتوں کا خون کرتے رہیں گے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زرگزیدہ

عامر ملک-راولپنڈی

وہ قریب المرگ تھا موت اس کے سامنے کھڑی تھی لیکن پھر بھی اس کا ذہن بٹوری ہوئی دولت کے لئے بے قرار تھا اور کافی دیر تک نزاع کے عالم میں وہ ان چیزوں پر ہاتھ پھیرتا رہا کہ موت نے اسے اپنے شکنجے میں جکڑلیا۔

حرص ولالچ خودغرضی اور مطلب پرستی ذلیل ورسوا کر کے انسان کو زندہ درگور کردیتی ہے

نادر خان کا پورا خاندان نہ صرف کنجوس تھا بلکہ حد درجہ لالچی بھی تھا۔ گاؤں میں ان کی کافی زمینیں تھیں۔ نادر خان خود زمینداری کرتا تھا۔ اس کی بیوی بھی اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ ان کا گزر بسر بہتر طور پر ہوتا تھا۔ وہ پھر بھی اتنی کنجوسی کرتے تھے کہ گاؤں کے لوگ ان کا مذاق اڑاتے تھے مگر ان کو لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہ تھی۔ گھر میں چولہا جلانے کے لئے انہوں نے کبھی ماچس تک نہ خریدی تھی۔ بلکہ وہ پڑوسیوں کے گھر سے انگارے لے کر آگ جلاتے تھے۔ اوپر سے وہ لالچی بھی بڑھ کر تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کو دنیا کی ہر خواہش بن مول ہی مل جائے، ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ لیاقت..... وہ بھی ماں باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ چڑی جائے پر دمڑی نہ جائے کے فلسفے پر عمل کرتا تھا۔

لیاقت نے نزدیکی قصبہ سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور پھر اس کی خوش قسمتی کہ وہ جیل پولیس میں بطور سپاہی بھرتی ہوگیا۔ مگر اس کے باوجود بھی نادر خان اور اس کی بیوی کی حالت نہ بدلی۔ ان کی عادات اور رطوار میں کوئی فرق نہ آیا۔

گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر نادر خان کی زمین تھی۔ اس زمین میں ایک کنواں کھدا ہوا تھا۔ گاؤں کے لوگ تو وہاں سے کم ہی پانی بھرتے تھے۔ البتہ وہاں سے گزرنے والے مسافر اس کنوئیں سے پانی پی لیتے تھے۔ کنوئیں سے کچھ فاصلے پر ایک دینی مدرسہ قائم تھا۔ جو مدتوں سے چلا آرہا تھا۔ مدرسے کے طالب علم قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق اس کنوئیں میں ڈال دیتے تھے تاکہ ان کی بے حرمتی نہ ہو۔

ایک دن نادر خان کے گاؤں سے ایک خبر نکلی اور ادھر ادھر کے دیہاتوں میں پھیل گئی کہ ایک شخص جو کسی نامعلوم مرض میں مبتلا تھا۔ اور ڈھیروں علاج کرانے کے باوجود بھی تندرست نہ ہو رہا تھا۔ اس نے اتفاق سے اس کنوئیں کا پانی پیا تو وہ چند دن بعد بالکل تندرست ہوگیا۔ یہ خبر آناً فاناً نزدیکی قصبوں اور دیہاتوں میں پھیل گئی۔ بس پھر کیا تھا۔ لوگ جوق در جوق کنوئیں پر پہنچنا شروع ہوگئے۔ کئی اور لوگوں کو بھی شفا ملی۔ اور کئی پر اس پانی کا کوئی اثر نہ ہوا۔

نادر خان کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ وہ اسے قدرت کا معجزہ اور عطا سمجھ رہا تھا۔ اس کے لالچی ذہن نے کئی دنوں کی سوچ بچار کے بعد ایک منصوبہ بنایا۔ اس نے کنوئیں پر ایک نل لگوا کر وہاں ایک حوض بنا ڈالا۔ تاکہ لوگوں کو پانی نکالنے اور پینے میں کسی دشواری کا سامنا

کرنا پڑے مگر اس کے ساتھ ہی اس نے وہاں لوہے کا ایک صندوق بھی رکھ دیا۔ جو ایک فٹ لمبا ایک فٹ چوڑا اور دو فٹ اونچا تھا۔ اس کے اوپر والے حصہ میں ایک چھوٹا سا سوراخ رکھا گیا۔ اور اس کو تالا لگا دیا گیا تھا۔ جس کی چابی نادر خان کے پاس تھی۔

اب جو لوگ پانی پینے آتے وہ اپنی استطاعت کے مطابق اس بکس میں رقم ڈال دیتے، اور جو لوگ کچھ تندرست ہوتے وہ خوشی سے اس میں زیادہ رقم بھی ڈال جاتے۔ شام کو جب لوگوں کا آنا جانا ختم ہو جاتا تو نادر خان اس بکس میں سے رقم نکال لیتا۔

نادر خان اب بہت ہی خوش تھا کہ اوپر والا اسے چھپڑ پھاڑ کر دے رہا ہے۔ اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ اس نے لیاقت کو خط لکھ کر اطلاع دی تو وہ چھٹی لے کر آ گیا۔ اور لوگوں کے اعتماد کا نظارہ دیکھا۔ ہر طرف اللہ پاک کے کلام والے پانی کا چرچا ہوگیا تھا۔ لوگ دور دور سے پانی پینے اور ساتھ لے جانے کے لئے آنے لگے تھے۔

☆.....☆.....☆

لیاقت کی چھٹی ختم ہوئی تو وہ واپس لوٹ گیا۔ مگر اس کا شیطانی ذہن کوئی اور ہی منصوبہ بنانے لگا تھا۔ ان دنوں اس کی ڈیوٹی قیدیوں کی ایک بارک میں لگی ہوئی تھی۔ بارک کے ان قیدیوں میں ایک سرفراز نام کا قیدی تھا۔ جو جعلی پیر بن کر لوگوں کو لوٹتا تھا۔ بالآخر وہ پکڑا گیا۔ اور اب وہ اسی جرم کی سزا بھگت رہا تھا۔ لیاقت اور سرفراز کی آپس میں دوستی ہوگئی۔ اور سرفراز نے لیاقت کو لوگوں کو بیوقوف بنانے اور ان سے مال بٹورنے کے تمام گر اور طور طریقے بتا دیئے۔ لیاقت نے سرفراز کی ہر بات نہایت ہی توجہ سے سنی اور پلے باندھ لی۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ملازمت کے دوران ہی داڑھی رکھ لی۔ مگر اس کے باوجود وہ نماز کم ہی پڑھتا تھا۔ اس نے یہ عہد کر لیا کہ وہ بھی جعلی پیر بن کر جاہل اور ان پڑھ لوگوں کو لوٹے گا۔

کچھ عرصہ بعد سرفراز ضمانت پر رہا ہوگیا۔ تو اس نے لیاقت کو دعوت دی کہ وہ کبھی اس کے پاس آئے، لیاقت نے اس کے پاس آنے کی حامی بھر لی۔

☆.....☆.....☆

چند ماہ گزر گئے تو کنوئیں کے پانی میں شفا نہ رہی۔ جس کی وجہ شاید یہی تھی کہ اب نادر خان نے وہ پانی فروخت کرنا شروع کر دیا تھا۔ یوں لوگوں کی آمد و رفت کم ہوگئی اور نادر خان کی آمدنی بھی ختم ہوگئی۔ اس نے لیاقت کو خط لکھ کر حالات سے آگاہ کیا تو لیاقت نے سرفراز کو پیر کے روپ میں اپنے گاؤں پہنچا دیا۔ سرفراز نے اسی کنوئیں والی جگہ پر ڈیرہ ڈال لیا۔ اور لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ دیہات کے لوگوں نے بھی اس پر اعتماد کرنا شروع کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد نادر خان کا انتقال ہوگیا۔ تو لیاقت نے ریٹائرمنٹ لی اور گاؤں لوٹ آیا۔ وہ سیدھا سرفراز کے پاس گیا۔ اس کا حلیہ بھی پیروں فقیروں جیسا ہوگیا تھا۔ اس لئے گاؤں کے لوگ اسے پہچان نہ پائے.....

آہستہ آہستہ لیاقت نے بھی تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کا کام شروع کر دیا۔ جب اس کا کام چل نکلا تو سرفراز وہ ڈیرہ چھوڑ کر کہیں اور نکل گیا۔ لیاقت اب پیر سپاہی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ وہ پھونک لگاتا تھا اور مریض کو آرام آجاتا تھا۔ اس نے تعویز گنڈوں سے کئی توہم پرست لوگوں کو قابو کیا ہوا تھا۔ وہ لوگ ادھر ادھر جا کر اس کی تعریفیں کرتے۔ مگر اس کے گاؤں کے لوگ اس کی اصلیت جان گئے تھے۔ مگر لیاقت نے کچھ اس انداز میں جال پھیلایا ہوا تھا کہ لوگ اس کے خلاف کوئی بات سنتے ہی نہ تھے۔ اس کے اپنے گاؤں کے لوگ اس سے بہت ہی تنگ تھے۔

لیاقت لوگوں کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے۔ نفاق ڈالنے۔ رشتے تڑوانے اور انتقام لینے کے لئے الٹے سیدھے تعویز لکھ کر دیتا تھا۔ جن کے بدلے میں وہ کافی معاوضہ وصول کرتا تھا۔ سوائے چند بدقماش لوگوں کے ساری آبادی اس سے نفرت کرتی تھی۔ مگر اسے کسی کے نفع اور نقصان کی پرواہ نہ تھی۔ وہ تو صرف دولت کمانے میں لگا ہوا تھا۔ اور اس کی ہوس دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے اسی کنوئیں والی جگہ پر ایک خوبصورت مکان بنوالیا۔ مرادیں اور منتیں لے کر آنے والی کئی خوبصورت عورتوں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکیوں کو اس نے اپنے جال میں جکڑ لیا۔ ایک دو سے اس نے شادی بھی کی اور پھر ان کو دھتکار دیا۔

گاؤں کے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اب وہ عزتوں کا لٹیرا بھی بن گیا ہے۔ اس کے خلاف اعلیٰ حکام کو درخواستیں دی گئیں، تھانے میں بھی شکایت کی گئی۔ مگر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ دولت سے سب کے منہ بند کر دیتا تھا۔ وہ لوگ اسے بد دعائیں دیتے اور اس کے مرنے کی دعائیں کرتے تھے۔ جن کے گھر اس نے برباد کیے تھے۔ وہ تو ہر وقت اسے کوسنے اور گالیاں دیتے تھے۔

بالآخر اوپر والے نے مظلوموں کی آہیں سن لی۔ خدا کی لاٹھی حرکت میں آ گئی۔ لیاقت پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ بے بس ہو گیا۔ بہت علاج کرایا گیا۔ مگر ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دے کر گھر بھیج دیا۔ اس کا ایک بازو اور ایک ٹانگ حرکت کرتے تھے۔ اور کسی حد تک زبان بھی چلاتا تھا۔ مگر اس کی بالکل بات سمجھ نہ آتی تھی۔

موت کو قریب دیکھ کر اس نے ایک دن اپنے ایک کارندے کو قریب بلایا اور اسے ایک جگہ زمین میں دبا ہوا صندوق نکالنے کو کہا۔ جب صندوق نکال کر اس کے قریب لا کر کھولا گیا۔ تو وہ بڑے کرنسی نوٹوں اور سونے کی اینٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیاقت نے اشارے سے کہا کہ "یہ سب کچھ اس کے سامنے ڈھیر کر دیا جائے۔" وہ ایک ہاتھ سے کافی دیر تک دولت اور سونے سے کھیلتا رہا۔ اسی اثناء میں اس پر موت کی گرفت مضبوط ہونے لگی۔ موت کی سختی اس پر طاری ہونے لگی۔ تو وہ سب کچھ بھول گیا۔ کافی دیر تک نزاع کے عالم میں الول جلول بکتا رہا۔ اور بالآخر وہ مر گیا۔ ایک بدی کا خاتمہ ہو گیا تو لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کی نماز جنازہ میں بہت کم لوگوں نے شرکت کی تھی۔

اس گاؤں میں یہ دستور ہے کہ میت کو قبرستان میں دفن کرنے کے بعد اس کے عزیز رشتہ دار چند روز تک صبح سویرے قبرستان جاتے اور قبر پر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ دستور کے مطابق دوسرے روز لیاقت کے عزیز رشتہ دار جب قبرستان گئے تو لیاقت کی قبر کا منظر دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ پیر سپاہی کو کسی غیبی طاقت نے قبر سے باہر نکال پھینکا تھا۔ وہ توبہ استغفار پڑھنے لگے اور چند لوگوں نے ہمت کر کے دوبارہ اس کی میت کو قبر میں دفنا دیا۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ جب لوگ قبر پر پہنچے تو میت قبر سے باہر پڑی تھی۔ لوگوں پر خوف طاری ہونے لگا، پھر کچھ لوگوں نے غیبی آوازیں سنیں۔

"اس شخص کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں..... یہ آگ میں جلانے کے قابل ہے۔"

کسی نہ کسی طرح چند لوگوں نے ہمت کر کے اسے دوبارہ قبر میں دفنا دیا اور پہلے سے بھی زیادہ مٹی ڈال دی۔ دوسرے روز لوگوں نے جا کر دیکھا تو خوف سے وہ سب سر سے پاؤں تک لرز گئے۔ پیر سپاہی کی میت ایک درخت سے الٹی لٹکی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ واپس گاؤں آئے اور پھر یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقے میں پھیل گئی۔ اس کے رشتہ داروں کو مشورہ دیا گیا کہ وہ نزدیکی گاؤں کے ایک بڑے عامل کے پاس جائیں۔ وہ عامل بھی کالا جادو اور دوسرے عملیات میں بہت مشہور تھا۔ وہ سب اس کے پاس گئے تو اس نے انہیں ایک تعویز دیا اور کہا۔ "یہ فرشتوں کے نام ہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ تم میت کو درخت سے اتار کر دفن کر دو۔ پھر وہ لوگ جمع ہو کر قبرستان گئے اور میت کو درخت سے اتار کر قبر میں دفن کر دیا۔

رات گزر گئی اور صبح کے وقت پیر صاحب کی میت کو اس کے گھر کے دروازے پر پایا گیا۔ میت کا اگلا حصہ اس قدر مسخ ہو گیا تھا کہ شناخت کرنا مشکل تھا۔ اس کے عزیز تنگ آ گئے اور مجبور ہو کر اس غیبی آواز کے مطابق اسے آگ میں جلا دیا گیا۔ اور اس کی راکھ کو ایک گندے نالے میں بہا دیا گیا۔ یہ واقعہ 1979ء میں رونما ہوا تھا۔ آج بھی پیر سپاہی کا گھر جنوں اور بھوتوں کا مسکن بنا ہوا ہے۔ اور لوگ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بھی خوف کھاتے ہیں۔

روح کا بلاوا

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

رات کا نجانے کون سا پھر تھا کہ نوجوان نے محسوس کیا کہ وہ ایک بکس میں لیٹا ہوا ہے اس بکس کا ڈھکنا شیشے کا تھا، بکس کی چوڑان بہت ہی کم تھی کہ وہ ہل ہی نہیں سکتا تھا، اس نے ہلنے جلنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس کوشش میں ناکام رہا۔

رات کے اندھیرے میں جنم لینے والا حقیقی واقعہ جو کہ پڑھنے والوں کو حیرت میں ڈال دے گا

جب میں نے پہلی مرتبہ چرچ کے محافظ کو دیکھا تو اس کی پشت میری جانب تھی، میں نے اس پر ایک سرسری سی نظر ڈالی یہاں تک کہ وہ چرچ میں چلا گیا، میں نے اسے کسی توجہ کا مستحق نہ سمجھا اور اس کو ایک عام آدمی کی حیثیت سے دیکھا۔ اور پھر جب میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی کا پٹ بند کیا تو وہ شخص بالکل ہی میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔

دوپہر کو جب سورج اپنے عروج پر تھا اور گرمی کی شدت زیادہ محسوس ہوئی تو میں نے کھڑکی کھولی تاکہ تازہ ہوا سے لطف اندوز ہو سکوں تو میری نظر دوبارہ اس شخص پر پڑی مگر میں نے اسے اس وقت بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی اور باہر کے نظارے سے لطف اٹھانے لگا۔ جہاں خوبصورت درخت اور دلکش فوارے، منظر کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہے تھے۔ سڑک پر راہگیروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا ہجوم تھا۔ میں نے چرچ کے محافظ کی طرف ایک غیر ارادی نظر ڈالی تو اس کو اپنی ہی جانب متوجہ پایا۔ نہ جانے اس شخص میں کیا خاص بات تھی جو بار بار میری نظر اس پر پڑ جاتی تھی جس کی وجہ سے میرا ذہن پراگندہ ہوگیا مگر اس ذہنی پراگندگی کی کوئی خاص وجہ میں بیان نہیں کرسکتا۔

بہر حال میں نے اپنے منتشر خیالات کو دوبارہ جمع کیا اور ماڈل کی طرف متوجہ ہوگیا کہ میں اپنے رنگ اور اپنا وقت ضائع کررہا ہوں۔ میں نے ایک چاقو کی مدد سے رنگ کو صاف کردیا۔ مجھے اس بات پر سخت تعجب تھا کہ میں نے اتنی واہیات تصویر کس طرح بنا ڈالی۔ میں نے اپنی ماڈل ڈیزی کی جانب دیکھا تو وہ بدستور اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی جیسا کہ اسے میں نے بتایا تھا۔ میں نے ڈیزی کو کچھ دیر آرام کرنے کا مشورہ دیا اور خود کینوس پر تارپین کا تیل لیپ کرنے لگا کہ داغ دھبوں کو صاف کرسکوں۔

میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آیا تارپین یا کینوس میں کوئی خرابی ہے جس کی وجہ سے تصویر خراب ہورہی ہے۔ میری تمام تر کوششوں کے باوجود یہ خرابی دور نہ ہوسکی۔ میں نے سوچا کہ ڈیوویل جس سے میں نے کینوس خریدا ہے اس سے شکایت کروں گا، مگر جلد ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ نہ تو کینوس میں کوئی خرابی ہے۔ اور نہ ہی رنگ خراب ہیں بلکہ اصل خرابی تارپین میں ہے۔ مجھے بہت شدت سے غصہ آرہا تھا۔ دھوپ کی تیزی کی وجہ سے میری آنکھیں بھی جلنے لگی تھیں۔ میں نے ڈیزی کو اشارہ کیا تو وہ میرے قریب آکر بیٹھ گئی اور سگریٹ کے دھوئیں سے دائرے بنانے لگی۔ اس طرح وہ اپنی اکتاہٹ مجھ پر ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

"تم کیا کررہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے شرمندگی سے جواب دیا۔ "یہ تارپین کی وجہ سے خراب ہوئی ہے۔"

"کیسی بھیانک تصویر بنی ہے؟" تبصرہ کے انداز میں اس نے کہا۔ مجھے فطری طور پر غصہ آنا چاہئے تھا۔

میں نے پوچھا۔ "کیا تم نے مجھے اس سے پہلے کبھی اس طرح پینٹ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"نہیں یقیناً نہیں، یہ تارپین یا کسی خرابی کی وجہ سے ہے" اس نے جواب دیا اور کھڑکی کی جانب بڑھ گئی۔ میں دوبارہ اپنے برش لے کر کینوس کی جانب متوجہ ہوا۔ حالانکہ میں کافی حد تک تھک چکا تھا۔

اس نے پلٹ کر مجھ سے کہا۔ "اپنے برش اور کینوس کو خراب مت کرو، اس وقت تم تصویر نہیں بنا سکو گے۔"

میں نے کافی شرمندگی محسوس کی اور برباد شدہ کینوس کو دیوار کی جانب پھیر دیا۔ ڈیزی نے برش دھوئے اور ہم دونوں کھڑکی کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔ میری نظر غیر ارادی طور پر پھر اسی نوجوان کی طرف اٹھ گئی وہ چرچ کے میدان میں ابھی تک کھڑا تھا۔

"اچھا تو یہی وہ شخص ہے جس کو تم ناپسند کرتے ہو،" ڈیزی اس نوجوان کو دیکھتے ہوئے مجھ سے بولی۔

میں نے کہا۔ "ہاں نہ جانے کیا بات ہے جب بھی میں اسے دیکھتا ہوں تو طبیعت بدمزہ ہوجاتی ہے۔"

ڈیزی بولی۔ "میں اس کا چہرہ تو ٹھیک طور سے نہیں دیکھ سکی لیکن وہ بظاہر بھاری بدن کا معلوم ہوتا ہے اور تم تعجب کرو گے کہ اسے دیکھ کر مجھے اپنا ایک عجیب و غریب ڈراؤنا خواب یاد آگیا جو میں نے ایک بار دیکھا تھا۔" ڈیزی نے اس شخص کے جوتے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا واقعی وہ ایک بھیانک خواب تھا۔"

"میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔" میں بغیر سنے کیسے بتا سکتا ہوں؟"

جواب میں ڈیزی مسکرادی "اس خواب میں تم بھی موجود تھے اس لئے شائد تم بھی اس کے بارے میں کچھ جانتے ہوگے۔"

"ڈیزی۔" میں نے احتجاجاً کہا۔ "تم مجھے اپنے خواب میں شریک کرکے میرا مذاق نہ اڑاؤ۔"

"میں مذاق نہیں کررہی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم پہلے خواب تو سن لو۔"

میں نے ایک سگریٹ سلگایا اور دلچسپی سے خواب سننے کے لئے اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ میرے قریب آکر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ "وہ ایک سرد رات تھی۔ میں اپنے بستر میں دبکی ہوئی خاموشی سے سونے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ حالانکہ میرا ذہن کسی خاص مسئلہ میں الجھا ہوا نہیں تھا۔ مگر میں سارا دن تصویر کے پوز بنا بنا کر تھک چکی تھی۔ اس لئے تھکن کی وجہ سے نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ شہر کے گھنٹہ گھر کے گھنٹے سنتے سنتے تقریباً آدھی رات گزر چکی تھی کیونکہ آدھی رات کے بعد میں نے گھنٹے کی آواز نہیں سنی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں نے خواب دیکھا تھا جیسے کوئی غیر مرئی قوت کھڑکی کی جانب جانے پر مجبور کررہی ہو۔

میں اٹھی میں نے کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھا سڑک حد نظر تک ویران پڑی تھی اور ہر شے پر تاریکی کی دبیز چادر چڑھی ہوئی تھی۔ میں کچھ خوفزدہ سی ہوگئی، دفعتاً میں نے دور سے ایک گاڑی کی آواز سنی جو نزدیک سے نزدیک تر ہوتی چلی گئی۔ پھر مجھے سڑک پر تاریکی میں ایک گاڑی آتی دکھائی دی وہ بہت قریب آچکی تھی۔ یہاں تک کہ وہ میری کھڑکی کے نیچے سے گذری تب اچانک میں خوف سے کانپ اٹھی کیونکہ گاڑی کا ڈرائیور مڑ کر میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جب میری آنکھ کھلی تو تعجب کی بات ہے کہ میں کھڑکی کے پاس کھڑی تھی، گاڑی اور ڈرائیور جا چکے تھے۔ یہی خواب میں نے دوبارہ مارچ میں دیکھا اور جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے پایا۔

گزشتہ رات بھی میں نے یہی خواب دیکھا اور تم کو یاد ہوگا کہ کل رات بڑی شدید بارش ہورہی تھی اور خواب سے بیداری کے بعد میں نے پھر اپنے آپ کو کھڑکی کے قریب کھڑے ہوئے پایا اور میرا شب خوابی کا لباس بارش سے بری طرح بھیگ چکا تھا۔"

"لیکن اس خواب میں میرا چہرہ کہاں آیا؟" میں نے پوچھا۔

"تم کفن میں لپٹے ہوئے تھے لیکن مردہ نہیں تھے۔"

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کیا تم مجھ کو دیکھ سکتی تھیں؟"

"نہیں مجھے صرف یہ محسوس ہوا کہ تم اس جگہ موجود تھے۔"

میں ہنسنے لگا لیکن ڈیزی اچانک چیخ پڑی۔

"کیا ہوا ڈیزی؟" میں صوفے سے گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔

"دیکھو، دیکھو" اس نے کھڑکی کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "وہی آدمی جو نیچے چرچ کے میدان میں کھڑا ہے اس گاڑی کا ڈرائیور تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔"

"تمہارا وہم ہے" میں نے جواب دیا۔ لیکن ڈیزی کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ میں کھڑکی کے پاس پہنچا تو وہ آدمی جا چکا تھا۔

میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں صرف وہم ہوا ہے ڈیزی تم نے آج کافی دیر تک تصویروں کے پوز بنائے ہیں۔ اسی وجہ سے شاید تمہارے اعصاب بہت تھک چکے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، میں اس کا چہرہ بھول سکتی ہوں۔" اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "میں نے خواب میں تین مرتبہ گاڑی کو کھڑکی کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے اور ہر مرتبہ ڈرائیور کو اپنی جانب مڑ کر دیکھتے ہوئے پایا ہے، اس ڈرائیور کا چہرہ اتنا سفید اور بے جان محسوس ہوتا تھا جیسے کہ وہ نہ صرف مردہ ہو بلکہ اسے مرے ہوئے کافی دن بیت چکے ہیں۔"

ڈیزی کو میں نے بہت سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن اس آدمی کو دیکھنے کے بعد وہ اتنی زیادہ خوفزدہ ہوچکی تھی کہ خود اس کا چہرہ مجھے زرد اور بے جان نظر آرہا تھا۔

"سنو ڈیزی۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تم کچھ دن کے لئے کسی پرفضا مقام پر چلی جاؤ پھر تم کو اس قسم کے خوابوں سے نجات مل جائے گی۔ تمام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دن تم تصویریں بنواتی ہو، رات ہونے تک تمہارے اعصاب بری طرح تھک چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم کو اس قسم کے خواب نظر آتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں نہ ہی کوئی گاڑی ہے نہ ڈرائیور سب کچھ تمہارا واہمہ ہے۔"

ڈیزی بڑی افسردگی سے مسکرائی پھر اس نے پوچھا۔ "میرا واہمہ اپنی جگہ لیکن اس آدمی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ جو ابھی چرچ کے میدان میں کھڑا تھا۔"

"وہ ایک عام سا آدمی ہے۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"جس طرح مجھے یقین ہے کہ میرا نام ڈیزی ہے اسی یقین سے میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ جو شخص نیچے کھڑا ہے۔ اس کی شکل ہو بہو خواب کے اس ڈرائیور جیسی ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ تو ایک باعزت پیشہ ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں یقین ہے کہ یہ تمام باتیں فرضی ہیں۔"

میں نے مصلحتاً کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈیزی اٹھی اپنا مختصر سا سامان سمیٹا دستانے پہنے اور شب بخیر کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔

دوسری صبح چرچ کا گھنٹہ بجانے والا لڑکا تھامس میرے لئے اخبار لایا اور ساتھ ہی ایک اہم خبر بھی تھی کہ چرچ کا سامنے والا حصہ فروخت کر دیا گیا ہے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اس لئے نہیں کہ مجھے اس سے کوئی عقیدت نہیں تھی بلکہ اس لئے کہ اس کی وجہ سے میرے اعصاب متاثر ہو رہے تھے۔

"یہ حصہ کس نے خریدا؟" میں نے تھامس سے دریافت کیا۔

"مجھے زیادہ علم نہیں۔" وہ بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ جس نے بھی لیا ہے وہ یہاں پر ایک اسٹوڈیو تعمیر کرے گا۔"

میں ٹہلتا ہوا کھڑکی کے قریب پہنچا، وہ نوجوان اس وقت بھی چرچ کے گیٹ پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر میری وہی کیفیت ہوئی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔

"وہ ہے کون شخص جو نیچے کھڑا ہے؟" میں نے تھامس سے دریافت کیا۔

تھامس نے مجھے بتایا۔ "وہ چرچ کا چوکیدار ہے ایک رات اس چوکیدار نے مجھے بری طرح تھکا دیا تھا اور میں نے اسے مکا بھی رسید کیا تھا۔"

"لڑائی کی وجہ کیا تھی؟" میں نے تھامس سے دریافت کیا۔

تھامس نے بتایا۔ "ایک رات میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ گھر واپس آ رہا تھا، میں نے اسے بیٹھے ہوئے دیکھا ہمارے ساتھ ہماری دو ساتھی لڑکیاں مولی اور جین بھی تھیں اس شخص نے ہم لوگوں کو نہایت ہی حقارت سے دیکھا۔"

"کیا دیکھ رہے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میں نے کہا۔ "باہر آؤ میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" پھر میں گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا لیکن وہ کچھ بھی نہیں بولا بس صرف ہمیں پہلے ہی کی طرح بڑی حقارت سے گھور گھور کر دیکھتا رہا۔ لیکن جیسے ہی میں نے اس کو پکڑنا چاہا، میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ شخص کتنا سرد تھا کہ مجھے اس کو چھو کر جھرجھری سی آ گئی۔"

"پھر اس شخص نے کیا کیا؟" میں نے اشتیاق کے عالم میں پوچھا۔ "کچھ بھی نہیں۔"

"اور تھامس تم نے پھر کیا کیا؟" وہ لڑکا پھیکی ہنسی ہنسا "جناب میں اتنا بزدل نہیں ہوں لیکن یہ میرے بیان سے باہر ہے کہ میں کیوں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

"آخر کیوں بھاگ کھڑے ہوئے؟" میرا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

"وجہ تو میں نہیں بتا سکتا۔" اس نے کہا "لیکن اس وقت میں نے مولی کو پکڑا اور دوڑنا شروع کر دیا۔

میرے دوسرے ساتھیوں نے بھی میری تقلید کی۔"

"لیکن دوسروں نے ایسا کیوں کیا؟" میں نے پوچھا۔

تھامس نے کچھ دیر میری بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا لیکن میری جستجو کافی بڑھ گئی تھی اور میں نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

اس نے کہا۔ "جناب آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے۔"

"میں تمہاری بات پر پورا یقین کروں گا۔ کیونکہ تم ایک اچھے لڑکے ہو۔" میں نے کہا۔

اس نے جھینپتے ہوئے کہا۔ "یہ بالکل حقیقت ہے کہ جب میں نے اس کو ہلایا تو اس کی نرم ملائم درمیانی انگلی اس کی ہتھیلی سے جھڑ کر نیچے گر پڑی۔ اور پھر میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔" تھامس کے چہرے سے خوف اور پریشانی صاف عیاں تھی۔

اس کے جانے کے بعد میں دوبارہ کھڑکی پر گیا، وہ آدمی چرچ کے گیٹ کو پکڑے ہوئے ریلنگ پر کھڑا ہوا نظر آیا اور اس وقت میرے اوپر بھی خوف کی سی کیفیت طاری ہو گئی جب میں نے دیکھا کہ اس کے داہنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی غائب تھی۔

تقریباً صبح 9 بجے ڈیزی آئی میں نئے کینوس پر اس کی تصویر بناتا رہا، وہ بالکل خاموش رہی اس کے بعد وہ گزری ہوئی رات کے اپنے تفریحی پروگراموں کے بارے میں بتانے لگی۔

دوپہر کو ہم دونوں نے ایک ساتھ ہی کھانا کھایا۔ مجھے ڈیزی سے بڑی حد تک لگاؤ ہے وہ پچھلے تین سال سے میری تصویروں کے لئے پوز بناتی رہی ہے اور میری پسندیدہ ماڈل رہی ہے لیکن میں نے اس کو ہمیشہ چاق و چوبند پایا۔ ہم نے کبھی بھی کسی نجی مسئلہ پر گفتگو نہیں کی اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ رکھتے تھے کیونکہ میرا اس سے صرف ماڈل کے علاوہ کوئی جذباتی رشتہ نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ ڈیزی صرف وہی کرے گی جو اسے پسند ہوگا۔ اس لئے اس کو پرسکون دیکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ دل جمعی کے ساتھ میرے لئے ماڈل بن سکے۔

اس کی خوبصورتی ہی کی وجہ سے میں نے اس کی تمام شرائط منظور کر لی تھیں۔ میں اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ کوئی نہ کوئی ضرور ڈیزی کو اپنا شریک زندگی بنا لے گا لیکن میں شادی کو ایک واہیات شے سمجھتا تھا۔ ڈیزی حسب معمول سگریٹ کا دھواں چھوڑتی ہوئی میرے قریب بیٹھ گئی۔

"میں نے بھی گزشتہ رات ایک بھیانک سا خواب دیکھا۔" میں نے کہا۔

"اسی آدمی کے بارے میں تو نہیں۔" ڈیزی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"یقیناً ایک خواب تمہارے ہی خواب سے ملتا جلتا لیکن اس سے کہیں زیادہ بھیانک اور ڈراؤنا۔

رات کے تقریباً دس بجے ہوں گے میں تقریباً سو چکا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جاگ رہا ہوں اس لئے کہ میں نے گھنٹہ گھر سے آدھی رات کے گھنٹہ کی آواز سنی تھی درختوں سے ہوا کی سرسراہٹ صاف طور پر محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں جاگ نہیں رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جیسے میں ایک بکس میں لیٹا ہوا ہوں، اس بکس کا ڈھکنا شیشے کا بنا ہوا ہے۔ میں نے یہ سب سڑک کے لیمپ کی روشنی میں دیکھا۔ تم یقین کرو ڈیزی کہ وہ بکس جس میں، میں لیٹا ہوا تھا ایک ویگن میں رکھ دیا گیا۔ مجھے اپنے اوپر کچھ دباؤ سا محسوس ہوا، کچھ دیر بعد مجھے کافی اذیت سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے ہلنے کی لاکھ کوشش کی لیکن بکس اتنا تنگ تھا کہ میری یہ کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ میرے ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھے اس لئے میں ان سے مدد بھی نہیں لے سکتا تھا۔

میں نے بہت چیخنے کی کوشش کی مگر میری آواز جیسے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ میں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز واضح طور پر سن سکتا تھا۔ دوسری آواز جس نے میرے اعصاب کو بری طرح جھنجھوڑ دیا تھا وہ ایک کھڑکی کے کھلنے کی آواز تھی۔ میرا تجسس اتنا بڑھا کہ کسی نہ کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح میں اپنے سر کو جنبش دینے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے شیشے کے کور سے جھانک کر دیکھا کہ وہ مکان بالکل ہی ویران تھا اس مکان کی ایک کھڑکی پہلی منزل پر کھلی ہوئی تھی اور ایک شخص نیچے کی طرف دیکھ رہا تھا بغور دیکھا تو وہ تم تھیں۔"

ڈیزی نے اپنے چہرے کو ہلکی سی جنبش دی اور کہنیوں کے بل آگے کو جھک گئی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔" میں تمہارا چہرہ بڑی آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت تم کافی رنجیدہ نظر آرہی تھیں لیکن ہم جلد ہی اس مکان کے سامنے سے گزر کر ایک تنگ گلی میں داخل ہوگئے، اس وقت گھوڑے رک گئے، میں کافی دیر تک خوف و دہشت سے آنکھیں بند کئے خاموش لیٹا رہا۔

پورے ماحول پر قبرستان کی سی ہولناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کافی دیر گزرنے کے بعد میں بے آرامی سی محسوس کرنے لگا تب میں نے اپنے قریب کسی کی موجودگی کو محسوس کیا تو میں نے ڈرتے ڈرتے اپنی آنکھیں کھولیں تو سفید چہرہ والے گھوڑا گاڑی کے کوچوان کو دیکھا جو میری جانب بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت تمہاری سسکیوں نے مجھے اپنی جانب متوجہ کرلیا تھا۔ تم خزاں کے زرد پتے کی مانند کانپ رہی تھیں۔" میں نے سوچا کہ مجھے اس سے اپنا خواب بیان نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ڈیزی میں نے تو یہ خواب تمہیں صرف یہ بتانے کے لئے سنایا تھا کہ تمہاری سنائی ہوئی کہانی کس طرح میرے خواب میں آکر داخل ہوگئی اور خوابوں کی تو یہ ایک عام عادت ہے کہ چپکے چپکے دوسروں کے خوابوں میں رینگتے پھرتے ہیں۔

تم اس قدر خوفزدہ کیوں ہو؟ تم نے دیکھا کہ تمہارے خواب اور اس چرچ کے چوکیدار کی ناپسندیدگی نے میرے اعصاب کو کس بری طرح متاثر کیا ہے۔"

ڈیزی نے اپنا چہرہ بازوؤں کے درمیان لے لیا اور ایسے سسکیاں لینے لگی جیسے اس کا دل بند ہوجائے گا۔

میں نے اپنے بازو اس کی گردن میں ڈال دیئے اور پیار بھرے لہجے میں کہا۔" ڈیزی مجھے معاف کردو، میرا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ تم کو خوفزدہ کروں، تم تو پڑھی لکھی لڑکی ہو اور مذہبی اعتبار سے بھی خوابوں پر یقین نہیں رکھتی ہو۔ پھر اتنی خوفزدہ کیوں ہوگئی ہو؟ آخر میں نے بھی تم جیسا خواب دیکھا تھا لیکن میرے چہرے پر تمہیں خوف کے کوئی آثار نہیں ملیں گے۔"

اس نے میرے ہاتھ کو گرمجوشی سے دبایا اور محبت سے اپنا سر میرے کندھے پر رکھ دیا اس وقت بھی وہ کافی حد تک خوفزدہ تھی۔ میرے اصرار پر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

میں نے کہا۔" ڈیزی خوفزدہ نہ ہو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"میں اپنے لئے نہیں تمہارے لئے فکر مند ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"میں ہنسنے لگا لیکن جونہی مجھے یہ خیال آیا کہ میری وجہ سے اسے صدمہ پہنچا ہے تو میں فوراً خاموش ہوگیا۔

معمول کے مطابق میں اس شام واشنگٹن پارک میں چہل قدمی کررہا تھا اور صبح کے واقعات تصویر کی طرح میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ مجھے اس واقعہ پر ندامت تھی ایسی ندامت جس کی تلافی ناممکن تھی۔ میرے ذہن میں ڈیزی یا خود کو پریشان کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا۔

اب سے پہلے میں بہت پرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ میں سوائے اپنی تخلیق کے کبھی کسی مسئلہ پر سنجیدہ نہیں ہوتا تھا۔ میں نے آج تک کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی تھی اور نہ ہی کسی کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ میں نے اب تک کسی سے محبت بھی نہیں کی تھی۔ لیکن پھر بھی ڈیزی کے محبت آمیز رویہ کا نہ جانے کیوں میں محبت کے لہجہ میں جواب دینا چاہتا تھا۔ کبھی سوچتا تھا کہ اس سے کہہ دوں کہ بہتر ہے کہ وہ کسی اور سے محبت

کرے لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہوجاتا کہ ڈیزی شاید یہ تلخ بات برداشت نہ کرسکے۔ پھر کبھی کبھی میں یہ سوچتا تھا کہ اگر میں اس سے شادی کرلوں تو شاید وہ میرے ساتھ ایک کامیاب ازدواجی زندگی نہ گزار سکے کیونکہ وہ محبوبہ تو بن سکتی ہے لیکن خانہ داری اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

ان ہی خیالات کے تانے بانے سلجھاتے ہوئے میں گھر پہنچا۔ کپڑے تبدیل کئے مجھے گھر پر ایک خط پڑا ہوا ملا۔ جس میں مجھے میٹروپولیٹن تھیٹر کے گیٹ پر تقریباً گیارہ بجے پہنچنے کے لئے کہا گیا تھا۔ میں نے رات کا کھانا مس کارمیکل کے ہمراہ کھایا اور جب رات کے میں اسے گھر چھوڑ کر اپنے فلیٹ جانے کے لئے چرچ کے میدان سے گزر رہا تھا میں نے چرچ کی سیڑھیوں پر ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ تو میں کچھ دیر کے لئے رک گیا۔ پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے مجھ سے کچھ کہا ہو۔ اس بات پر مجھے بڑا تعجب سا ہوا کہ یہ معمولی سا آدمی مجھے کیوں مخاطب کررہا ہے ایک لمحہ کے لئے میں نے یہ سوچا کہ اپنی چھڑی گھما کر اس کے سر پر دے ماروں پھر میں نے خود کو ایسا کرنے سے روکا اور فلیٹ کی سمت بڑھ گیا۔ بستر پر لیٹے ہوئے میں کافی دیر تک یہ سوچتا رہا کہ وہ الفاظ کیا تھے دھیرے دھیرے وہ الفاظ جو شاید میں بھول چکا تھا میرے ذہن پر ابھرنے لگے اور آخر کار جو الفاظ واضح ہوئے وہ یہ تھے۔" کیا تمہیں "یلو سائن" مل گیا ہے؟" مجھے بے حد غصہ آیا ان الفاظ کے کہنے سے اس شخص کا کیا مطلب تھا کچھ دیر بعد میں سوگیا اور جب میری آنکھ کھلی تو میں بے حد پریشان تھا کیونکہ میں نے وہی خواب آج پھر دیکھا تھا۔ جو پچھلی شب دیکھا تھا۔ لباس تبدیل کرکے میں اسٹوڈیو پہنچا تو ڈیزی وہاں پہلے ہی موجود تھی۔ اس نے بڑی پرخلوص انداز میں مجھے خوش آمدید کہا۔

میں کینوس کی طرف متوجہ ہوا۔" آؤ ڈیزی جلد تیار ہوجاؤ صبح کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں جلد اپنا کام مکمل کرلینا چاہئے۔" لیکن میں نے ڈیزی کو خاموش اور ساکت انداز میں کینوس کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔" کیا تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے؟"

"ٹھیک ہوں اس نے جواب دیا۔ کیا تم چاہتے ہو میں اسی طرح پوز بناؤں جس طرح ہمیشہ بناتی ہوں۔"

جب ہی میں نے محسوس کیا کہ اس طرح تو میں اپنے بے حد خوبصورت ماڈل سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔ یہ میرے لئے ایک نیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے میرے چہرے سے پریشانی کے تاثرات محسوس کرلیے تھے اسی لئے اس نے کہا۔

"میں تمہاری خواہش کے مطابق پوز ضرور بناؤں گی۔"

"نہیں اب ہم کچھ نئی چیزیں شروع کریں گے میں نے الماری کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ تاکہ میں کچھ نئے پوز کی تصویریں دیکھ سکوں۔ اس دوران ڈیزی تیار ہوچکی تھی اور جب میں نے اس کا سراپا دیکھا تو میں دیکھتا ہی رہ گیا وہ بڑے ہی خوبصورت انداز میں پوز بنانے کے لئے تیار تھی اس نے اپنے خوبصورت لمبے بالوں کو سر پر ایک نئے دلکش انداز میں لپیٹ رکھا تھا، اس نے مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھا اور میں نے ایک سونے کی زنجیر نکال کر اس کے گلے میں ڈال دی۔

"تمہارے جسم کے دلآویز خطوط کے نام ایک حقیر سا تحفہ۔" میں نے سر جھکا کر کہا اور جلد ہی موزوں رنگ بنانے بیٹھ گیا۔ اس دوران ڈیزی دوڑتی ہوئی پردے کے پیچھے چلی گئی اور فوراً ہی ہاتھ میں چھوٹا سا بکس لیے واپس آگئی۔ اس پر میرا نام لکھا ہوا تھا کہنے لگی۔" میری خواہش تھی کہ یہ میں تمہیں رات کو دوں گی۔ جب گھر واپس جاؤں گی لیکن اب میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرسکتی۔"

میں نے بکس کھولا جس پر گلابی کپڑے پر سنہرے حروف سے کچھ لکھا ہوا تھا جو نہ تو عربی زبان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا نہ چینی زبان اور نہ ہی ایسی انسانی تحریر پہلے کبھی میری نظر سے گزری تھی۔ ڈیزی نے خواہش ظاہر کی کہ میں ہمیشہ اس کی حفاظت کروں میں نے وعدہ کرلیا کہ میں ہمیشہ بہت حفاظت سے رکھوں گا۔

میں نے اس سے کہا۔ ”تم نے میرے لئے اتنی خوبصورت چیز خریدنے کی زحمت کیوں کی؟“

اس نے ہنستے ہوئے کہا ”میں نے اسے خریدا نہیں ہے، میں نے اسے پڑے ہوئے پایا ہے۔ میں نے اخبارات میں اشتہارات دے کر اس کے مالک کو مطلع کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس کے مالک کا کچھ پتہ نہ چلا یہ پچھلی سردیوں کی بات ہے اور اسی دن میں نے پہلی مرتبہ وہ بھیانک خواب دیکھا تھا۔“

مجھے ڈیزی کی باتیں سن کر اپنا پچھلی رات کا خواب یاد آ گیا۔ لیکن میں نے اس سے اس خواب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

دوسرا دن بھی میرے لئے اچھا ثابت ہوا ایک کینوس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہوئے اچانک میرا پاؤں پھسل گیا اور میں دونوں ہاتھوں کے بل گر پڑا اور میرے ہاتھ شدت سے زخمی ہو گئے کہ میں برش تک پکڑنے سے محروم ہو گیا۔ اس دن میں اپنے اسٹوڈیو کی نامکمل تصویروں کو دیکھتا رہا اور سگریٹ پیتا رہا بارش بھی شروع ہو چکی تھی۔ ڈیزی میرے قریب ہی بیٹھی تھی اور بڑی معصومیت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنی شرمندگی چھپانے کے لئے خود کو مصروف رکھا۔ میں نے تقریباً سارے ہی اخبارات پڑھ ڈالے اس کے بعد لائبریری کی کتابیں پڑھنا شروع کیں میں نے بے مقصد بہت سی کتابیں پڑھ ڈالیں اور پھر جب میں کھانے کے کمرے میں جانے ہی والا تھا۔

اچانک میری نگاہ آخری الماری کے اوپری خانے میں رکھی ہوئی ایک کتاب پر پڑ گئی۔ مجھے نہیں یاد تھا کہ یہ کون سی کتاب ہے اور نہ ہی یہ نیچے کھڑے ہو کر نظر آ رہی تھی۔ ڈیزی اسٹوڈیو سے آئی اور اچک کر کتاب تک پہنچ گئی۔ ”کون سی کتاب ہے یہ؟“ میں نے دریافت کیا۔ ”دی کنگ ان یلو۔“

میں گم سم سا رہ گیا کہ یہ کتاب کس نے وہاں رکھی ہے میرے کمرے میں کیسے آئی؟ میں نے تو کافی عرصہ پہلے ہی یہ طے کرلیا تھا۔ کہ میں یہ کتاب کبھی نہیں کھولوں گا۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس کتاب کے خریدنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ اس خوف سے کہ کہیں میں اسے کھول کر نہ دیکھ لوں کبھی کسی کتب فروش کی دوکان پر اس کتاب کی طرف توجہ بھی نہیں دی نہ ہی کبھی میں نے اسے پڑھنے کی اور نہ ہی اس کے اندر لکھے ہوئے واقعات کو جاننے کی کوشش کی۔ میں نے ڈیزی کو بھی منع کیا کہ وہ اس کتاب کو نہ چھوئے اور میرا منع کرنا اس کے تجسس میں اضافہ کے لئے کافی ہو گیا اور اس سے قبل کہ میں اس کتاب کو چھینتا وہ ہنستی ہوئی اسٹوڈیو کی جانب بھاگ گئی۔

میں اس کے پیچھے دوڑ اور اسے انتہائی سنجیدگی سے بتایا کہ ”میں نہیں چاہتا کہ وہ اس کتاب کو پڑھے۔“ پھر میں نے اسے ہر جگہ گھر کے ہر کونے میں تلاش کر ڈالا مگر وہ کہیں نہیں ملی۔ اس نے خود کو کہیں چھپا لیا تھا، تقریباً آدھے گھنٹے کی انتھک کوشش کے بعد وہ مجھے اسٹور کی کھڑکی کے پاس خاموش اور رنجیدہ کھڑی ہوئی ملی۔

پہلی ہی نظر میں، میں نے محسوس کرلیا کہ اس کو اس کی حماقت کی سزا مل چکی ہے۔ کتاب اس کے قدموں میں پڑی تھی اور اس کتاب کا دوسرا حصہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے ڈیزی کی جانب دیکھا تو کافی دیر ہو چکی تھی اس نے YELLOW KING پڑھ لیا تھا۔

میں نے اس کے ہاتھوں کو پکڑا اور اسٹوڈیو میں لایا وہ خوفزدہ معلوم ہوتی تھی۔ جب میں نے اسے صوفے پر بیٹھنے کو کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں بند کرلیں مگر اس کی سانس برابر چل رہی تھی، اس کی سانسوں کی آمد و رفت سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے میں کچھ دیر اس کے پاس خاموشی سے بیٹھا رہا لیکن وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ اس نے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔

آخر میں اسٹور روم سے وہ کتاب اٹھا لایا جو خاصی بھاری تھی اور صوفہ پر بیٹھ کر شروع سے آخر تک پڑھ ڈالی۔ جب میں جذبات کی شدت سے بے ہوش سا ہونے لگا تو میں نے وہ کتاب رکھ دی اور صوفہ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ڈیزی نے آنکھ کھول کر میری طرف دیکھا۔ کچھ دیر تک ہم دونوں باتیں کرتے رہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ ”ہم کنگ یلو“ پر ہی گفتگو کر رہے تھے۔ اب مجھے احساس ہوا کہ کیا وجہ تھی کہ میں شدت سے ”یلو سائن“ سے دور بھاگتا تھا اور اسے جلانے کے درپے تھا۔

رات ہو گئی وقت گزرتا گیا اور ہم ایک دوسرے سے اسی کتاب کے کردار ”کنگ“ اور ”پیلڈ ماسک“ کے بارے میں ہی گفتگو میں گم رہے۔

رات تقریباً آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی شہر تاریکی میں ڈوب کر ویران ہو چکا تھا۔ ہم ہیسٹر اور کیڈا کے بارے میں باتیں کرتے رہے، جب کہ ہوا کی شدت سے کھڑکیاں کھڑکھڑا رہی تھیں...... اور سڑک کی جانب سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ڈیزی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ میرے خیالات سے بخوبی واقف تھی۔ پھر ہم ایک دوسرے کے مختلف سوالات کے جوابات دیتے رہے۔

اچانک ہی سڑک پر کچھ دور سے ایک آواز آتی ہوئی سنائی دی جیسے گاڑی کے پہیوں کے چلنے کی آواز وہ قریب سے قریب تر ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ دروازے کے بالکل قریب آ کر رک گئی۔ میں نے خود کو تقریباً کھینچ کر کھڑکی کے قریب پہنچایا تو میں نے دیکھا کہ ایک گھوڑا گاڑی کھڑی ہے، نیچے کے گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز بھی صاف سنائی دی۔

میں نے کمرے کا دروازہ بند کر کے بہت سی رکاوٹیں کھڑی کردیں لیکن میں جانتا تھا کہ کوئی رکاوٹ یا حائل اس آنے والے کو نہیں روک سکتا جو کہ ”یلو سائن“ کی جانب آ رہا تھا۔ پھر اسے بڑی تیزی سے میں نے ہال میں چلتے ہوئے محسوس کیا۔ اس طرح وہ بالکل ہی دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اور وہ رکاوٹیں اس کی ٹھوکروں میں تھیں۔ اب وہ اندر داخل ہو گیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں لیکن در حقیقت جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو میں اس کو نہ دیکھ سکا۔ میں نے صرف محسوس کیا کہ اس نے مجھے کسی سرد اور نرم چیز میں بند کر دیا ہو۔

میں نے چیخنے اور اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی ناکام کوشش کی مگر سب بے سود ثابت ہوا اس نے مجھے گریبان سے پکڑ کر ڈیزی کے دیئے ہوئے اس عجیب و غریب تحفہ کو میرے کوٹ سے نوچ لیا اور میرے چہرے پر دباؤ ڈالا پھر میں نے ڈیزی کے چیخنے کی آواز محسوس کی جیسے کہ وہ گر رہی ہو۔ لیکن موجودہ صورت حال میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ اسے صرف اب خدا ہی پناہ دے سکتا ہے کیونکہ اب وہ ”کنگ ان یلو“ کی گرفت میں تھی۔

میں بہت کچھ کہہ سکتا ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ اس سے دنیا کو کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ میں یہاں پڑا ہوا ہوں اور مجھے کوئی پروا نہیں کہ آیا میں اپنی بات مکمل کرنے تک زندہ بھی رہوں گا یا نہیں۔

میں نے اپنے قریب ڈاکٹر اور مذہبی پیشوا کو کھڑے ہوئے محسوس کیا، وہ لوگ اس سانحہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے کتنی شدت سے بے چین ہوں گے۔ ساتھ ہی اخبار نویس اور مضمون نگار بہت کچھ لکھنے کے لئے مضطرب ہوں گے۔ لیکن میں کچھ نہیں کہوں گا۔ وہ جانتے ہیں کہ ڈیزی مر چکی ہے اور میں قریب المرگ ہوں، انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ کس طرح لوگ میرے گھر میں داخل ہوئے اور میرے کمرے کی جانب دوڑے اور پھر انہوں نے ایک زندہ اور دو مردہ لاشوں کو پایا۔ تھوڑی دیر میں میں بھی ایک لاش میں تبدیل ہو جاؤں گا لیکن اب کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

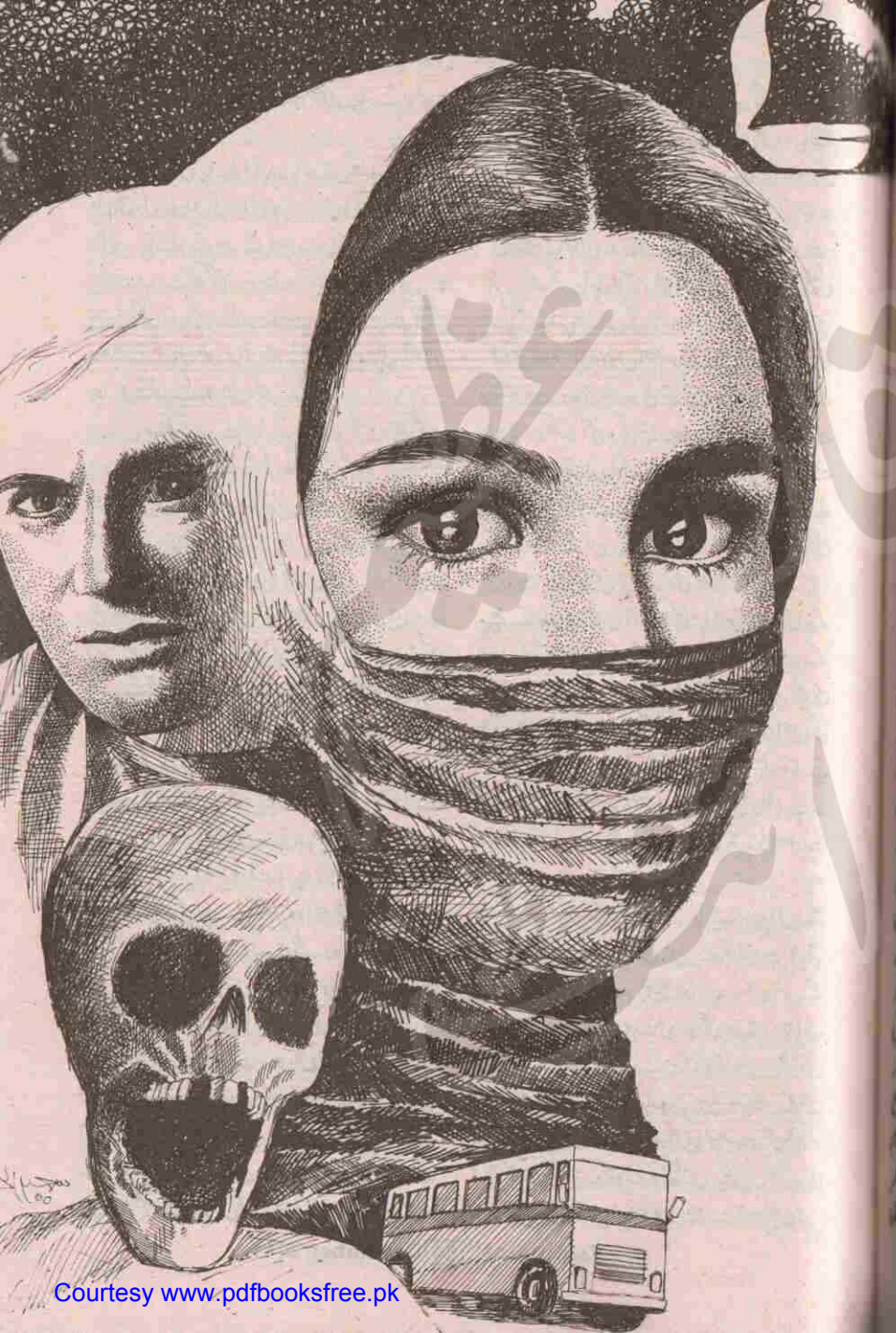

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شترو

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

لڑکی نے پورا زور لگا کر خود کو نادیدہ قوت کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی مگر اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہزاروں انگلیاں ایک ساتھ اس کے جسم میں چاقو کی طرح پیوست ہورہی تھیں۔ وہ مچل رہی تھی اس کی آواز حلق میں گھٹ رہی تھی۔

صدیاں گزرنے کے باوجود بھی جادوئی طاقت برقرار تھی، جادو کی اصلیت پر مکمل تحریر

آج صبا نے کئی ہفتوں بعد اپنے گھر کا دروازہ کھولا، پورے اگست کی گرمی میں جھلس کر مرجھا چکے تھے۔ پورے گھر میں بساند تھی اور ہر طرف کچرے کی بھی باس پھیلی ہوئی تھی۔ اسے اپنا سوٹ کیس گھسیٹ کر گھر کے اندر لانا پڑا کیونکہ اس کے سوٹ کیس کا ایک پہیہ ٹوٹ گیا تھا اس کی وجہ سے قالین پر گھسٹنے کے نشان بن گئے تھے۔ گھر واپسی پر صبا کو ہمیشہ ملی جلی کیفیت کا احساس ہوتا تھا۔ گھر واپسی ہمیشہ اچھی اور پرسکون لگتی مگر اس کو یہ بھی احساس ہوتا کہ پھر وہی بور روٹین شروع ہو جائے گی۔ جینی اس کی دھاری دار بلی تھی جو اس کی غیر موجودگی میں گھر کے اندر ہی رہتی تھی، اب بھی اس کو صبا کے آنے کا علم ہوا تو تو وہ بھاگتی ہوئی آئی ایک دو بار قدموں میں لوٹی اور پھر کہیں غائب ہوگئی۔

سامان وغیرہ ایک طرف رکھنے کے بعد کچن میں جا کر اس نے کافی بنائی اور کافی کے بڑے بڑے گھونٹ بھرتے ہوئے کمپیوٹر پر اپنی حالیہ سفر کی یادداشتیں ٹائپ کرنے لگی۔ اسے یہ کام کرتے ہوئے سہ پہر شام میں بدل گئی، اسے اب تھکاوٹ محسوس ہونے لگی تھی لہذا اس نے کمپیوٹر آف کیا اور اپنا سوٹ کیس کھولنا شروع کیا۔ اس کے اندر کپڑے عجیب سے گول مول انداز میں تہہ کر کے رکھے گئے تھے۔ اس نے اوپر سے کچھ کپڑے باہر نکالے تو ان کے نیچے سرخ مٹی کا بنا وہ بڑا سا گول پیالہ یوں پڑا تھا جیسے کپڑوں کے گھونسلے میں بڑا سا گول انڈا۔ اس نے احتیاط کے ساتھ اس پیالے کو اٹھایا اور اسے بغور دیکھنے لگی۔

صبا نے پچھلا پورا ہفتہ ہڑپہ کے کھنڈرات میں تحقیق کرتے گزارا تھا وہ یہاں کے قدیم باسیوں کی روز مرہ زندگی پر تحقیق کرنا چاہتی تھی اور ان کو دنیا کے سامنے نمایاں کرنا چاہتی تھی۔ اس دوران وہ صرف دو دفعہ قریب بنی گفٹ شاپ پر گئی تھی پہلی دفعہ وہ صرف وہاں موجود پرانی طرز کے برتن دیکھنے گئی تھی اس گفٹ شاپ پر کھنڈرات سے دریافت شدہ ٹوٹے پھوٹے اور نامکمل قدیم برتنوں کی مکمل کاپی سیاحوں کی دلچسپی اور بیچنے کے لئے رکھی جاتی تھیں اور دوسری دفعہ وہ یہاں سے اپنی پسند کے کچھ قدیم برتنوں کی کاپی خریدنے کے ارادے سے آئی مگر نجانے کیوں اس نے باقی سب چیزوں کو چھوڑ کر صرف اس بڑے سے گول پیالے کو خرید لیا جو قدیم دور کی مٹی کے برتنوں کی ایک نقل تھا جس کو کبھی ہڑپہ کے قدیم باسی بناتے اور استعمال کرتے تھے یہ پیالہ اس کو پہلی نظر میں ہی بھا گیا تھا۔ مگر اب جو پیالہ اس کے ہاتھ میں تھا

باوجود اس حقیقت کے کہ قدیم نوادرات کو ان کی جگہ سے ہٹانا اور ذاتی استعمال میں رکھنا قانوناً منع اور جرم تھا، وہ نقل نہیں تھا بلکہ اصل اور قدیم پیالہ تھا، مگر اس پیالے پر قیمتی کا اسٹیکر چسپاں تھا۔

صبا اس پیالے کو اپنے ہاتھ میں گھماتے ہوئے دل ہی دل میں اس کی صناعی اور کاریگری کی تعریف کرنے لگی۔ پیالے کے منہ کے اوپر سیاہ چمڑے کا ایک ٹکڑا نہایت مہارت اور سختی سے منڈھا گیا تھا اس کی وجہ سے اس کی شکل ایک چھوٹے سے ڈھول یا طبلے کی سی بن گئی تھی۔ صبا نے تجرباتی طور پر اس چمڑے کے اوپر اپنی انگلیاں بجائیں تو نہایت مدھر تال ابھرنے لگی۔

صبا کو ہمیشہ سے آثار قدیمہ سے دلچسپی رہی تھی۔ جب وہ دس برس پہلے کالج کی طالب علم تھی تو گریجویشن میں انگریزی کے ساتھ ساتھ اس کا دوسرا خاص مضمون آرکیالوجی ہی تھا۔ اس کے بعد اس نے ماسٹرز اور ایم فل بھی آرکیالوجی میں ہی کیا مگر اس کے لئے ڈگریوں کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی کیونکہ اس کے والدین بہت امیر تھے اور وہ ان کی اکلوتی اولاد، وہ کبھی اس کا خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے ہر شوق کی تکمیل میں کامیاب رہی۔ مگر آرکیالوجی تو اس کے لئے جنون تھا۔ اس کے والدین ایک کار ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ ان کی ساری دولت کی واحد وارث تھی لہذا اب اس کا پورا وقت اپنے جنون کی آگ سرد کرنے میں صرف ہونے لگا اور وہ آثار قدیمہ کی کھوج، تحقیق اور مطالعہ میں مصروف ہوگئی۔ وہ اس موضوع پر کتابیں لکھنا چاہتی تھی جس کے لئے مواد اکٹھا کرنے کی خاطر وہ کھنڈرات میں ماری ماری پھرتی۔

ہڑپہ کے کھنڈرات ساہیوال شہر کے قرب میں واقع ہیں۔ یہ شہر وادی سندھ کی قدیم تہذیب کا مرکز تھا اور اس کی آبادی تقریباً چالیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ شہر کچھ اندازوں کے مطابق 3300 قبل مسیح سے 1600 قبل مسیح تک اس کرۂ ارض پر موجود اور آباد رہا پھر اضمحلال و زمانہ کا شکار ہو کر مٹی کے نیچے گم ہو گیا۔ دوبارہ یہ شہر 1922ء میں دریافت ہوا۔

دنیا میں تقریباً پانچ ہزار برس قبل تین تہذیبیں معرض وجود میں آچکی تھیں۔ ایک عراق میں دریائے دجلہ و فرات کے کنارے جو میسوپوٹامیہ کہلائی، دوسری دریائے نیل کے کنارے مصر میں اور تیسری وادیٔ سندھ کی تہذیب کہلائی جو ہمالیہ کے دامن سے لے کر بحیرہ عرب تک تقریباً چار لاکھ مربع میل کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس تہذیب کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ اس کا رقبہ اپنی دونوں ہم عصر تہذیبوں کے رقبے سے دوگنا تھا۔ وادی سندھ کی تہذیب کے باسیوں نے پڑھنا اور لکھنا بھی دیگر تہذیبوں کی نسبت پہلے سے شروع کر دیا تھا اور یہ لوگ سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ یہ لوگ منظم منصوبہ بندی کے تحت اپنی زندگی گزارنے کے عادی تھے ان کے بنے ہوئے شہر اور عوام کی ضرورت کے مطابق ترتیب دی ہوئی گلیاں، کوچے، پینے کے پانی اور نکاسی آب کا نظام اکیسویں صدی کے لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ شہروں کے بسنے اور اجڑنے کی داستانیں قرطاس تاریخ پر بکھری پڑی ہیں ان میں ہڑپہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ آریاؤں کی مقدس کتاب رگ وید میں ''ہری یوپیا'' کا ذکر ملتا ہے جس کے معنی ہیں ''سنہری قربان گاہ'' تاریخ بتاتی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہی لفظ ہڑپہ کی صورت اختیار کر گیا۔

قدیم ہڑپہ شہر کے آثار تقریباً ایک سو پچاس ایکڑ رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے کھنڈرات کا رقبہ تقریباً 176 ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس شہر کے کھنڈرات سے دوسری بہت سی تاریخی اور نادر و نایاب اشیاء کے علاوہ انجانے حروف سے کندہ شدہ مہریں مل چکی ہیں مگر دلچسپ اور حیران کن بات یہ ہے کہ دنیا بھر کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ماہرین لسانیات اور آرکیالوجسٹ بھی مل کر آج تک ان انجانے حروف کو سمجھ نہیں سکے ہیں اور نہ ہی ان کا بھید جان سکے ہیں وہ ان کو پڑھنے سے قاصر ہیں۔

سر مادھو سروپ وٹس کی زیر نگرانی 1928ء سے لے کر 1934ء کے درمیان ہونے والی اس شہر کی کھدائی کے دوران ایک وسیع قبرستان دریافت ہوا تھا جہاں سے قد آدم کے برابر مٹی کے بڑے بڑے گھڑے اور مٹکے دریافت ہوئے تھے جن کے اندر انسانی ڈھانچے بند تھے۔ یہ لوگ اپنے مردوں کو مٹی کے بڑے بڑے گھڑوں کے اندر دفناتے تھے اور اس کے ساتھ دیگر استعمال کی چیزیں بھی رکھتے تھے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق انسان مرنے کے بعد بھی ایک نئی دنیا میں زندہ رہتا ہے اور اسے وہاں بھی چیزوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ مٹی کے گھڑے اپنی بناوٹ، سجاوٹ اور صناعی کے لحاظ سے بے مثال تھے۔

اس علاقے سے ایک ایسی مہر بھی دریافت ہوئی ہے جس میں ایک شخص کو ڈھول بجاتا دکھایا گیا ہے اس مہر کا تعلق 2400 قبل مسیح سے ہے۔

صبا اسی گم گشتہ شہر کے کھنڈرات میں تحقیق کے لئے ماری ماری پھر رہی تھی۔ اگست کا مہینہ پنجاب میں مون سون کا موسم ہوتا ہے اور اس موسم میں اس علاقے میں موسلا دھار بارشیں ہوتی ہیں۔ ہڑپہ میں تقریباً پورا ہفتہ ہی بارش ہوتی رہی مگر یہ خلاف معمول بات تھی۔ کئی جگہ پر بارش کے پانی کے باعث شاید صدیوں بعد ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹکڑے زمین سے باہر نکل آئے تھے۔ ان برتنوں میں صبا کو بے حد دلچسپی تھی۔ اس نے کئی ایک کو اٹھا کر نہایت توجہ سے ان کا مطالعہ کیا اور واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ خاصا دلچسپ کام تھا وہ ساتھ ساتھ اپنے ڈیجیٹل کیمرے سے ان آثار کی تصاویر بھی بناتی جا رہی تھی۔

وہ اس دن کے متعلق سوچنے لگی جب اس نے پہلی بار یہ پیالہ دیکھا تھا۔ اس دن وہ کھنڈرات کے دور دراز گوشے میں تحقیق کر رہی تھی ہر زاویے سے ہر کونے اور ہر چیز کی تصویر بنا رہی تھی۔ کچھ دور ایک تالاب تھا، شاید کبھی اس تالاب میں پانی لہراتا ہوگا مگر اب تو یہ ایک بہت بڑے گڑھے کی مانند تھا۔ اس تالاب کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہوئے اس کو برتنوں کے چھوٹے چھوٹے کئی ٹکڑے مٹی میں دبے ہوئے ملے۔

اس احتیاط کے ساتھ کہ آثار کو کوئی نقصان نہ پہنچے وہ تالاب کے اندر اترنے لگی تاکہ تالاب کی تہہ کا جائزہ لے سکے۔ ایسے تالاب عہد قدیم میں لوگ عموماً اپنے معبدوں اور مندروں کے ساتھ بناتے تھے بلکہ آج کل بھی ہندوؤں کے مندروں کے ساتھ ایسے تالاب اکثر مل جاتے ہیں جن میں وہ اشنان کرتے ہیں۔ مگر اس قدیم تالاب میں اب پانی نہیں تھا بلکہ لمبی لمبی گھاس اور جڑی بوٹیاں اگی ہوئی تھیں، ہاں کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے گڑھوں کی صورت بارش کا پانی ضرور جمع ہو گیا تھا جس نے زمین کو کیچڑ آلود کر دیا تھا۔ صبا نے اپنی آنکھیں بند کر کے تصور کی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کی کہ عہد قدیم میں جب یہ تالاب پانی سے بھرا ہوا ہوتا ہوگا اور آس پاس کی آبادی کے باشندے یہاں سے پانی پینے، لینے اور نہانے کے لئے آتے ہوں گے تو یہ کیسا نظر آتا ہوگا۔

تالاب کے وسط میں ایک ریتیلا ٹکڑا تھا جس کے آس پاس سبزہ اگا ہوا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اس جگہ کو تالاب کے باہر کھڑے ہو کر دیکھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہاں لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ زیادہ سوچے بغیر اس نے اس مقام کی ایک تصویر بنا لی۔

اس کے ڈیجیٹل کیمرہ کی اسکرین عجیب سی نظر آنے لگی وہاں کسی منظر کی شبیہہ ابھرنے کی بجائے اسکرین بالکل سفید تھی۔ حیران ہو کر اس نے ایک اور تصویر لینے کی کوشش کی مگر پھر ناکام رہی، نتیجہ پہلے والا ہی تھا۔ اس نے کیمرہ کا فوکس وہاں سے ہٹا کر تالاب کے دوسرے رخ کی تصویر بنائی اس دفعہ کیمرے کی اسکرین پر نہایت عمدہ تصویر ابھر آئی۔ حیران ہو کر وہ اس ریتیلے جگہ کے قریب آگئی تاکہ قریب سے اس کو دیکھ سکے۔ قریب جا کر اس کو محسوس ہوا کہ اس ریتیلی جگہ پر لمبی گھاس کے اندر زمین کی مٹی سے کوئی قدیم برتن جھانک رہا ہے۔

پر جوش ہو کر وہ اس طرف لپکی اور زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اس کا خیال تھا کہ یہ کسی قدیم برتن کا بڑا سا ٹکڑا ہے۔ اس نے اس کو اٹھانے کی کوشش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی مگر وہ زمین میں اچھی طرح دبا ہوا تھا۔ وہ خوش تھی کہ اسے قدیم تاریخ سے تعلق رکھنے والے کسی برتن کا زیادہ تر حصہ دیکھنے کو مل جائے گا۔

صبا نے بے تاب ہو کر زمین دونوں ہاتھوں سے کھودنا شروع کر دی زمین اس کی انگلیوں کے نیچے اس کی خواہش کے مطابق ہٹتی جا رہی تھی اور آگ میں پکا ہوا سرخ مٹی کا برتن نمایاں ہوتا جا رہا تھا جسے جلد ہی اس نے زمین سے باہر نکال لیا۔ اسے یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ یہ برتن کا کوئی ٹکڑا نہیں بلکہ ایک مکمل برتن تھا جو اپنی مکمل حالت میں بالکل صحیح اور سالم تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ کیا وہ اس برتن کو وہیں چھوڑ دے اور متعلقہ اتھارٹی کو اس کی اطلاع دے مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ پہلے بھی ان کھنڈرات سے عدم توجہی کے باعث کئی قدیم نوادرات عام لوگوں کے ہاتھ لگ کر غائب ہو چکے ہیں تو کیا جب تک وہ کسی متعلقہ شخص کو بلا کر لائے یہ برتن یہاں محفوظ رہے گا یا پھر وہ اسے اپنے ہمراہ لے جائے، وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

مگر پھر تالاب کے کنارے گھومنے والے سیاحوں کے قدموں کی آواز نے اسے فیصلہ کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اس نے پیالے کو اٹھایا اور تیز تیز چلتی ہوئی تالاب کے دوسرے کنارے سے باہر آ گئی۔ پارکنگ ایریا میں اس کو خطرہ تھا کہ کوئی سیکورٹی گارڈ اس کے ہاتھ میں اس پیالے کو دیکھ لے گا کیونکہ پیالے کا سائز ایک بڑے والی بال سے کم نہ تھا۔ اس کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہاں کوئی سیکورٹی گارڈ موجود نہیں تھا اس نے پیالے کو احتیاط سے اپنی جیکٹ میں لپیٹ لیا۔ پیالے کو جھٹکا لگا تو اسے پیالے کے اندر کسی چیز کے لڑھکنے کی آواز سنائی دی شاید اس کے اندر کوئی موتی تھا۔ اس نے جیکٹ کو لپیٹ کر اپنی کار کی عقبی سیٹ پر احتیاط سے رکھ دیا۔

ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال نہ تھا کہ اس نے اسی سائز اور شکل کا ایک اور پیالہ اس گفٹ شاپ سے کیوں خریدا تھا، یہ خیال اس کے کے ذہن میں اس وقت بھی نہیں آیا جب ہوٹل کے کمرے میں اس نے مصنوعی پیالے سے قیمت کا اسٹیکر اتار کر قدیمی پیالے پر چپکا دیا اور اس کو اپنے کپڑوں کے اندر لپیٹ کر اسے اپنے سوٹ کیس میں چھپا دیا۔ اپنے ہوٹل پہنچی تو وہ جوش سے کانپ رہی تھی کیونکہ یہاں آنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ آخر کار اس نے کیا کر دیا تھا۔ شرم اور احساس جرم نے اسے اس قدیمی پیالے کو سوٹ کیس سے اس وقت تک اس کی محفوظ جگہ سے باہر نہ نکالنے دیا جب تک وہ گھر واپس نہ آ گئی۔ دوسرے ہی دن وہ گھر واپسی کے لئے نکل کھڑی ہوئی مگر راستے میں وہ ایک جگہ رک کر اس نعلی پیالے کو ایک گھاٹی میں پھینکنا نہیں بھولی۔

سوچوں سے ابھر کر اس نے پیالے کو پھر اپنے ہاتھوں میں گھمایا اس کے اندر پھر کسی چیز کے لڑھکنے کی آواز سنائی دی۔ ہو سکتا ہے یہ کنکر ہوں یا پھر سوکھی مٹی کے چند ذرے۔

ایک ہفتہ گزر گیا ہر رات صبا کمپیوٹر چلا کر اس کے سامنے بیٹھ جاتی تا کہ اپنی کتاب مکمل کر سکے۔ پیالہ اس کی گود میں پڑا ہوتا اور وہ بائیں ہاتھ سے اس پر منڈھے چمڑے کو بجا رہی ہوتی۔ ایک رات اسے احساس ہوا کہ پیالے کے چمڑے پر کوئی نقش بنا ہوا ہے لیکن وہ مٹ کر اتنا مبہم اور غیر نمایاں ہو چکا تھا کہ اسے سمجھنا مشکل تھا کہ آخر یہ کوئی تصویر ہے یا کوئی عبارت۔ پیالے کو تھوڑا جھکا کر وہ اس پراسرار نقش کو کسی حد تک محسوس کر سکتی تھی مگر اس کو تر چھا کرنے پر اس کے اندر موجود چیز چھنک کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتی اور کمرے کی خاموشی کو توڑ دیتی۔

پیالے نے اس کو مسحور کر دیا تھا۔ ہر رات صبا کافی دیر اس چیز پر غور کرتی رہتی کہ آیا وہ اس پیالے پر لگے چمڑے کو ہٹائے یا نہیں، وہ اس کو اپنے ہاتھ میں پکڑے اس چمڑے کو گھورتی رہتی اس کو علم تھا کہ اگر اس چمڑے کو ایک دفعہ ہٹا دیا تو اسے دوبارہ اپنی جگہ لگانا ممکن نہ ہوگا۔ چمڑا پوری طرح کھنچا اور تنا ہوا تھا، صدیوں کے عمل نے اس کی شکل کو مستقل کر دیا تھا اور اس بات کا پورا امکان تھا کہ اتارتے ہوئے وہ پھٹ جائے گا۔ ہر رات وہ پیالے کو

ایک شیلف میں احتیاط سے رکھتی اور خود بستر پر ڈھیر ہو جاتی اور مکان کے گہرے سناٹے میں پیالے کے متعلق سوچتی ہوئی نیند کی گہری وادیوں میں اتر جاتی۔

☆.....☆.....☆

وہ مکمل برہنہ تھی یا پھر اس نے جو لباس پہن رکھا تھا اس میں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ چٹان کی بلندی پر تنہا کھڑی نیچے وادی میں دیکھ رہی تھی۔ اپنے گڈمڈ خیالات کے دوران اس نے سوچا کہ اس کے لباس کی کیفیت زیادہ معنی نہیں رکھتی۔ نیچے وادی میں دیکھتے ہوئے اس نے محسوس کی کہ وہ ناقابل بیان قسم کے کپڑے میں ملبوس ہے جو انتہائی ہلکا اور نفیس ہے۔ اس نے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا، اب وہ مختلف جگہوں سے ہو کر چٹان سے نیچے اتر رہی تھی، نئی چیزیں جاننے کی خواہش اس کے ذہن میں جھلملا رہی تھی۔ اس کے کانوں میں شہد کی مکھی یا بھنورے کی آواز جیسی بھنبھناہٹ گونج رہی تھی۔ اس کا دل اس کے سینے میں کچھ زیادہ ہی تیز دھڑک رہا تھا۔

ہر چیز اندھیرے میں ڈوب رہی تھی اور پھر صبا کو احساس ہوا کہ وہ جاگ رہی ہے آنکھ کھلتے ہی اس نے اپنے آپ کو پرسکون کیا، وہ بے سر و پا خوابوں کی گہری نیند سے باہر نکل آئی تھی مگر پھر دھیرے دھیرے وہ نیند کے گہرے اندھیروں میں پھر ڈوب گئی۔

چیزیں مجسم ہونے لگیں اب وہ یوگا کرنے والے لباس میں ملبوس تھی اور اس کو گرمی بھی محسوس ہو رہی تھی وہ چٹانوں پر ننگے پاؤں گھوم رہی تھی۔ اس کو محسوس ہوا کہ اس کے کان ایک خاص ردھم میں بجنے والے ڈھول کی آواز سن رہے تھے۔ وہ آواز پہاڑیوں اور چٹانوں میں چاروں طرف گونج رہی تھی، وہ گونج سرگوشیوں کی مانند اس کے کانوں میں اتر رہی تھی۔ کسی اجنبی اور نامانوس زبان کے الفاظ ایک خاص ردھم میں کسی منتر کی طرح پڑھے جا رہے تھے۔ وہ بے خود ہو کر اس آواز کی طرف بڑھ رہی تھی۔

چٹانوں پر سے گزرتے ہوئے وہ بے شمار سایے دیکھ سکتی تھی جو سر جھکائے کسی معمول کی مانند چل رہے تھے اور ادھر ادھر جھاڑیوں میں دبک اور نکل رہے تھے۔ کہیں کہیں قدیم گھروں کی جھلک بھی نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے دیکھا وہ سائے دھوئیں کی شکل اختیار کر رہے ہیں اور ایک چٹان کے چھوٹے سے سوراخ یا درز میں سما رہے تھے۔

دور کہیں بجنے والے ڈھول کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی اور وہ ایک معمول کی طرح اس کی طرف کھنچتی چلی جا رہی تھی اس کو محسوس ہوا پودوں کی شاخیں جھک کر اس کو راستہ دے رہی تھیں اور راستے کی طرف نشاندہی کر رہی تھیں وہ رک کر ایک طرف دیکھنے لگی، سامنے ایک بہت بڑی چٹان کھڑی تھی وہ رک گئی اور چٹان کو دیکھنے لگی پھر دیکھتے ہی دیکھتے چٹان اس کے سامنے پگھل کر سنگی سیڑھیوں میں بدل گئی۔

وہ آگے بڑھی اور سیڑھیاں اترنے لگی۔ اس نے دیکھا کہ اجنبی سائے اس سے دور ہٹتے جا رہے تھے وہ جیسے جیسے سیڑھیاں اتر رہی تھی اس نے دیکھا کہ وہ ہڑپہ کے کھنڈرات والے علاقے میں موجود تھی مگر اب یہاں ٹوٹے پھوٹے آثار کی بجائے عمارتیں بالکل مکمل حالت میں تھیں اور ان پر وقت کا کوئی اثر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے اس جگہ پہنچ گئی جہاں تالاب تھا۔ وہاں زمین میں ایک سوراخ بنا ہوا تھا۔ ڈھول کی آواز اس سوراخ کے اندر سے ابھر رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک چوبی سیڑھی اس سوراخ سے جھانک رہی تھی اور کہیں نیچے تک جا رہی تھی۔

اس کا تجسس اس کو اس سوراخ تک لے گیا۔ اس نے سیڑھی کو تھاما اور اس کی مدد سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ اندھیرا اس کو گھیر رہا تھا ہلکا سا اجالا نیچے اترنے میں اس کی مدد کر رہا تھا جلد ہی وہ سیڑھی سے نیچے اتر گئی۔ اس نے دیکھا کہ جس کمرے کے اندر وہ تھی وہاں بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ پہچان گئی، یہ ایک معبد تھا، حقیقی زندگی میں اس نے اس کمرے کی بہت ساری تصاویر بنائی تھیں مگر یہاں خوابوں کی دنیا میں یہ کمرہ ایک بہت بڑا محل محسوس ہو رہا تھا جو ایک جادوئی تال پر تھرک رہا تھا، ڈھول کی تھاپ پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناچ رہا تھا۔ ملگجی روشنی میں وہاں ایک قد آور آدمی نظر آرہا تھا جو پشم اور پروں کے لباس میں ملبوس تھا اس کا لباس صرف کمر سے لے کر گھٹنوں تک تھا باقی جسم برہنہ تھا جس پر عجیب سے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ وہ شخص بیٹھا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں، اس کے ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا ڈھول تھا جسے وہ جنونی انداز میں پیٹ رہا تھا۔ زیر زمین پھیلے اس کمرے کی وسعتوں کا ہر زاویہ ڈھول کی آواز سے تھرا رہا تھا۔

صبا وہاں بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ کمرے میں اوپر والے در سے آنے والی روشنی عین اس شخص کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور اس کے چہرے پر عجیب ہیبتناک سائے کو جنم دے رہی تھی۔ جب اس نے ایک دم اپنی بند آنکھیں کھول کر پہلی بار صبا کو دیکھا تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ ڈھول بجنا رک گیا تھا۔ صبا نے دیکھا تو اب اس اجنبی کے دونوں ہاتھ خالی تھے ڈھول اندھیرے میں کہیں غائب ہو چکا تھا۔

وہ اجنبی ٹکٹکی باندھے صبا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں گہرا جمود طاری تھا اندھیرا اور سکوت صبا کے جسم و جان میں گھس رہا تھا، وہ اپنے گھٹنوں کے بل گر گئی اور گہرے سانس لینے لگی۔ پراسرار اجنبی، نامانوس الفاظ میں چند الفاظ بولے جنہیں صبا سمجھ نہ سکی۔ الفاظ یوں تھے جیسے مٹی کے برتن میں لڑھکتے چھوٹے چھوٹے پتھر۔ یہ الفاظ اس کے زبان سے نکلے مگر صبا کے کانوں سے گزر کر دماغ تک نہیں پہنچے۔ صبا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس پر اسرار اجنبی نے کوئی چیز پکڑ کر اوپر بلند کی صبا نے دیکھا یہ وہی نقلی پیالہ تھا جو اس نے گھاٹی میں پھینکا تھا۔

"شترو....." یہ وہ واحد لفظ تھا جسے وہ سمجھ پائی۔ اس شخص نے پیالے کو ڈھول کی طرح بجایا اور پھر اپنا ایک ہاتھ اندھیرے میں لہرایا اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے اداسی اور دہشتناک سرفضا میں بکھرنے لگے۔ موت کی موسیقی بجنا شروع ہو گئی تھی۔

صبا اس کو برداشت نہ کر سکی اور اس نے گھبرا کر اپنے ہاتھ دونوں کانوں پر رکھ لئے۔

پراسرار اجنبی نے نہایت غصیلے انداز میں وہ پیالہ اپنے چہرے کے سامنے گھمانے لگا۔

"شترو....." وہ دوبارہ چلایا اور پیالہ اپنے قدموں میں زمین پر دے مارا۔

صبا نے بے اختیار زمین کی طرف دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ زمین اس کے قدموں کے نیچے سے سرکتی جا رہی ہے۔ وہ اندھیرے میں گرتی چلی گئی۔ چھت پر بنا روشنی کا ہالہ اس کو نظروں سے دور ہونے لگا بلکہ وہ اس سے دور ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ اس روشنی نے ایک ستارے کی شکل اختیار کر لی۔

صبا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ خوف زدہ تھی اس کے ذہن و جسم پر ایک بوجھ چھایا ہوا تھا۔ وہ بستر سے نکلی تو اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اسی وقت اس کی بلی جینی نے جو اس کے ساتھ ہی بستر پر سوتی تھی ایک دردناک چیخ بلند کی اور عجیب غیر فطری انداز میں بستر سے اچھلتی ہوئی وہ کمرے کے اندھیرے کونے میں غائب ہو گئی۔

صبا رات والے خواب پر غور کرنے لگی اسے یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا کیونکہ اسے خوابوں پر یقین نہیں تھا وہ ہمیشہ ان سب چیزوں کو میڈیکل اور سائیکالوجی کے نقطہ نگاہ سے دیکھتی مگر خواب میں نظر آنے والے مناظر نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آرکیالوجسٹ ہونے کے ناتے وہ یہ بھی جانتی تھی کہ "شترو" سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "ازلی دشمن"۔ مگر کون کس کا دشمن ہے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

دو ماہ گزر گئے ہر رات کی صبح ایک جیسی ہوتی۔ وہ اس پیالے کو غور سے دیکھتی اس کے اندر بجتی چیز کی آواز کو غور سے سنتی۔ اکتوبر کا آغاز ہو چکا تھا اور برف باری کا پہلا طوفان اپنا تعارف کروا چکا تھا اپنی کرسی پر بیٹھ کر ایک پرانا بڑا سا سویٹر پہنے اس نے پیالہ اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا اور کھڑکی سے باہر اندھیرے سے سیاہ ہوتے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

گزشتہ دو مہینوں میں صبا کے لئے چیزیں بدلنا

شروع ہو گئی تھیں۔ اک احساس گناہ آہستہ آہستہ گھن کی طرح اس کے ضمیر کو کھا رہا تھا۔ روزمرہ اشیاء خرید و فروخت کے لئے جب وہ مارکیٹ جاتی تو اسے یوں محسوس ہوتا کہ بازار میں ہر شخص اس کو مشکوک نگاہوں سے گھور رہا ہے۔ اگر وہ شاپنگ کرنے جاتی بھی تو صبح سویرے جب مارکیٹ میں لوگ کم ہوتے اور اس کو گھورنے والی آنکھیں بھی۔ اب مارکیٹ جانے کا وقفہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔

اب وہ اپنے دوستوں اور خاندان کے لوگوں کے فون کال سننے سے بھی گریز کرتی۔ گھر میں اس کا زیادہ تر وقت اب اسی منحوس پیالے کے ساتھ گزرتا اور وہ پیالے پر بنے نقش ونگار کو کاغذ پر منتقل کرنے کی کوشش کرتی تاکہ وہ اس کا اچھی طرح مطالعہ کر سکے۔

رات کے خواب اس کے وہم کو مزید بڑھا رہے تھے اور اب تو اس کے لئے رات کو سونا بھی دشوار تھا۔ وہ پر اسرار شخص تقریباً ہر رات نمودار ہوتا اور ہر رات اس کے دہشت ناک خواب کا انجام "شترو" کی چیخ پر ہوتا۔

وہ محسوس کرتی تھی کہ یہ سب اس کے عمل کا نتیجہ تھا اکثر اس کو خواب میں وہ نقلی پیالہ بھی نظر آتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ صبا نے اکثر رات ایسے خواب بھی دیکھے تھے کہ ان کھنڈرات میں کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ خواب میں وہ چٹانوں کی بلندیوں پر بھٹک رہی ہوتی اور کئی چمک دار آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی ہوتیں۔ جب وہ صبح اٹھتی تو ٹھنڈے پسینے میں نہائی ہوتی۔

جب معاملہ حد سے گزرتا محسوس ہوا تو اس نے اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ کئی دفعہ اس کے دل میں خیال آیا کہ کسی عامل سے رابطہ کیا جائے مگر ماورائی قوتوں پر اس کا یقین نہیں تھا وہ روحوں کی قائل نہیں تھی اس لئے اس نے اپنے سائیکو ڈاکٹر سے رابطہ کیا۔ ایک بوڑھا ڈاکٹر جو مستقل پودینہ چباتا رہتا تھا اس نے نہایت غور سے اس کی بات سنی کچھ دیر سوچتا رہا پھر مشورہ دیتے ہوئے اس نے کہا کہ "یہ ڈراؤنے خواب اس کے احساس گناہ کا نتیجہ ہیں۔" تین ہفتوں کے بعد وہ ڈاکٹر اس کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ "وہ کسی بھی طرح اس پیالے کو کھنڈرات میں واپس اس کی جگہ پر پہنچا دے۔"

صبا نے ڈاکٹر کی بات ماننے کا فیصلہ تو کر لیا مگر کوئی چیز اندر سے اس کو روک رہی تھی کیونکہ صرف اس وقت وہ اپنے آپ کو پر سکون محسوس کرتی جب وہ پیالہ اس کے ہاتھوں میں ہوتا اور وہ اسے گھما گھما کر اس کے اندر سے ابھرنے والی پراسرار آواز کو سنتی اور ایسا وہ کئی کئی گھنٹے تک کرتی۔ اب تو وہ لکھنا بھی بھول چکی تھی۔

صبا کو محسوس ہوتا کہ اس کے اندر سوالات کا ایک سمندر ہے اور یہ پیالہ پراسراریت کی دھند میں لپٹا ہوا ہے۔ وہ لاشعوری طور پر اس پیالے کے سحر میں گرفتار ہو چکی تھی اس کا تجسس اس کو اکساتا کہ وہ معلوم کرے کہ اس پیالے کے اندر کیا ہے؟ اس نے فیصلہ کر لیا کہ پیالے کو اپنی جگہ پہنچانے سے پہلے وہ اس کو کھولے گی اور دیکھے گی کہ اس کے اندر جلترنگ کی طرح بجنے والی چیز کیا ہے؟

رات کا ایک بج چکا تھا وہ ابھی تک سوچ رہی تھی اور کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتی تھی۔ جینی کی طرف دیکھتے ہوئے جو کمرے میں چہل قدمی کر رہی تھی اس نے گہری سانس لی۔ اب سوچنے کا وقت گزر چکا تھا۔ دل مضبوط کر کے اس نے پیالہ اٹھایا، وہ خوف زدہ بھی تھی اور اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس نے پیالے پر بندھا فیتہ پکڑا اور اسے کھینچنے کی کوشش کی۔

اگر کھلنے کے بعد اس میں سے چند کنکر برآمد ہوئے تو کیا ہوگا؟

کیا ہوگا اگر اس نے اس کو کھولا اور اس میں سے سونے یا چاندی کا بنا کوئی قدیم زیور برآمد ہوا تو؟۔

کانپتے ہاتھ سے اس نے پیالے کے گرد لپٹے فیتے کو کھولنے کی کوشش کی۔ اس کے لرزتے ہاتھوں میں جیسے قوت نہیں بچی تھی۔ جینی بھی اس کو دیکھنے کے لئے قریب آ گئی۔

پھر اس نے فیتے کا آخری بل بھی کھول دیا۔ پیالے کے منہ پر منڈھا چمڑے کا ٹکڑا اپنی جگہ پر جما ہوا تھا احتیاط سے اس نے چمڑے کو اپنی جگہ سے ہٹایا تاکہ پیالے کے اندر جھانک سکے۔ چمڑا کئی جگہ سے پھٹ گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور کاغذ کی مانند اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے۔

عین اسی وقت بجلی بند ہو گئی۔ اس کے پاس بیٹھی جینی غرانا شروع ہو گئی۔

اندھیرے میں صبا نے محسوس کیا کہ کوئی چیز اس کے چہرے پر ہولے ہولے رینگ رہی ہے۔ گھبرا کر اس نے پیالہ ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنا چہرہ ٹٹولنا شروع کر دیا مگر وہاں کچھ نہ تھا۔

خوف زدہ ہو کر اس نے فوراً اپنا سیل فون نکالا اور اس کی لائٹ استعمال کرتے ہوئے وہ بھاگتی ہوئی کیراج میں گئی اور بجلی کے بریکر چیک کیے۔ وہ درست حالت میں تھے پھر بھی اس نے ان کو اتار کر دیکھا اور دوبارہ اپنی جگہ پر فٹ کر دیا۔

"لعنت ہو....." وہ جھنجھلا گئی۔

صبا گھر کے اندر آئی اور اس نے کچن سے ایمرجنسی لائٹ اٹھالی یہ ایک بڑی لائٹ تھی۔ اس کو آن کرنے سے پہلے اس نے ادھر ادھر دیکھا ہر چیز گہرے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پڑوس میں جلنے والی روشنی کچن کی کھلی کھڑکی میں سے کمرے میں معمولی اجالا کر رہی تھی۔

"شاید بجلی جلدی واپس آ جائے....." اس نے سوچا۔

سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اسے اندھیرے میں دور کہیں جینی کی ہلکی سی غراہٹ سنائی دی۔

"جینی..... یہاں آؤ....." اس نے پچکارتے ہوئے کہا تو اندھیرے میں اسے سرسراہٹ اور قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

وہ واپس اپنے کمرے میں آئی اور فرش پر روشنی ڈالی۔ پیالہ ہاتھوں سے گرنے کے باوجود سلامت تھا اور لڑھک کر میز کے نیچے چلا گیا تھا۔ اسے اٹھا کر اس نے روشنی کی مدد سے اس کے اندر جھانکا۔ وہ بالکل خالی تھا۔

پریشان ہو کر صبا گھٹنوں کے بل جھکی اور میز کے نیچے ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا۔ وہ واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور خالی پیالہ کو دیکھنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ پیالہ کھولتے ہی یہ کیا ہوا، ساتھ ہی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"اس کے اندر آخر کیا تھا وہ کہاں گیا؟"

اسے توقع تھی کہ اس کے اندر موتی، کوئی قدیم زیور یا کنکر وغیرہ ہوں گے مگر فرش پر اس کو کچھ نہ ملا تو وہ پریشان ہو گئی۔ دوبارہ پیالہ اپنے ہاتھوں میں گھمانے لگی مگر اب پیالہ بالکل خاموش تھا۔ صبا اٹھی اور میز کے آس پاس تلاش کرنے لگی۔ اس نے پورا کمرہ چھان مارا مگر کچھ نہ ملا۔ پھر اچانک کوئی چیز اس کے پاؤں تلے آئی تو وہ ایک دم اپنی جگہ ساکت رہ گئی کیونکہ پاؤں کے نیچے سوکھے پتوں کی سی چرچراہٹ پیدا ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اس نے غیر ارادی طور پر پاؤں فوراً واپس اٹھالیا اس کو ڈر تھا کہ پاؤں کے نیچے جو کچھ آیا تھا وہ اس کی بے وقوفانہ اور لاپرواہ حرکت سے ٹوٹ گیا تھا۔ پاؤں ہٹا کر اس نے دیکھا تو پتہ چلا کہ پاؤں کے نیچے آ کر چرمرانے والی چیز کوئی قدیم موتی یا زیور نہیں بلکہ ایک بڑے چوہے کے برابر خشک مردہ مکڑی تھی۔

صبا کو اپنے پورے جسم میں سنسنی اور دہشت کی ایک سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ اس کے پورے جسم میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ اس کی ٹانگوں سے جان نکل رہی تھی۔ اور پاؤں پر چیونٹیاں چلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ باتھ روم کی طرف بھاگی اور اپنے پاؤں پر گرم پانی بہانے لگی اسے مردہ خشک مکڑی سے کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں آئی اور ایمرجنسی لائٹ کی روشنی میں فرش پر پڑی ہوئی مردہ مکڑی کو غور سے دیکھنے لگی۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ جب اس پیالے پر صدیوں پہلے یہ چمڑا منڈھا گیا ہو گا تو یہ مکڑی غلطی سے اس میں بند ہو گئی ہو گی اور پھر صدیوں تک اس میں رہی اور مر گئی، یا پھر اس قدیم زمانے کے رواج کے مطابق جس طرح انسانوں کو مٹی کے قد آور مٹکوں میں دفن کیا جاتا تھا اس مکڑی کو بھی مٹی کے اس پیالے میں دفن کیا گیا تھا..... شاید یہ کوئی مقدس مکڑی تھی۔ مگر وہ مرتبان اور مٹکے جن میں انسانوں کو دفن کیا جاتا تھا ان پر کوئی چمڑا نہیں منڈھا گیا تھا بلکہ ان کو مٹی کے بنے ڈھکن سے ہی

بند کیا گیا تھا تو پھر اس پیالے پر چمڑا کیوں لگایا گیا تھا؟

خوف زدہ ہونے کی وجہ سے وہ مکڑی کو چھو نہیں پا رہی تھی بس دور سے ہی اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا جب لائٹ بحال ہو گی تو پھر اس مکڑی کو یہاں سے اٹھائے گی۔

پیالہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ پیالے کا راز اب کھل چکا تھا، پیالے کے اندر بجنے والی آواز مردہ مکڑی کے جسم کی تھی۔ پرانے سارے خیال اس کے ذہن سے محو ہو چکے تھے۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے پیالہ میز پر رکھ دیا اور باہر نکل کر ہال میں آئی مگر ٹھٹھک کر رک گئی اس کو کہیں دور سے کسی کی سرگوشی سنائی دے رہی تھی۔ پھر اس کو گھر کے اندر سے لکڑی کے فرش پر بھاری فرنیچر کے گھسٹنے کی آواز آئی اس کے ساتھ ہی گہرے اندھیرے میں دور کہیں سے جینی چلائی۔

وہ اپنی جگہ برف کے پتلے کی مانند ساکت کھڑی تھی۔ اس کو پر اسرار آہٹیں کچن کی طرف جاتی محسوس ہوئیں اس کے ساتھ اسے جینی کے دردناک انداز میں رونے اور پنجوں سے کھرچنے کی آواز بھی سنائی دی۔ پھر جینی نے انسانی آواز سے مشابہ ایک کریہہ چیخ بلند کی۔

صبا خوف کے مارے اپنی جگہ منجمد کھڑی تھی اس کی نگاہیں اس طرف مرکوز تھیں جہاں سے سیڑھیاں نیچے والی منزل کو جاتی تھیں۔ اس نے سوچا وہ شاید اب بھی اپنی کرسی پر بیٹھی سو رہی ہے اور یہ ایک ڈراؤنا خواب ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولنے اور نیند سے بیدار ہونے کی کوشش کی مگر جو کچھ ہو رہا تھا سب اصلی اور حقیقی تھا۔

"جینی....." صبا نے اندھیرے میں پکارا، اس کے ساتھ ہی گھر میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ صبا نے ڈرتے ڈرتے قدم اٹھائے اور سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے اپنے آس پاس روشنی ڈالی اسے امید تھی کہ یہیں کہیں جینی کی چمکدار آنکھیں اسے نظر آ جائیں گی۔

کمرے میں اس نے دیکھا کہ اس کا کاؤچ اپنی جگہ سے تقریباً ایک فٹ ہٹا ہوا ہے اور اس کے چمڑے پر جا بجا پنجوں کے کھرچنے کے نشانات تھے اور وہ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا شاید پنجوں میں پھنسا کر اس کا کاؤچ کو اپنی جگہ سے گھسیٹا گیا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل بھی اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی اور کرسیاں فرش پر ادھر ادھر لڑھکی پڑی تھیں ایک تو بالکل ٹوٹ چکی تھی یوں لگتا تھا جیسے اسے اٹھا کر زور سے پٹخا گیا ہو۔ کچن میں تو اور بھی برا حال تھا، شیلف کی ہر چیز فرش پر بکھری پڑی تھی دیوار میں بنی الماریوں پر روشنی ڈالتے ہی وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ ان میں سے ایک کے پٹ پر اس نے پنجوں سے کھرچے جانے کے دو گہرے نشان دیکھے، دونوں نشانوں کے درمیان تقریباً چار انچ کا فاصلہ تھا۔

جہاں وہ کھڑی تھی وہاں سے اسے ایک خون آلود پنجہ نظر آ رہا تھا جو کٹا ہوا تھا اور ہولے ہولے تڑپ رہا تھا۔ خون کا ایک بہت بڑا دھبہ نیچے فرش پر پھیلا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی ریشمی بالوں کا ایک گچھا بھی گرا نظر آ رہا تھا۔

اس نے فوراً اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور 1122 ڈائل کیا۔ آپریٹر کی آواز سنتے ہی اس نے چیخنا شروع کر دیا۔

"پلیز!..... یہاں کسی کو بھیجو..... کسی کو..... میرے گھر بھیجو..... مجھے مدد کی ضرورت ہے۔"

"او کے میم..... پرسکون ہو جائیے..... ہم کچھ کرتے ہیں۔"

"وہ میری بلی کو کھا گیا ہے....." صبا نے سسکیوں بھری آواز میں کہا۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں دبک چکی تھی۔ میز کے نیچے اس کو گوشت کاٹنے والا ایک چاقو نیچے گرا نظر آ رہا تھا۔

"او کے میم..... آپ کا نام اور گھر کا ایڈریس کیا ہے؟"

صبا نے اس کو مطلوبہ معلومات دیں تو آپریٹر نے اسے یقین دلایا کہ جلد ہی ایک آفیسر اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ صبا فون پر رو رہی تھی اس لئے آپریٹر نے اس کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے ہاں چلی جائے اور وہاں مدد کا انتظار کرے۔

فون بند کرنے کے بعد بھی وہ کئی منٹ تک سسکتی رہی۔ گھر میں چیزیں گھسٹنے کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۔صبا نے دیکھا ایک دھندلی زردی شبیہہ اس کے روشنی کے دائرے کے سامنے بجلی کی رفتار سے گزر گئی۔

"جینی؟....." ہکلاتے ہوئے اس نے آواز دی مگر کوئی ردعمل سامنے نہ آیا۔ صبا کیبنٹ کے دروازے پر بنے پنجے کے نشانات کے متعلق سوچتے ہوئے اندازہ لگانے لگی کہ آخر وہاں کیا ہوا ہوگا؟ ہوسکتا ہے جینی وہاں گر کر زخمی ہوگئی ہو اب اگر وہ اس کو چھوڑ کر پڑوسیوں کے ہاں چلی گئی اور جینی کو فوری طور مدد کی ضرورت ہوئی تو وہ کبھی بھی اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکے گی۔

اس نے چاقو اٹھا کر میز پر رکھا اور دوبارہ جینی کو تلاش کرنا شروع کردیا، وہ پورے گھر میں اس کو پکارتی پھری۔ دو دفعہ اس کو جینی کی چمک دار آنکھیں نظر آئیں اور پھر غائب ہوگئیں۔ جب وہ اپنے بیڈروم میں داخل ہوئی تو اس کو جینی بستر پر بیٹھی نظر آگئی، اس کے پنجوں پر خون لگا ہوا تھا۔

"جینی!.....تم ٹھیک ہو نا....." وہ بے تابی سے اس کی طرف لپکتی ہوئی بولی اور اپنے گھٹنوں کے بل بیڈ کے قریب بیٹھ گئی اور روشنی بلی کی طرف کردی۔ "یہاں آؤ میں تمہارا زخم دیکھتی ہوں۔"

جینی کا سر غیر فطری انداز میں ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا اور وہ اپنی پچھلی ٹانگوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے اور ان میں سے عجیب سی خرخراہٹ بلند ہو رہی تھی۔ اس کی کھال عجیب انداز میں حرکت کر رہی تھی اور یوں ابھر اور سکڑ رہی تھی جیسے اس کی کھال کے اندر ایک ساتھ سینکڑوں سانپ رینگ رہے ہوں۔

"جینی....." وہ ایک بار پھر چلائی کیونکہ بلی کی زبان اس کے منہ سے باہر لٹک آئی تھی۔

صبا خطرے کو بھانپ کر باہر کی طرف لپکی اور جونہی وہ دروازہ سے نکلی اس نے ایک زوردار آواز سنی ۔جینی کا جسم اک دھماکے سے پھٹ گیا تھا اور جینی کے پورے جسم کے ٹکڑے ہوا میں اڑتے ہوئے نیچے فرش پر آگرے تھے۔

دیوانگی کے عالم میں صبا بیرونی دروازہ کھول کر باہر کی طرف لپکی۔ باہر چھاچھوں مینہ برس رہا تھا۔ اپنے عقب میں اس کو شور سنائی دے رہا تھا پھر کوئی اس کے ساتھ لپٹ گیا کوئی بدبودار اور کالی چیز اس کی کمر کے گرد لپٹ رہی تھی۔ اس سیاہ ہیولے نے اس کو دوبارہ گھر کے اندر کھینچ لیا۔ وہ مدد کے لئے چیخی، زور سے چلائی وہ بری طرح مچل رہی تھی۔ کھلے دروازے سے اندر آنے والی روشنی در و دیوار پر عجیب سے ہیولے تراش رہی تھی اس کا اپنا سایہ بھی سامنے دیوار پر پڑ رہا تھا، وہیں اسے اپنے حملہ آور کا مدھم سا سایہ نظر آیا۔ کوئی چیز فرش پر اس کے قدموں سے ٹکرائی اور وہ یہ دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی کہ وہ جینی کی کھال کا ایک بڑا سا ٹکڑا تھا۔

ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے وہ حملہ آور کی گرفت سے آزاد ہوگئی۔ بچنے کی خاطر بے بسی کے عالم میں وہ ایک طرف بھاگی، حملہ آور کا سایہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دیوار کا سہارا لیتے ہوئے وہ کچن کی طرف دوڑی اور میز پر رکھا چاقو اٹھا لیا۔ سایہ بدستور اس کے تعاقب میں تھا۔ جونہی وہ چاقو اٹھانے لگی کسی نے اس کے ہاتھوں کو جکڑ لیا۔

صبا نے پوری قوت لگا کر اپنے آپ کو آزاد کروانے کی کوشش کی مگر اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہزاروں انگلیاں ایک ساتھ اس کے جسم میں چاقو کی طرح پیوست ہو رہی ہوں۔ وہ مچل رہی تھی، اس کی آواز حلق میں گھٹ رہی تھی۔ اسے مدد کا انتظار تھا مگر اس سے پہلے ہی اسے اپنی روح جسم سے آزاد ہوتی محسوس ہوئی۔ اسے لگا جیسے اس کے جسم کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ ہر چیز آنکھوں کے سامنے دھندلا رہی تھی مگر کان اب بھی جنونی انداز میں بجنے والے ڈھول کی آواز سن رہے تھے جو لحہ بہ لحہ قریب آتی جا رہی تھی اور اس کی تال کے ساتھ ساتھ کہیں دور سے "شترو" کا نعرہ بھی بلند ہو رہا تھا۔

گم ہوتے ہوئے حواس میں صبا نے محسوس کیا کہ ہزاروں سائے سر جھکائے میکانکی انداز میں اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں اور پکار رہے ہیں.....شترو.....شترو.....

قبلہ درست

سکندر علی رضا۔ فیصل آباد

غار سے باہر کھڑے ہو کر ایک شخص نے اپنی انگلی پر چاقو سے کٹ لگایا تو خون زمین پر گرنے لگا اور سارا خون آنکھوں سے اوجھل ہوگیا کہ ایک کرخت اور کھردری آواز سنائی دی، اس آواز نے قرب و جوار کے پرسکون فضا کو منتشر کرکے رکھ دیا۔

قدرت کی نظر کرم ہو تو ایک معمولی بات دنیا بدل کر رکھ دیتی ہے.....کیا یہ حقیقت ہے

میرا نام صفدر علی خان ہے، میرا تعلق جدی پشتی رئیس گھرانے سے ہے، کونسی ایسی نعمت ہے جو مجھے میسر نہیں اور کون سی ایسی برائی تھی جو مجھ میں موجود نہیں تھی۔

ماں کے انتقال کے بعد والد کے لاڈ پیار نے مجھے ضدی اور خود غرض بنا دیا تھا، باپ کا لاڈلا ہونے کی وجہ سے ہر وہ کام کر گزرتا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، ان ساری برائیوں کے باوجود اگر مجھ میں کوئی اچھائی تھی تو وہ صرف یہ کہ میں پڑھائی میں دلچسپی لیتا تھا اور ہر سال پاس ہو جاتا تھا یہی میرے والد کے لئے کافی تھا کیونکہ وہ میری تمام برائیوں کو جاگیرداروں کی شان جانتے تھے۔

دسویں جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد مجھے کالج میں داخلے کا شوق چرایا تو والد صاحب نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے مجھے کالج میں داخلہ دلوا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ہوسٹل میں رہنے کو ترجیح دی، ایک تو میرا انداز اور شکل وصورت نوابوں والی تھی اوپر سے بے تحاشا دولت نے مجھے خودسر بنا کر رکھ دیا تھا۔

کالج میں داخلے کے بعد میں مزید بگڑ گیا، غنڈہ گردی اور ہڑتالیں کروانے میں میرا نام سرفہرست ہوتا۔ میرے تمام اساتذہ مجھ سے تنگ تھے لیکن وہ میری غنڈہ گردی اور والد صاحب کے اثر ورسوخ کے سامنے بالکل بے بس تھے۔ کالج میں چار سال گزرنے کے بعد میں پکا بدمعاش بن گیا تھا، اب میں نے پڑھائی میں بھی دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی۔

وہ دسمبر کی ایک سرد صبح تھی مجھے صبح صبح سگریٹ کی طلب محسوس ہوئی جیبوں میں ہاتھ ڈالا لیکن کچھ نہ ملا مجھے نشہ ٹوٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور ہوسٹل سے نکل کھڑا ہوا، مجھے جبرو کے اڈے تک جانا تھا جہاں میری ضرورت باآسانی پوری ہو سکتی تھی۔

صبح کا وقت تھا میں نے پیدل ہی چلنا شروع کر دیا، مجھے اپنی مخالف سمت سے ایک خستہ حال بوڑھا آدمی تیزی سے اپنی طرف بڑھتا نظر آیا، قریب آنے پر میں اسے پہچان گیا کہ یہی وہ پاگل ہے جو ہر وقت چیتھڑوں میں ملبوس شہر کے گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومتا نظر آتا ہے میں نے بارہا اسے بچوں کے پتھروں سے لہولہان ہوتے دیکھا تھا۔

شدید سردی کے باوجود وہ بغیر چپل کے تھا، میرے قریب پہنچ کر وہ ایک دم رک گیا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور وہ بغیر پلک جھپکائے میری طرف دیکھ رہا تھا مجھے زندگی میں پہلی بار ہلکا سا خوف محسوس ہوا، میں نے چاہا کہ اس کی نگاہوں سے بچ کر ایک طرف سے ہو کر نکل جاؤں یہ سوچ کر جیسے ہی میں نے قدم بڑھائے اس نے زور دار آواز میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”جا..... جا..... چلا..... جا..... اپنا قبلہ درست کر لے..... جا دیر مت کر۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے نعرہ ”یا علی مدد“ بلند کیا اور ایک طرف کو دوڑ لگا دی۔ میں ایک لمحے کے لئے بالکل گھبرا گیا تھا، لیکن اسے پاگل جانتے ہوئے اس کی باتوں کو ذہن سے جھٹک کر جبرو کے اڈے کی طرف چل پڑا، میری مصروفیات جوں کی توں رہیں۔

گرمیوں کا موسم تھا۔ آج مجھے اپنے دوستوں سے ملنے جانا تھا۔ یونیورسٹی کے کچھ پرچے غائب کروانے تھے اس سلسلے میں ہماری میٹنگ تھی اس سے پہلے میں نے اپنے دوستوں کے لئے نشہ پانی کا بندوبست بھی کرنا تھا کیونکہ میٹنگ کے لئے ہوٹل میں کمرہ بک کروانا اور دوستوں کی تواضع میری ذمہ داری تھی۔ میں نے ہوسٹل سے نکل کر پی سی او سے فون کرنا بہتر سمجھا۔ اپنے دوست شکیل عرف شیکا کو سارے انتظامات کے بارے میں بتا دیا۔

گرمی بہت زیادہ تھی میں نے سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر ٹیکسی کے لئے نظریں دوڑائیں ٹیکسی تو خیر مجھے نظر نہیں آئی لیکن کچھ فاصلے پر میں نے اسی پاگل کو دوڑتے ہوئے دیکھا۔ وہ میری طرف ہی آ رہا تھا پیچھے کچھ بچے تھے جو ہاتھوں میں پتھر لیے اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ آج تو اس پاگل کے جسم پر چیتھڑے بھی نہیں تھے۔ وہ میرے قریب سے دوڑتا ہوا آگے نکل گیا۔

ایک دم میں نے دل میں سوچا۔ ”لوگ پتا نہیں کیوں ایسے لوگوں کو اللہ لوگ کہتے ہیں اس شخص کو تو اتنی بھی تمیز نہیں کہ کپڑے ہی پہن لے۔“

میری پوری توجہ اس پاگل پر مرکوز تھی ایک دم وہ مڑا۔ زمین سے پتھر اٹھایا اور میری طرف دوڑتا ہوا آیا۔ ”اے کیا کہتا ہے کیوں کہتا ہے؟ تو کون ہوتا ہے؟ مجھے کچھ کہنے والا؟ میں جیسے مرضی رہوں، بول اب کہے گا اب کہے گا؟ اب کچھ کہا تو پتھر مار کر تیرا سر پھاڑ دوں گا، تیرا تو اپنا قبلہ درست نہیں، جا چلا جا۔“

ایک دم اس نے پتھر میری طرف پھینکا تو میں لاشعوری طور پر ایک طرف ہٹ گیا اور وہ پاگل آگے کو چل پڑا۔

بچے اب بھی اس کے پیچھے تھے لیکن وہ سب سے بے نیاز تھا۔ میرا دل اس وقت بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا

۔ میں حیران تھا کہ جو خیال میرے دل میں تھا اور جسے میں نے زبان سے ادا تک نہیں کیا تھا وہ کیسے اس تک پہنچ گیا؟

ایک دیوانگی سی مجھ پر سوار ہو گئی۔ میں بھی ان بچوں کے ساتھ اس پاگل کے پیچھے چل پڑا، بچے اب بھی اس کو پتھر مار رہے تھے۔ میں ان کو روک رہا تھا، آخر میں نے ڈانٹ کر سب کو بھگا دیا۔

میں اس پاگل سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے بات کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔

چلتے چلتے اچانک ایک جگہ وہ زمین پر بیٹھ گیا اور ارد گرد سے پتھر اٹھانے لگا، پتھر اٹھانے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا، پھر اس نے ایک ایک کر کے پتھر آسمان پر پھینکنے شروع کر دیئے، وہ پتھر پھینکتا جاتا اور کہتا جاتا تھا۔ ”بادلوں جلدی آؤ، بارش کرو، بہت گرمی ہے۔“

اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے آسمان بادلوں سے بھر گیا، بجلی کڑکی اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ میں حیرت سے آسمان پر چمکنے والی بجلی اور برسنے والے پانی کو دیکھ رہا تھا۔ ایک دم مجھے اس پاگل کا خیال آیا تو میں نے اس کی طرف نگاہ دوڑائی جہاں میرے اندازے کے مطابق اس پاگل کو ہونا چاہئے تھا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

میرے دل کی دنیا ایک دم بدل گئی، مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا تھا، میرے دوست میری تبدیلی پر حیران تھے۔ وہ مجھ سے طرح طرح کے سوال پوچھتے لیکن میرے پاس ان کے سوالوں کا جواب نہیں تھا، میرا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ سب کچھ چھوڑ کر واپس گاؤں چلا جاؤں۔ میں نے اپنے دوستوں کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا لیکن وہ پہلے ہی جان گئے تھے کہ اب مجھے ان کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں رہی اور میں اب ان کے کسی کام نہ آسکوں گا چنانچہ وہ مجھے کسی صورت زندہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے کیونکہ میں ان کے تمام رازوں سے واقف تھا اور میں ان کے لئے پھانسی کا پھندہ ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے انہیں ہر طرح سے قائل کرنے کی کوشش کی کہ میں ان کے خلاف کبھی زبان نہیں کھولوں گا لیکن وہ کسی صورت میری بات ماننے کو تیار نہ تھے۔ مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ میں ان کے لئے موت کا پھندا بن جاؤں گا۔

مجھے بڑی شدت سے ان تمام گناہوں، کا احساس ہونے لگا جو مجھ سے سرزد ہوئے تھے اور جن پر اس سے پہلے میں نے کبھی بھی شرمندگی محسوس نہیں کی تھی، اب میرے دل میں صرف یہ خیال تھا کہ ایک بار اپنے والد سے مل لوں اور ان سے معافی مانگ لوں۔

ابھی صرف میری نگرانی کی جا رہی تھی کیونکہ انہوں نے میرے قتل کے لئے دن مقرر نہیں کیا تھا۔ میرے پاس ایک رات کی مہلت تھی، میں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔ رات کی تاریکی میں میں نے کھڑکی کے پٹ کھولے اور آہستگی سے نیچے اتر گیا، بمشکل پہرے داروں کو دھوکا دیا اور رات کے اندھیرے میں ہی اپنے گاؤں کا رخ کیا۔

صبح کے ساڑھے چار بجے تھے جب میں اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ ملازم مجھے اتنی صبح خالی ہاتھ حویلی میں آتے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے، اتنے میں کسی نے والد صاحب کو میرے آنے کی خبر دے دی، وہ فوراً حیران پریشان ملازم کے ساتھ اپنے کمرے سے باہر آ گئے۔ ”پتر خیریت! کوئی چٹھی پتر نہیں، تو کس طرح اتنے سویرے آ گیا خیر تو ہے؟“ والد صاحب نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اب والد صاحب سے کوئی بات چھپانا ناممکن تھا۔ ”پتر دس کی گل اے تیرے اتھرو میرا کلیجہ چیر دے نے“ والد صاحب نے اپنے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کئے۔

اور مجھے اپنے قریب بٹھا لیا۔ ”اوے جاؤ اور روٹی ٹکر دا بندوبست کرو“ والد صاحب نے ملازموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جو حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

میری حالت اس وقت بڑی عجیب سی تھی وہ صفدر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علی خان جس نے زندگی میں جو چاہا پایا اور جس کی خواہش کی اسے حاصل کیا تھا اور اب بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

یوں لگتا تھا کہ اب تک خوابوں میں زندگی گزاری ہے اور اب آنکھ کھلی تو ایک بھیانک تصویر سامنے تھی میں نے آہستہ آہستہ والد صاحب کو تمام تفصیل بتانی شروع کی ۔سب کچھ بتانے کے بعد میرے دل کا بوجھ کسی حد تک کم ہو گیا تھا لیکن دل کی خلش ابھی باقی تھی رہ رہ کر دل و دماغ میں ایک فقرہ گونج رہا تھا۔ ”اپنا قبلہ درست کر۔“

میرے دل میں شدت سے یہ خواہش جاگی کہ اپنے گناہوں کے لئے توبہ کروں اور اپنے رب عزوجل کی طرف پلٹ جاؤں مگر احساس ندامت کسی پل چین نہ لینے دیتا تھا۔

والد صاحب تمام باتیں سننے کے بعد سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ”پتر تو روٹی ٹکر کھا لے پھر تیار شیار ہو جا، تجھے میرے ساتھ ایک جگہ جانا ہے۔“ والد صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا اور خود اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ میں نے بھی اپنے کمرے کی راہ لی اور ملازم کو ناشتہ لانے کو کہا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ملازم نے آکر اطلاع دی کہ ”بڑے صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں تیار ہو کر آئیں۔“ میں ملازم کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔ والد صاحب گاڑی کے پاس تیار کھڑے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور ڈرائیور کو چلنے کے لئے کہا۔ گاڑی ایک طرف کو روانہ ہو گئی۔

تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ہم قدرے ویران علاقے میں داخل ہو گئے۔ میں اس طرف کبھی نہیں آیا تھا کیونکہ یہ علاقہ بالکل بنجر تھا۔ اونچے نیچے پہاڑی ٹیلے تھے اور سبزہ نہ ہونے کے برابر تھا، ایک جگہ والد صاحب نے گاڑی روکنے کا حکم دیا اور گاڑی رک گئی تو گاڑی سے اتر گئے، میں بھی ان کے پیچھے گاڑی سے نیچے اتر آیا۔

والد صاحب نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود تیزی سے آگے بڑھنے لگے، میں بھی ان کے پیچھے چل رہا تھا، آدھے گھنٹے کے دشوار گزار سفر کے بعد ہم ایک غار کے دہانے پر پہنچے۔ دہانے پر پہنچ کر والد صاحب نے اپنی انگلی پر چاقو سے ایک کٹ لگایا اور خون کے چند قطرے زمین پر ٹپکائے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے خون کے قطرے زمین پر سے غائب ہو گئے، اب والد صاحب ہاتھ جوڑ کر غار کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ”آ جاؤ سیوک، تمہاری بلی قبول کی جاتی ہے۔“ اچانک یہ آواز غار کے اندر سے آئی۔

والد صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر غار کے اندر داخل ہو گئے کچھ گہرائی میں اترنے کے بعد غار کے ایک کونے سے ہلکی سی روشنی ظاہر ہو رہی تھی، ہم دونوں غار کے اس کونے کی طرف بڑھنے لگے، وہاں پہنچ کر غار بائیں طرف مڑ گیا تھا، اس سمت داخل ہونے کے لئے ایک بڑا سا سوراخ تھا۔ روشنی وہیں سے نکل رہی تھی والد صاحب میرا ہاتھ پکڑے ہوئے غار کے اس حصے میں داخل ہو گئے غار کا یہ حصہ ایک مستطیل شکل کا تھا اس کے وسط میں ایک چھوٹا سا گڑھا تھا جس میں آگ روشن تھی۔ ناگوار بو سارے غار میں پھیلی ہوئی تھی آگ کے سامنے ہی ایک ننھی سا بوڑھا بیٹھا تھا اس کے جسم پر ایک لنگوٹ تھا اور پورے جسم پر سیندور ملا ہوا تھا اس کے لمبے لمبے بال جس کا رنگ سفید، اس کی کمر کو چھو رہے تھے۔

والد صاحب اور میں اندر داخل ہوئے تو اس بوڑھے سادھو نے ہاتھ کے اشارے سے ہمیں بیٹھنے کو کہا اور خود آنکھیں بند کئے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول کر ہماری طرف دیکھا اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں ایک عجیب پراسرار چمک تھی۔ ایک لمحے کو مجھے اس کی آنکھیں اپنے وجود کے اندر اترتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

”کیا چاہتے ہو سیوک؟“ سادھو نے والد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

والد صاحب نے ہاتھ جوڑتے ہوئے میرے بارے میں بتانا شروع کیا تو سادھو نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کر دیا۔

”ہم جانتے ہیں کہ تم کیا بتانا چاہتے ہو۔“ سادھو

والد صاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”کیا اس کے دکھوں کو ختم کرنا چاہتے ہو؟“ سادھو نے والد صاحب سے سوال کیا۔

”جی سادھو مہاراج، میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے کے سارے دشمن ختم ہو جائیں۔“

”تو اس کے لئے تمہیں بلی دینی ہوگی، تمہارے بیٹے کو مسلسل 9 روز اپنے خون کے 4 قطرے دینے ہوں گے، 9 دن کے بعد اس کے دشمنوں کی بربادی شروع ہو جائے گی۔ ہر روز رات کے ٹھیک دو بجے اسے اپنے خون کے 4 قطرے زمین پر ٹپکانے ہوں گے، اس کے بعد ساری زندگی یہ ہر ماہ کی تیرہ تاریخ کو خون کے چار قطرے دان کرے گا، پھر یہ ہمارے خاص شرن میں ہوگا اور جو اس کی طرف قدم بڑھائے گا، ہم خود اس کا سروناش کر دیں گے۔“

والد صاحب نے ہاتھ جوڑ کر یقین دلایا کہ ”یہ ایسا ہی کرے گا۔“

”اچھا اب تم جاؤ ہمارا اسے بہت قیمتی ہے۔“

والد صاحب نے مجھے ساتھ لیا اور پھر واپس آ گئے۔

میں نے ابھی تک والد صاحب سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ میں اب اس سادھو کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن جب بھی کوئی سوال کرتا والد صاحب یہ کہہ کر چپ کرا دیتے کہ ”تم اپنے کام سے کام رکھو۔“ ناچار میں خاموش ہو جاتا۔

آج رات دو بجے مجھے اپنے خون کے چار قطرے دینے تھے اور میرے والد مجھے بار بار یاد کروا رہے تھے کہ میں بھول نہ جاؤں یہ سب کچھ میری سمجھ سے باہر تھا میں اس حق میں نہیں تھا، ”بھلا خون کے قطروں سے دشمنوں کو نقصان پہنچانے کا کیا تعلق بنتا ہے؟“ میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ لوگ میرا پیچھا چھوڑ دیں لیکن میں اپنے والد کو کیسے سمجھاتا جو میرے دشمنوں کو کسی صورت معاف کرنے کو تیار نہ تھے۔

گھڑی نے رات کے دو بجائے اور والد صاحب میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے چاقو میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اپنی انگلی پر کٹ لگاؤ اور خون کے چار قطرے فرش پر ٹپکاؤ۔“

میں نے نا چاہتے ہوئے بھی ان کے حکم کی تعمیل کی۔

جیسے ہی خون کے قطرے فرش پر گرے تو فوراً ہی زمین پر سے ایسے غائب ہو گئے جیسے کسی نے خون کو فرش پر سے چاٹ لیا ہو۔ میں کبھی فرش کی طرف دیکھتا اور کبھی اپنے والد کے چہرے کی طرف۔ ”پتر یہ باتیں تیری عقل میں نہیں آئیں گی تو اپنے کام سے کام رکھ، اور پورے 9 دن تو نے یہی کرنا ہے اور اس دوران تو نے حویلی سے باہر قدم بھی نہیں نکالنا۔“ والد صاحب نے مجھے حکم دیا۔

مجھے خون کے قطرے فرش پر ٹپکاتے ہوئے 9 روز گزر چکے تھے۔ آج دسواں دن تھا۔ آج صبح ہی صبح میں نے اپنے والد صاحب سے حویلی سے باہر جانے کی اجازت مانگی تو انہوں نے بہ خوشی مجھے دے دی تھی ایسا لگ رہا تھا کہ وہ میری طرف سے بالکل بے فکر ہو گئے تھے۔ ایک دو گھنٹے کھیتوں میں گزرنے کے بعد میں اپنے پرانے دوستوں سے ملنے چلا گیا۔

حویلی واپس لوٹا تو دوپہر کے سوا دو بجے تھے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت تھا۔ میں نے دوپہر کا کھانا کھایا اور اخبار اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ میرا ارادہ تھا کہ کچھ دیر اخبار پڑھوں گا پھر کچھ دیر پڑھنے کے بعد شام میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے نکلوں گا۔ کمرے میں پہنچ کر میں بستر پر بیٹھ گیا۔ اور اخبار کھول کر میں نے شہ سرخیوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔

”حمید عرف حمادو کا پراسرار قتل۔“ اخبار کی شہ سرخیوں کا مرکز تھا میرا دل ایک دم دھڑک اٹھا۔ پوری خبر پڑھنے کے بعد پتہ چلا کہ میرا اندازہ درست تھا، پر میرے دوست کے قتل کی خبر تھی۔ جیسے رات دو بجے پراسرار طریقے سے اس کے بستر پر قتل کر دیا گیا تھا اور پولیس قاتل کا سراغ لگانے میں ناکام رہی تھی لیکن پولیس نے جلدی ہی قاتل کو پکڑنے کا وعدہ کیا تھا۔

شب و روز بڑی سست روی سے گزر رہے تھے ہر 9 روز کے بعد اخبار میں ایک قتل کی خبر آتی اور وہ خبر میرے کسی دوست کے متعلق ہوتی جو کسی نہ کسی حوالے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے جرائم میں میرا شریک رہا ہو۔ میں شدید ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ میرے دوست جو بعد میں میرے دشمن بن گئے تھے وہ ہلاک ہو جائیں لیکن یہ سب کچھ میری سمجھ سے باہر تھا۔

9 مہینے گزر چکے تھے اب مجھے ہر مہینے کی 13 تاریخ کو خون کے 4 قطرے فرش پر ٹپکانے پڑتے تھے۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ شاید سادھو اپنے کالے علم سے سب کو قتل کروا رہا ہے۔ مجھے اسے روکنے کا کوئی طریقہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں خون کے قطرے ٹپکانے بند کر دوں، شاید اس طرح سادھو مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ اور یہ قتل کا سلسلہ بھی بند ہو جائے گا۔ ویسے بھی اس رات چاند کی 13 تاریخ تھی اور رات کے دو بجنے والے تھے میں ایک کتاب کے مطالعے میں غرق تھا، جیسے ہی گھڑی نے رات کے دو بجائے تو کسی ۔۔۔۔ طاقت نے میرے ہاتھ سے کتاب چھین لی۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بستر سے نیچے اتار دیا۔ پھر اس ان دیکھے وجود نے میری انگلی پر کٹ لگا دیا تو خون کے قطرے زمین پر ٹپکنے لگے۔ پھر وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا تھا خون کے قطرے فرش پر غائب ہو گئے۔ میں خوف زدہ ہو کر ارد گرد دیکھنے لگا مگر میرے سامنے کوئی نہیں تھا لیکن جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا تھا اس کو میں جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔

میں نے جیسے تیسے کر کے رات گزاری اور صبح اپنے والد کو رات کا تمام واقعہ سنایا تو والد صاحب کچھ دیر خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی حل نہیں ہے اگر تم نے سادھو مہاراج کا کہا پورا نہ کیا تو تم مشکلات میں پڑ سکتے ہو، تمہیں ساری زندگی ہی کرنا ہوگا تا کہ تمہارا کوئی دشمن تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے زندہ نہ رہے۔"

مگر مجھے اپنے والد صاحب کے خیالات سے اختلاف تھا چنانچہ میں نے بحث کرنا بہتر نہ سمجھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا ملازم کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اگر والد صاحب پوچھیں تو کہہ دینا کہ دوستوں سے ملنے گیا ہوں اور خود سادھو سے ملنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

راستے مجھے یاد تھے چنانچہ دشوار گزار سفر کے بعد میں غار کے دہانے پر پہنچ گیا۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور غار کے اندر داخل ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں بائیں طرف مڑا تھا جہاں سادھو موجود تھا لیکن وہاں اس وقت کسی کی موجودگی کا نام و نشان نہیں تھا۔ میں حیران و پریشان سا غار سے باہر آ گیا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اچانک میرے دماغ میں خون کے قطرے کا خیال آ گیا جیسا والد صاحب نے کہا تھا لہٰذا میں نے اپنی انگلی پر کٹ لگایا اور خون کے قطرے زمین پر ٹپکنے لگے۔ جیسے ہی خون کے قطرے زمین پر گرتے فوراً غائب ہو جاتے۔

"اچانک غار کے اندر سے سادھو کی آواز بلند ہوئی۔" تمہاری بھینٹ سویکار کی جاتی ہے اندر چلے آؤ۔

میں ایک بار پھر غار کے اندر داخل ہو گیا، غار کے اندر سے ناگوار سی بو آ رہی تھی۔ اب سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا میں اپنے والد کے ساتھ پہلے بھی دیکھ چکا تھا، میں اندر داخل ہو گیا سادھو اپنی مخصوص جگہ پر پہلے والی حالت میں موجود تھا۔ "کیوں آیا ہے بالک، تیرا کام تو ہو رہا ہے۔" سادھو نے کہا۔

"مجھے یہ سب ٹھیک نہیں لگتا میرے واقف کار مارے جائیں۔" میں اس سلسلے کو بند کروانا چاہتا ہوں۔" میں نے ہمت جمع کرتے ہوئے کہا۔

"ہم اب کچھ نہیں کر سکتے جا واپس چلا جا۔" اس کے ساتھ ہی غار کا منظر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں مایوس ہو کر واپس گھر آ گیا دل بہت اداس تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ میں کوئی گناہ کر رہا ہوں لیکن توبہ اور نجات کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

والد صاحب زمینوں میں مگن تھے اور میری طرف سے بالکل بے فکر کیونکہ ان کے خیال میں، میں اب بالکل محفوظ تھا اور کوئی دشمن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

لیکن میں کسے جا کر اپنی حالت بتاتا ایک دم مجھے مولوی صاحب کا خیال آیا جو ہمارے گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھاتے تھے اور دینی تعلیم بھی دیتے تھے۔ میں ان کے پاس

گیا اور اپنے بچپن سے لے کر اب تک کی زندگی ان کے سامنے کھول کر رکھ دی۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے پھر کہنے لگے۔ "بیٹے تم نے غلط طاقتوں سے مدد حاصل کی ہے۔

جبکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہئے، تم اللہ سے توبہ کرو اور باقاعدگی سے نماز ادا کرو، اللہ رحمٰن رحیم اور کریم ہے، سچے دل سے توبہ کرنے والوں کو ضرور معاف کر دیتا ہے۔" مولوی نے مجھے دوبارہ اس سادھو کے پاس جانے سے بھی منع کیا، میں نے ان کی تمام باتیں اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھالیں۔ وہاں سے نکل کر گھر آیا دو رکعت نفل نماز پڑھی اور رو رو کر اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ طلب کی۔ میرے دل کو کچھ سکون ملا اس کے بعد میں باقاعدگی سے پانچ وقت کی نماز بھی ادا کرنے لگا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اب اگلے ہفتے کی 13 تاریخ کو میرے ساتھ کیا ہوتا ہے کیا مجھے پھر خون کی بھینٹ دینی پڑے گی؟ اور اس کے نتیجے میں میرے کسی دشمن کی جان جائے گی؟"

آج صبح سے ہی میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ میں نے ظہر کی نماز ادا کی اور دیر تک استغفار کرتا رہا۔ میرے دل کی عجیب سی حالت تھی میں مسجد سے نکل کر قبرستان کی طرف چل پڑا، والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور قبر کے سرہانے بیٹھ گیا، میرا دل چاہ رہا تھا کہ "میں والدہ کو اپنی زندگی کی ساری باتیں بتاؤں اور ان کی باتیں سنوں لیکن یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔"

یہی سوچ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے میں بے خودی میں والدہ سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے یاد نہیں تھا کہ میں کتنی دیر سے یہاں ہوں۔

اچانک مجھے کسی نے پیچھے سے دھکا دیا۔ میں خود فراموشی کی کیفیت سے باہر نکل آیا، مڑ کر دیکھا تو وہی پاگل میرے سامنے کھڑا تھا جس کی ایک نظر نے میرے دل کی دنیا بدل دی تھی۔

"چل اٹھ جا..... کتنی بڑی سفارش لے آیا ہے کم بخت، ماں کو بلا لایا ہے، چل اٹھ۔" پاگل نے مجھے پاؤں سے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

میں اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ "چل ہاتھ آگے کر" پاگل نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے آگے کر دیا، اس نے میرے ہاتھ کو مصافحے کے انداز میں چھوا اور کہا۔ "دیکھ ہم پھر نہیں آئیں گے اپنا قبلہ درست رکھنا، ابھی تو اس کی وجہ سے آ گئے ہیں۔" اس پاگل نے میری والدہ کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر وہ والدہ کی قبر کی طرف مڑا۔

اور ان سے باتیں کرنے لگا، میں سکتے کی حالت میں کھڑا تھا۔ میرے حواس جواب دے چکے تھے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں؟ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

آنکھ کھلی تو خود کو بستر پر پایا والد صاحب قریب ہی بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے گاؤں والے بے ہوشی کی حالت میں قبرستان سے اٹھا کر لائے تھے۔

اس واقعے کو کئی برس گزر چکے ہیں لیکن اس کے بعد کبھی میری انگلی سے خون نہیں نکلا، نہ ہی مجھے خون کی بلی دینی پڑی۔ میں اب باقاعدگی سے نماز پڑھتا ہوں اور برائیوں سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرتا ہوں، اور جب دل گھبراتا ہے تو قبرستان میں والدہ کی قبر پر چلا جاتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ لوگ فقیر جسے میں پاگل سمجھتا تھا میری رہنمائی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ شاید میری والدہ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا جنہیں قبر میں بھی میرا خیال تھا۔

میرے اس ہاتھ سے جسے اس اللہ والے نے چھوا تھا، ہلکی ہلکی خوشبو آتی رہتی ہے اور دھونے کے باوجود آج تک اسی طرح خوشبو برقرار ہے اور جب بھی میں والدہ کی قبر پر جاتا ہوں تو یہی خوشبو اور بڑھ جاتی ہے، شاید میری والدہ بھی مجھے یاد دلانا چاہتی ہیں کہ میں اپنا قبلہ درست رکھوں۔ کیونکہ میں گناہوں کی دلدل سے صحیح سلامت واپس آ گیا ہوں اور اب اگر میرے قدم ڈگمگائے تو میں جانتا ہوں کہ میرے لئے کوئی پناہ نہیں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چندرادیوی

ایم الیاس

نویں قسط

خوف و ہراس پھیلاتی، ذہن پر سکتہ طاری کرتی، حیرت انگیزی کی دھوم مچاتی، جور و ستم کی بجلی گراتی، کالی شکتیوں میں تھلکہ مچاتی، لھولھان وادی کی پگڈنڈیوں پر دوڑتی بھاگتی، جادوئی کرشمہ سازیاں دکھلاتی، دل و دماغ پر ڈر کا سکہ بٹھاتی، گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چنگھاڑتی، ہر پل ہر سو ہیبت ڈھاتی، اپنی نوعیت کی انوکھی کھانی۔

پرتحیر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے ذہن سے محو نہ ہونے والی ایک اچھوتی کہانی

"میں نے جو منصوبہ بنایا ہے وہ یہ ہے کہ تم دنیش سے شادی کروگی۔" اجنبی نے کہا۔

"کیا کہا.....؟ میں تمہارے بجائے دنیش سے شادی کروں.....نہیں.....نہیں.....ہرگز نہیں.....میں مرجاؤں گی لیکن میں اس سے کسی قیمت پر شادی نہیں کروں گی۔" رانی نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "میرے بلے.....! یہ تم کیا کہہ رہے ہو.....؟ تمہاری چندا اس کی ہوجائے.....نہیں.....میاؤں.....میاؤں.....چندا کسی اور مرد کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"پہلے میری پوری بات اور منصوبہ سن لو....." اجنبی نے کہا۔ "کیا اپنے ماں باپ کو تم قتل کروگی؟"

"کیوں نہیں.....میں تمہاری خاطر صرف اپنے ماں باپ ہی کو نہیں بلکہ تمہارے ماتا پتا کو بھی موت کی بھینٹ چڑھا سکتی ہوں۔"

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ قتل کر کے جیل جانا، تختہ دار پر چڑھنا اور مجھ سے محروم ہونا چاہتی ہو.....؟" وہ بولا۔

"نہیں۔" رانی نے نفی میں سر ہلادیا۔ "تم مجھے دنیش سے شادی کرنے کا مشورہ کیوں دے رہے ہو؟"

"تمہارے ماں باپ کی موت کا حصول فوری اور نہایت آسان راستہ....." وہ کہنے لگا۔ "تمہارے باپ نے تمہارے نام جو دولت اور جائیداد لکھی ہے وہ ان کے مرنے کے بعد ملے گی۔ پتا نہیں وہ کب اس دنیا سے پدھاریں گے۔ اس لیے میں نے ان کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔ تمہارے پتا جی شادی کے بعد پرتعیش زندگی گزارنے اور سیر و سیاحت پر جانے نہیں دیں گے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کا پتا جلد صاف کردیا جائے۔"

"آخر میں کس لیے دنیش سے شادی کروں.....؟" رانی نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ تمہارے ماں باپ اس کے سوائے کسی اور سے شادی نہیں کریں گے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا دنیش مجھ سے شادی کرلے گا.....؟" رانی تذبذب سے بولی۔ "اس لیے کہ میں حاملہ ہوچکی ہوں۔"

"ہاں..... وہ تم سے خوشی خوشی شادی کرے گا....."

اس کی نظریں تمہارے باپ کی دولت، جائیداد اور کاروبار پر ہے۔ یہ کل اثاثہ جو کروڑوں کی مالیت کا ہے۔ وہ اس کے حصول کے لئے بہت دور تک جاسکتا ہے۔ اسے تم کہوگی کہ اگر تمہیں دولت چاہئے تو اپنے ماں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باپ کو بھی قتل کردو..... وہ کردے گا..... شادی کے بعد دنیش کو مہرہ بنانا ہے..... تمہارے ماں باپ کا قتل اس کے ہاتھوں سے ہونا چاہئے تاکہ تم پر آنچ نہ آئے..... وہ ایک ایسے منصوبے کے تحت تمہارے والدین کو قتل کرے گا وہ بھی قانون کی گرفت میں نہیں آئے گا..... میں اسے کوئی مہلت نہیں دوں گا۔ قتل کرادوں گا۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری....."

"جب تم اسے قتل کرا سکتے ہو، اس سے میرے ماں باپ کو موت کی نیند سلا دو تاکہ مجھے اس سے شادی کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔"

"دراصل میں اس لیے ایسا چاہتا ہوں کہ..... یہ ثابت کیا جاسکے کہ دنیش نے دولت کے حصول کے لئے قتل کیا ہے..... دنیش سے نجات پانے کا یہ ایک سیدھا راستہ ہے..... ویسے میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔" وہ بولا۔ "بحث اور تکرار نہ کرو۔"

"میں صرف اس شرط پر تمہاری ہر بات مانوں گی کہ تم مجھے بتاؤ گے..... آج ہی بتانا پڑے گا؟"

"کیا بتانا پڑے گا.....؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔ "آخر تم کیا جاننا چاہتی ہو.....؟"

"میرے بلے..... میاؤں میاؤں..... کیا تم میری اس بات سے ناراض ہوگئے..... میرے پیارے بلے.....؟" وہ اسے منانے لگی۔ "ایک اپنا نام..... میں نے تم سے متعدد بار تمہارا نام دریافت کیا..... لیکن تم بڑی خوب صورتی سے ٹال گئے..... پھر تم نے میرے بار بار پوچھنے پر یہ بھی نہیں بتایا..... تم کون ہو.....؟ کہاں سے آئے ہو میرے پیارے بلے.....؟ لیکن آج تمہیں یہ سب بتانا ہوگا..... اگر تم نہیں بتاؤ گے تو میں تم سے روٹھ جاؤں گی..... اس وقت تک تم سے نہیں ملوں گی جب تک مجھے میرے سوالوں کا جواب نہیں ملتا۔"

"میری چندا.....! یہ آج تم پر کیسا دورہ پڑ گیا..... میری بلی.....! میاؤں..... میاؤں..... میں تمہارے ان سوالوں کا جواب اس وقت دوں گا کہ جب ہمارا بیاہ ہوگا..... جب میں تمہیں اپنے ہاں لے جاؤں گا....."

"اس میں ابھی بہت دیر ہے....." رانی کہنے لگی۔ "کیوں کہ دنیش سے شادی ہوگی..... پھر چھ سات دن اس کے ساتھ گزارنے کے بعد میں اسے اعتماد میں لوں گی کہ میرے والدین کو قتل کرو کسی بہانے اور ترکیب سے..... تاکہ دولت، جائیداد اور کاروبار مل جائے۔ اس میں کچھ دن لگیں گے..... انہیں قتل کرنا تو بہت آسان ہے لیکن قانون کے ہاتھوں سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے..... پھر ان دونوں کا سوگ کئی دنوں تک منایا جائے گا..... پھر دنیش کو قتل کرنے کا منصوبہ بناؤ گے..... اس طرح دو تین مہینے کا عرصہ بیت جائے گا۔ اور ہاں ورثہ کی ملکیت قانونی طور پر میرے نام کرنے میں کئی دن لگ جائیں گے..... پھر تمہاری اور ہماری شادی ہوگی..... میں ایک اجنبی مرد سے کیوں کر شادی کروں گی..... اور تین مہینے بعد میری کوکھ سے تمہاری نشانی جنم لے گی..... میاؤں....."

"یہ دن پلک جھپکتے گزر جائیں گے..... اچھا چھوڑو..... ان فضول باتوں کو..... تم میرے ساتھ چلو....." وہ بولا۔

"میری باتیں فضول نہیں ہیں بلکہ تم فضول ہو....." رانی چڑ کر بولی۔ "تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو.....؟"

"قریب میں جھیل کنارے ایک کنج ہے..... جو درختوں سے گھرا ہوا ہے..... وہاں ایک جھونپڑی ہے..... اس جھونپڑی میں ایک چارپائی پر بڑا صاف ستھرا اور گداز بستر بچھا ہوا ہے..... ہم دونوں رات کے آخری پہر تک کیف و سرور کے جہاں میں کھو جائیں گے۔"

"میں اس وقت تک نہیں چلوں گی جب تک مجھے تمہارے متعلق معلوم نہیں ہو جاتا۔" رانی کو ضد آ گئی۔

"چندا کیا بات ہے جو تم میں ضد، ہٹ دھرمی اور نخرے آ گئے ہیں..... تم نے کبھی میری کسی بات سے انکار نہیں کیا..... میری خواہش کی نفی نہیں کی.....؟

میرے جذبات اور احساسات کو رد نہیں کیا..... اب ساتھ چلنے سے صاف انکار کر رہی ہو.....!"

"تم جو میری بات نہیں مان رہے اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے ہو..... تو میں بھی ضد میں آ گئی ہوں....." رانی نے تڑ سے جواب دیا۔

"میں تمہیں اپنی گود میں اٹھا کر لے جاؤں گا..... تاکہ ہم دونوں رات کا لطف اٹھائیں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک قدم بڑھایا۔

"نہیں..... نہیں..... میرے پاس نہیں آنا اور نہ ہی مجھے ہاتھ لگانا....." وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر ہذیانی لہجے میں بولی۔

"تم.....؟ تمہیں ہر قیمت پر میرے ساتھ چلنا ہوگا..... ورنہ میں جبر و زیادتی سے لے جاؤں گا۔" وہ ہنس کر بولا۔ "میرا دل بڑا تڑپ رہا ہے تمہارا ذرا سا خون پی جاؤں..... لہٰذا آؤ..... میری آغوش میں آ جاؤ..... میری چندا..... میری بلی.....! میاؤں....."

"نہیں..... میں تمہارے ساتھ ہرگز ہرگز نہیں چلوں گی۔" وہ برہمی سے بولی۔ "اگر تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو....." اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ورنہ کیا.....؟" وہ ہنس پڑا۔ "تمہیں کیا میری طاقت کا کوئی اندازہ نہیں ہے.....؟ میں تو تمہیں اس طرح اٹھا سکتا ہوں جیسے تم پلاسٹک کی گڑیا ہو..... چلو..... اب مذاق نہ کرو۔ وہ جھونپڑی اور بستر ہمارا منتظر ہے۔"

"ورنہ یہ کہ..... میں اپنے کاٹیج میں چلی جاؤں گی..... شور مچادوں گی..... پھر سارے لوگ اکٹھا ہو جائیں گے اور پھر تمہاری ایسی درگت بنائیں گے کہ تم زخمی ہو جاؤ گے..... پھر اسپتال جانا پڑ جائے گا۔" رانی نے تیز لہجے میں کہا۔

"جو ہاتھ مجھ پر اٹھے گا میں اسے توڑ کر رکھ دوں گا....." اجنبی نے رعونت سے کہا۔ "اس سے پہلے میری چندا کے چار بھائیوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا..... میں نے ان کا حشر نشر کیا..... وہ جانتے ہیں..... لیکن میری رانی چندا.....! آج تم مجھ سے یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کبھی تم نے مجھ سے ایسی باتیں نہیں کیں..... چلو..... میرے ساتھ....."

"نہیں مہندر پرکاش.....! نہیں..... میں نے تم سے کہہ دیا نا کہ میں تمہارے ساتھ کسی قیمت پر رات گزارنے نہیں جاؤں گی۔" وہ بولی۔

"کیا کہا.....؟" وہ اس طرح سے اچھل پڑا جیسے کرنٹ کا جھٹکا لگا ہو۔ "مہندر پرکاش؟" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ بھونچکا سا ہو کر بولا۔ "میرا نام..... تمہیں کس نے بتایا؟" اس کی آواز اس کے گلے میں پھنس سی رہی تھی۔

"کسی نے بھی بتلایا.....؟ تمہیں اس سے کیا.....؟ وہ اٹھلا کر بولی۔ "کیا میں نے تمہارا نام غلط بتایا..... میرے بلے.....! میاؤں۔"

"میرا نام کوئی نہیں جانتا ہے..... میرے فرشتے بھی نہیں۔" بلاغرایا۔ "نام بالکل صحیح ہے..... میرے ماں باپ ہوتے تو وہ میرا..... اصل نام بھول چکے تھے..... میں..... صرف ایک بلا ہوں۔ میری ماں بھی بلی تھی..... میرا باپ بلا تھا..... سچ سچ بتاؤ..... میرا یہ نام کس نے اور کیوں بتایا.....؟ وہ کون ہے.....؟ کہاں رہتا ہے.....؟ اس کا نام کیا ہے.....؟"

"جب جذبات کی ندی چڑھی ہوئی تھی تم نے میرے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا تھا..... میری جان.....! مہندر پرکاش نے آج تک کسی سے اتنی محبت نہیں کی جتنی تم سے کی..... نہ ہی میں کبھی کسی سے کروں گا۔"

"نہیں..... تم جھوٹ بول رہی ہو..... میں ایسی بات کسی سے کیا..... کسی بلی سے بھی نہیں کہی اور نہ کہہ سکتا ہوں۔"

"آخر تم اپنا نام سن کر اس قدر پریشان اور فکر مند..... اور خوف زدہ کیوں ہوگئے..... ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے جان نکلی جا رہی ہو.....؟" رانی نے استہزائیہ لہجے میں کہا اور نام میں کیا ہوتا ہے..... لوگ شوق سے خوشی سے اپنا نام بتاتے ہیں..... لیکن تم اپنا نام سن کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرے جارہے ہو..... مہندر پرکاش!..... ہائے..... میرے بلے راج کمار کا کتنا خوب صورت نام ہے....."

اگر تم نے مجھے میرا نام بتانے والے کا نام نہیں بتایا تو میں تمہارا گلا دبادوں گا۔" وہ خشونت کے لہجے میں بولا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ "تم..... مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کررہی ہو..... میں کوئی احمق نہیں ہوں۔"

"اگر تم میں اتنی ہمت ہے تو میرا گلا دبا کر تو دیکھو....." رانی بے خوفی سے بولی۔ "میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گی....."

"اچھا....." وہ تمسخر سے ہنسا۔ "تو میرے ہاتھ توڑ دے گی.....؟ اچھا توڑ کر بتا....."

وہ دوسرے لمحے ایک سیاہ بلا بن گیا..... ایک شیر کی سی جسامت ہوگئی۔ وہ بلا کم بلکہ شیر دکھائی دیتا تھا۔ وہ رانی پر جھپٹنے کے لئے بڑھا تو رانی بڑے پرسکون انداز اور اطمینان سے کھڑی رہی۔ وہ قریب آ کر اس پر جھپٹ پڑا۔ گلا دبانے لگا تو رانی نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر اپنی گردن آزاد کی اور اس کا دایاں ہاتھ اس طرح سے توڑ دیا جیسے وہ نازک سی ٹہنی ہو..... ہاتھ کی ہڈی چٹخی تو اس کے منہ سے ایک دل خراش چیخ نکلی..... وہ دہشت زدہ سا ہو کر پیچھے ہٹا..... لیکن رانی اس پر جھپٹی..... اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فضا میں اس طرح لہرایا جیسے کوئی ڈنڈا لہرایا جاتا ہے..... تین چار چکر دینے کے بعد اسے زمین پر اس بری طرح پٹخ دیا جیسے کوئی پہلوان اپنے حریف کو پٹختا ہے..... سیاہ بلا نے اٹھ کر کھڑا ہونا چاہا..... لیکن وہ کھڑا ہونا تو درکنار اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کرسکا۔ کیوں کہ اس کی کمر جواب دے چکی تھی وہ درد اور تکلیف سے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

وہ خوف و دہشت سے پھٹی پھٹی نظروں سے رانی کو دیکھنے لگا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ یہ وہی نرم و نازک بلی ہے.....؟" جب رانی اس کی طرف بڑھی تو دوسرے لمحے وہ نظروں سے غائب ہوگیا۔

دراصل رانی کا روپ چندرا دیوی نے دھارا ہوا تھا۔ وہ بھی غائب ہو کر اس کٹیا کے باہر تھی جس کے اندر مہندر پرکاش انسان کی شکل میں فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا..... کراہ رہا تھا..... اس کی چیخیں نکلی جارہی تھیں..... چندرا دیوی نے نہ صرف اس کی ہڈی توڑ کر رکھ دی تھی بلکہ اس کی کمر بھی..... اب وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ اٹھ کر بیٹھ سکے اور چل پھر سکے..... ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جائے تو آدمی کسی قابل نہیں رہتا ہے..... اس کے سامنے اس کا گرو بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسے رانی کے بارے میں فرش پر تڑپتے اور چیخیں مارتے ہوئے بتاتا جارہا تھا۔ اس نے بڑی کوشش کی تھی تکلیف پر قابو پالے مگر ناکام ہورہا تھا۔

"گرو مہاراج.....! مجھے پہلے اس درد سے نجات تو دلاؤ..... میری جان نکلی جارہی ہے..... یہ کمینی رانی نے میرا تیا پانچہ کردیا ہے۔" گرو مہاراج نے اس پر کوئی منتر پڑھ کر پھونکا تو اس کے درد میں قدرے افاقہ ہوگیا۔ لیکن وہ اٹھ کر بیٹھنے کے قابل نہ ہوسکا۔

"گرو مہاراج.....!" وہ کراہتے ہوئے بولا۔ "میری ریڑھ کی ہڈی اور ہاتھ کی ہڈی تو جادو سے جوڑ دو....."

گرو مہاراج نے اپنا سارا زور اور جادو صرف کردیا۔ لیکن وہ بے اثر ہوتا گیا۔ وہ حیران اور پریشان ہو کر بولا۔

"مہندر پرکاش.....! میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میرا جادو کام کیوں نہیں کررہا ہے اور تم رانی جیسی ایک معمولی لڑکی کے ہاتھوں اپنی ہڈیاں تڑوا بیٹھے..... یہ بات بڑی ناقابل یقین ہے کہ تم نے ایک شیر کی جسامت اور اس کا سا وزن بھی لیا ہوا تھا..... پھر بھی ایک دھان پان سی لڑکی نے تمہاری مٹی پلید کردی..... کیا تم نے اس وقت منتروں سے کوئی کام نہیں لیا جب اس نے تمہارے ہاتھ کی ہڈی توڑ دی..... تمہیں دونوں ہاتھوں میں کھلونے کی مانند اٹھا لیا..... اس لیے کہ میرا خیال ہے کہ رانی میں کوئی بدآتما سما گئی تھی۔"

"میں بھی تو ایک آتما ہی ہوں۔" وہ بولا۔ "اس وقت مجھے بالکل خیال نہ آیا کہ رانی کے اندر کوئی آتما

آ گئی ہے..... اس لئے کہ انسان مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا..... اس نے پچاس ساٹھ برس سے مجھے موت کی نیند سلانے کی کوشش کی انسان سمجھ کر..... مجھے یہ شکتی انسان کے خون سے اور آپ کے سکھائے ہوئے منتروں سے ملتی رہی۔ آپ کا میرا ساٹھ برسوں سے ساتھ رہا..... میں آپ کے منتروں کے کارن تو بلا اور پھر ایک نہایت خوب صورت اور مسحور کردینے والا جوان بن کر لڑکیوں کو اسیر بنا کر ان کی آبرو اور خون سے اپنی پیاس بجھاتا رہا..... پولیس نے اور نہ جانے کس کس نے کوشش کی تھی کہ یہ پراسرار خونی کون ہے.....؟ کہاں سے آیا ہے.....؟ اس کا نام کیا ہے.....؟ میں نے پچاس ساٹھ برس پہلے جنم لیا ہے..... میرا باپ جو میرا ہم شکل تھا یا میں اس کا ہم شکل ہوں اس نے اپنی نوجوانی سے ہی بلے کا روپ بھر کر میری طرح بلی کا بہانہ کرکے لڑکیوں کو بے وقوف بنا بنا کر ان کی آبرو اور خون سے پیاس بجھاتا رہا..... پھر وہ اپنی حماقت سے ایک مہان بزرگ کے ہاتھوں مارا گیا..... پھر میں نے باپ کا جسم لے لیا..... آپ کی سیوا بھی کی۔ لڑکیوں کو بلی بنا کر پہنچاتا رہا اور آپ بلا بن کر ان کی آبرو سے دل بہلاتے رہے..... خون بھی پیتے رہے..... اب اس رانی نے مجھے ناکارہ کردیا..... آپ کا کوئی جادو منتر کسی کام کا نہیں رہا..... اب میرا کیا ہوگا.....؟"

"تمہاری دو محبوبائیں جیسے ہی ماں بنیں گی تب تمہیں ایک نیا جنم، شکتی اور کھویا ہوا جادو منتر مل جائے گا..... تم پھر امر ہوجاؤ گے..... ہر پچاس برس کے بعد تم ایک نوجوان کا بہروپ بھر کر آسکو گے جس طرح تمہارا باپ دو صدیوں سے آتا رہا..... تمہاری یہ دونوں اولادیں انسان نہیں ہوں گی..... جس طرح سانپ کا بچہ سنپولیا ہوتا ہے اسی طرح تمہارے یہ بچے بھی بلے ہوں گے..... پھر یہ بھی بلے بن کر تمہاری ہی طرح بلیوں کے بہانے لڑکیوں کی آبرو اور ان کے خون کے پیاسے ہوں گے۔" گرو مہاراج نے کہا۔

"لیکن میرا کیا ہوگا.....؟" اس نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ "میں ایک غیر مرئی ہستی ہوتے ہوئے ایک آدمی کی طرح لاچار اور بے بس کیسے ہوگیا..... میری ہڈیاں کیسے جڑ سکیں گی.....؟ میرے لئے کچھ کرو گرو مہاراج....."

"تمہارے ٹھیک ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں..... جس جادوگر نے رانی کا بہروپ بھر کر تمہارا جو یہ حشر کیا ہے وہی اپنے جادو سے تمہیں ٹھیک کرسکتا ہے..... ؟ یا پھر رانی کا تازہ تازہ خون تمہارے متاثرہ حصوں پر لگا دیا جائے اور میں اپنا عمل دہراؤں تو تمہاری ہڈیاں جڑ جائیں گی۔ لہٰذا میں رانی کو لینے جارہا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو۔"

"لیکن آپ رانی کو کیسے اور کس طرح لائیں گے گرو مہاراج؟" مہندر پرکاش بولا۔ "اس لئے کہ رانی کے وجود میں جادوگر جو ہوگا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ جادوگر کون ہے.....؟ اسے کس نے یہاں بلایا؟"

"وہ سورہی ہوگی..... رات کا سمے ہے..... میں اسے جادو کے زور پر نیند کی حالت میں لے آؤں گا۔" گرو مہاراج نے کہا۔ "وہ جادوگر نہیں ہوگا..... تمہارے غائب ہوتے ہی وہ چلا گیا ہوگا..... لہٰذا میدان صاف ہوگا....."

"رانی مجھے بہت چاہتی ہے..... میں جس پر بھی اپنا جادو پھونک دیتا ہوں وہ میری باندی بن جاتی ہے۔ لیکن اس جادوگر نے میرے منصوبے کا ستیاناس کردیا۔ میں نے تو رانی کو اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے تیار کرلیا تھا۔ پھر اسے رات گزارنے کے لئے کنج میں لے جارہا تھا کہ اس پر میرے متعلق جاننے کا دورہ پڑ گیا..... یکلخت اس کا رویہ بدل گیا۔ کبھی بھی اس کا اور کسی بھی میری محبوبہ کا رویہ نہیں بدلا تھا..... پھر بات اتنی بڑھ گئی تھی کہ میں اسے موت کی نیند سلانے کے لئے شیر کی جسامت کا بلا بن کر حملہ آور ہوا..... نتیجہ سامنے ہے..... شاید اس کے گھر والوں نے کسی جادوگر کو بلایا ہے کہ رانی کو مجھ سے نجات دلا دے۔ رانی کی کیا مجال کہ وہ میرا مقابلہ کرے۔ میرا ہاتھ اور ریڑھ کی ہڈی توڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے....."

"تم میرا اور اپنی بلی رانی کا انتظار کرو..... تمہاری چندا کو بس لے آتا ہوں۔" گرو مہاراج نے کہا۔

"اگر وہ جادوگر وہاں ہوا..... آپ سے اس کی مڈ بھیڑ ہوگئی تو.....؟" اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"آج تک مجھ سے بڑے سے بڑا جادوگر بھی مقابلہ نہ کر سکا۔" گرو مہاراج نے بڑی اکڑ سے کہا۔ "وہ کیا بیچتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا میرا آمنا سامنا ہو..... تاکہ اسے ایسا سبق دوں کہ ساری زندگی یاد رکھے۔"

"تمہیں میرے کانپج تک جانے کی ضرورت نہیں کرنی مہندر.....!" چندرا دیوی جو رانی کے بہروپ میں تھی اندر آ کر بولی۔ "میں خود آ گئی ہوں..... تم سے دو دو ہاتھ کرنے..... کیا تم اس کے لئے تیار ہو.....؟"

"میری چندا..... میری بلی..... تم.....؟ میاؤں..... میاؤں....." مہندر پرکاش نے کہا۔ "تم یہاں کیسے آ گئیں.....؟ اتنی دور.....؟ یہ تمہاری کانپج سے چالیس میل دور ہے....." وہ رانی کو دیکھ کر لمحے بھر میں سب کچھ بھول گیا تھا۔

"بے وقوف..... احمق.....!" گرو مہاراج نے کہا۔ "کیا میں نے تجھے نہیں بتایا تھا کہ رانی کے اندر کوئی جادوگر ہے۔" پھر وہ چندرا دیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ "تو کون ہے.....؟ تو میرا نام بھی جانتا ہے.....؟ سامنے آ..... اصل حالت میں آ....."

"میں جادوگر نہیں..... جادوگرنی ہوں....." چندرا دیوی بولی۔ "تو بڑا جادوگر بنتا ہے گرو مہاراج.....! تو کالا جادو اور تمام پراسرار علوم سے واقف ہے..... میں نے جس طرح تیرا نام معلوم کر لیا..... تیرے متعلق معلوم کر لیا..... یہاں پہنچ گئی..... میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تو کتنا پہنچا ہوا ہے.....؟ میرے مقابلے کا ہے بھی یا نہیں....."

"تو عورت ہو کر بڑ ہانک رہی ہے....." گرو مہاراج غضب ناک ہو کر بولا۔ وہ تو کہہ کر مخالف کرنے پر تلیش میں آ گیا تھا۔ آج تک کسی نے اس طرح مخاطب نہیں کیا تھا..... اہانت نہیں کی تھی..... کبھی اس سے خوف کھاتے اور اس کا ادب و احترام کرتے تھے۔ اس لئے بھی کہ وہ ہندوستان کے بڑے جادوگروں میں شمار کیا جاتا تھا..... اس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر بھی خوف کھاتے تھے۔ کوئی جادوگر اسے نیچا نہیں دکھا سکتا تھا۔ یہ ایک عورت اسے طعنہ دے رہی تھی۔ اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ اس کی شان میں انداز تخاطب سے گستاخی کر رہی تھی..... یہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ وہ اسے چیونٹی کی طرح مسل سکتا تھا۔ تو ایک چڑیل ہے..... مجھ پر کیا رعب گانٹھ رہی ہے..... تجھ میں ہمت ہے تو سامنے آ.....؟"

"تو..... کوئی اسی برس سے بلے بلی کا کھیل..... کھیل رہا ہے..... مہندر پرکاش کا باپ..... ستیش کو تو نے اپنے سفلی علم سے بلا بنایا..... تاکہ وہ ان لڑکیوں اور جوان اور حسین شادی شدہ عورتوں کو جو گھروں کی چھتوں پر اکیلی اس حالت میں آتی تھیں اس کا حسن و شباب اور جسم بہکاتا تھا..... تو نے اسے خون کار سیا بنا دیا..... وہ بلی کے بہانے لڑکیوں اور عورتوں کو اپنے سحر سے ورغلا کر ان کی عزت و آبرو خاک میں ملا دیتا اور کیف و سرور کے عالم میں خون پی جاتا تھا..... پھر انہیں تیری کٹیا میں لے آتا..... جہاں تو ان سے دل بہلاتا..... وہ ایسی مدہوشی کی حالت میں ہوتی تھیں کہ انہیں پتا نہیں چلتا تھا کہ کسی اور نے بھی ان سے اس حالت میں فائدہ اٹھا لیا ہے..... اس کا باپ ایک بزرگ کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا تو نے اس کا نیا جنم اس کے بیٹے کے وجود میں سما دیا..... کتنے گھروں کی لڑکیاں ذلت و رسوائی کا سبب بنیں..... لیکن اب آج ایسا نہیں ہوگا، خبیث! جب مہندر پرکاش ایک حادثے میں مر گیا تو اس کی آتما کو اپنے گھناؤنے اور شرمناک مقاصد کے لئے آلہ بنا لیا..... تو اسی برس سے زیادہ کا ہو چکا ہے۔ لیکن تیرے کرتوتوں میں کوئی فرق نہیں آیا....."

"تو اپنی اصلی حالت میں سامنے تو آ....." وہ بولا

تو اس کی آواز غصے سے لڑکھڑا رہی تھی۔ "تو میرے بارے میں بہت جانتی ہے..... لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی میرا بال بیکا ہوگا..... میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا تو واقعی عورت ہے..... کیوں کہ ہندوستان میں جادوگرنیاں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں..... تو مرد ہے۔ اس لئے سامنے نہیں آ رہا ہے۔"

"مجھے اس بات کی کوئی چنتا نہیں کہ تجھے عورت ہونے کا ثبوت دوں....." چندرا دیوی بولی۔ "چل تو اپنی تسلی کر لے۔"

"پھر دیکھتے ہی دیکھتے چندرا دیوی اپنی حالت میں آ گئی۔ اب اس کا رانی کا روپ نہیں رہا تھا۔

مہندر پرکاش اور جادوگر مہاراج نے جو چندرا دیوی کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ اس نے ایسی عورتیں کم دیکھی تھیں۔ واقعی یہ جادوگرنی تھی۔ گرو مہاراج کا خیال یہ تھا کہ..... اگر واقعی یہ عورت جادوگرنی ہوئی تو ساٹھ ستر برس سے کم نہ ہوگی۔ بدصورت اور مکروہ شکل وصورت کی ہوگی۔ اس کے بال سفید براق ہوں گے..... وہ یقیناً ڈائن اور چڑیل ہی ہوگی..... اگر عورت کے بھیس میں مرد جادوگر ہے تو وہ بھی ساٹھ ستر برس کی عمر سے کم نہ ہوگا..... لیکن معاملہ برعکس تھا۔

"اب تجھے یقین آ گیا کہ میں ایک عورت ہوں۔" چندرا دیوی بولی۔ "یہ مہندر اس قابل نہیں رہا کہ اس کا یہ جنم برقرار رہے..... میں اسے سدا کے لئے بلا بنا رہی ہوں..... ایک عام قسم کا انتہائی سیاہ، مکروہ اور گھناؤنی صورت کا جسے دیکھتے ہی لوگ پتھر ماریں اور بھگا دیں..... یہ کسی کو نقصان نہ پہنچا سکے..... انسانی روپ میں نہ آ سکے..... کسی دن کسی الم ناک حادثے میں مر جائے..... اس کے پاپوں کی یہی سزا ہے..... اس کا ایسا ہی عبرتناک انجام ہونا چاہئے..... میں اس کی تمام پراسرار صلاحیتوں اور جادو کے اثر کو ختم کر رہی ہوں..... اس نے جو دو لڑکیوں کو حاملہ کیا ہوا ہے ان کے حمل بھی بغیر کسی تکلیف کے ضائع ہو جائیں گے....."

"نہیں..... نہیں..... گرو مہاراج.....! یہ کیا بکواس کر رہی ہے.....؟ کیا ایسا ممکن ہے.....؟" مہندر پرکاش نے چلا کر کہا۔

"نہیں یہ جھوٹ بول رہی ہے.....؟ ایسا کرنا اس کے بس میں نہیں ہے..... میں اس کا جادو چلنے نہیں دوں گا۔" گرو مہاراج نے اسے تسلی دی۔ "تم پریشان نہ ہو..... اس کی گیدڑ بھبکیوں میں نہ آؤ....."

"یہ گیدڑ بھبکیاں نہیں ہیں گرو مہاراج.....!" چندرا دیوی بولی۔ "یہ دیکھو..... اسے بلا بناتے ہوئے روک سکتے ہو تو روک لو....."

چندرا دیوی نے اس کی جانب پنجہ دکھایا۔ اسے پیالہ سا بنا لیا..... اس کے ہاتھ کی انگلیوں سے شعلے نکلے جنہوں نے مہندر پرکاش کو اپنی لپیٹ میں لے لیا..... وہ شعلوں اور کثیف اور سیاہ دھوئیں میں اس کا وجود گم ہو گیا..... اس کی چیخیں اور کراہیں فضا میں گونجتی رہیں..... گرو مہاراج نے یہ سب کچھ ششدر ہو کر دیکھا اور اس آگ اور دھوئیں پر منتر پڑھ کر پھونکے..... لیکن وہ ان پر قابو نہ پا سکا۔ اس نے بڑے جتن کئے۔ اس کی ہر کوشش ناکام رہی۔

کوئی پندرہ منٹ کے بعد آگ بجھ گئی اور دھواں چھٹ گیا۔ گرو مہاراج نے دیکھا کہ مہندر پرکاش کا وجود نہیں رہا بلکہ اس کی جگہ ایک چھوٹا سا سیاہ بلا سہما ہوا بیٹھا تھا..... وہ اپنے گرو مہاراج کو دیکھ رہا تھا..... بے بسی کی تصویر بنا۔

"اچھا گرو مہاراج.....! تمہیں کیا بنا دوں.....؟" چندرا اس کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "کتا..... گدھا..... خچر..... یا پھر معذور شخص جو کسی سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر بیٹھے بھیک مانگے..... یا پھر سیاہ بلا..... تاکہ تم دونوں ساتھ زندگی گزارو....."

"تو کیا مجھے جانور بنائے گی..... میں تجھے بلی بنا دوں گا....." گرو مہاراج غرایا۔ "یا پھر کتیا....."

چندرا دیوی اس کی بات سن کر بڑے زور سے ہنسی۔ پھر ہنسی روک کر بولی۔

"تم کتنے بڑے جادوگر ہو..... تم میں کتنا تپڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے..... کتنی پراسرار علوم کی صلاحیتیں اور طاقت ہے اس کا اندازہ ہوگیا..... تم مہندر کو تو روک نہیں سکے..... مجھے جو بنا سکتے ہو بنا کر دیکھ لو..... میں تمہارے سامنے موجود ہوں....."

"میں تمہیں کتیا بنا رہا ہوں....." وہ نفرت اور غصے سے بل کھا کر بولا۔ "ایک ایسی کتیا جس کے پیچھے سارے کتے پڑ جائیں گے..... تیار ہو جا..... کتیا کی بچی....."

گرو مہاراج نے نجانے کتنے منتر پڑھ کر پھونکے..... کالا جادو کیا..... سفلی علوم کے کتنے ہی حربے آزمائے..... چندرا دیوی سکون و اطمینان سے کھڑی رہی..... اس پر اس کے کسی عمل کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا منتر نے شعلے برسائے۔ وہ پھول بن کر اس پر گرتے رہے..... اس کی کٹیا کے ایک کونے میں ایک بڑی سی پٹاری تھی جس میں ایک دس فٹ کا سیاہ زہریلا سانپ بند تھا۔ اس نے چندرا دیوی کی طرف اس دس فٹ لمبے سانپ کو پھینکا..... وہ سانپ تیزی سے رینگتا ہوا چندرا دیوی کی طرف ڈسنے کے لئے لپکا..... لیکن اس کے پاس آ کر وہ کالی رسی کی شکل میں آ گیا۔ چندرا دیوی نے اسے اٹھا کر گرو مہاراج پر پھینکا تو وہ پھر سے سانپ بن گیا..... گرو مہاراج نے اسے فوراً ہی پکڑ کر پھر سے پٹاری میں بند کر دیا..... اس لمحے اس کی حالت غیر ہوگئی تھی۔

اس کی نفرت اور غصے سے بری حالت ہو رہی تھی..... کیوں کہ چندرا دیوی کا بال تک بیکا نہیں ہوا تھا۔ اس نے کچھ کر کے نہیں دیکھا۔ بہت کچھ آزمایا..... لیکن بری طرح ناکام رہا۔ پھر چندرا دیوی نے کہا۔

"میں ایک آنکھ سے اندھا بنا رہی ہوں..... اور ایک پیر سے معذور تا کہ تجھے اچھی طرح بھیک ملے..... لوگ تیرے بڑھاپے اور معذوری پر ترس کھا کر بھیک دیں..... ورنہ تو حقیقت میں اس قابل بھی نہیں کہ تجھے کھانے کو ملے....."

"آخر تم ہو کون.....؟" گرو مہاراج نے پوچھا۔

"میں نے اپنی زندگی میں کسی ایسی جادوگرنی تو کیا کسی جادوگر تک کو نہیں دیکھا۔"

"میں چندرا دیوی ہوں....." چندرا دیوی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"چندرا دیوی..... میں نے تمہارے بارے میں سنا تھا اور جو سنا وہ سچ تھا....." وہ جملہ پورا کرنے سے پہلے غش کھا گیا۔

☆.....☆.....☆

صبح دس بجے کے قریب رانی کے کاٹیج میں نہ صرف اس کے گھر والے بلکہ رتنا دیوی، ان کی بیٹی شانتی موجود تھی۔ انسپکٹر پرساد کو بھی بلا لیا گیا..... چندرا دیوی نے رتنا دیوی اور رانی کی ماں سے کہا۔

"سب سے پہلی خوش خبری یہ ہے کہ شانتی اور رانی حاملہ نہیں رہیں..... میں نے ان کے حمل ضائع کر دیئے ہیں..... بغیر کسی تکلیف اور محسوس کے..... اگر آپ کو یقین نہ آئے تو کسی بھی کلینک میں جا کر چیک کروالیں....."

"سچ بیٹی.....!" رتنا دیوی خوشی سے پاگل سی ہوگئی۔ "کیا ایسا ممکن ہے.....؟"

جادو سے بہت ساری باتیں ممکن بھی ہیں..... دراصل یہ حمل نہیں تھا..... گرو مہاراج کا ایک عمل تھا کہ انہیں جادو سے حاملہ کر کے ساتویں مہینے میں انہیں ضائع کرنے کے بجائے آپ دونوں سے اسے ضائع کرانے کی بھاری رقم لے..... اب اس میں سیاہ بلے کی کہانی اور اس کا سحر ان دونوں لڑکیوں پر سے میں نے اتار دیا ہے..... اب کوئی خون چوسنے اور بے آبرو کرنے نہیں آئے گا..... اب ان لڑکیوں کی شادی جلد نمٹا دیں..... اپنے اپنے گھروں کو جائیں....."

"ہم آپ کی کیا سیوا کر سکتی ہیں؟" رتنا دیوی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ نے ہم پر..... بلکہ..... دونوں گھرانوں پر جو احسان کیا ہے ہم ساری زندگی اتار نہیں سکتی ہیں۔" پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔" رانی

کے باپ بولے۔ "آپ کو ہم دولت سے مالا مال کر دیں گے....."

"میں نے یہ سب کچھ انسانیت کے لئے کیا ہے..... بھگوان نے مجھے اتنا دیا ہے کہ کسی چیز کی کمی نہیں ہے..... بس آپ لوگ میرے لئے پرارتھنا کرتے رہیں۔ مجھے جو دولت ملی ہے وہ خوشی کی ہے..... خوشی اور آتما کی شانتی بازار میں نہیں ملتی ہے..... کسی کی سیوا کر کے سکھ پہنچا کر ملتی ہے اس سنسار میں خوشی سے بڑی دولت کوئی اور نہیں ہے۔

☆.....☆.....☆

سریش کمار اپنے اخبار کی طرف سے ہندوستان سے سری لنکا صحافیوں کے ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کرنے گیا تھا۔ اس نے چندرا دیوی کو ایک حیرت انگیز سنسنی خیز اور ناقابل یقین پراسرار کہانی سنائی جو ایک مقامی صحافی نے سری لنکا کے دورے کے موقع پر سنائی تھی۔ اس کے اس سوال پر کہ "کیا یہاں پراسرار واقعات پیش آتے ہیں؟" اس نے سریش کمار کو یہ بتایا کہ "اس خوف ناک کہانی کا ایک کردار "خونی بستی" ہے۔ جس نے لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے..... اس سے نجات پانے کی کوئی تدبیر اور راستہ نہیں ہے..... بڑے بڑے جادوگر، سنیاسی اور سادھو بھی اس کے آگے بے بس ہو گئے۔ وہ خونی مجسمہ نہیں بلکہ وہ دشت ہے جو تباہی و بربادی پھیلا رہا ہے۔ سریش کمار نے یہ خوف ناک کہانی چندرا دیوی کو اس لئے سنائی کہ وہ سری لنکا جا کر پریشان اور خوف زدہ لوگوں کو اس مجسمہ سے نجات دلائے۔ سریش کمار نے جو کہانی سنائی وہ یہ تھی۔

پروفیسر امرناتھ کو لوگ ماسٹر کہتے تھے۔ کیوں کہ وہ اپنے کام میں اتنا ماہر اور تجربہ کار تھا کہ پورے ہندوستان میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی اپنے ذوق و شوق میں تیاگ دی تھی۔ وہ بچپن سے ہی آثار قدیمہ میں دلچسپی لیتا آ رہا تھا۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا تھا اسے مکمل کئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ وہ اس کام میں اس قدر کھو جاتا تھا کہ اسے کسی بات کا ہوش نہیں رہتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے کام میں اتنا منہمک تھا کہ اسے اس بات کی قطعی خبر نہ ہوئی تھی کہ موت کے ہرکارے اس کی طرف آ رہے ہیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس کی زندگی کچھ دیر کی مہمان ہے۔ گھوڑوں کی ٹاپیں سن کر بھی اس نے اپنی گردن اٹھا کر نہیں دیکھا اور اڑتا ہوا گرد و غبار جو مخالف سمت سے فضا پر کسی آندھی کی طرح چھا رہا تھا اس کے سامنے مختلف اقسام کے رنگ برنگے..... چھوٹے بڑے مٹی کے برتنوں کا ایک ڈھیر تھا۔ ان میں وہ مماثلت تلاش کر رہا تھا تا کہ اندازہ کر سکے کہ ان میں کون سے برتن زیادہ قدیم ہیں۔ اسے جب ہوش آیا اس کے قریب پہنچتے ہوئے گھوڑوں کی ٹھوکروں سے اس کی آنکھوں میں مٹی بھر گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دھندسی چھا گئی۔ پھر اس نے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سن کر سر اٹھا کر آواز کی سمت دیکھا اور آنکھیں صاف کیں۔

وہ چار عدد گھوڑے تھے۔ انتہائی مضبوط، توانا، قد آور اور عربی نسل کے دکھائی دیتے تھے۔ کیوں کہ ایسے گھوڑے ہندوستان اور سری لنکا میں نہیں ہوتے تھے۔ ان گھوڑوں پر جو سوار تھے وہ عام قسم کے لوگوں سے ہٹ کر تھے۔ انہیں دیکھ کر پہلا تاثر جو پیدا ہوتا تھا کہ یہ کوئی خطرناک قسم کے پیشہ ور قاتل ہیں۔ ان کے نزدیک آدمی راستے میں پڑے پتھر کی مانند ہیں جسے ٹھوکر مار کر ہٹا دینا آسان ہے، ان کی درندوں جیسی خون خوار آنکھوں میں جیسے دو بھٹیاں دہک رہی تھیں اور ان کے چہروں پر سفاکانہ چمک۔ ان میں خون آشامی بھیڑیوں کو بھی شرما دینے والی درندگی بشرے سے عیاں تھی۔ لمحے کے لئے ماسٹر لرز کر رہ گیا۔ ان کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خون سے پیاس بجھانے آئے ہیں۔

ان درندوں کی پشت پر جو تین قلی کھڑے تھے ان کی خاموشی جیسے ماسٹر کی موت کا اعلان کر رہی تھی۔ ان کے چہرے پتھروں کے مجسموں کی طرح سپاٹ تھے اور ان کی منجمد آنکھیں جو کہ اسے نہ صرف نفرت اور غصے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بلکہ سنگ دلانہ نظروں سے ازلی دشمنوں کی طرح گھور رہی تھیں۔

یہ چاروں گھوڑ سوار باگیں کھینچے کھڑے تھے۔ وہ اس کے لئے اجنبی تھے، اس نے جب سے یہاں قیام کیا تھا ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا اس کے لئے اجنبی تھے۔ وہ پہلی بار انہیں دیکھ رہا تھا۔ البتہ وہ ان قلیوں سے خوب واقف تھا جو ان سواروں کے عقب میں بت بنے کھڑے کھڑے تھے۔ ان پر غصہ تو نہیں آیا لیکن حیرت ضرور ہوئی تھی۔ ان کا اسے نفرت بھری نظروں سے گھورنا سمجھ سے بالاتر تھا۔ کیوں کہ وہ اسے بخوبی جانتے تھے۔ وہ ان سے بخشفانہ کام لیتا اور بڑا خیال رکھتا تھا۔ اس نے خود پر قابو پالیا تھا۔ اس لئے کہ اس نے کبھی ان مزدوروں کو بھی شکایت کا موقع نہیں دیا اور پھر ان گھوڑ سواروں سے اس کی کوئی دشمنی بھی نہ تھی۔ وہ پہلی بار اچانک اور غیر متوقع آئے تھے۔ بہر حال وہ یہ سوچ کر کھڑا ہو گیا کہ شاید وہ کوئی مطالبہ لے کر آئے ہیں۔ لہٰذا کسی خوف و اندیشے کی بات نہیں اور نہ ہی انہیں اس آمد پر اہمیت دینی چاہئے۔ وہ جانتا تھا کہ ان کا مطالبہ کیا ہوگا.....؟ وہ اس سے پہلے دو مرتبہ مطالبات پیش کر چکے تھے..... بیوی کے علاج کے لئے پیسے نہیں ہیں..... اس کے ہاں ساتواں بچہ ہونے والا ہے..... میرا باپ ایک جگہ مزدوری کرتے ہوئے چھت پر سے گر گیا ہے، جس سے اس کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ پلاسٹر اور ایکسرے کے لئے پیسے چاہئیں..... سودا سلف ختم ہو گیا ہے..... نہ صرف اجرت میں اضافہ کیا بلکہ پیشگی رقم دے دیں۔

ان مزدوروں کا رونا روز کا تھا۔ اس نے دیکھا تھا کہ وہ ہمیشہ شاکی اور حالات سے نالاں رہتے ہیں۔ اس کے علم میں یہ بات تھی کہ اس ملک میں غربت و افلاس ہندوستان اور بنگلہ دیش سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک بار ایسا ہی ہوا تھا کہ وہ ایک جھیل کے کنارے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اکیلا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ایک معمر مزدور ایک سولہ برس کی دوشیزہ کو لے کر آیا جو نامناسب سے لباس میں تھی۔ جس کے جسم کے دل فریب اور حساس گوشوں کی نمائش ہو رہی تھی۔ وہ بڑی بھرپور اور گھٹے ہوئے بدن کی تھی۔ اس مزدور نے کہا کہ یہ اس کی کنواری لڑکی ہے۔ مجھے سخت مالی مشکل ہے۔ آپ اس کے ساتھ وقت گزاری کر لیں اور ہندوستانی کرنسی میں بیس روپے دے دیں۔ سری لنکا میں ہندوستانی کرنسی کی بڑی مانگ اور قیمت تھی۔ اگر وہ جوان ہوتا تو اس پیشکش کو ٹھکراتا نہیں۔ کیوں کہ لڑکی کی دہکتی جوانی اور سراپا بہکاتا ہوا تھا۔ لیکن اسے عورتوں سے کوئی دلچسپی کبھی نہیں رہی تھی پھر اسے بڑا ترس آیا۔ اس نے ہندوستانی بیس روپے دے دیئے اور لڑکی کو ہاتھ لگائے بغیر رخصت کر دیا تھا۔ اس کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ غریب لوگ سیاحوں کو اپنی لڑکیاں، بہنیں اور بیویاں پیش کرتے ہیں۔ انہیں ڈالر ملتے ہیں۔

یہ مزدور لوگ جب وقت ناوقت رقم مانگتے تو وہ کبھی نرمی سے پیش آتا اور کبھی سختی سے نفی میں جواب دے دیتا۔ کیوں کہ اسے ان کے بے جا مطالبات پر سخت غصہ آجاتا تھا۔ اس نے ان کے بشروں سے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ بڑے مطالبات لے کر آئے ہیں۔ وہ طاقت اور جبر سے منوانا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی مدد کے لئے اجرتی بدمعاشوں کو لے کر آئے ہیں۔ انکار کی صورت میں اسے لوٹ لیں۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ اس کا بٹوا نوٹوں سے بھرا رہتا تھا۔

"کیا بات ہے۔ اس وقت کیسے آنا ہوا.....؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ "میں نے تم لوگوں کو بلایا تو نہیں تھا؟"

اس کی بات کا ان میں سے کسی نے جواب نہیں دیا۔ ان قلیوں میں جو ایک جوان اور تنومند قلی تھا اس نے اس کے عقب میں آکر اسے دبوچ لیا۔ ان میں سے دوسرے نے اس کے پیر پکڑ کر اسے بے بس کر دیا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ شاید وہ اس کی جیب سے بٹوا نکالنا چاہتے ہیں۔ امرناتھ نے ان کا یہ جارحانہ رویہ دیکھا تو وہ خوف زدہ اور ہراساں ہو گیا۔ اس نے مدد کے لئے پکارا تو ایک تیسرے قلی نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر اتنے زور

سے مکا مارا کہ اسے تارے نظر آ گئے۔ اس کی کھوپڑی گھوم کر رہ گئی۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو بتاتے کیوں نہیں.....؟" امرناتھ نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

اسے جواب دینے کے بجائے اسے کسی قربانی کے جانور کی طرح گھسیٹتے ہوئے اس کے پاس لے گئے جو کھدائی کے لئے نشان کے طور پر بنایا گیا تھا۔ یہ بڑا مضبوط اور سات فٹ لمبا اور ایک فٹ چوڑا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے لے جا کر دو قلیوں نے مضبوطی سے پکڑ لیے۔ وہ بوڑھا ہو چکا تھا اس میں اتنی طاقت اور توانائی کہاں تھی مگر اس کے باوجود اس نے ہاتھ چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اس کی جدوجہد ناکام رہی۔ جن دو قلیوں نے اس کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے وہ جوان تھے۔

امرناتھ نے دل میں سوچا کہ ان سے کہے کہ تم لوگوں کو رقم کی ضرورت ہے تو میری جیب میں سے بٹوا نکالو اور چلتے بنو اور میری جان بخش دو لیکن اس نے محسوس کیا کہ وہ رقم کے لئے نہیں بلکہ کسی اور ہی خطرناک ارادے سے آئے ہیں..... کیا ارادے ہو سکتے ہیں؟

وہ سوچ ہی رہا تھا اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک بدمعاش اپنے گھوڑے پر سے کودا۔ امرناتھ کے قریب آکر اس نے جیب سے خنجر نکالا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ نیچے کی سانس نیچے اور اوپر کی اوپر رہ گئی۔ خوف و دہشت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ اس بدمعاش کو دھڑکتے اور کانپتے دل سے دیکھنے لگا جس کے ہاتھ میں خوف ناک خنجر چمک رہا تھا۔

ماسٹر امرناتھ کو اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا..... ایک لمحے کے لئے اسے ایسا لگا تھا کہ وہ کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھ رہا ہے..... لیکن وہ جلد ہی حقیقی دنیا کی سنگلاخ زمین پر آ گیا..... یہ سپنا نہیں تھا۔ ایک بھیانک حقیقت تھی جس نے اس کے سارے جسم میں لہو خشک کر دیا تھا۔ اس کا دل تھا کہ اندر ہی اندر ڈوبنے لگا تھا۔ اسے حیرت سے دکھ اور ملال ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ وہ ان کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ ایک عرصہ سے ان کے ساتھ رہ کر کام کر رہا تھا۔ ان کی ہر بات کو مانتا تھا اور ان کے طور طریق اور ان کے تمام رواج اور ان کی تہذیب کا احترام کرتا تھا۔ چوں کہ ان کے دکھ درد اور مسائل کا اندازہ تھا..... اس لئے انہیں روزگار اور ان کی منہ مانگی اجرت دیتا تھا۔ کتنے مزدور ایسے تھے جو اس سے قرض لے کر رقم ہڑپ کر چکے تھے اور اس نے کبھی واپسی کا تقاضا نہیں کیا..... اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ ان کے ناجائز مطالبات بھی بلا چوں و چرا مان لیتا تھا۔

وہ اپنی تاریخ، تہذیب و تمدن اور ماضی سے ناواقف تھے..... اس نے انہیں بے شمار باتیں بتائی تھیں..... اور پھر اس نے انہیں کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا..... پھر یہ انہیں کیوں اور کس لئے قتل کرنے آئے ہیں..... کیا شرافت اور انسانیت کا صلہ اس طرح سے دیا جاتا ہے..... ایسا تو کتا بھی نہیں، خود غرض اور کمینہ سے کمینہ شخص بھی نہیں کر سکتا۔

"کیا تم لوگ مجھے قتل کرنے آئے ہو.....؟"

ماسٹر امرناتھ نے کہا تو اس کی آواز گولہ بن کر حلق میں اٹک رہی تھی۔ اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا دشوار لگ رہا تھا۔ ایسا لگا تھا کہ اگر اسے کھمبے کے سہارے کھڑا نہ کیا ہوتا تو وہ کب کا گر چکا ہوتا۔

اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے وہ سب کے سب قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ جیسے اس نے کوئی لطیفہ سنا دیا ہو۔

"کیا میری محبت اور جذبے کا صلہ احسان فراموشی سے دینا چاہتے ہو....." ماسٹر امرناتھ گڑگڑایا۔ "تم لوگ جو بھی مطالبات لے کر آئے ہو میں اسے پورا کر دوں گا..... کسی کو مایوس نہیں کروں گا۔"

اس بدمعاش نے پہلے تو اس کے منہ پر خنجر کا دستہ ..... پھر اس کے سر پر اس بے رحمی سے مارا کہ وہ سر تا پا لرز کر رہ گیا۔ پھر وہ سب اسے کانپتا دیکھ کر استہزائیہ انداز سے ہنسے اور قہقہہ مارنے لگے۔

"یہ بڈھا کس طرح کانپ رہا ہے۔" ایک قلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔ ”کتنا مزا آرہا ہے۔“

”ہمارا صرف ایک مطالبہ ہے جسے تم پورا کرو گے اور ہر قیمت میں پورا کرنا ہے۔“ خنجر والے نے فضا میں خنجر لہراتے ہوئے کہا۔

”میں ضرور پورا کروں گا۔“ ماسٹر امرناتھ نے حواس کو جمع کر کے کہا۔ ”کہو..... کیا مطالبہ ہے؟“

”سوچ لو..... بہت ہی قیمتی مطالبہ ہے..... شاید تم سن کر اس کے لئے تیار نہ ہو.....“ وہ سفاکی سے بولا۔

”میں نے کہا نا کہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو..... اسے پورا کرنے میں ذرہ برابر بھی پس و پیش نہیں کروں گا۔“

”ہمیں تمہاری زندگی چاہئے۔“ ماسٹر امرناتھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرایا۔

”میری زندگی.....؟“ ماسٹر امرناتھ اچھل پڑا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ ”وہ کس لئے؟“

”اس لئے کہ دنیا میں انسان کی زندگی سے زیادہ قیمتی چیز کوئی نہیں ہے.....“ وہ شقاوت سے کہنے لگا۔ ”اب تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تمہیں جوان لڑکیاں اور عورتیں پیش کی گئیں۔ لیکن تم نے اس لئے انکار کر دیا کہ تم ان کے قابل نہیں رہے..... عورت کے بغیر مرد کی زندگی اس کی اپنی توہین ہے..... شباب کے بغیر زندگی سپاٹ اور بے کیف ہو جاتی ہے..... یہ جینا بھی کوئی جینا ہے ماسٹر امرناتھ.....! اب تم زندہ رہ کر کیا کرو گے.....؟ یوں بھی تم نے اپنی نوجوانی بڑی رنگین گزاری.....“

اس نے اپنا خنجر بلند کیا۔ سورج کی تیز روشنی میں اس کی دھار چمکی اور پھر خنجر اس کے پیٹ میں اترتا چلا گیا۔

ماسٹر امرناتھ کے ہاتھ جو دو قلیوں نے پکڑ رکھے تھے اسے چھوڑ دیئے..... وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ منہ کے بل گرا۔ اسے ہوش نہ رہا کہ کب ایک قلی نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا اور بدمعاش نے خنجر جو اب چمکنے کے بجائے خون میں لتھڑ چکا تھا اسے جسم سے جدا کر دیا۔

☆.....☆.....☆

پرکاش مہرہ نہ صرف ہندوستان کے بڑے صنعت کاروں اور دولت مندوں میں صف اول کا سرمایہ دار شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بڑا ذہین اور جہاں دیدہ تھا۔ جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتا وہ بے پناہ دولت کما لیتا..... اسے مٹی کو سونا بنانے کا فن آتا تھا۔ اس کی بڑی خواہش بلکہ سپنا تھا کہ دنیا میں جو دس بڑے سرمایہ دار ہیں وہ ان پر سبقت لے جائے۔ اس لئے وہ ایسے کام ڈھونڈتا تھا کہ جس میں اس کے وارے نیارے ہو جائیں..... اب تک وہ یورپ اور امریکہ کی خاک چھانتا رہا تھا..... وہاں سے بھی خوب دولت کمائی تھی..... لیکن جب وہ کسی کام سے سری لنکا گیا اور اس کی تاریخ پڑھی، مندروں اور پگوڈا دیکھے..... مجسموں کو دیکھا تو اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ سری لنکا میں سونے کی کان تھی۔ یہاں بے پناہ دولت سونے کی صورت میں تھی۔ ابھی تک اس کا خیال نہ کسی کو آیا تھا اور نہ ہی سری لنکا حکومت جانتی تھی کہ اس کا مال پاتال کی گہرائیوں میں دفن ہے..... اتنا ہے کہ وہ راتوں رات نہ صرف دنیا کا امیر ترین ملک بن سکتا ہے بلکہ اس کے ہاں جو لوگ غربت و افلاس کی چکی میں پس رہے ہیں انہیں آسودگی، خوش حالی اور پرمسرت زندگی دے سکتا ہے۔

پرکاش مہرہ نے ایک کمپنی دس برس پہلے بھارت ریسرچ سینٹر کے نام سے قائم کی ہوئی تھی چوں کہ اس نے سری لنکا میں چائے کے باغات میں سرمایہ لگایا ہوا تھا اس لئے اس نے سری لنکا کی حکومت سے بات چیت کی کہ اس کی فرم آثار قدیمہ کی کھدائی کا کام کرتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ حکومت کے تعاون اور اجازت سے کام شروع کرے۔ سری لنکا میں جو شہر کولمبو سے قریب تھا اس کا نام کینڈی تھا۔ وہاں مندروں، قدیم عمارتوں اور کھنڈروں کے نام و نشان تھے۔ مندروں میں مجسمے مورتیوں کے مقابلے میں کثرت سے تھے۔ پرکاش مہرہ کا کام نہ صرف ہندوستان اور سری لنکا بلکہ پڑوسی ممالک میں بھی تھا۔ جتنا بڑا دولت مند ہوتا ہے اتنا ہی طاقت ور اور اثر و رسوخ کا مالک ہوتا ہے۔ اس کے اپنے اثر و

رسوخ کے باعث سرکاری اور غیر سرکاری سطح کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنے میں اسے کسی دشواری کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔

ماسٹر امرناتھ اور جگن ناتھ اور پرکاش مہرہ کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ تھا کہ..... پرکاش مہرہ ایک خالص کاروباری شخص تھا اور وہ دولت کمانے کی غرض سے سرمایہ کاری کر رہا تھا۔ جتنی دولت آتی ہے۔ اتنی ہی ہوس بھی بڑھتی جاتی ہے..... جب کہ ماسٹر امرناتھ اور جگن ناتھ کے پیش نظر دولت کا حصول نہیں ہوتا..... انہیں ان نادر، قدیم اور نایاب اشیا کی منہ مانگے دام فروخت کرنے..... کسی میوزیم کو تحفے میں دیئے جانے سے قطعی دلچسپی نہیں تھی۔

ان کا تجسس اور دلچسپی کا محور اور ہی تھا..... وہ تو سری لنکا کے ماضی کے ایک مہاراجہ کی نامکمل معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جو بے حد پراسرار تھا۔ وہ ان کی یکے بعد دیگرے جانشینی کے درمیان گم گشتہ کڑیوں کو ملانے کے لئے کوشاں تھے..... صدیاں گزرتے گزرتے بہت مہاراجاؤں اور راج کماروں کی سادھیاں بے نام و نشان اور زمانے کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئی تھیں۔ اس دور میں چوں کہ سنگ تراشی بہت عام تھی اس لئے ہر راجہ مہاراجہ اور راج کماروں..... مہارانیوں کی مجسمہ سازی کی جاتی تھی..... تاہم اس کے باوجود بہت سے مجسموں کے ملنے کا امکان تھا..... اس وقت جو مجسمے بنائے جاتے تھے وہ مورتیوں کے ناپ کے ہوتے تھے۔ ان پر مورتیوں کا دھوکا ہوتا تھا۔ لیکن بہرحال ان کے درمیان ایک واضح فرق ہوتا تھا۔ یہ سنگ تراشی کے فن کا کمال تھا۔

لیکن اس عظیم مہاراجہ گنگا رام کا بیش بہا مجسمہ کہاں تھا.....؟ اس طرح راجن داس چہارم اور لڑکپن میں راجا بننے والا بھی لاپتہ تھا۔ مجسموں اور سادھیوں کی لامتناہی تلاش..... سورج کی جھلسا دینے والی تلاش اور اندر کی زہریلی ہوا بڑی جوکھوں کی باتیں تھیں۔ کوئی سر پھرا ہی ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ لیکن یہ جنون تھا۔ ایک اندھا جنون دل و دماغ پر سوار ہو جاتا ہے تو پھر اسے کچھ بھائی نہیں دیتا ہے۔ یہ بات کسی طور غلط نہ تھی کہ امرناتھ اور جگن ناتھ دونوں ہی سر پھرے تھے ان کی زندگی موت اور اس کے شکنجوں سے کھیلنے اور دل بہلانے کا نام تھا۔

ماضی میں راج کماروں اور مہاراجوں کی چتا کی راکھ ندی اور دریاؤں میں بہادی جاتی تھیں لیکن وہ مجسمے جو خالص سونے کی دھات سے تراشے ہوئے ہوتے تھے انہیں دفن کر دیا جاتا تھا۔ ایک خیال یہ تھا کہ سونے کے مجسمے دیوتاؤں کو خوش کر دیتے ہیں۔ مرنے والوں نے جو پاپ کئے تھے وہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ چاہے جیسا بھی گھناؤنا اور شرمناک اور ظالمانہ پاپ کیوں نہ ہو۔ جن سادھیوں میں وہ مجسمے دفن کر دیئے جاتے تھے وہ بکروں کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔ چوں کہ مجسمے خالص سونے کے ہوتے تھے انہیں مورتیوں کے ناپ کے بنائے جاتے تھے تاکہ سادھیاں بہت بڑی نہ ہو جائیں۔

پرکاش مہرہ کو ان مجسموں کی تلاش تھی جو طوفانوں، سیلابوں اور بارشوں نے ان کی باقیات کو پاتال کی گہرائیوں میں جانے کہاں کہاں پوشیدہ اور گم کر دیا تھا۔ وہ بہرحال موجود تھے۔ خاک کا پیوند نہیں ہو سکتے تھے۔ کچھ مہم جوؤں نے ان سادھیوں اور مقبروں کو تلاش کیا تھا..... اگر ان کا کوئی نام و نشان ہوتا تو ان کے ہاتھ لگ جاتے..... پھر یہ سلسلہ اس لئے جاری نہ رہ سکا تھا کہ اسے مفروضہ سمجھ لیا گیا تھا..... کچھ قدیم کتابوں میں ان کا تذکرہ سرسری انداز سے تھا اس لئے مہم جوئی ترک کر دی گئی تھی۔ سری لنکا کی حکومت نے بھی چھ سات برس تک مہم جوؤں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ لیکن وہ بھی انہیں پانے میں ناکام رہے۔

اب چوں کہ سونا عالمی مارکیٹ میں مہنگا تھا۔ اس کے دام آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ہندوستان میں بھی خاصا مہنگا تھا۔ پرکاش مہرہ نے سوچا تھا کہ دس بارہ مجسمے بھی ہاتھ لگ جائیں تو کروڑوں نہیں بلکہ اربوں ڈالروں کی آمدنی ہو جائے گی۔ جیسا کہ اس کے علم میں یہ بات ایک بہت ہی قدیم ہندوستانی داستانوں کی کتاب سے آئی تھی کہ ایک ایک مجسمہ ایک سے دو من

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک وزنی ہے۔ اس نے سری لنکا حکومت سے ایک معاہدے کے تحت ایک کروڑ کی رقم اس لئے دی تھی کہ جو بھی مورتیاں اور نوادرات ملیں گی اس کی اپنی ملکیت ہوں گی۔ کسٹم کوئی روک ٹوک نہیں کرے گا۔ حکومت نے این اوسی پرکاش مہرہ کو دے دیا تھا۔

ماسٹر امر ناتھ نے اپنی جوان اور حسین بیٹی کو معاون بنایا ہوا تھا..... اس کی بیٹی پونم بے حد ذہین اور سمجھ دار تھی..... وہ باپ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں جس کے باعث باپ کو بڑی مدد مل جاتی تھی۔ وہ بیٹی کی معلومات میں اضافہ کرتا رہتا۔

جگن ناتھ نے ایک نوجوان شاستری کو جو مدراس یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھا اسے معاون بنالیا تھا۔ وہ بہت ہی اولوالعزم اور تجسس پسند تھا اور اسے بھی آثار قدیمہ سے جنون کی حد تک دلچسپی تھی۔

پرکاش مہرہ کا کام صرف اس مہم کے اخراجات اٹھانا رہ گیا تھا اور اس ٹیم کو اس نے کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی کہ وہ اخراجات کی فکر اور پروا نہ کریں۔ دل کھول کر مزدوروں اور قلیوں کو اجرت دیں۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ یہ لوگ حقیقی معنوں میں اس کی تعظیم نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی دولت اور شخصیت سے مرعوب ہیں۔ صرف رسمی انداز سے ملتے اور کوئی خوشی کی بات ہوئی تو اظہار تشکر کر دیتے ہیں۔ اس کے لئے موسم کی سختیاں برداشت کرنا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ اس لئے وہ بہت ہی کم اس طرف آتا تھا اور رخ کرتا تھا۔ اس قدر مصروف تھا کہ اس لئے وہ شاذ و نادر ہی یہاں آنے کا پروگرام بنا پاتا..... ورنہ ٹیلی فون پر رابطہ رکھتا تھا..... کسی وجہ سے اس کا آنا اشد ضروری ہوتا تو وہ صبح کی فلائٹ سے آتا اور سہ پہر کی فلائٹ سے واپس چلا جاتا..... وہ بمبئی شہر میں سکون اور طمانیت سے رہتا..... ہر طرح کی آسائش و سہولت دولت ہونے کے ناتے اسے حاصل تھی۔ اس لئے انہیں سارے بکھیڑوں سے نمٹنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا۔

اس ماہ کی انتھک محنت، جدوجہد اور جان توڑ کوششوں کے بعد انہیں پتھر کا ایک زینہ نظر آیا جو نہ جانے کس طرح مہم جوؤں کی نظروں سے اوجھل رہا۔ شاید اس لئے بھی کہ انہوں نے اتنی محنت، جستجو اور جدوجہد نہ کی ہوگی۔ اس کے لئے غیر معمولی جفاکشی کی نہیں تھی۔ پہلے پہلے تو انہیں یہی سمجھ میں آیا کہ یہ کوئی مقبرہ ہے۔ سمادھی اتنی بڑی نہیں ہوتی ہے۔ بدھ مذہب کے لوگ مردوں کی تدفین کرتے ہیں۔ لیکن وہ جوں جوں کھدائی کرتے گئے ان پر ایک غیر متوقع انکشاف ہوتا گیا کہ یہ کوئی غیر معمولی مقبرہ ہے..... اور اس میں شاید کسی عظیم مہاراجہ کے مجسمے کا مدفن ہے۔ چھ ہفتوں کی مسلسل کھدائی کے بعد انہیں ایک بہت بڑا دروازہ نظر آیا۔ جب وہ اس میں گھسے تو وہاں گم گشتہ صدیوں کی فضا ان کی منتظر تھی..... جو ایک نیست و نابود تمدن کی صدائے بازگشت سنا رہی تھی۔ بوجھل اور سلین سے دم گھٹا جاتا تھا لیکن ان کے حوصلے پست نہ ہوئے اور نہ ہی انہوں نے ہمت ہاری بلکہ ان کا عزم و حوصلہ اندھا جنون اختیار کرتا گیا۔

مقبرے میں مدفون فرمانروا کے استعمال کی تمام اشیا قیمتی پوشاکیں، اسلحہ، اجناس..... نشست و برخاست کی جڑاؤ چیزیں اور زیورات میں کچھ تھا..... ایک طرف اس کے معبود کا مجسمہ تھا..... اور چاروں طرف زر و جواہر بکھرے پڑے ہوئے تھے..... دیواروں..... کونوں کھدروں اور فرش پر ان کے ڈھیر لگے ہوئے تھے..... گویا یہ ایک خزانہ تھا جو چاروں طرف بکھرا پڑا ہوا تھا۔

امر ناتھ اور جگن ناتھ یہ سب کچھ دیکھ کر سکتے کی سی حالت میں رہ گئے..... انہیں ایسا لگا یہ حقیقت نہیں بلکہ ایک سپنا ہے..... لیکن جب وہ سکتے کی سی کیفیت سے نکلے تو انہیں احساس ہوا کہ نہیں..... یہ سپنا نہیں بلکہ ایک حقیقت تھی جو سپنے سے بھی حسین تھی۔ چند لمحوں کے بعد ان کی فطرتی صلاحیت عود کر آئی..... پھر وہ ان نوادرات کی مدد سے تاریخ کی گم گشتہ کو جوڑنے بیٹھ گئے..... انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ماضی کے اس دور میں بیٹھے ہوئے ہیں جو ایک سپنے کی طرح رنگین اور دلکش تھا۔

پونم پوری طرح اپنے حواس کو قابو میں نہ کر سکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی..... جب مقبرے کا اندرونی دروازہ کھلا تھا وہ اپنے باپ کی پشت پر کھڑی ہوئی تھی..... اس دم اس کا جی چاہا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے..... پھر اس نے محسوس کیا تھا کہ کوئی نادیدہ ہستی اس سے کچھ کہنا چاہ رہی ہو..... اس کی مدھم مدھم سی سرگوشی اس کے کانوں میں جیسے گونج رہی تھی..... مگر وہ دانستہ اس کا ایک لفظ بھی سننا اسے گوارا نہیں تھا اور اس سرگوشی نے اس کے اندر ایک عجیب اور پراسراری وحشت بھر دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس نے محسوس کیا کہ ایک نامعلوم خطرے کا اندیشہ اس کے ذہن پر کسی آسیب کی طرح مسلط ہو رہا ہے..... اس نے سوچا کہ ان لوگوں سے جو ان چیزوں کی طرف منہ کئے بغیر بیٹھے ہیں..... ان سے کہے جتنا جلد ہو سکے اس جگہ سے نکل بھاگیں..... کیوں کہ وہ محسوس کر رہی ہے کوئی بھی خوف ناک اور بدترین نوعیت کا واقعہ پیش آ سکتا ہے۔ ایک انجانی ہستی اس خطرے سے آگاہ کر رہی ہے..... لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ اس کی بات پر عمل نہیں کریں گے بلکہ اس سے کہیں گے یہ اس کا وہم ہے۔

چوں کہ اس کے پتا جی نے نوجوانی کے آغاز سے ہی اس کی خصوصی تربیت کی تھی اس لئے اپنی وحشت اور اندیشوں پر قابو پانے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ جب حواس اور خوف اس کے قابو میں آ گیا تو اس نے وہاں سے بھاگ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بزدل اور توہم پرست ثابت کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اب چوں کہ اسے سکون اور دل کو طمانیت سی محسوس ہو رہی تھی اس لئے اس نے اس روشنی میں جو اس مقبرے میں صدیوں بعد کی گئی تھی اس میں اس کا ناقدانہ انداز سے جائزہ لینے لگی۔

اس کے سراپا میں ایک ارتعاش تھا جو لحہ بہ لحہ بڑھتا جا رہا تھا..... کیوں کہ چاروں طرف پھیلی ہوئی ایک عجیب بو کوٹھی کی دبیز تہہ کو اور اس پراسرار سکوت کو بڑے کرب سے برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر اسے یہ خیال آیا کہ وہ ان جان لیوا لمحات کو شاید زندگی بھر نہ بھلا سکے گی..... اور پھر مزید یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو جب اس مقبرے میں داخل ہونے والے یہاں سے نکلیں تو شاید یہ کوئی ایسا مرض لے کر نکلیں جو موزوں قسم کا اور لاعلاج نہ ہو۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا تینوں آدمی وہاں موجود الم ناک سی اشیا کی فہرست تیار کر رہے تھے لیکن پونم یکسوئی سے جیسے کوسوں دور تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ اب وہ کیفیت برقرار نہیں رہی تھی۔ ہر لحظہ اس کے خوف میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ شدید گرمی، حبس اور گھٹن کے باوجود اپنے پورے جسم اور نس نس میں سردی کی سی کپکپاہٹ محسوس کر رہی تھی۔ جیسے باہر اور اندر بھی سردی ہو۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سورج کی تپش یا مجسمہ کا انتقام اسے جلا کر خاکستر کر دے گا..... اور اس کی راکھ کو ہوا کی نذر کر دیا جائے گا تاکہ وہ فضا میں بکھر جائے۔

اس نے سنا ہوا تھا کہ جس انسان کا مجسمہ بنایا جاتا ہے اس کے مرنے کے بعد اس کی آتما اس میں سما جاتی ہے۔ جب اس مجسمے کو چھیڑا جاتا ہے تو پھر وہ انتقام لیتی ہے۔ آخر کار اس سے رہا نہ گیا اس نے اپنی ہمت جمع کر کے اپنے پتا جی سے کہا۔

"پتا جی.....! جتنا جلد ہو سکے اس جگہ سے نکل چلیں..... پلیز! پتا جی!..... آپ میری مان لیں۔"

"وہ کس لئے یہاں سے نکل چلوں؟" انہوں نے حیرت سے اپنی بیٹی کی شکل دیکھی۔

"اس لئے کہ ایک انجانا خوف، وحشت اور پراسراریت اور نادیدہ عفریت کی موجودگی کا احساس سا ہو رہا ہے۔" اس نے کہا۔

اس نے اپنی بات کا ردعمل جاننے کے لئے اپنے باپ کا چہرہ دیکھا، تو اس کو لگا کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔

اس نے صاف طور پر محسوس کیا کہ اس کے پتا جی کو اس کی اس بات سے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی حیرت سے کہا۔

"مجھے تم پر ہمیشہ بھرپور اعتماد رہا ہے..... اور پھر

میں تمہاری غیر معمولی صلاحیتوں کا معترف بھی رہا ہوں..... میں ایک استاد ہوں اور تم میری بڑی ہونہار اور ذہین شاگرد ہوئی ہو اور میری ہم خیال بھی..... لیکن اب تم ایک دقیانوسی اور توہم پرست عورت کی طرح باتیں کر رہی ہو اور خوف زدہ بھی ہو رہی ہو۔"

پونم سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو پروفیسر جگن ناتھ نے اس سے کہا۔

"تم ایسا کرو..... اس غار میں جا بیٹھو جسے ہم لوگوں نے دفتر بنایا ہوا ہے..... اور ہمارا انتظار کرو۔"

اب وہ بحث و تکرار کر کے انہیں اپنے خوف اور اندیشے سے آگاہ کرنا نہیں چاہتی تھی..... وہ ان سے کہتی کہ اس کی چھٹی حس ایک خوفناک خطرے سے خبردار کر رہی ہے۔ وہ اس کو نہ سنتے اور نہ ہی مانتے..... پھر وہ اس مقبرے سے نکل کر اس غار میں آ گئی جسے عارضی طور پر دفتر بنایا ہوا تھا۔ یہ خاصا بڑا کشادہ، روشن اور ہوادار غار تھا اور یہ گرم موسم میں بھی قدرے ٹھنڈا رہتا تھا..... اس دفتر میں کارکردگی کا تمام ریکارڈ موجود تھا۔ یہاں وہ بڑی عمدگی سے ایک کلرک کی طرح اپنا کام کر سکتی تھی۔ اس نے بیکار بیٹھ کر انتظار کرنے کے بجائے سوچا کہ وہ میز ٹھیک کر دے۔ وہ میز پر ادھر ادھر پڑی فائلیں اور بکھرے کاغذات سمیٹ کر اور درست کر کے رکھنے لگی۔ پھر میز پر جو گرد جمی ہوئی تھی اسے ڈسٹر سے صاف کرنے لگی۔ اس کے قرینے نے میز کو سجا دیا تھا۔

شروع شروع میں جب یہاں کھدائی کا آغاز ہوا تھا یہ جگہ اسے بڑی رومان پرور محسوس ہوئی تھی۔ ماحول بڑا خواب ناک اور خوش گوار سا دکھائی دیتا تھا..... لیکن اب مقبرہ دریافت ہونے اور اس کے کھل جانے کے بعد یہ جگہ اسے کاٹنے کو دوڑ رہی تھی۔ اگر اس کے بس میں ہوتا اور پتا جی کا ساتھ نہ ہوتا تو وہ یہاں سے کہیں دور چلی جاتی..... روز اس علاقے کا مٹر گشت کرتی۔ کیوں کہ یہ علاقہ بڑا پرفضا اور پرسکون اور قدرت کے حسین نظاروں سے بھرا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد شاستری آیا تو اس کے بال، لباس اور ہاتھ پیر دھول مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ پہلے تو اس نے سر کے بالوں کو گرد سے صاف کیا۔ پھر کپڑے جھاڑے..... پھر اس نے غار کے باہر پلاسٹک کے بڑے ڈرم میں رکھے ہوئے پانی سے منہ ہاتھ دھویا تو وہ ایک دم تازہ دم سا ہو گیا۔ جب وہ بالوں میں کنگھی کر رہا تھا پونم نے اس سے پوچھا کہ وقت کیا ہو رہا ہے.....؟ شاستری نے اس کا سوال سن کر مسکرا دیا۔ کیوں کہ وہ اس سے یہ سوال کئی بار پوچھ چکی تھی۔ شاستری نے اپنی جیب سے قدیم زمانے کی سونے کی گھڑی نکالی جو اس کے پردادا کی تھی۔ وہ اسے آج بھی استعمال کر رہا تھا۔ یہ ایک انگریز نے اس کے پردادا کو کسی خدمات کے صلے میں دی تھی۔ یہ ابھی تک خراب نہیں ہوئی اور وقت بھی صحیح بتاتی تھی۔

"تم نے پچھلی بار جب وقت پوچھا تھا تب سے اب تک ٹھیک دس منٹ اوپر ہوئے ہیں۔" شاستری نے جواب دیا۔

"معاف کرنا....." پونم جھینپ کر بولی۔ پھر اس نے جھینپ مٹانے کے خیال سے کہا۔

"پتا جی..... اور انکل جگن ناتھ کیوں نہیں لوٹے ہیں..... میں خاصی دیر سے ان کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ الزاد دونوں کے ہاتھوں کوئی ایسی خاص چیز ہاتھ لگی ہو جو جس کا باعث ہو۔" شاستری نے سرسری انداز سے جواب دیا۔

"ہاں....." پونم نے اپنا خوش نما سر اثبات میں ہلا دیا۔ "جب وہ کسی کام میں غرق ہو جاتے ہیں انہیں کسی بات کی پروا اور احساس نہیں ہوتا ہے..... وہ کسی بھی کام کو ادھورا چھوڑنا پسند نہیں کرتے ہیں۔"

"خاص چیز سے میری مراد کوئی حسین راج کماری ہوگی جو صدیوں سے ان کی راہ دیکھ رہی ہوگی۔" شاستری نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ اب جبکہ صدیوں بعد ملنا ہوا ہے تو وہ سب کو بھول بیٹھے ہیں۔"

پونم اس کی بات سن کر مسکرا دی اور پھر اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”میرے پتا جی کا ذوق، پسند اور انتخاب کا معیار بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہے...... میرے پتا جی کو وہی راج کماری دوشیزہ پسند آئے گی ان کے من کو بھائے گی جس کی عمر سولہ برس کی ہوگی۔ اس کا مجسمہ ہو، وہ ایسی ہو کہ تین ہزار برسوں کے بعد بھی جنم لے تو دوشیزہ ہی ہو۔“

”لیکن تمہارے پتا جی کے لئے تو سولہ برس کی عمر کی دوشیزہ بھی زیادہ عمر کی ہوئی۔“ شاستری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ ”انہیں تو بارہ برس کی ایسی دوشیزہ چاہئے جس کا حسن چاند کو بھی شرما جاتا ہو۔ شاید انہیں اسی عمر کی دوشیزہ ملی ہوگی۔“

پونم ایک دم سے کھل کھلا کر ہنس پڑی تو اس کے چہرے پر نکھار آ گیا اور سرخ سرخ گداز ہونٹوں پر تبسم کی لڑیاں بکھر گئیں...... دل کھول کر ہنسنا چاہتی تھی تا کہ یہ یاسیت سے بھرا ماحول اس لطیف شگفتہ اور رومان رنگ میں ڈھل جائے جو پہلے تھا۔ شاستری کے آنے سے اس کے دل کو بڑی تقویت ملی تھی۔ ماحول ایک دم بدل گیا تھا۔

گزشتہ دس بارہ مہینوں سے مل جل کر کام کرتے ہوئے ایک دوسرے کی معیت میں انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے پیدا ہوئے ہوں...... جنم جنم کے ساتھی ہوں...... وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے...... وہ محبت کے اٹوٹ بندھن میں بندھ گئے ہیں اور یہ دلوں کا رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔

پونم یہ بات جانتی تھی کہ اس کے پتا جی کو اس کا ہاتھ شاستری کے ہاتھ میں دیتے ہوئے خوشی ہوگی...... اور پھر انکل پروفیسر جگن کی طرف سے بھی اس شادی پر آشیرباد ملے گی اور خود کو بھی اس بات کا خیال تھا کہ اسے شاستری بہت پسند ہے بلکہ اس کی کمزوری ہے...... گو کہ ابھی تک زبان سے محبت کا اقرار اور عہد و پیمان نہیں ہوا تھا...... لیکن نگاہوں کی زبان نے دل کی بات غیر مخصوص انداز سے کہہ دی تھی جو زبان کے لئے کہنا بہت ہی مشکل تھی۔

دونوں میں بہت ساری باتیں مشترک تھیں...... دونوں کی طبیعت ملتی تھی...... زندگی گزارنے کے لئے جس ذہنی ہم آہنگی کی ضرورت تھی وہ ان میں موجود تھی...... وہ شاستری پر اندھا اعتماد کر سکتی تھی۔ اس عرصہ میں پونم نے دیکھا اور محسوس کیا تھا کہ شاستری میں تخلیقی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس کے ساتھ دل میں امنگیں اور ولولے پیدا کرتا ہے اور ایک دن شہرت اس کے قدم چومے گی۔

غار سے باہر اچانک دھول اڑنے لگی۔ مقامی لوگوں کی سری لنکن زبان میں باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ دوسرے لمحے غار میں جگن ناتھ داخل ہوا تو کچھ شکستہ اور بے جان دکھائی دیتا تھا۔ اس کا چہرہ سفید دھلی چادر کی طرح ہو رہا تھا اور آنکھوں سے دہشت جھانک رہی تھی۔ پونم اس کی یہ حالت دیکھ کر بری طرح چونکی اور اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا...... کیونکہ اس نے محسوس کیا تھا کہ جگن ناتھ صدمے سے نڈھال ہو رہا ہے۔ پونم بری طرح سراسیمہ ہوگئی۔ اس کے پاس آنے سے پہلے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی۔ جگن ناتھ نے کہا۔

”میری پیاری بچی......!“ آواز نے اس کے سینے میں دم توڑ دیا۔

”انکل...... انکل......! میرے پتا جی کہاں ہیں؟...... وہ آپ کے ساتھ آئے کیوں نہیں؟“ پونم نے ایک ہی سانس میں پوچھا۔

جگن ناتھ جواب دینے کے بجائے ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ سنیل داس جو سری لنکن حکومت کی طرف سے نمائندہ تھا اور وہ کام کے ابتدائی دنوں سے ان کے ساتھ تھا۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو اس کے پیچھے پیچھے دو قلی کوئی چیز اٹھائے ہوئے آئے۔ وہ ایک اسٹریچر اٹھائے ہوئے تھے۔ پونم کو دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جان چکی تھی۔

دونوں قلی غار کے وسط میں پہنچ کر رک گئے اور پھر جیسے یہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ انہیں غار میں داخل

ہو کر کیا کرنا ہے۔ انہوں نے اسٹریچر کو فرش پر جیسے پٹخ دیا۔ ماسٹر امر ناتھ کے منہ پر جو کپڑا تھا وہ ہٹ گیا۔ شاستری نے آگے بڑھ کر سامنے والے قلی کے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ فرش پر منہ کے بل گر گیا۔

”شاستری......! پلیز!“ جگن ناتھ نے آگے بڑھ کر شاستری کا ہاتھ پکڑ لیا تا کہ وہ دوسرے قلی پر ہاتھ نہ اٹھا دے۔ ”انہیں نہ مارو۔“

”ان دونوں نے دانستہ اسٹریچر گرایا ہے۔“ شاستری نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔ ”میں نے خود غور سے دیکھا ہے۔ میں انہیں بخشوں گا نہیں......“

سنیل داس نے شاستری کو جو غصے میں بھرے ہوئے دیکھا تو اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر کہا۔

”آپ کو غلط فہمی ہوئی...... مرنے والوں کی بے حرمتی ہمارا شیوہ نہیں ہے۔“

”میں مقامی لوگوں کے طور طریقوں سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔“ شاستری نے سخت غصے سے کہا۔ ”میں کوئی نیا نہیں ہوں۔ میں ان لوگوں کی رگ رگ سے خوب واقف ہو چکا ہوں...... حالیہ چند مہینوں میں ان کی کئی گھٹیا اور شرمناک حرکتیں دیکھی ہیں......؟ کیا آپ کو ان کی تفصیل بتاؤں...... آپ سنیں...... ہمارے اسٹور سے کئی چیزوں کی چوری...... ہمارے مزدوروں کو کام چھوڑنے پر اکسانا اور بھڑکانا......“

شاستری کا پارہ چڑھتا گیا۔ ”یہ پہلے ہمارے ممنون تھے اور پالتو کتوں کی طرح آگے پیچھے دم ہلاتے پھرتے تھے۔ یہ ساری حرکتیں اس لئے تھیں کہ ہمارے پاس بے تحاشا خرچ کرنے کے لئے پیسہ تھا اور آپ ہاتھ مانگ کر خوش تھے۔ پھر ہم نے تنگا رام کا مقبرہ جسے آپ لوگ مقبرے کا نام دیں یا سمادھی کہیں...... دریافت کر لیا جو ایک عمارت میں واقع ہے...... اور تم نے......“ وہ آپ سے تم کے تخاطب پر آ گیا۔ ”تم نے اس پر ایک نظر ڈالتے ہی اس پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا...... تمہارے منہ میں پانی بھر آیا...... اور اب...... اس نے ماسٹر امر ناتھ کی لاش کو دیکھتے ہوئے خشونت سے کہا۔ ”تم نے ماسٹر امر ناتھ کے ساتھ کیا کیا......؟ کیا تم ہمیں دہشت زدہ کر کے یہاں سے بھگانا چاہتے ہو......؟ کیوں یہی بات ہے......؟“

”ایسے گھٹیا قسم کے الزامات تھوپنے کی آپ کو ہمت کیسے ہوئی......“ سنیل داس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ”ہماری حکومت اور میں نے آپ لوگوں سے ہر قدم پر تعاون کیا...... کیا آپ کو اس بات سے انکار ہے؟“

”تم نے ہمیں کوئی سہولت نہیں پہنچائی...... ذرا گن کر تو بتائیں؟“ شاستری نے ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔

”پلیز......! مسٹر سنیل داس...... مسٹر شاستری......“ جگن ناتھ نے دونوں کو چپ کرایا۔

پھر جگن ناتھ نے قلیوں کو اسٹریچر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سہمی سہمی نظروں سے شاستری کو دیکھتے ہوئے اسٹریچر اٹھا کر غار کے اندرونی حصے میں لے گئے...... اس تمام عرصہ میں پونم بت بنی کھڑی رہی۔

”میں آپ سے احتجاج کرتا ہوں کہ اپنے الفاظ واپس لے لیں۔“ سنیل داس نے تیز لہجے میں شاستری سے کہا۔

”ہم کل تک اپنا کیمپ اٹھا رہے ہیں......“ جگن ناتھ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”ہم ممبئی واپس جا رہے ہیں۔“

جگن ناتھ کے الفاظ اس پر بجلی بن کر گرے۔ وہ تیزی سے جگن ناتھ کی طرف گھوم کر بولا۔

”ابھی تو آپ کا کام مکمل اور ختم نہیں ہوا ہے...... دیکھا جائے تو اس کی ابتدا ہوئی ہے۔“

”تمہیں ہمارے کام کی فکر کرنے اور ہمارے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ جگن ناتھ نے جھنجھلا کر جواب دیا۔ ”نوادرات اور اپنے تحفظ کے لئے ہم باقی کام اپنے شہر جا کر کریں گے۔ ہمیں یہاں رہ کر جان سے ہاتھ دھونا نہیں ہے۔“

”ایسا لگتا ہے کہ تمہارے منصوبے اور تمہارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حربے ہمیں یہاں سے بھگانے کے لئے کارگر ہوئے ہیں سنیل داس!" شاستری غرایا۔ ہم اپنا بوریا بستر سمیٹ کر بھاگ جائیں گے..... اپنی مرضی سے آئے تھے اور اپنی مرضی سے ہی جارہے ہیں۔"

"آپ اپنی مرضی سے اور بھاگ کر بھی نہیں جاسکتے....." سنیل داس نے کہا۔

"کیا تم روک لو گے.....؟ اگر تمہیں اتنی ہمت ہے کہ روک سکتے ہو تو روک کر بتاؤ۔" شاستری نے چیلنج کے سے انداز میں کہا۔ "ہمیں تم کیا..... سری لنکا کی حکومت بھی جانے سے نہیں روک سکتی۔"

"نہیں..... یہ بات نہیں....." سنیل داس نے جیسے زیر لب کہا تو شاستری کو اس کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔ "اس لئے کہ اب اس پراسرار مقبرے کے عذاب سے چھٹکارا پانا ناممکن نہیں رہا۔"

ایک تیز سرد لہر پونم کی ریڑھ کی ہڈی میں کسی زہریلے اور تیز دھار خنجر کی نوک کی طرح اتر گئی تو اس کا جسم لرزنے لگا۔

وہ راہب بجلی کی سرعت سے اس کے ذہن میں کوند گیا۔ جو متعدد لوگوں کی زبان پر تھا کہ..... ماضی کے راجاؤں..... مہاراجاؤں، اور بھی دولت مندوں نے اپنی سادھیوں کو تیر نما بنا کر ان میں اپنے مجسمے اپنی موت سے قبل بنوالئے تھے۔ وصیت کی جاتی تھی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی چتا کی راکھ فضا میں بکھیر دی جائے اور مجسمہ سادھی میں دفن کردیا جائے..... یہ سادھی جو مقبرہ نما ہوتی تھی شاہی محل کے کسی گوشے میں ہوتی تھی..... اور پھر ان کی آتمائیں سادھیوں یا مقبروں کو مٹی گارے یا پتھروں سے کسی دھات کے ذریعے نہیں بلکہ اپنی تباہ کن پوشیدہ طاقت سے بند کردیتے تھے تاکہ کوئی ان مجسموں کو لے جانہ سکے..... اگر کسی نے انہیں لے جانے کی حماقت یا کوشش کی تو پھر وہ مجسمہ ان کی جان کے درپے ہوجاتا تھا۔

"دنیا کی کوئی طاقت ہمیں یہاں سے جانے سے روک نہیں سکتی....." شاستری نے یہ کہہ کر اسے ڈانٹ پلائی۔ "سنیل داس اپنی بکواس بند کرو۔"

"خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا..... موت ہمارا مقدر بن چکی ہے۔" سنیل داس نے اپنا سر یوں جھکا لیا جیسے دعا مانگ رہا ہو۔ پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ "مرنے والوں میں میں بھی رہوں گا..... کیوں کہ اس میں، میں بھی ملوث رہا ہوں..... ہمیں سادھیوں کی سزا ہلاکت کی شکل میں ہر قیمت پر ملے گی..... اس سے فرار ممکن نہیں ہے۔"

"یہ بکواس تم اس لئے کررہے ہو کہ ان مفروضہ قصہ کہانیوں سے ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر....." اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہ تو یہ دھول ہے اور نہ ہی جھوٹی قصہ کہانیاں بلکہ یہ آپ کا اندھا پن ہے..... اندھا جنون جس نے آپ کو دیکھنے اور سمجھنے سے محروم کررکھا ہے۔" سنیل داس نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ "کاش! آپ لوگ حقیقت اور عقل سے کام لیں۔"

جگن ناتھ کے سارے جسم میں خوف کی لہر بجلی کی رو کی طرح اتر گئی۔ اس نے جیب سے وہسکی کی بوتل نکال کر اس کا کارک کھولا اور منہ سے لگالیا۔

"ننگا رام کیا..... کسی بھی راجا مہاراجا کی مورتی..... مقبرہ یا سادھی ہمیں عذاب نہیں دے سکتی سنیل داس۔" شاستری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس میں ایک سونے کا مجسمہ ہے جو بے جان..... کیا تم نہیں جانتے کہ آدمی کے مرنے کے بعد اس کی آتما پرلوک میں قید ہوجاتی ہے..... صرف بدآتمائیں دنیا میں منڈلاتی پھرتی ہیں..... وہ بھی بہت ہی کم....."

پونم آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باپ کی لاش کے پاس پہنچی اور اس پر جھک گئی..... پھر اس نے ایک دردناک چیخ ماری..... اس کے باپ کا ایک بازو اسٹریچر پر پھیلا ہوا تھا اور دوسرا بازو سینے پر رکھا ہوا تھا..... لاش کے قریب ہی کٹا ہوا بازو اور خنجر جس پر خون جم گیا تھا۔ قریب ہی پڑے تھے۔

پونم کی چیخ سن کر جگن ناتھ تیزی سے اس کے

پاس پہنچا اور اس کے بازوؤں کو تھام لیا۔ اگر وہ پونم کو نہ تھامتا تو وہ باپ کی لاش پر گر کر اور چیخ کر دھاڑیں مار مار کر روتی..... شاید بے ہوش بھی ہوجاتی۔ غم و غصے سے.....

شاستری ان کے پاس آپہنچا..... خون آلود اسٹریچر پر نظر پڑتے ہی اس نے کہا۔

"میرے خیال میں ہم یہاں سے جتنی جلدی نکل سکتے ہیں نکل جائیں....."

پونم اپنے باپ کی دردناک موت پر جگن ناتھ کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆.....☆.....☆

وہ ہفتہ بڑی عجلت سے انہوں نے رخصت کی تیاریوں میں گزارا..... جلدی جلدی سامان کی فہرست تیار کی..... ایک ایک چیز کو اچھی طرح سے چیک کیا کہ کہیں وہ رہ نہ جائے..... مقبرہ نما سادھی کا نقشہ بنادیا..... نوادرات کا محل وقوع نوٹ کیا اور جگہوں کی پیمائش کی تاکہ مستقبل میں کوئی یہ نہ کہے اور طعنہ نہ دے اور نہ ہی تمسخر اڑائے کہ اس کمپنی نے کھدائی کا کام جدید اور سائنٹیفک طریقوں سے کیا تھا..... لکڑی کی بڑی بڑی اور مضبوط پٹیاں جو خصوصی طور پر بنائی گئی تھیں۔ کولمبو شہر سے منگوائی گئی تھیں۔ سنیل داس اپنی حکومت اور میوزیم کے حکام سے رسمی اور قانونی روانگی کے لئے بھاگ دوڑ کررہا تھا۔ گو کہ پرکاش مہرہ کو اجازت مل چکی تھی۔ پھر بھی اجازت اس لئے ضروری تھی کہ سادھی سے انہیں جو کچھ ملا تھا اس کی مالیت بے پناہ تھی۔ پرکاش مہرہ نے معاہدے کے تحت ایک کثیر رقم غیر ملکی کرنسی کی صورت میں دی ہوئی تھی..... شاستری کا سنیل داس کے بارے میں شبہ ہلکا پڑتا جارہا تھا۔ کیوں کہ وہ بڑی تیزی سے ان کی روانگی میں مدد دے رہا تھا اور نوادرات لے جانے کے بارے میں اس نے روڑے اٹکائے نہیں تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ چاہتا ہوگا کہ یہ لوگ جتنا جلد ہوسکے اس کی نظروں سے اوجھل ہوجائیں۔ وہ ان کا سایہ تک دیکھنا نہیں چاہتا ہے۔

ایک روز سنیل داس کولمبو سے واپسی پر میوزیم کے دو معمر اور بہت ہی پرانے ملازم لے آیا تھا۔ وہ اس لئے سنیل داس پر بگڑ رہے تھے کہ اس نے ایک دن بعد چلنے کی مہلت نہیں دی تھی..... لیکن جب انہوں نے سادھی کی اشیاء دیکھیں تو ان کی ساری برہمی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

سری لنکا میں سینکڑوں مندر ہیں..... جو ماضی کے راجاؤں اور مہاراجوں نے بنایا تھا..... ان کی حویلیاں، محل اور سادھیوں کی عمارتیں جو پرشکوہ تھیں انہیں سونامی، طوفانوں اور زلزلوں نے مدفون کردیا..... نوادرات اور خزانوں کی کوئی کمی نہیں ہے..... ان کی تلاش میں تیس برس تک ملکی اور غیر ملکی آثار قدیمہ تلاش کرنے والی کمپنیاں خوار ہوتی رہیں..... اس لئے حکومت نے ایک کروڑ کی رقم ڈالر کرنسی میں وصول کرکے اس کے عوض اجازت دے دی کہ جو بھی اشیاء کھدائی سے برآمد ہوں گی۔ وہ کمپنی کی ملکیت ہوں گی..... لہٰذا میوزیم کی جانب اسی ہزار اسٹرلنگ پونڈ کی پیشکش ان نوادرات اور مجسمہ کے عوض کرتا ہوں..... یہ بہت بڑی پیش کش ہے۔ وارے نیارے ہوجائیں گے۔"

یہ شخص کولمبو کے میوزیم میں ایک عہدے پر فائز تھا وہ لندن میں برٹش میوزیم میں دس برس انچارج رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ ان نوادرات کی کیا اہمیت ہے۔ وہ ماہر نوادرات تھا۔

جگن ناتھ نے فوراً ہی برٹش پونڈ کو ہندوستانی کرنسی سے حساب کیا..... یہ اتنی بڑی رقم تھی کہ کھدائی کے سارے اخراجات بھی پورے ہوجاتے اور فرم کو خاصا منافع بھی ہوتا..... تو میوزیم کے ملازم نے پوچھا۔

"مسٹر جگن ناتھ! کیا ہماری اتنی بڑی فراخ دلانہ پیش کش منظور ہے۔"

اس گراں بہا پیش کش سے جگن ناتھ اندر ہی اندر بہت خوش ہوگیا لیکن اس نے بشرے سے ظاہر ہونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں دیا۔ اس کا فوری جواب نہ پا کر میوزیم کا ملازم یہ سمجھا کہ جگن ناتھ تذبذب میں پڑ گیا ہے اور اسے رقم کم لگ رہی ہے۔ پھر اس نے کہا۔

"میں اس میں بیس ہزار پونڈ کا اضافہ کر سکتا ہوں اور اس سے مزید رقم میں اضافہ نہیں کر سکتا۔"

اس گراں پیش کش سے جگن ناتھ اور شاستری بہت خوش ہوئے۔ جگن ناتھ نے شاستری سے اس کی رائے پوچھی تو شاستری نے اتفاق کیا۔ پھر جگن ناتھ نے کہا۔ "آپ کو جواب کے لئے شام تک انتظار کرنا ہوگا۔"

"وہ کس لئے.....؟" میوزیم کے افسر ملازم نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس لئے کہ اس سودے کا اختیار صرف اس فرم کے مالک مسٹر پرکاش مہرہ کو ہے۔ اگر ان کی طرف سے اجازت ہوئی اور انہوں نے با اختیار بنایا ہوتا تو ہم یہ پیشکش قبول کر لیتے۔ لمحے کی بھی دیر نہ کرتے....."

"آپ پرکاش مہرہ سے فون پر رابطہ کر کے آمادہ کر لیں۔" سنیل داس نے مشورہ دیا۔ "پھر یہ نوادرات یہیں رہیں گے..... ملک سے باہر نہیں جائیں گے..... ایک طرح سے ماضی کا ورثہ ہے۔ امانت ہے۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ یہاں کے میوزیم میں ان کی نمائش کی جائے؟" جگن ناتھ نے پوچھا۔ "تاکہ اس سے میوزیم کو مالی فائدہ حاصل ہو؟"

"ہاں....." سنیل داس نے سر ہلا کر ٹھنڈی آہ بھری۔ "دوسری بات یہ ہے کہ عذاب سے نجات مل جائے گی۔"

شاستری کی پیشانی پر شکنوں کا جال ابھر آیا..... وہ سمجھ گیا کہ سنیل داس کی نیت میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔ اس کے خیال میں میوزیم ان نوادرات اور مجسمہ کو کسی غیر ملکی یا برٹش میوزیم کو فروخت کر کے لاکھوں پونڈ آسانی سے کما لے گی..... وہ سنیل داس کو سخت لہجے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ جگن ناتھ نے اس کا بشرہ بھانپ کر غیر محسوس انداز سے آنکھ سے اشارہ کر کے خاموش رہنے کے لئے کہا۔

ہفتے کے آخری دو دن اشیاء پیک کرنے اور انہیں سمادھی کی عمارت سے نکالنے میں لگ گئے۔ جگن ناتھ اور شاستری خوش تھے کہ سارے نوادرات بہ حفاظت باہر نکال لئے..... قلیوں نے کوئی توڑ پھوڑ نہیں کی اور ان کی سخت اور کڑی نگرانی کے باعث ایک چیز ادھر ادھر ہو سکی اور نہ چوری..... شاستری کو ان قلیوں پر کوئی بھروسا نہیں تھا۔ وہ شاید غربت و افلاس کے باعث چوری چکاری کرنے پر مجبور تھے۔ اس نے آخری مرتبہ فہرست چیک کر کے پونم کے حوالے کر دی کہ اسے سنبھال کر رکھ لے۔

شاستری اور جگن ناتھ آپس میں خوش گپیاں کر رہے تھے کہ سنیل داس نے آ کر پرکاش مہرہ کی آمد کی اطلاع دی۔

"آپ کے پاس پرکاش مہرہ آئے ہیں اور آپ دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

شاستری کو اور جگن ناتھ کو پرکاش مہرہ کی اچانک اور غیر متوقع آمد پر بڑی حیرت ہوئی۔ جگن ناتھ نے کہا۔

"چلو..... اس طرح سے اچانک اور غیر متوقع آ جانا ایک لحاظ سے بہتر ہی ہوا۔ اس کی موجودگی میں تمام معاملات نمٹ جائیں گے۔"

"وہ کمرے میں نہیں بلکہ دفتر میں آپ دونوں کے منتظر ہیں۔" سنیل داس نے بتایا۔

پرکاش مہرہ پہلی بار اس دفتر میں آیا تھا۔ جب اس نے دفتر کو دیکھا تو اسے بہت پسند آیا کیوں کہ یہ نہ صرف خاصا کشادہ اور لمبا بھی تھا۔ بلکہ صاف ستھرا اور آئینہ کی طرح صاف و شفاف اور چمکتا ہوا سا تھا۔ اس پر کسی ہال کا دھوکا ہوتا تھا۔ پھر جب ماسٹر امرناتھ، جگن ناتھ اور شاستری نے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا تو شروع شروع میں آفس کی اور اطلاع دینے کا مرکز مذاق کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ پھر یہ زبان پر یوں چڑھ گیا اسے سب ہی آفس کہنے لگے..... پھر رفتہ رفتہ غار ایک لحاظ سے آفس ہی بن گیا۔

جب وہ دونوں پرکاش مہرہ سے ملنے کے لئے

پہنچے تو وہاں پونم پہلے سے ہی موجود تھی۔

"تم لوگوں کے لئے ایک چھوٹا سا تحفہ لایا ہوں....." پرکاش مہرہ..... رتنا سے کہہ رہا تھا۔ "یہ کول کتہ سے آیا ہے..... جب آپ لوگ یہاں کھدائی میں مصروف تھے تب میں وہاں ہو آیا..... بنگالیوں کی مٹھائی مشہور ہے..... یہ بنگالی مٹھائی چکھ کر دیکھیں کہ کیسی ہے؟ جانے وہاں کی مٹھائی میں ایسی کوئی خاص بات ہے جو یہاں نہیں ہے۔"

"یہ بنگالی رس گلے تھے۔ ان کی شہرت پورے ہندوستان میں تھی اور غیر ممالک بھی جاتے تھے۔ امریکی اور یورپی مٹھاس کم پسند کرتے تھے۔ لیکن وہ بنگالی رس گلے بہت پسند کرتے تھے۔ اس کا ذائقہ، لذت اور مزا کسی یورپی سوئٹس میں نہ تھا۔ وہ ایسی عجیب سی لطافت کی وجہ سے انہیں خریدتے تھے۔ کول کتہ سے یہ رس گلے بڑے اسٹورز والے منگواتے تھے۔

پونم کو بھی یہ بہت پسند تھے۔ اس نے ایک رس گلہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا اور بولی۔

"لاجواب..... مزیدار..... جی چاہتا ہے کہ ساری مٹھائی اٹھا کر اکیلی ہی کھا جاؤں۔"

پرکاش مہرہ نے ان دونوں کو اندر آتے دیکھا تو کہا۔ "آپ لوگ بھی نوش فرمائیں..... تکلف برطرف..... میں آپ لوگوں کے لئے لایا ہوں۔"

جگن ناتھ اور شاستری نے ایک ایک رس گلہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ جگن ناتھ نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"رس گلے واقعی بہت اچھے ہیں۔ میں کوئی دس برس کے بعد کھا رہا ہوں۔ ایک بنگالی پروفیسر ممبئی میں میرے تھا۔ وہ جب کبھی کول کتا جاتا تھا وہاں سے لے آتا تھا..... اس کا اسپیشلسٹ صرف ایک دکان دار کالا چند ہے۔ دوسرے اس کے مقابلہ کا نہیں بناتے ہیں۔"

"اچھا یہ بتائیں..... کام کیسا چل رہا ہے؟ کوئی نتیجہ برآمد ہوا؟"

"میں آپ کو ایک خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔ آپ بڑے اچھے موقع پر آئے ہیں..... نہ آتے تو میں فون پر رابطہ کرنے والا تھا۔" جگن ناتھ کہنے لگا۔ "چوں کہ آپ نے سرمایہ کاری کی ہے۔ ایک بڑی رقم دان کی ہے۔ اس لئے مجھے پختہ یقین ہے کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔" اس نے تفصیل بتانے کے بعد اس نے کہا۔ "سنی داس کولمبو میوزیم کی جانب سے بہت بڑی پیشکش لایا ہے..... اتنی بڑی رقم ہے کہ نہ صرف تمام اخراجات پورے ہو جائیں گے بلکہ زبردست مالی فائدہ بھی ہوگا۔ یہ پیشکش میوزیم کے دو اعلیٰ افسران نے کی ہے۔"

"خاصی رقم..... آخر کتنی ہے.....؟" پرکاش مہرہ نے سوال کیا۔

"ایک لاکھ برٹش پاؤنڈ....." جگن ناتھ نے جواب دیا۔ "پہلے اس نے اسّی ہزار کہے تھے۔ پھر خود ہی اس نے بیس ہزار کا اضافہ کر دیا۔"

پرکاش مہرہ کے فلک شگاف قہقہے سے غار گونج اٹھا۔ پھر اس نے اپنی ہنسی روک کر کہا۔

"ایک لاکھ برٹش پاؤنڈ.....؟ کیا تمہارا دماغ خراب ہے..... بھلا یہ کیا پیشکش ہوئی.....؟"

جگن ناتھ کے چہرے پر تناؤ آ گیا..... وہ ایسی گفتگو کا عادی نہ تھا۔ اسے پرکاش مہرہ کا لہجہ بڑا ناگوار لگا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے اس کے ہونٹ کپکپائے..... شاستری بے چین اور منتظر تھا کہ وہ کیا کہتا ہے..... لیکن شاستری نے محسوس کیا کہ وہ کسی خیال کے زیر اثر خاموش ہو گیا ہے.....

"میں آپ کو بتا دوں....." پرکاش مہرہ شگفتہ مزاجی سے اسے مخاطب کیا۔ اسے محسوس ہو گیا تھا کہ تم کے تخاطب نے جملے کا برا منایا ہے۔ "میں ساری دنیا گھوم پھر کر اس مجسمے کی نمائش کروں گا جو نہ صرف سونے کا ہے بلکہ عجیب و غریب خصوصیت اور صدیوں پہلے کا ہے۔ گنگا رام....."

"آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے....." سنیل داس ایک دم سے اس طرح اچھل پڑا جیسے اسے برقی جھٹکا لگا ہو..... شاستری نے پہلی بار دل میں اس کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمدردی محسوس کی جس نے بڑی بے خوفی سے پرکاش مہرہ کو ٹوکا تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ سنیل داس کو اپنے دیش سے سچی محبت ہے۔

"ایسا نہیں کر سکتے.....؟ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے.....؟ آئندہ مجھ سے ایسی بات نہ کہنا....." پرکاش مہرہ نے سر کی جنبش سے سنیل داس کو ایک طرف ہٹ کر کھڑے رہنے کے لئے کہا۔ پھر وہ جگن ناتھ اور شاستری سے مخاطب ہوا۔

"آپ دونوں میرے ساتھ ساتھ رہیں..... پھر دیکھیں گے کہ صحیح معنوں میں پیسہ کیا ہوتا ہے اور کس طرح سے کمایا جاتا ہے..... یہ بھی ایک ہنر ہے کاروبار ہے....."

"ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا.....؟" جگن ناتھ نے تکرار کے انداز میں کہا۔

"یقیناً پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا.....؟" پرکاش مہرہ نے سر ہلا کر اعتراف کیا۔

"اس قدر اہمیت کی حامل اور ایسی اور اتنی مالیت کی تاریخی چیزوں کی عام نمائش نہیں کی جا سکتی ہے۔" جگن ناتھ نے کہا۔ "میرے نزدیک یہ غلط بات ہوگی اس لئے میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"اس لئے بھی کہ یہ مقدس نوادرات ہیں..... ان کی نمائش کرنا اور ان کی بے حرمتی کرنے کے مترادف ہے۔" سنیل داس نے احتجاجاً کہا۔ "میں پروفیسر جگن ناتھ کی تائید کروں گا..... آپ مجھے بھی ان کا ہم خیال سمجھیں۔"

"دولت کمانے سے کسی کی کوئی بے حرمتی نہیں ہوگی۔" پرکاش مہرہ نے ڈھٹائی سے کہا۔ "مسٹر! یہ بزنس ہے بزنس..... بزنس میں سیوا نہیں کی جاتی ہے۔ دولت کمانا مقصد ہوتا ہے۔ بزنس مین ایک حقیقت پسند ہوتا ہے..... کیا تم یہ بات نہیں جانتے؟"

"اگر آپ کا سنجیدگی سے یہی ارادہ ہے اور آپ مذاق نہیں کر رہے ہیں تو مجھے اس بات کا ادھیکار ہے کہ میں اعلیٰ حکام سے بات کروں گا..... میں ان سے پہلی فرصت میں بات کروں گا تاکہ نمائش کی اجازت نہ دی جائے۔"

"جو جی آئے وہ کرو....." پرکاش مہرہ نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "میں وہی کچھ کروں گا جو میرے جی میں آئے۔"

سنیل داس اس کی بات سن کر پروفیسر جگن ناتھ کی طرف گھوم گیا جو اس کے عقب میں کھڑا تھا۔

"سر! جگن ناتھ! مجھے یقین ہے کہ آپ کا وقار اور ذوق اس طرح کام کرنے کے لئے ذہنی طور پر قبول نہیں کرے گا۔" سنیل داس نے کہا۔

"مسٹر جگن ناتھ..... میری فرم کے لئے کام کر رہے ہیں۔" پرکاش مہرہ نے تنبیہ کے انداز میں سنیل داس سے کہا۔ "ان کا اس معاملے سے کوئی غرض نہیں..... کوئی سروکار نہیں..... ان سے جتنا کہا گیا وہ اسے نہایت ایمان داری اور فرض شناسی سے اپنا کام کر رہے ہیں جو انہیں سونپا گیا ہے۔ میں جو کہوں گا وہی کریں گے۔ آپ کو مشورہ اور دخل اندازی کی کوئی ضرورت نہیں۔"

سنیل داس نے مایوسی اور افسردگی سے سر ہلایا۔ پھر وہ سر جھکا کر دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر دہلیز کے پاس رک کر بولا۔

"ہمیں کچھ ایسے اقدامات کرنے ہوں گے جو آپ کو یقیناً ناگوار ہوں..... لیکن میں اس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔"

اتنا کہہ کر اپنی بات کا ردعمل دیکھنے کے لئے رکا نہیں..... کسی سنسناتے تیر کی مانند باہر نکل گیا۔

"یہ سب ایک ہی جیسے ہوتے ہیں....." پرکاش مہرہ نے غرا کر کہا۔ "ہمیشہ کسی نہ کسی چکر میں پڑے رہتے ہیں..... وہ جو چاہتا ہے اسے کرنے دو..... میں جانتا ہوں کہ وہ کچھ نہ کر سکے گا..... اس لئے کہ جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں..... آئیں..... اب تفصیلات طے کر لیں تاکہ کام مکمل ہو جائے۔"

جگن ناتھ نے بوتل نکال کر منہ سے لگالی۔ وہ

مے نوشی کا عادی تھا۔ وہ بڑا مضطرب اور پریشان ہو گیا تھا۔ جب بھی وہ دماغ میں کوئی ہیجان محسوس کرتا تو اسے کم کرنے کے لئے وہسکی کا سہارا لیتا تھا۔

"ہم ممبئی پہنچ کر..... وہاں سے لندن چلیں گے۔" پرکاش مہرہ نے کہا۔ "ہم روانگی میں دیر نہیں کریں گے۔"

"مسٹر پرکاش مہرہ! کیا آپ واقعی سنجیدہ ہیں.....؟" جگن ناتھ نے غیر یقینی لہجے میں دریافت کیا۔

"جیسا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں..... اس طرف کا رخ کرنا چاہئے۔ جہاں پیشہ ہو۔ یہ میرا اصول ہے کہ خوب پیسہ کماؤ..... جب بھی مجھے کوئی ایسا سنہرا موقع ملتا ہے میں اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہوں۔ فوراً ہی استفادہ کرتا ہوں۔"

"لیکن یہ....." جگن ناتھ نے اپنی رائے دینا چاہی لیکن پرکاش مہرہ نے فوراً ہی بات کاٹ دی۔

"آپ مجھے بتاتے رہیں کہ یہ ایک عظیم دریافت ہے..... ٹھیک ہے نا..... صدیوں میں دریافت ہونے میں سے ایک....."

"لیکن..... انسانیت کے مفاد میں.....؟" جگن ناتھ نے لقمہ دیا۔

"انسانیت کو کون زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے..... میں یا آپ.....؟" پرکاش مہرہ نے بھنا کر کہا۔ "آپ ان نایاب اور مقدس نوادرات کو ایک چھوٹے سے ملک کے ایک چھوٹے سے شہر کے میوزیم میں رکھوانا چاہتے ہیں۔ جس میں کوئی بھی قابل ذکر اشیاء موجود نہیں ہیں..... جہاں سیاحوں کے سوا انہیں کوئی اور نہیں دیکھے گا..... اس لئے کہ مقامی باشندوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر لوگ معلومات حاصل کرنا چاہیں گے تو میں کروں گا..... دو روپے کے ٹکٹ کے عوض....."

شراب اور غصے سے جگن ناتھ کے گال تمتمانے لگے۔ وہ میز پر مکا مارتے ہوئے بڑا فروختہ ہو گیا۔

"مسٹر پرکاش مہرہ.....! اگر آپ بچکانہ نمائش پر بضد ہیں تو میرے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں..... چارہ نہیں کہ میں اپنی ذمے داریوں سے سبک دوش ہو جاؤں۔"

"اچھا..... یہ بتائیں کہ بچکانہ بات کون کر رہا ہے؟" پرکاش مہرہ نے سنبھل کر کہا۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اس کام میں شریک نہیں ہو سکتا....." جگن ناتھ نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

غار میں گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ ایک تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ پرکاش مہرہ کچھ دیر تک بت بنا رہا..... پھر وہ طنزیہ نظروں سے شاستری کی طرف دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو..... دیکھ رہے ہو اپنے باس کی حماقت..... اس لئے بے وقوف کو اس میں اس قدر جذباتی اور غصہ ہونے کیا کی ضرورت ہے.....؟"

شاستری نے دل میں اعتراف کیا کہ..... اس کے سر، پروفیسر جگن ناتھ کی بے جا ضد ہے، اسے عظیم تر مفاد میں اپنی فرم کے مالک کا ساتھ دینا چاہئے۔ معاً پرکاش مہرہ نے اس سے سوال کیا۔

"کیا اپنی حیثیت میں ترقی اور تبدیلی چاہو گے..... کیا ممبئی چل کر اس نمائش کے نگراں کا عہدہ سنبھالو گے.....؟ پھر دیکھو گے کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں.....؟"

شاستری سٹ پٹا گیا..... تحسین کی بوچھاڑ..... نمایاں مقام..... تابناک مستقبل کی امید..... اس نے ایک پل میں یہ سارے سپنے دیکھ لئے..... پھر اس کی نظر جگن ناتھ کی طرف اٹھ گئی تو اس کی وفاداریاں اس شخص کے ساتھ نظر آئیں۔ جس نے بے روزگاری میں اسے ملازمت دی تھی۔ درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں اور پرعزم امیدواروں میں اس کا انتخاب کیا گیا۔

اس نے رک کر جواب دیا۔ "جہاں تک میرا خیال ہے۔ پروفیسر جگن ناتھ ہی بدستور انچارج ہیں۔"

"لیکن وہ تو ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔" پرکاش مہرہ نے کہا۔ "اب وہ میرے ملازم نہیں رہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگن ناتھ نے پرکاش مہرہ کی بات سن کر تیزی سے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں مسٹر شاستری.....! تم نے ان کی بات بھی سن لی ہے اور میری بھی..... میں ایک طرح سے زبانی طور پر استعفیٰ دے چکا ہوں..... تحریری طور پر بھی دے دوں گا تاکہ انہیں یقین آجائے۔"

"لیکن..... سر.....؟" شاستری نے درمیان میں کہا۔

"اس مہم کے مفاد میں میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ مسٹر پرکاش مہرہ کی پیشکش قبول کرلو..... کم از کم نمائش تو ڈھنگ کی ہوگی۔ چوں کہ تم ایک باصلاحیت اور باذوق جوان ہو..... مجھے امید ہے کہ اس میں خوش ذوقی تو ہوگی۔"

"جب آپ ایسا سمجھتے ہیں تو آپ اپنے اس فیصلے پر اس قدر جذباتی کیوں ہوگئے ہیں.....؟" شاستری نے کہا۔

"یہ میرا فیصلہ ہے کہ میں اس کام میں ساتھ نہیں دے سکتا..... اس فیصلے کو جو نام دینا ہے دے لو....." جگن ناتھ نے کہا۔ "کسی وجہ سے میرے لئے ممکن نہیں ہے..... البتہ تم کرسکتے ہو اور میں تمہاری راہ میں حائل نہیں ہوں گا۔"

اس پیش کش کو شاستری نے پونم کی طرف مشورہ طلب نظروں سے دیکھا تو اس نے بڑی خاموشی سے سر کو ہلا دیا کہ وہ قبول کرلے۔

"آج رات آپ لوگ میرے ساتھ رات کا کھانا کھائیں۔" پرکاش مہرہ نے اس تناؤ کی کیفیت کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

شاستری اور رتنا نے پرکاش مہرہ کے ساتھ رات کا جو کھانا کھایا وہ اس علاقے کا سب سے اچھا ہوٹل تھا۔ اس کے صحن میں میزیں لگی ہوئی تھیں..... زبان کا ذائقہ بدلنے کے لئے انہوں نے مقامی کھانا جو کھایا وہ لذیذ اور ذائقہ دار اس لئے نہیں لگا تھا کہ وہ ناریل کے تیل میں پکے ہوئے کھانے تھے۔ یوں بھی سری لنکن کھانا پکانے میں ماہر تھے اور نہ ہی کوئی ذوق اور ذائقہ رکھتے تھے۔ وہ غربت و افلاس اور گرانی کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ آسودگی اور خوش حالی ہوتی تھی تو اس کا ہر طرح کا اعلیٰ ذوق ہوتا..... پرکاش مہرہ نے ہندوستانی کھانے منگوائے..... اس ہوٹل میں ہندوستانی اور مغربی کھانے دو تین مدراسی یا باورچی تھے وہ تیار کرتے تھے۔ ان میں بڑی لذت اور ذائقہ ہوتا تھا۔ جتنے ہندوستانی وغیرہ تھے وہ ہندوستانی کھانوں کو ہی ترجیح دیتے تھے۔

اس ہوٹل کے وسیع و عریض صحن میں لوگ کا ناچ گانا خوب زوروں پر تھا۔ لیکن اس میں تیرہ چودہ برس سے لے کر بیس برس کی طرح دار پرکشش اور متناسب جسم کی لڑکیاں تھیں جس نے ماحول میں بڑا حسن، رنگینی اور قیامت بپا کردی تھی۔ اس کی ایک اور وجہ ان کا لباس بھی تھا جس میں ہیبت اور بڑھ گئی تھی۔ پرکاش مہرہ نے ویٹروں کو خوب دوڑایا۔ اور مٹھی بھر بھر کے سکوں کی بارش ناچنے والوں پر کردی..... نوٹ ان سات لڑکیوں کو دیئے جو جوان تھیں۔ ان کے دل کش رقص نے دل موہ لئے تھے۔ پرکاش مہرہ کو توقع نہیں تھی کہ یہ لڑکیاں اتنا اچھا رقص پیش کریں گی۔

کھانے کے دوران پرکاش مہرہ نے اچانک اپنا ہاتھ کھانے پر روک کر پوچھا۔

"مسٹر شاستری.....! تم نے میرے ساتھ رہنے کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا؟"

"میں آپ کے ساتھ ہوں مسٹر پرکاش مہرہ!" شاستری کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔

"مجھے تمہارے اس دانش مندانہ فیصلے سے بڑی خوشی ہوئی۔" پونم نے بے ساختہ اور غیر متوقع سرگوشی میں شاستری کی طرف منہ کرکے کہا۔ "مجھے تم سے یہی توقع تھی شاستری.....!"

پرکاش مہرہ ایک دم سے اچھل پڑا۔ اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"میں ایسی ہی بات سننا پسند کرتا ہوں۔ ہماری

خوب نبھے گی..... لیکن مجھے جگن ناتھ کے رویے پر سخت افسوس ہے..... لیکن تم کہہ سکتے ہو۔ وہ اگلے وقتوں کا آدمی ہے..... یہ ایک جدید اور ترقی یافتہ دور ہے..... کیا انہیں اس بات کا اندازہ اور حساس نہیں ہے کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ جو وقت کے ساتھ چلتا ہے وہی کامیاب بھی رہتا ہے۔ تمہیں آج کے دور میں رہنا ہوگا..... پروفیسر کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

پھر وہ مستقبل کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ایک بہت ہی بدصورت اور سیاہ فام جیسا جوان لڑکا بھیڑ کو چیرتا ہوا ان کی میز پر آیا۔ اس نے شاستری سے کہا۔

"آپ کو آپ کا مالک بلا رہا ہے..... آپ فوراً ہی اس کے پاس پہنچیں۔"

"کون.....؟" شاستری کا سارا دھیان ناچ کی طرف تھا اس نے کچھ نہ کہتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی مراد جگن ناتھ سے ہی ہوگی۔" پونم نے حیرت سے کہا۔ انہوں نے کس لئے اس وقت بلایا ہے؟"

"میرے خیال میں یقیناً کوئی اہم بات ہوگی..... ورنہ وہ نہیں بلاتے..... معاف کیجئے گا ہم ابھی ہو آتے ہیں۔" شاستری بولا۔

"میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔" پرکاش مہرہ نے ان کے ساتھ اٹھتے ہوئے کہا۔

غار میں پہنچتے ہی انہیں ایک نظر میں احساس ہوگیا کہ واقعی کوئی اہم بات ہے۔ جگن ناتھ کا چہرہ چغلی کھا رہا تھا۔

"کیا بات ہوگئی.....؟" پرکاش مہرہ نے پوچھا۔ وہ غار میں نظریں دوڑانے لگا۔

"یہاں جو چور آئے تھے؟" جگن ناتھ نے گہرا سانس لے کر جواب دیا۔ "ایشور نے بڑا بھلا کیا۔ کوئی چیز نہیں گئی۔ انہوں نے کچھ تلاش کیا..... وہ چیز غالباً ان کے ہاتھ نہیں لگی۔ وہ مایوس ہوکر خالی ہاتھ چلے گئے۔"

"کس چیز کی تلاش ہوسکتی تھی.....؟" پرکاش مہرہ کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

"انوپم....." سنیل داس نے جواب دیا۔ "وہ غائب ہے..... نظر نہیں آرہا ہے۔"

"مسٹر ساجن.....!" پیچھے سے آواز آئی تو انہوں نے ایک قلی کو غار کے دہانے پر کھڑا ہوا دیکھا..... وہ شاستری کو اشارے سے بلا رہا تھا۔ شاستری اس کے پیچھے پیچھے گیا تو غار سے قدرے فاصلے پر انوپم زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ اس کے سینے میں خنجر پیوست تھا..... شاستری بوجھل قدموں سے غار میں آیا۔

"شاستری.....!" پونم نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "تمہاری چیزوں کی فہرست غائب ہے۔"

"غائب ہے.....؟" شاستری نے حیرانی سے کہا۔ "اسے تو بڑی حفاظت سے رکھا گیا تھا۔"

"ہاں..... میں نے اسے صندوقچی میں رکھ کر تالا لگا دیا تھا۔" پونم بولی۔ "اس کی چابی میرے پاس ہے۔"

لیکن یہ ٹوٹی پڑی ہے..... اس میں فہرست نکال لی گئی ہے۔" شاستری نے کہا۔

شاستری سر پکڑ کر بیٹھ گیا اس کی نقول بھی نہیں تھی اور اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ دوسری فہرست تیار کی جاتی۔ اس کی گھنٹوں کی محنت اکارت گئی تھی۔ اسے پچھتاوا سا ہو رہا تھا کہ اس نے ان کی نقول کیوں نہیں تیار کی۔

"لیکن وہ کیوں اور کس لئے فہرست لے گئے ہیں۔" جگن ناتھ نے جھنجھلا کر کہا۔ "آخر وہ اس فہرست سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟"

سنیل داس جو پونم کی پشت پر کھڑا ہوا تھا اپنی جگہ سے بولا۔

"اگر کسی کو مقبرے میں پائی جانے والی تمام اشیاء کے نام درکار ہوں تو یہ مقصد تمہاری فہرست سے چٹکی بجاتے ہوئے ہوسکتا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ..... تنگا رام کے نوادرات سے دلچسپی رکھنے والے صرف ہم لوگ ہی نہیں ہیں۔" شاستری نے کہا۔

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

کسی سے سل نہ سکا جو وہ چاک داماں ہوں
کھلا نہ پھول کوئی جس میں وہ بیاباں ہوں
سزا یہ ہے کہ ہوں دنیا میں اجنبی کی طرح
خطا یہ ہے کہ میں اس دور میں بھی انساں ہوں
پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی

درد تھے جتنے وہ آنسوؤں میں بہہ گئے
بانٹ کر خوشیاں ہم تنہا ہی رہ گئے
نہ ہونے دی خبر، کسی کو اپنے حال دل کی
دکھوں کو سارے ہم اکیلے ہی سہہ گئے
کون ہو تم مجھے تو یہ بھی یاد نہیں
آسانی سے کہتی، وہ مجھے ہی کہہ گئے
انتخاب: عمیر علی.....ٹنڈوالہ یار

لوٹ جاتے ہیں لوگ، ہمارا غم دیکھ کر
جیسے لہر لوٹ جاتی ہے کنارا دیکھ کر
مت دینا ہمارے جنازے کو کاندھا
کہیں زندہ نہ ہوجاؤں تیرا سہارا دیکھ کر
شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار

یہ بات عیاں ہے دنیا پر ہم پھول بھی ہیں تلوار بھی ہیں
عزت سے جیے تو جی لیں گے جام شہادت پی لیں گے
زیبا علی.....لاہور

سانسوں کا پنجرہ کسی دن ٹوٹ جائے گا
پھر مسافر کسی راہ میں چھوٹ جائے گا
ابھی زندہ ہیں تو یاد کرلیا کرو
کیا پتہ کب مقدر زندگی سے روٹھ جائے گا
جاوید حسین.....کراچی

میں نے پوجا ہے تجھے، تیری عبادت کی ہے
تجھ کو چاہا ہے صنم، تجھ سے محبت کی ہے
تو اگر بھول بھی جائے تو چلو یونہی سہی
میں نہ بھولوں گا کبھی، میں نے محبت کی ہے
محمد اسحاق انجم.....کنگن پور

میرے اشکوں کو پلکوں پر مچلنا بھی نہیں آتا
حصار ضبط سے مجھ کو نکلنا بھی نہیں آتا
گئے ہو ایسی راہوں پر اکیلا چھوڑ کر مجھ کو
کہ جن پر ٹھیک سے مجھ کو تو چلنا بھی نہیں آتا
مسکان فاطمہ.....کنگن پور

ہاتھوں کی لکیروں میں ہم جسے ڈھونڈتے رہے
پتہ چلا وہ کسی اور کا نصیب تھا
عثمان حنیف.....کنگن پور

ہنستے رہے یہ سوچ کر وہ عکس خود ہی تھا
فیصلہ تو یہ بھی ہمارا خود ہی کا تھا
روشنی کے ہم یوں مشتاق ہوگئے
کہ جلتا ہوا وہ گھر بھی ہمارا خود ہی کا تھا
سلیم عباس کنول.....چنیوٹ

ان اندھیروں کے لئے کچھ آفتاب مانگے ہیں
دعا میں ہم نے دوست کچھ خاص مانگے ہیں
جب بھی مانگا کچھ رب سے
تو آپ کے لئے خوشیوں کے پل بے حساب مانگے ہیں
لاہوتی عمار.....دولتالہ

درد اتنا تھا زندگی میں
دھڑکن ساتھ دینے سے گھبرا گئی
بند تھی آنکھیں کسی کی یاد میں
موت آگئی اور دھوکا کھا گئی
ارم اعجاز.....کراچی

کوئی کیا میرا انتظار کرے گا
اپنی زندگی میرے لئے بیکار کرے گا
ہم کون سا کسی کے لئے خاص ہیں
کیا سوچ کر کوئی ہم سے پیار کرے گا
نازیہ کنول.....کراچی

وہ میرا ہو جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو
عمر بھر ساتھ چلے عزم وفا رکھتا ہو
ناز اس کے نہ اٹھاؤں تو شکایت کرے
غم کو سہہ کر بھی ہنسنے کی ادا رکھتا ہے
اقصیٰ رباب.....رینالہ اوکاڑہ

شکوہ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلائے جاتے
انتخاب: ریاست بن انور سیال.....میانوالی

☆☆

میں جب لکھتا ہوں اپنی داستاں شعروں کی صورت میں
ابھر آتا ہے آنکھوں میں جہاں شعروں کی صورت میں
بکھر جاؤں نہ میں ایک دن ہواؤں میں یوں ڈرتا ہوں
میں اپنے آپ کو رکھوں کہاں شعروں کی صورت میں
سر محشر اگر چاہو تو پڑھ دینا ترنم سے ذرا
مجھے بھی ساتھ لے جانا وہاں شعروں کی صورت میں
میں شاعر ہوں، میں ہونٹوں پہ کہانی بن کے بیٹھوں گا
میں آنکھوں میں سماؤں گا جواں شعروں کی صورت میں
یہ مجھ سے ہوگئی سرزد طلسماتی فسوں کاری
حقیقت سے نکل آیا گماں شعروں کی صورت میں
وہ جب بھی چاہتا ہے پوچھ لیتا ہے کوئی مصرع
میرے دل میں ہے میرا راز داں شعروں کی صورت میں
جنوں تھا یہ سمندر کو واجد اپنی غزل بھیجے
یوں ناؤ پر لگایا بادباں شعروں کی صورت میں
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

میرے محبوب تجھے واسطہ محبت کا
میری برباد جوانی پہ کرم فرمادے
وہ جو گزرے تیری فرقت میں سہانے موسم
ہے قسم تجھ کو وہ ہر ایک نظارا لادے
اب بھی اس راہ سے تیرے جسم کی بو آتی ہے
وہ جو رستے تیرے کنگن سے کھنک اٹھتے تھے
میں اسی راہ پہ کھڑا ہوں دل زخمی لے کر
وہ جو رستے تیرے آنے سے مہک اٹھتے تھے
تجھ کو پانا ہی مقدر میں نہیں ہے عارف
یا تیرا پیار میری زیست کا حاصل ہی نہیں
سر کٹا لوں گا ہر اک زخم کو چھپا لوں گا
ہار جاؤں میں یہ سرشت میں شامل ہی نہیں
میری بے چین محبت کو سہارا نہ ملا
گر مجھے تو نہ ملی تو میں بکھر جاؤں گا
آخر بار تجھے دیکھ تو لوں جان بہار
آج میں مرگ مسلسل سے گزر جاؤں گا
(عارف عباس عارف.....کراچی)

راہ محبت میں کچھ ایسے موڑ آتے ہیں
جب دل والے ہی دلوں کو توڑ جاتے ہیں
آنکھوں سے پہلے وہ دل میں اترتے ہیں
ملا کر نظریں پھر وہی رخ موڑ جاتے ہیں
سفر زندگی میں ساتھ چلنے کا وعدہ کرنے والے اکثر!
بیچ راہ میں ہی تنہا چھوڑ جاتے ہیں
بچھڑنے والے بچھڑتے ہیں، انہیں کون روک پایا ہے
پنچھی بھی اک دن اپنا آشیاں چھوڑ جاتے ہیں
میں خشک سمندر کا وہ ساحل ہوں، جسے کوئی اپنا نہ سکا
ڈوبتی کشتی کو تو ملاح بھی چھوڑ جاتے ہیں
امیدیں جن سے وابستہ ہوں، وہی اکثر.....!!!
وفا کا لبادہ اوڑھے، عہد وفا توڑ جاتے ہیں
(انتخاب: احمد علی.....راولپنڈی)

میرے صنم تیرے جلوے کا یہ اعجاز تو ہے
کہ جس کو ہوش ہے وہ شخص بے نیاز تو ہے
یہ آئینہ بھی جسے دیکھ دیکھ دنگ ٹھہرا
کوئی لباس بشر میں سراپا ناز تو ہے
جنوں کے نقش کف پا نہ ہے خرد پہنچی
مگر زمانے کی گردش میں اک آواز تو ہے
ترے جمال کے صدقے سبھی کمال نثار
کسی آواز کا پر تو یہاں پہ ساز تو ہے
وہ جس نے فکر انا الحق کو ہے جلا بخشی
قمر وہ سینے کے اندر بھی ایک راز تو ہے
(چوہدری قمر علی جہاں پوری.....ملتان)

در محبوب پر ہم کو کبھی عزت نہیں ملتی
مگر ہیں بے حیا ہم بھی، ہمیں غیرت نہیں ملتی
ہٹا تو لیں اسے لمحوں میں، یہ فن جانتے ہیں ہم
رقیبوں کی اڑی ہے ٹانگ، یوں قربت نہیں ملتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں وہ بھی گوارا ہے، اگرچہ ہم سے بھی زیادہ
وہ بوڑھی ہے مگر ہم کو کبھی ''عشرت'' نہیں ملتی
کہاں کے شعر؟ کیسی شاعری؟ شاعری کے بعد اے دل!
مجھے تو گھر کے کاموں ہی سے اب فرصت نہیں ملتی
شرارت ناچتی ہے ان کی آنکھوں میں، مگر مجبور ہوں میں بھی
انہیں کیا غور سے دیکھوں، مجھے قدرت نہیں ملتی
میرے کچھ یار شادی کے لئے تیار بیٹھے ہیں
کہ مجھ ''شادی زدہ'' سے بھی انہیں عبرت نہیں ملتی
رقیب روسیا کو پیٹ دوں گا دھرکے میں اک دن
محض یہ سوچ ہے کہ اس کی تو ہمت نہیں ملتی
(پروفیسر محمد ظریف خان.....کراچی)

اس کے درد کے سوا دل میں کچھ بھی رہا نہیں
اسے بھول جاؤں مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں
وہ ساتھ نہیں میرے مگر رہتا ہے دل کے اندر
حقیقت تو یہی ہے کہ وہ مجھ سے جدا نہیں
اس نے زندگی میں جس طرح بھلادیا مجھے
یہ قصور نہیں اس کا کہ اس میں وفا نہیں
نجانے کیسے بھول گیا وہ یہ عہد زندگی کا
جینا تو ہے ہم کو پر ایک دوسرے کے سوا نہیں
وہ بھی جی رہا ہے آج بچھڑ کر مجھ سے
میں بھی زندہ ہوں بن اس کے مگر پھر بھی زندہ نہیں
ایک وہ وقت تھا کہ رہتی تھی ایک دوسرے کی خبر
آج بے خبر ہیں ہم کتنے کہ ایک دوسرے کا پتہ نہیں
وہ چاند تھا چمکتا اور میں تاریک شب کی مانند
وہ چراغ تھا روشن جو میرے آنگن میں جلا نہیں
یہ آرزو تھی میری وہ ہوجاتا مگر میرا
میری عمر سنور جاتی پر ایسا ہوا نہیں
(شائستہ سحر.....راولپنڈی)

یہ معجزہ بھی ترے حسن لالہ فام کا تھا
کہ سارے شہر میں چرچا تمہارے نام کا تھا
نظر جھکا کے ہمیشہ ملا حسینوں سے
کہ یہ تقاضا حسینوں کے احترام کا تھا
غم جہاں سے بیگانہ کردیا دل کو
بڑا عجیب نشہ اس نظر کے جام کا تھا
ذرا سی بات پکڑ کر کہانیاں گھڑنا
مزاج ایسا مرے شہر کے عوام کا تھا
تیرا کرم کہ مجھے اذن گفتگو بخشا
وگرنہ مجھ میں کہاں حوصلہ کلام کا تھا
یہ اور بات کہ دل سے اتر گیا وہ نام
گئے دنوں میں مگر ورد صبح و شام کا تھا
ادب کا پاس کیا، عرض مدعا نہ کیا
کہ میں حقیر غلام ان کے بھی غلام کا تھا
نظر ملائی سہی پر کہاں ملائی گئی
غضب کا نور میرے ماہ نا تمام کا تھا
نہ پوچھ کشمکش کاروان خانہ بدوش
سفر میں لوگ تھے مگر جھگڑا قیام کا تھا
کسی کے عشق نے کاشر کو کردیا بے کار
یہ شخص عشق سے پہلے بڑے ہی کام کا تھا
(محمد شوزیب صادق کاشر.....میرپور آزاد کشمیر)

وہ گزری ہوئی راتیں نہ تم سو سکی نہ میں
پیار کی منزلیں تمام طے ہوگئیں لمحوں میں
خاموش محبت میں وہ اشاروں کی زبان
ہجر و فراق کے شب و روز گزرے لمحوں میں
انتہائے محبت نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا
تمام اندازے غلط ہوگئے انہی لمحوں میں
کوئی تو بات ہوگی جو ہم تم پر مرمٹے
کھوگئی تمہارے بعد یادداشت میری لمحوں میں
تمہاری یاد نے جلا رکھے تھے یادوں کے چراغ
گردش زمانہ بجھادے انہی لمحوں میں
(سلیم بیگ ہمدانی.....کراچی)

باہر تو دیکھ آئے ہیں اندر بھی دیکھ لیں
سنتے تھے ان کی آنکھیں سمندر بھی دیکھ لیں
شاید کہ اگلے سال دسمبر نہ ہو نصیب
آؤ کہ تھوڑی دیر یہ منظر بھی دیکھ لیں
قسمت کا حال آؤ نجومی سے پوچھ لیں
ہاتھوں میں کیا ہے اپنا مقدر بھی دیکھ لیں
رہتا ہے پرسکون ہمیشہ جو ایک شخص
کیوں نہ گلی میں بیٹھا گداگر بھی دیکھ لیں
رہتے ہیں شہر بھر میں مخالف عزیز دوست
اب آئے ہو تو راہ کا پتھر بھی دیکھ لیں
گزرے جو تیرے شہر سے سوچا کہ آج ہم
کیوں نہ تری حویلی، ترا گھر بھی دیکھ لیں
شاید کہ لوٹ آئے وہ راشد انہی دنوں
ان آخری رتوں کا دسمبر بھی دیکھ لیں
(راشد ترین.....مظفر گڑھ)

افسوس نہ کر تیری زندگی ہی چھوڑ دیں
اگر یہ بھی منظور نہیں تو تیری دنیا چھوڑ دیں گے
تجھے روتے ہوئے اچھے لگتے ہیں ہم تو
ساتھ چلنا اگر ہمارا گوارا نہیں تو
حکم ملنے پر تیرے وہ راستے ہی چھوڑ دیں گے
نہیں ہیں ہم بے وفا ان لوگوں میں سے
تو کیا جانے کہ تیرے جانے کے بعد یاد کرنا ہی چھوڑ دیں گے
کیا ہے ولی کے پاس کہ چھوڑ دے تجھے
یہ نہ سمجھ کہ تجھ سے محبت ہی چھوڑ دیں گے
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

گزر گئی شب غم یار بھی دل دکھانے آئے
ہجر کی راتوں میں کوئی شمع جلانے آئے
جو کہتے تھے ہم تیرے ہیں آخر ہوئے بیگانے
دل خوش فہم کو امید وفا دلانے آئے
جو خفا ہے ہم سے گزرے موسموں کی طرح
کوئی تو میرے کہن گلشن میں پھول کھلانے آئے
خاموش ہے ساری فضا تیرے جانے سے
یار بھی پرانے قرض وفا کا چکانے آئے
ٹھوکر ایسی کھائی ہم نے تیرے عشق میں جاوید
داغ جدائیوں کے پھر سے کوئی مٹانے آئے
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

اگر جو دل کے سنو گے تو ہار جاؤ گے
ہم جیسا پھر پیار کہاں پاؤ گے
جان دینے کی بات تو ہر کوئی کرتا ہے
زندگی بنانے والا کہاں سے لاؤ گے
جو اک نظر تم دیکھو گے ہمیں
تو ہر جگہ صرف ہم کو ہی پاؤ گے
یقیں اپنی محبت پر اتنا ہے مجھے
ہماری چاہت کو دیکھو گے تو لوٹ آؤ گے
میری آنکھوں کے سمندر میں ڈوب گئے تو
کہیں جانا بھی چاہو گے تو جا نہ پاؤ گے
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

ہجر کے تمام موسموں کی شاعری مجھ کو ملی ہے
غرق ہوکر رہ گیا ہوں جس میں وہ بے بسی مجھ کو ملی ہے
اس بار بھی کھڑا رہ گیا ہوں میں رستوں میں اکیلا
اس بار کسی بہت اپنے کی رہبری مجھ کو ملی ہے
جل کر رہ گئیں ہیں آنکھیں وہ انتظار نصیب ہوا ہے
بجھ کر رہ گیا ہے دل جس میں وہ روشنی مجھ کو ملی ہے
جب بھی ڈھونڈنے نکلا ہوں تجھے خود میں ہی پایا ہے آخر
تڑپ رہا ہوں جسے پا کر وہ آگہی مجھ کو ملی ہے
مجھ سے سرد رویوں کا شکوہ بجا سہی مگر یہ تو سوچ
ہزاروں دکھ سہے ہیں تو یہ بے حسی مجھ کو ملی ہے
اکیلے پن کا شکوہ کس سے کریں ذیشان کہ مقدر یہی ہے
اجالے دنیا کی دسترس ہیں، تاریکی مجھ کو ملی ہے
(ذیشان اقبال عظمی.....کراچی)

دلکش ہے حسیں شوخ نظاروں کی طرح ہے
وہ دشت محبت میں بہاروں کی طرح ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھوں تو اترتا ہے نگاہوں میں نشہ سا
وہ مے کے چھلکتے ہوئے پیالوں کی طرح ہے
جو عہد بھی کرتا ہے نبھاتا ہے اسے وہ
سچا ہے وہ تا کہ مثالوں کی طرح ہے
اک پل بھی مجھے چین سے سونے نہیں دیتا
وہ رات کے آنگن میں چراغوں کی طرح ہے
قربت میں یہ دل اس کی مچلتا ہے شب و روز
وہ درد کے موسم میں بہاروں کی طرح ہے
وہ خواب سے رستوں میں بھٹکنے نہیں دیتا
وہ شب کی مسافت میں ستاروں کی طرح ہے
بانہوں میں حکیم اپنی چھپا لیتا ہے مجھ کو
وہ پیار سمندر میں کناروں کی طرح ہے
(حکیم خان حکیم.....کامل پور موسیٰ)

بڑی روانی سے دھیرے سے دو لفظ بنا کر
رسم الفت کا بھرم یوں ہی ہم نے توڑ دیا
میں نے جھونک دیا ان کو ہجر تنہائی میں
ان کے سپنوں کا تاج محل توڑ دیا
بڑی ہمت سے وہ سبھی وعدے نبھاتے گئے
ان کے عہدوں کا بھرم ہم نے یوں ہی توڑ دیا
کتنا پیارا تھا ان کے دل میں جو گھر میرا تھا
ستم کیا، خود پر کہ وہ گھر توڑ دیا
ان کی باتوں سے خوش بوئے وفا آتی تھی
بڑے ہی پیار سے میں نے ان کا وہ دل توڑ دیا
وہ چلتے ہی گئے ساتھ میرے برہنہ پاؤں
اے سلیم تو کس قدر ظالم ہے
جو پتھر کے نگر میں لا کے انہیں چھوڑ دیا
(سلیم عباس کنول.....چنیوٹ)

پھیلا ہے فضاؤں میں وہ بسوں کا دھواں
اچھے خاصے گورے چٹے ہوگئے سیاہ
کچی گری جیسا میرا رنگ روپ تھا
کردیا کالے کالے دھوئیں نے تباہ
کل چھٹی کرکے جو گھر میں گیا
کنڈی کھول کر میری بیوی نے کہا
ہٹا کٹا ہو کے تو ہے بھیک مانگتا
شرم نہیں آتی چل ڈھونڈ کوئی راہ
میں نے کہا جامن ایسا تو نہ کہہ
حال یہ فقیروں والا دھوئیں نے کیا
باپ ہوں میرے تیرے دیکھ نو بچوں کا
غور سے ڈال ذرا مجھ پہ نگاہ
ہٹا کٹا ہو کے تو ہے بھیک مانگتا
شرم نہیں آتی چل ڈھونڈ کوئی راہ
(ایمن فاطمہ.....ملتان)

ملائمت، شوخی، ابر، باراں، چمن، صبا، آفتاب لکھوں
ہو اذن مجھ کو تمہاری مدحت میں اور کیا کیا جناب لکھوں
میں حسن والوں کے ناز نخرے کہ عاشقوں کے عذاب لکھوں
گزرتے لمحوں کے کرب لکھوں کہ آنے والوں کے خواب لکھوں
کتاب اس کے بدن پہ لکھوں ہر اک ادا کا نصاب لکھوں
سر ورق ہو وہ چہرۂ گل، پس ورق اپنے خواب لکھوں
چرا کے قوسِ قزح کے رنگوں سے رنگ اُس کے لبوں پہ لاؤں
میں اُس کے مژگاں کو پنکھڑی اور اُس کے رخ کو گلاب لکھوں
جب اس کے طرزِ عمل کو لکھوں تو اپنی آنکھیں چناب لکھوں
یہ حکم جاری ہوا ہے شہزادخوں کو بارنگِ آب لکھوں
(آصف شہزاد.....فیصل آباد)

زندگی کے آخری سفر پر جب میں جاؤں گا
سفید لباس میں بہت دلکش نظر آؤں گا
سب رو رہے ہوں گے میرے لئے مگر
میں صرف تیرے لئے مسکراؤں گا
تیری راہوں سے جب گزرے گا جنازہ میرا
دو پھول مجھ پر رکھ دینا میں مہک سا جاؤں گا
سفید لباس میں بہت دلکش نظروں آؤں گا
تم ایک بار اپنا چہرہ ضرور دکھا دینا
تمہاری سم میں ہنستے ہوئے لحد میں اتر جاؤں گا
سفید لباس میں بہت دلکش نظر آؤں گا
(ندیم انجم.....پنوعاقل)

☆☆

مسلم کا اقبال ہے رہبر
اس کی فکر کے کون برابر
دیس کا تھا وہ ایک مصور
عمل تھا اس کی سوچ کا محور
مشرق کا شاعر کہلایا
لقب مفکر کا بھی پایا
مسلم تھا وہ ایسا سچا
نبیؐ کا تھا وہ عاشق پکا
اس کی ساری فکر و حکمت
قمر ہمارا درس، نصیحت
(چوہدری قمر علی جہاں پوری.....ملتان)

یہ یاد نہیں کب پیارا ہوا
بس یاد رہا مجھے پیار ہوا
اک یاد رہا بس نام تیرا
ہم مسجد مندر بھول گئے
مجھے یاد رہا بس ساتھ تیرا
کچھ سالوں بعد وہ ہم سے ملے
میں پوچھ بیٹھا کیا حال تیرا
وہ ہنس کے بولے اے پاگل
تو یہ تو بتا کیا نام تیرا
(لاہوتی عمار.....وہاڑی)

کون ہے جو غم سے دو چار نہیں
زندگی ریت کی دیوار نہیں
نفرتیں ملتی ہیں دنیا کی ہمیں
ایک ملتا ہی ہمیں پیار نہیں
جو میرے گھر کو جلادے آکر
میرا ایسا تو کوئی یار نہیں
تیرے ملنے سے قرار آتا ہے
دل کسی کا بھی طلب گار نہیں
بات رانا ہے سمجھنے کی یہی
زندگی سچ ہے وفادار نہیں
(قدیر رانا.....راولپنڈی)

کہیں گونج اٹھی شہنائی
کہیں رونے کی آواز آئی

دل ٹوٹ گیا جب عاشق کا
تو شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی
میں نے تو محبت کی تھی تم سے
لیکن نفرت کی آواز آئی
دل کھول کر رکھ دیا میں نے
پر بند کواڑ کی آواز آئی
اپنی حالت پر جب رونا آیا
اپنے اندر سے درد کی آواز آئی
(سلیم بیگ ہمدانی.....کراچی)

اک بات کہوں اگر سنتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو
کچھ چنچل سے کچھ چپ چپ سے
کچھ پاگل پاگل لگتے ہو
ہیں چاہنے والے اور بہت
پر تم میں ہے اک بات بہت
تم اپنے اپنے لگتے ہو
یہ کس الجھن میں رہتے ہو
اک بات کہوں اگر سنتے ہو
تم مجھ کو سچے لگتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو
(طیبہ مختار احمد.....فاروق آباد)

ستم وہ جب بھی ڈھاتے ہیں
بہت ہم مسکراتے ہیں
ہمارے حوصلے اکثر
ندی میں ڈوب جاتے ہیں
ہمیشہ اپنی آنکھوں میں
تیرے سپنے سجاتے ہیں
ہماری آس کے تارے
فلک پر جگمگاتے ہیں
جو ہم کو پھول دیتے تھے
وہی خنجر اٹھاتے ہیں
تمہاری یاد کے سائے
ہمیں اکثر جگاتے ہیں
بھٹکنے والے اب رانا
ہمیں رستہ دکھاتے ہیں
(قدیر رانا.....راولپنڈی)

رفاقتوں کے نئے سلسلے بناتے ہوئے
کٹی ہے عمر ہوا میں دیئے جلاتے ہوئے
خرام ناز محبت سے پاس آ میرے
دل ونظر کے سبھی فاصلے مٹاتے ہوئے
کسی کے پیار میں اتنے اٹھائے دکھ اس نے
وہ رو پڑا تھا مجھے داستاں سناتے ہوئے
تمام عمر کا حاصل تھا آشیاں میرا
کسی نے سوچا نہیں گھر مرا جلاتے ہوئے
تمہاری یاد سے رشتہ ہے اس قدر گہرا
میں بھول جاؤں گا خود کو تجھے بھلاتے ہوئے
فضائے قلب ونظر میں کھلے ہیں پھول حکیم
وہ آج گزرا تھا مجھ سے نظر ملاتے ہوئے
(حکیم خان حکیم.....کامل پور موسیٰ)

اس نے کہا تھا عشق ڈھونگ ہے
میں نے کہا
تجھے عشق ہو خدا کرے
کوئی تجھ کو اس سے جدا کرے
تیرے ہونٹ ہنسنا بھول جائیں
تیری آنکھیں پرنم رہا کریں
تو اس کی باتیں کیا کریں
تو اس کی باتیں سنا کرے
تجھے عشق کی وہ جھڑی لگے
تو ملن کی ہر پل دعا کرے
تو گلی گلی پھرا کرے
تو نگر نگر صدا کرے
تجھے عشق ہو پھر عشق ہو
اسے تسبیحوں پر پڑھا کرے
پھر میں کہوں
عشق ڈھونگ ہے.....؟
تو نہیں نہیں کہا کرے.....!
(حمیرا غلام حسین کیریو.....کراچی)

☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

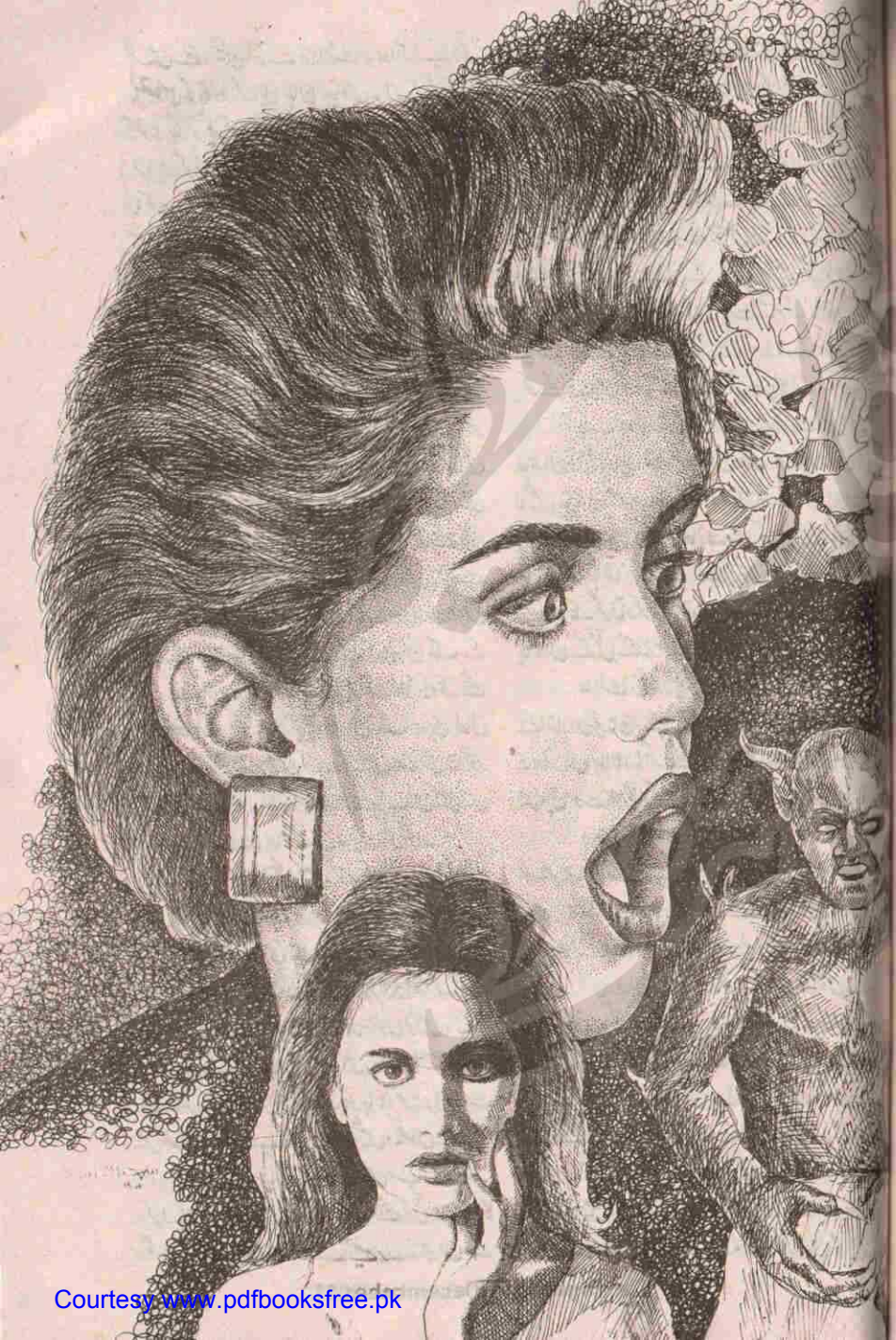

یقین

فاروق سلیم

حصہ اول

جنات شرر قبیلہ کا سردار کانجو کا سمندر کی ساتویں تھہ میں رھتا ھے اس کے ساتھ شیطانی طاقتیں ھیں اسے مارنے کا طریقہ یہ ھے کہ اس کے دونوں پائوں کے انگوٹھے کاٹ کر ان پر جلتا کوئلہ ڈال دیا جائے اور اس کے بالوں میں آگ لگادی جائے تو اس کی موت واقع ھوجائے گی

خیر وشر کے درمیان ہونے والا ایک حیرت انگیز خونی مقابلہ جو کہ لرزا کر رکھ دے گا

سمندر حیرت انگیز طور پر پرسکون تھا۔ آج کھلے سمندر میں ہم لوگوں کو دو ماہ ہونے والے تھے۔ اس دو ماہ کے عرصے میں سمندر آج پہلی بار اتنا خاموش تھا۔ جہاز کا کپتان اور عملہ ایک انجانے اندیشے کی وجہ سے خاموش سمندر کی پرسکون سطح کو دیکھ رہے تھے۔

میں خاور چوہان کچھ دوستوں کی مدد سے اس جہاز کے ذریعے ملک سے دور جارہا تھا۔ آج سے تین دن کے بعد مجھے پھانسی کی سزا دی جانی تھی۔ جی ہاں۔ پھانسی کی سزا' جو مجھے بے گناہ ہونے کے باوجود دی جارہی تھی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ ہماری بستی کے مغرور حکمرانوں کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ ان کے ٹکڑوں پر پلنے والے ان سے زیادہ بہادری دکھائیں۔ میرے پورے خاندان کو میری بہادری کے انعام میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور مجھے مارنے کے لیے بے گناہ ہونے کے باوجود پھانسی کی سزا کا حکم سنادیا گیا۔

میں اپنے مالک جبران ملک کے حفاظتی دستے میں تھا۔ میرا خاندان پچھلی کئی نسلوں سے اس خاندان کی غلامی کررہا تھا۔ مجھے بھی بچپن سے ہی غلامی کرنا سکھایا گیا تھا مگر مجھے اپنی جوانی میں آکر غلامی کی زندگی بری لگنے لگی۔ قد کاٹھ کا بھی اچھا تھا اور لڑنے بھڑنے میں بھی استاد ہو چکا تھا۔ دور دور تک میرے جیسے لڑنے والا کوئی اور نہ تھا۔ میرا ایک ہاتھ اگر کسی کو پڑ جاتا تو وہ کئی کئی دن بستر سے اٹھنے کے قابل نہ رہتا تھا لیکن یہی طاقت مجھ سے میرا خاندان جدا کرنے کا سبب بن گئی۔ جبران ملک کو پسند نہیں تھا کہ اس کے سامنے اس کے علاوہ کسی اور کی تعریف ہو' مگر جبران ملک مجبور تھا' مجھے مروا بھی نہیں سکتا تھا' کیونکہ میری وجہ سے اردگرد کی بستیوں سے وہ کئی مقابلے جیت چکا تھا۔ اس دن بھی صبح کے وقت جبران ملک نے شکار پر چلنے کے لیے تیاری کرنے کا حکم دیا۔ میں جبران ملک کی حفاظت پر مامور حفاظتی دستے میں شامل تھا۔ جبران ملک اپنے دوستوں کے ساتھ جنگل کے گھنے حصے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک طرف سے شیر کے دہاڑنے کی آواز سنائی دی' جو لوگ شکار میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ گھنے جنگل میں شیر کی آواز جسم سے روح نکالنے کے لیے کافی ہوتی ہے' اس سے پہلے کہ ہم سب لوگ چوکنا ہوتے' ایک بڑی جھاڑی کے پیچھے سے ایک قد آور شیر نے اچانک چھلانگ لگا کر دو ملازموں کو بری طرح گھائل کردیا۔

جبران ملک اور اس کے دوست تو شیر کو دیکھتے ہی چیختے ہوئے درختوں پر چڑھنے کے لیے بھاگے' سب بندوقیں چلانا بھول چکے تھے' اور اپنے آپ کو بچانے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فکر میں تھے۔ لیکن مجھ سے برداشت نہ ہوا کہ اپنے زخمی ساتھیوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچاؤں۔ اس لیے ایک محفوظ جگہ دیکھ کر رائفل سے شیر کا نشانہ لے کر فائر کردیا۔ گولی سیدھی شیر کے سر پر لگی اور کچھ دیر بعد وہ ساکت ہوگیا۔ میری بہادری کا انعام تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ مجھے سراہا جاتا' مگر جب جبران ملک کے دوستوں نے میری بہادری کی تعریف کی تو جبران ملک سے برداشت نہ ہوسکا اور وہ بول پڑا کہ ''ان جیسے چھوٹے لوگوں کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ اپنے مالکوں پر اپنی جان قربان کریں۔'' جبران ملک کا لہجہ تکبر سے بھرپور تھا۔

میرے اندر کا باغی انسان اس وقت تکبر برداشت نہ کرسکا اور میں بول پڑا کہ ''میں نے اپنے گھائل ساتھیوں کی زندگی بچانے کے لیے اپنی زندگی خطرے میں ڈالی تھی۔'' میرا جواب سن کر جبران ملک نے مجھے گالی دیتے ہوئے اپنے ہنٹر سے مجھے مارنا چاہا' لیکن اس سے پہلے کہ اس کا ہنٹر مجھے لگتا' میں نے ایک زوردار مکہ جبران ملک کے منہ پر مارا اور اس سے پہلے کہ جبران ملک کے لوگ مجھے پکڑتے' میں وہاں سے بھاگ نکلا' کیونکہ مجھے معلوم تھا اب اگر پکڑا گیا تو جبران ملک میری کھال اتارنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ میں جتنا بھی طاقتور سہی لیکن اتنے لوگوں کا تنہا مقابلہ کرنا میرے بس میں نہیں تھا' اس لیے میں نے بھاگنے میں عافیت سمجھی تھی۔

کافی دن جنگل میں گزار کر ایک رات اپنے گاؤں پہنچ گیا تاکہ اپنے گھر والوں سے مل کر اور ضروری سامان لے کر کسی اور بستی میں جا کر زندگی گزار سکوں۔ مجھے اپنے گھر والوں کی فکر نہ تھی۔ کیونکہ میرا یقین تھا کہ جبران ملک میری بغاوت کی سزا میرے گھر والوں کو نہیں دے گا' کیونکہ وہ لوگ پورے دل سے اس خاندان کے وفادار تھے۔ کاش کہ میرا یقین صحیح ثابت ہوجاتا' مگر میری قسمت میں لکھا تھا کہ میں اپنے خاندان کی لاشیں دیکھوں۔

میں اس خیال میں تھا کہ میں سب سے چھپ کر اپنے گھر میں داخل ہورہا ہوں تو مجھے کوئی نہ دیکھے گا مگر جبران ملک کے دو کارندے جنھوں نے جبران ملک کے حکم پر ابھی تک میری تلاش بند نہیں کی تھی' ان کی نظروں میں آچکا تھا۔ میں گھر والوں کو ابھی دلاسا ہی دے رہا تھا کہ جبران ملک نے اپنے کارندوں کے ساتھ میرے گھر پر حملہ کردیا۔ میں نے اپنے خاندان کو بچانے کے لیے جبران ملک کئی کارندے ہلاک کردیئے' مگر اتنے لوگوں کو تنہا مارنا بہت مشکل تھا' مگر میں اپنے خاندان کی زندگی بچانے کے لیے ہاتھ میں کلہاڑا لیے جبران ملک کے کارندوں میں موت تقسیم کررہا تھا' کہ اچانک کسی نے پیچھے سے میرے سر پر زوردار ضرب لگا کر مجھے بے بس کردیا' میں بے ہوش ہوچکا تھا۔

جب ہوش میں آیا تو میرے قریب میرا پورا خاندان ذبح ہوا پڑا تھا' مگر جبران ملک کے کارندوں کی لاشیں غائب تھیں۔ خون آلود کلہاڑا اب بھی میرے ہاتھ میں تھا۔ میں سکتے کی حالت میں کھڑا اپنی بربادی کا تماشا دیکھ رہا تھا' کہ بہت سے پولیس والوں نے آکر مجھے اچانک گرفتار کرلیا' مقدمہ چلا' اور مجھے میرے ہی خاندان کے قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا سنادی گئی۔

عدالت' جج اور پولیس کٹھ پتلی بنے جبران ملک کے اشاروں پر ناچ رہے تھے' میری آہ وپکار کا کسی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میں چلاتا رہا' مگر مجھے گھسیٹ کر جیل کی کال کوٹھری میں اپنی موت کا انتظار کرنے کے لیے قید کردیا گیا۔

ہر روز مجھے رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا جاتا اور پھر جبران ملک اپنے ہنٹر میرے اوپر برساتا۔ میری بے بسی کا تماشا دیکھتا اور پھر جیل کے حکام کو مجھے مارتے رہنے کا کہہ کر اگلے دن آنے کے لیے واپس چلا جاتا۔

اس دوران جیل کے کچھ نامور بدمعاشوں سے میری دوستی ہوگئی اور انھوں نے مجھے جیل سے نکالنے کا پلان بنایا' اس دن بھی جب مجھے تشدد کے لیے لے جایا جارہا تھا' تو میرے ہمدردوں نے جیل کے محافظوں پر حملہ کرکے مجھے قید سے فرار کرنے میں مدد کی اور پھر ان کی ہی مدد سے میں آج اس جہاز پر تھا۔

میں اپنی موت سے عہد کرکے آیا تھا' جس دن جبران ملک کے پورے خاندان کو ذبح کردوں گا' اس

دن خود ہی موت کے گلے لگ جاؤں گا۔

''جبران ملک میں واپس آؤں گا۔'' میں نے ملک چھوڑتے ہوئے اپنے آپ سے عہد کیا۔

☆☆

آپ لوگ جو میری داستان پڑھ رہے ہیں سوچ رہے ہوں گے کہ خاور چوہان بھی ایک ناول نگار ہی ہے جو لفظوں کے ہیر پھیر کو آپ بیتی کی شکل دیتا جارہا ہے' لیکن اپنی پوری سچائی کے ساتھ آپ کو اپنی زندگی کی حقیقتوں سے واقف کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے۔

سمندر کی خاموشی دیکھ کر سب سہمے ہوئے تھے۔ یہ جہاز اسمگلنگ کا سامان لے کر افریقہ جارہا تھا۔ پورا عملہ تجربہ کار تھا لیکن اس وقت ان سب کی حالت دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے انہوں نے موت کا فرشتہ دیکھ لیا ہو۔ سب چپ چاپ بیٹھے سمندر کو دیکھ رہے تھے۔ مجھ سے مزید خاموشی برداشت نہ ہوئی تو جہاز کے کپتان ولید احمد سے اس خاموشی کا راز پوچھ لیا' ولید اس عرصے میں ایک اچھا دوست بن چکا تھا۔

''اس وقت ہم سمندر کے ایک ایسے راستے سے گزر رہے ہیں جو کہ شیطانی حصہ مانا جاتا ہے۔ اس راستے سے گزرنے میں بہت احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے' تھوڑی سی اندازے کی غلطی سے جہاز تباہ ہوسکتا ہے' اسمگلرز کے لیے یہ حصہ محفوظ ہے' کیونکہ اس حصے میں بین الاقوامی کوسٹ گارڈز نہیں ہوتے' لیکن اگر قسمت ساتھ دے تو یہاں سے زندہ بچ کر نکلا جاسکتا ہے نہیں تو یہاں سے گزرنے والے کو موت کے سوا کچھ نہیں ملتا' آنے والے کچھ دن ہماری قسمت کا فیصلہ بھی کریں گے۔ سمندر جو اتنا پرسکون نظر آرہا ہے' دراصل یہ آنے والی بھیانک موت کا پیش خیمہ ہے۔ بس اب صرف خدا سے یہ دعا کرو کہ موت دردناک ہونے کی بجائے آسان ہوجائے۔'' ولید نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''ولید جو قسمت میں لکھا ہے وہ تو ہوگا' تو اس کے بارے میں سوچنے کا کیا فائدہ' بہتر یہ ہی ہے کہ ہم خدا پر بھروسا کرتے ہوئے سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے اپنی منزل پر پہنچ جائیں اگر اس دوران موت بھی آگئی تو افسوس نہیں رہے گا کہ بزدلوں کی طرح آنکھیں بند کرکے موت کا انتظار کرتے رہے۔ بس اس بات کا بھروسا رکھو اگر تمہاری موت کا وقت نہیں آیا تو تمہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں مار سکتی۔'' میں نے ولید اور عملے کو جذباتی انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہم موت کی آخری ہچکی تک زندگی کو بچانے کی بازی لگادیں گے' اگر اس کے باوجود قسمت میں اس سمندر میں ڈوب کر مرنا لکھا ہے تو بہادروں کی طرح موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت کو گلے لگائیں گے۔'' میرے لہجے کا جوش پورے عملے کو گرما رہا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا کہ پورے عملے میں کسی نے نئی روح پھونک دی ہو' سب کے سب پرجوش نظر آنے لگے' جو تھوڑی دیر پہلے تک موت کے خوف سے زرد آنکھیں لیے سمندری موت کو دیکھ رہے تھے اب وہی لوگ سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے تیزی سے جہاز کو منزل کی طرف لے کر رواں تھے۔

''خاور تم نے جینے کا جو نیا انداز سکھایا ہے' وہ مرتے دم تک یاد رہے گا تم بھلے عمر میں ہم سب سے چھوٹے ہو لیکن تمہاری سوچ عظیم ہے' تم نے موت کے منتظر مردہ جسموں کی ارواح کو جسموں کی قید سے آزاد ہونے کا جو طریقہ بتایا ہے اس سے تو لگتا ہے کہ وہ ارواح جو جسموں سے نکلنے کے لئے کچھ دیر پہلے تک بے تاب نظر آرہی تھیں اب اپنے عارضی مسکن کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ موت تو برحق ہے لیکن پہلے موت ہماری تلاش میں تھی' لیکن اب موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے بعد لگ رہا ہے جیسے موت فرار کی کوشش کررہی ہو۔'' ولید نے ممنون نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ولید ہم لوگ کتنے دنوں تک اس سمندری حصے دور چلے جائیں گے۔'' میں نے باتوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

''اگر اسی رفتار میں چلتے رہے تو صرف چھ دن میں یہ سمندری حصہ پار کرلیں گے اور پھر پانچ ہفتے مزید درکار ہیں' افریقہ جانے کے لیے' ادھر ایک ماہ آرام کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد سامان لے کر واپسی کا سفر طے کریں گے' اور جہاں تم چاہو گے وہاں تمہارا انتظام کردیا جائے گا' اور اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو تمہاری حیثیت جہاز کے نائب کپتان کی ہوگی۔ کیونکہ سمندر گواہ ہے جب بھی کوئی جہاز یقینی تباہی سے بچ کر نکلتا ہے تو اس کے پیچھے تمہارے جیسے بلند ہمت لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔'' ولید نے اچھے انداز میں نوکری کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔

''ولید فی الحال تو میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں' نہ ہی اس دنیا میں کوئی اپنا ہے۔ کچھ دنوں تک بے گناہ ہونے کے باوجود پھانسی کا منتظر تھا' لیکن اب پھانسی سے بچنے کے بعد ایک بار جبران ملک اور اس کے پورے خاندان کو ذلالت کی پستیوں میں دھکیلنا ہے' لیکن یہ کیسے ہوگا اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا' آنے والے وقت تک مجھے تمہاری پیشکش اس شرط پر قبول ہے کہ جب میرا وقت شروع ہوگا تو مجھے میری ڈیوٹی سے آزاد کردیا جائے گا۔'' میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

ولید نے مسکراتے ہوئے میری شرط قبول کرلی اور اٹھ کر گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ''تم زندگی کے ہر موڑ پر ولید احمد کو اپنا دوست پاؤ گے۔''

پانچ دن تو بہت سکون سے گزر گئے آج آخری دن کا سفر تھا جو ہمیں اس سمندر کے شیطانی حصے کو عبور کرنے کے لیے کرنا تھا' رات سے ہی ہوا میں بہت تیزی تھی' جیسے اس کو برا لگ رہا ہو کہ جہاز ابھی تک سمندر کی موجوں کو شرمندہ کر رہا ہے۔ پھر ہوا میں اتنی تیزی آگئی کہ جہاز بری طرح پانی پر ڈولنے لگا' میں اور ولید عملے کو ہوش وحواس قائم رکھ کر موت کو گلے لگانے کا حوصلہ بانٹ رہے تھے۔ چند انسانوں کے بلند حوصلے دیکھ کر اب سمندر بھی جہاز کو نگلنے کے لیے جنونی ہوگیا' اس کی بلند و بالا موجیں کبھی ایک دم جہاز کو چھپا لیتیں اور کبھی جہاز کو اوپر کی طرف دھکیل دیتیں۔ اپنی موت کا یقین تو ہو چکا تھا' لیکن موت سے زندگی کی بھیک مانگنے کو اب کوئی بھی تیار نہ تھا' میرے مشورے پر سب نے ایک مضبوط رسی کے ساتھ اپنے آپ کو ایک دوسرے سے باندھ لیا۔ عین اسی دوران ایک زوردار کڑاکے کی آواز آئی اور جہاز دو ٹکڑوں میں تبدیل ہوگیا' سب ایک دوسرے سے بندھے ہوئے سمندر کی گہرائی میں ڈوبنے لگے۔

''میں اتنی آسانی سے موت کو اپنا شکار نہیں کھیلنے دوں گا۔'' میں اونچی آواز میں چلا رہا تھا۔

جو رسی ہم سب کو جوڑے ہوئے تھی کب کی ٹوٹ چکی تھی۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر ولید بے ہوش ہو کر سمندر کی گہرائی میں ڈوبنے والا تھا' باقی عملہ اب سمندر کا شکار ہو چکا تھا۔ میں نے تیزی سے تیر کر ولید کو سنبھالا اور اپنے گرد لپٹی رسی کو اس کی کمر کے گرد بل دے کر باندھ دیا' سمندر کی موجیں مجھے گہرائی میں لے جانے کے لیے بے تاب تھیں لیکن انتقام کا جنون مجھے موت سے دور لے جا رہا تھا' سمندر سے لڑتے ہوئے گھنٹوں گزر گئے۔ اس لیے اب سمندر بھی میرے انتقام کا جنون دیکھ کر پرسکون ہوتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر جہاز کا ایک بڑا لکڑی کا ٹکڑا تیرتا ہوا دکھائی دیا تو بچی ہوئی ہمت کو یکجا کر کے اس کی طرف تیرنا شروع کردیا اور کچھ دیر بعد میں ولید کو لیے تختے کے اوپر لیٹ گیا اب میری ہمت بالکل جواب دے چکی تھی' بے ہوش ہونے سے پہلے آخری بار ہوش میں رہنے کی کوشش کی لیکن بے سود تھی کوشش۔

جب دوبارہ آنکھ کھلی تو ایک جزیرے پر تنہا پڑا ہوا تھا بے ہوش ہونے سے پہلے کا منظر میری آنکھوں میں گھوم گیا۔ ولید کو اپنے ساتھ باندھ کر تختے پر لیٹا تھا پر اب نہ تختہ نظر آرہا تھا نہ ہی ولید تھا۔ میرا سر بری طرح گھوم رہا تھا۔ اپنے اوپر قابو پانے کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلیں اس عمل سے میری حالت اعتدال پر آگئی۔ آنکھیں کھول کر چاروں طرف کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ کوئی جزیرہ نظر آرہا تھا' ابھی میں جائزہ لے ہی رہا تھا کہ سامنے سے کوئی آتا دکھائی دیا۔ میں آنے والے خطرے سے نمٹنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ نوارد جب قریب آیا تو اس کو دیکھ میں نے سکون کی سانس لی' کیونکہ وہ میرا دوست ولید تھا' ولید کے ہاتھ میں ناریل کی قسم کے پھل تھے۔

''پہلے کھالو اس کے بعد بات ہوگی۔'' ولید نے قریب پہنچنے پر پھل میری طرف کرتے ہوئے کہا۔

ویسے بھی اس وقت بھوک کی وجہ سے کھانے کے علاوہ کوئی اور کام ممکن بھی نہیں تھا۔

''ہم اس وقت کونسے حصے میں ہیں' کیا تم سمت کا کوئی اندازہ لگا سکتے ہو۔'' میں نے پیٹ کا ایندھن بھرنے کے بعد سمندر کے پانی سے ہاتھ دھوتے ہوئے ولید سے پوچھا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے ہم لوگ اگر کوئی کشتی تیار کرلیں تو شمال کی طرف سفر کر کے اپنی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ کچھ دن ابھی یہاں آرام سے گزار سکتے ہیں' ان دنوں میں ایک کشتی تیار کریں گے کیونکہ جزیرے پر خشک درخت کافی تعداد میں موجود ہیں اور ان کو کاٹنے کے لئے نوکدار پتھر بھی موجود ہیں' کچھ محنت کرنا پڑے گی لیکن ادھر سے نکلنے کا بندوبست ہوجائے گا اور اگر قسمت مہربان رہی تو ہوسکتا کوئی جہاز مل جائے اس رستے پر جاتا ہوا' ویسے بھی ہم شیطانی سمندری حصے سے کافی دور آگئے ہیں لیکن خاور یہ سب تمہاری ہمت کی وجہ سے ہوا ہے' سمندر میں بے ہوش ہونے سے پہلے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ جیسے کسی کے مہربان ہاتھوں نے تھام لیا ہو اور پھر تمہارا ساتھ محسوس کر کے اپنے آپ کو بے فکر ہو کر موت کے حوالے کردیا تھا' کیونکہ اب تک اس بات کا اندازہ ہو چکا ہے کہ موت بھی تمہیں دیکھ کر کترا کر نکل جاتی ہے' اس لیے اتنے طوفانی سمندر میں نہ صرف تم محفوظ رہے بلکہ تمہارا ساتھ پانے کے بعد موت میرے قریب آنے سے بھی خوفزدہ رہی۔'' ولید نے جذباتی انداز میں میرے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی کیفیت کا اظہار کیا۔

''آگے کا کیا پروگرام ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے ولید سے پوچھا۔

''پروگرام کیا ہونا ہے آج آرام کریں گے اور کل سے کام شروع کریں گے۔'' ولید نے جواب دیا۔

''کیا یہ جگہ محفوظ ہے' ویسے بھی اب رات ہونے میں کچھ ہی دیر باقی رہ گئی ہے' تو ہمیں محفوظ جگہ کھوج کر ادھر بسیرا کرنا چاہیے۔'' میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ولید سے کہا۔

''دوست تم کہتے تو ٹھیک ہو کہ کوئی محفوظ جگہ دیکھ لینی چاہیے ویسے بھی تمہاری بے ہوشی کے دوران اس جگہ کا جائزہ لیا تھا' یہ جگہ کچھ عجیب اس لحاظ سے ہے کہ پورے جزیرے پر کسی بھی طرح کا کوئی جاندار نہیں ہے' لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہاں پر کوئی مسلسل ہم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ یہ احساس اس وقت ہوا تھا جب میں درخت پر چڑھ کر پھل توڑ رہا تھا' تو ایسا لگا کہ کوئی میری ٹانگ پکڑ کر مجھے درخت پر چڑھنے سے روک رہا ہو' اس وقت تو میں نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اس کو اپنا وہم سمجھا تھا' لیکن اب تمہاری بات سے احساس قوی ہو رہا ہے کہ جیسے ہم دونوں کے علاوہ یہاں کوئی تیسرا بھی ہے لیکن آنکھ اس کو دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔'' ولید نے جب بولنا شروع کیا تو بولتا چلا گیا۔

''لیکن مجھے ابھی تک ایسا احساس نہیں ہوا تھا کہ کوئی ہم پر نظر رکھے ہوئے ہے' اس لیے ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارا وہم ہو۔'' میں نے ولید کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''ویسے بھی ہم جن حالات میں ہیں اس میں ہماری مرضی کا کوئی دخل نہیں' تو آنے والے وقت میں جو ہونا ہے اس کے بارے میں سوچ کر اپنا وقت برباد کرنے سے بہتر ہے کہ کوئی محفوظ جگہ ڈھونڈ کر رات بسر کی جائے ویسے بھی اب رات کا اندھیرا کچھ ہی دیر میں پھیل جائے گا۔'' میں نے ولید کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

ولید نے اثبات میں سر ہلا کر میرے پیچھے چلنا شروع کردیا۔

ابھی ہم کچھ دور ہی گئے تھے کہ سامنے سے ڈھول کی تھاپ کی آواز پورے زور وشور سے کانوں کے پردے پھاڑنے لگی۔ ہم دونوں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ڈھول کی آواز قریب اور قریب آتی جا رہی تھی' ڈھول کی آواز کی شدت کی وجہ سے کانوں سے خون کی بوندیں رسنے لگ پڑیں' اب تو ایسا لگ رہا تھا کہ ڈھول کانوں کے پاس رکھ کر بجایا جا رہا ہو۔ ولید بے ہوش کر گر چکا تھا اگر یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز بند نہ ہوئی تو میں اپنے دشمنوں کی چیخیں سننے سے محروم ہو جاؤں گا' یہ سوچتے ہی میں نے اپنے ہاتھ ہوا میں ایسے لہرانے شروع کر دیے جیسے ڈھول پکڑنا چاہتا ہوں' اچانک میرے ہاتھ کسی ٹھوس چیز پر پورے زور سے لگے اور درد بھری آواز کے ساتھ ہی ڈھول کی آواز بند ہو گئی' لیکن کچھ انجانے نادیدہ ہاتھوں نے مجھے مضبوطی سے جکڑ لیا۔ بے ہوش ولید ہوا میں بلند ہو رہا تھا' میں ابھی ولید کو دیکھ ہی رہا تھا کہ ایسا لگا جیسے میرے پاؤں بھی ہوا میں بلند ہو رہے ہوں۔ واقعتاً میرے حلق سے ایک زوردار چیخ نکل گئی' ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ نادیدہ انسان مجھے اٹھا کر لے جا رہے ہوں' لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے چلا چلا کر ان نادیدہ انسانوں کو مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن میرے چلانے کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ نادیدہ لوگ ہم دونوں کو اٹھائے اپنے مسکن کی طرف بڑھتے رہے۔

اچانک ولید کے چیخنے کی آواز سنائی دی' اس کو ہوش آ گیا تھا اور ہوا میں معلق اپنے جسم کو دیکھ کر وہ بری طرح چلا رہا تھا۔

''ولید میرے دوست حوصلہ رکھو' اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دو' کچھ نادیدہ لوگ ہمیں اٹھا کر لے جا رہے ہیں ان کا مقصد اس وقت سامنے آئے گا جب وہ کوئی بات کریں گے یا سامنے آئیں گے' تو بے کار میں چیخ کر اپنا گلا خراب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔'' میں نے ولید کو خاموش کرنے کے لیے سمجھایا۔

میرے سمجھانے پر ولید نے بھی اپنے آپ کو حالت کے سپرد کر دیا۔ اب ہم دونوں نادیدہ لوگوں کے رکنے کے منتظر تھے' کہ کب ان کی منزل آتی ہے اور ہم لوگ کو زمین میسر آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد ہم لوگ جزیرے کے درمیان میں پہنچ چکے تھے۔

ایک غیر انسانی اونچی آواز کے گونجتے ہی ولید اور مجھے زمین پر پٹک دیا گیا۔ درد کی شدت سے ہماری زوردار چیخیں نکل گئیں۔ ابھی ہم لوگ چیخ ہی رہے تھے کہ ایسا لگا کہ کسی نے پاؤں کی ٹھوکر پورے زور سے میرے منہ پر دے ماری ہو۔ میرے منہ سے خون تیزی سے بہنے لگا۔

''سامنے آؤ' ہمت ہے تو سامنے آ کر لڑو۔'' میں درد اور غصے کی شدت سے پاگل ہو رہا تھا۔

عین اسی دوران کسی نے مجھے ہوا میں اٹھا کر زور سے نیچے پٹک دیا۔ زوردار قہقہے چاروں طرف سے سنائی دے رہے تھے' ابھی قہقہوں کی گونج ختم نہ ہوئی تھی کہ ارد گرد کالے رنگ کے بہت سے دراز قد انسان نما لوگ نظر آنے لگے۔

میں نے انسان نما اس لیے کہا ہے کہ وہ لوگ انسانوں کی طرح دو ٹانگوں پر کھڑے تھے' مگر ان کے پورے جسم پر کالے رنگ کے لمبے لمبے بال تھے' ان کی آنکھیں انسانی آنکھوں کی بجائے مخروطی انداز کی تھیں۔ ان میں سے ایک کے سر پر سرخ رنگ کا ایک تاج نما آگ کا گولہ تھا۔

''سامنے بھی آ گئے' اب کیا چاہتے ہو۔'' اس تاج والے نے تمسخر اڑانے والے لہجے میں کہا۔

ساتھ ہی اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا' تو چار بچھ نما لوگوں نے ولید کو ہاتھوں اور ٹانگوں سے پکڑ لیا' ولید بے چارہ ابھی چیخ بھی نہ پایا تھا کہ ان درندوں نے اپنی پوری طاقت سے ولید کے بازوؤں اور ٹانگوں کو مخالف سمت میں کھینچ دیا' ولید کی آخری چیخ بہت دلدوز تھی۔ اس کے بازو اور ٹانگیں ان چار کالے درندوں کے ہاتھوں میں جھولنے لگیں۔ جبکہ میرے دوست کا باقی ماندہ جسم زمین پر گر کر بری طرح تڑپنے لگا' ولید کا انجام دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے' میں اپنے ہوش کھو چکا تھا' ہر طرف سے قہقہوں کی بے ہودہ آوازیں آ رہی تھیں۔

اب مزید برداشت کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔ اس لیے میں نے پوری طاقت سے اچھل کر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کسی نیزے کی طرح اپنے سامنے تاج پہنے ہوئے دیو کی آنکھوں میں مار دیں' مجھے اپنے انجام کی بالکل فکر نہیں تھی' میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر مرنا ہی تھا تو بہادری سے موت کو گلے لگاؤں گا۔ میری انگلیاں جیسے ہی اس بالوں والے انسان نما کی آنکھوں سے

ٹکرائیں تو ایسا لگا کہ میرا ہاتھ کسی نے جلتے ہوئے کوئلے پر رکھ دیا ہو اور پھر مجھے کوئی ہوش باقی نہ رہا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے جو آخری احساس تھا وہ یہ تھا کہ جیسے کسی نے جنگ کے لیے نقارہ بجا دیا ہو۔

جب موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی جائیں تو موت بھی پاس آنے سے ڈرتی ہے۔ میں نے جب جب موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو گلے لگانا چاہا' تب ہی موت میری محبوبہ بننے کی بجائے مجھ سے روٹھ کر چلی گئی۔

نا جانے کتنا وقت گزر چکا تھا' کہ ایک انجانی آواز مجھے پھر سے زندگی کی طرف لے کر آ رہی تھی۔ جب آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو ایک کشادہ غار میں نرم نرم گھاس کے اوپر لیٹا ہوا پایا' میرے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ابھی پورے ماحول کا جائزہ لے کر فارغ ہی ہوا تھا کہ ایک نوعمر بچہ ہاتھ میں ایک طشت اٹھائے اندر داخل ہوا۔ طشت میرے پاس رکھ کر وہ ایک طرف ہو کر چپ چاپ بیٹھ گیا۔ طشت سے بہتے ہوئے گوشت کی خوشبو آ رہی تھی ویسے بھی اب کھائے ہوئے بھی کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس لیے سب کچھ بھول کر کھانے پر ٹوٹ پڑا' خوب سیر ہو کر کھایا' میں کھانے میں اتنا مگن تھا کہ پتہ ہی نہ چلا کب کچھ لوگ آ کر میرے قریب بیٹھ گئے ہیں۔ کھانا کھا کر فارغ ہوا تو ان کی طرف دیکھا' سب بڑی عقیدت مند نظروں سے میری طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

''خاور چوہان ہم سب لوگ آپ کے مشکور ہیں' آپ کی وجہ سے ہم اپنے ساتھیوں کو قبیلہ شرر کی قید سے بچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔'' ان میں سے ایک تنومند اور ٹھوس جسم کے آدمی نے کہا۔

''میرا نام طرم ہے اور میں اس قبیلے کا سردار ہوں' ہم سب قوم جنات سے تعلق رکھتے ہیں' لیکن اس وقت سب انسانی روپ میں آپ کے سامنے ہیں۔'' سردار طرم نے مزید بتایا۔

میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ میں نے جنات کے بارے میں سنا تو تھا' لیکن سردار طرم کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سردار طرم نے مجھے یقین دلانے کے لیے اپنے سب ساتھیوں کو غائب ہو جانے کے لیے بولا' تو اگلے ہی پل غار یکدم خالی ہو گیا۔

''یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔'' میں حیرت زدہ ہو کر بڑبڑایا۔ ''سردار طرم آپ براہ مہربانی سامنے آ جاؤ اور مجھے سمجھاؤ کہ یہ سب کیا ہے۔'' میں نے انداز سے ایک سمت دیکھتے ہوئے سردار طرم کو مخاطب کیا۔

''خاور چوہان تم نے انجانے میں قبیلہ شرر کے سردار کی آنکھیں زخمی کر کے قبیلہ شرر کو وقتی طور پر اندھا کر دیا تھا' ہمارے کچھ ساتھی قبیلہ شرر کی قید میں تھے' قبیلہ شرر شیطان کا پیروکار قبیلہ ہے اور ہمارے قبیلے سے کافی طاقتور قبیلہ ہے' ہم لوگ اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کی کوشش میں کافی دنوں سے تھے' آج ہمارے نگران ساتھی نے اطلاع دی کہ قبیلہ شرر کسی انسان کی وجہ سے وقتی طور پر اندھا ہو چکا ہے' تو ہم جنات نے یہ وقت اپنے لیے سب سے بہتر سمجھا کہ اپنے ساتھیوں کو قید سے چھڑوایا جائے۔ اپنے ساتھی جنات کو چھڑانے کے بعد تمہیں زمین پر بے ہوش گرے ہوئے دیکھا تو ہمارے ساتھی تمہیں بھی ساتھ لے آئے۔ ورنہ اب تک قبیلہ شرر جو پھر اپنے سردار کی آنکھوں کے زخمی ہونے کی وجہ سے وقتی طور پر اندھا ہو چکا تھا' ٹھیک ہوتے ہی تمہیں ہلاک کر دیتا۔ اب بھی پورا قبیلہ اپنے سردار کے زخمی ہونے کی وجہ سے غصے میں تمہیں ڈھونڈ رہا ہے' تاکہ تمہیں ہلاک کرنے کے بعد تمہاری ہڈیوں کو پیس کر اپنے سردار کی زخمی آنکھوں کا علاج کیا جا سکے۔ ورنہ زخمی آنکھوں کی وجہ سے سردار چار چاند مکمل ہوتے ہی مر جائے گا' اور چار چاند مکمل ہونے سے پہلے قبیلہ شرر اپنا نیا سردار بھی نہیں چن سکتے اور زخمی سردار کی وجہ سے قبیلہ شرر اس وقت کافی حد تک کمزور ہو چکا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کوئی انسان قبیلے کے سردار کی آنکھوں کو زخمی کر دے یا آنکھیں نکال دے۔ اس دوران پورا قبیلہ خطرے کی زد میں رہتا ہے کیونکہ جنات کا کوئی بھی دوسرا قبیلہ ان پر حملہ کر کے ان کی عورتوں پر قابو پا سکتا ہے' وہی قبیلہ زیادہ طاقتور اور بڑا تسلیم کیا جاتا ہے' جس کے پاس ایسی جنیوں کی تعداد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ ہو جو زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ ہم لوگ قبیلہ شرر پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت قبیلہ شرر کے کاہنوں نے قبیلے کے گرد ایسا حصار باندھ دیا ہے' کہ ہم جنات یا کوئی بھی اور قبیلہ ان کو دیکھ نہیں سکتا اور نہ ہم میں سے کوئی اس طرح قبیلہ شرر کی حدود میں داخل ہو سکتا ہے۔'' سردار طرم نے ظاہر ہو کر پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''سردار اگر میں تمہارے کام آسکوں تو مجھے بتاؤ' ویسے بھی مجھے اس قبیلے سے انتقام لینا ہے جس نے میرے دوست کو بے دردی سے مار دیا۔'' میں نے پورے عزم سے کہا۔

''خاور چوہان تم ہماری مدد کر سکتے ہو لیکن اگر تم پکڑے گئے تو وہ تمہیں ہلاک کر کے فوراً اپنے سردار کو ٹھیک کر لیں گے۔'' سردار طرم نے سوچتے ہوئے کہا۔

''سردار تم مجھے وہ طریقہ بتاؤ' جس کے بعد تمہارا قبیلہ اپنے دشمنوں کو دیکھ سکے۔'' میں نے سردار کو ایک نئی راہ دکھاتے ہوئے کہا۔

''اس کے لیے مجھے اپنے ساتھیوں اور کاہنوں سے مشورہ کرنا پڑے گا' اور جو بھی نتیجہ نکلا خاور چوہان تمہیں بتا دیا جائے گا' تم اب آرام کرو اگر کوئی ضرورت ہو تو بلام کو بتا دینا۔'' سردار نے اٹھتے ہوئے اس چھوٹے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سردار کے اٹھتے ہی سب جنات بھی ادھر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور غار سے باہر چلے گئے۔

''بلام تم جاؤ اگر کوئی کام ہوا تو تمہیں آواز دے دوں گا۔'' میں نے بلام کو مخاطب کر کے کہا۔

''بلام اب کہاں جائے گا' بلام اب تمہارا غلام بن چکا ہے۔ تمہاری وجہ سے بلام قبیلہ شرر کی قید سے آزاد ہوا ہے' لیکن افسوس اس بات کا ہے وہ بلام جو بھی طاقت کا پہاڑ سمجھا جاتا تھا اب ایک چھوٹے کمزور بچے کے جسم میں قید ہے۔'' بلام نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''بلام تم اپنے مخالف قبیلے کی قید میں کیسے چلے گئے تھے اور تمہارا اصل جسم کہاں ہے' اگر اس نوعمر بچے کا جسم تمہارا نہیں ہے۔ تم مجھے اپنا دوست سمجھ سکتے ہو' تمہارا جسم حاصل کرنے کے لئے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' میں نے ہمدردی سے بلام کو کہا۔

''آقا تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے دوست کہا۔ میرے اوپر قبیلہ شرر کے سردار کا جادو چل گیا تھا' میں قبیلہ شرر کے سردار کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور اپنے ساتھیوں کو ان شیطان کے پجاریوں سے بچانے گیا تھا' مگر سردار کے حفاظتی دستے نے پکڑ لیا' لیکن بلام کو پکڑنے کے لئے انہیں اپنے سو شیطانوں سے ہاتھ دھونا پڑے' میں تو چاہتا تھا کہ شیطان کے پجاری اس پورے قبیلے کو ہلاک کر دوں۔ مگر کاہنوں کے اشارے پر بیری کے پتے میرے اوپر پھینک دیئے گئے جس کی وجہ سے میں بے بس ہو گیا اور قبیلہ شرر کے کاہنوں نے جادو سے مجھے چھوٹے بچے کے جسم میں قید کر دیا۔ اب میں اس وقت آزاد نہیں ہو سکتا جب تک وہ کاہن نہیں مر جاتا' جس نے مجھ پر جادو کیا تھا' یا پھر قبیلہ شرر کے سردار کو ہلاک کرنے کے بعد اس کی راکھ کو کانجو کا کے خون کے ساتھ ملا کر پینے سے ہی میں اپنا اصل جسم حاصل کر سکتا ہوں۔'' بلام نے نظریں اٹھاتے ہوئے کہا۔

''کانجو کا کیا ہے' اور قبیلہ شرر کے سردار کو مارنے کا طریقہ کیا ہے۔'' میں نے بلام سے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کانجو کا سمندر کی ساتویں تہہ میں رہتا ہے اور بہت چالاک ہوتا ہے کوئی بھی جن زادہ اس کو قابو نہیں کر سکتا۔ قبیلہ شرر کے سردار کو مارنے کا طریقہ انتہائی مشکل ہے' کیونکہ اس کے ساتھ اس کی شیطانی طاقتیں ہیں۔ سردار جن کو مارنے کے لئے اس کے دونوں پاؤں کے انگوٹھے کاٹ کر اگر ان پر جلتا کوئلہ لگا دیا جائے تو سردار جن بے بس ہو جائے گا اور اس کی شیطانی طاقتیں بھی بے بس ہو جائیں گی۔ پھر اس کے بالوں میں آگ لگا دینے سے اس کی موت واقع ہو جائے گی۔'' بلام نے امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے دوست بلام تم مجھے اب اس کانجو کا کو پکڑنے کا طریقہ بھی بتا دو۔ تاکہ اس کو پکڑ کر تمہاری

اصل حالت درست کی جا سکے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے بلام کو کہا۔

''کانجو کا مچھلی کی ایک قسم ہے جو بجلی کی تیزی سے تیرتی ہے اور پلک جھپکتے غائب ہو جاتی ہے۔ میں تمہیں کانجو کا کے مسکن تک تو لے کر جا سکتا ہوں لیکن اس کو پکڑنے کے لئے افسوس تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور آقا اگر تم نے مجھے میرا اصل جسم دے دیا تو بلام تمام زندگی صرف تمہارا ہی غلام رہے گا۔'' بلام نے جذباتی انداز میں میرے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''یار بلام مجھے دوست کی ضرورت ہے' غلام کی نہیں' تمہارا جسم آزاد کرنے کے بعد بھی تم ایسے ہی آزاد رہو گے جیسے اب ہو۔'' میں نے بلام کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

جس کے جواب میں بلام نے اپنا سر اچانک میرے پاؤں پر رکھ دیا۔

''میں مسلمان ہوں اور سب لوگ صرف اپنے پیدا کرنے والے رب کے سامنے صرف جھکتے ہیں۔'' میں نے اپنا پاؤں ایک جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

میرے سامنے بچپن کا وہ لمحہ آ گیا تھا' جب گاؤں کی مسجد کے مولوی صاحب نے جمعے کی نماز کے بیان میں بتایا تھا کہ جھکو صرف اپنے حقیقی مالک کے سامنے اور اور کسی کو اپنے سامنے جھکنے مت دو۔ کیونکہ اس کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے جو تمہارا ہے اور صرف یہ رب کا حق ہے کہ اس کے سامنے جھکا جائے' میں اپنے بچپن میں کھو گیا' مجھے یاد نہیں کہ آخری بار اپنے رب کے سامنے کب جھکا تھا۔ مگر اس لمحے نا جانے کیوں مجھے رب یاد آ گیا تھا اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بلام یکدم پریشان ہو گیا۔

''آقا غلام اب سامنے نہیں جھکے گا' غلام کو معاف کر دو۔'' بلام نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

''یار بلام مجھے آقا کہنے کی بجائے مجھے خاور کہو اور تمہارا قبیلہ کس کا پیروکار ہے۔'' میں بلام کے بار بار آقا کہنے پر کچھ عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ شائد اس کی وجہ میری جبران ملک سے دشمنی تھی' کیونکہ وہ بھی اپنے آپ کو آقا کہلواتا تھا۔ اس لفظ سے مجھے شدید قسم کی چڑ ہو گئی تھی۔ اس لیے میں نے بلام کے بار بار آقا کہنے پر اس کو بری طرح جھڑک دیا۔

''ہم سورج دیوتا کے پجاری ہیں۔'' میرے پوچھنے پر بلام نے کہا۔

میں چپ ہو گیا کیونکہ مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ میں مسلمان ہوں' لیکن مسلمان کرتے کیا ہیں' اس کے بارے میں انجان تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے کہ سردار طرم قبیلہ شرر پر حملہ کرنے کا کوئی طریقہ سوچ لے گا۔'' میں نے باتوں کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

''خاور اگر سردار طرم نہ بھی کوئی طریقہ سوچ سکا تو میں قبیلہ یاشان کے سردار سے ملوں گا' وہ قبیلہ بھی قبیلہ شرر کا خاتمہ چاہتا ہے اور طاقت کے لحاظ سے بھی قبیلہ شرر کا ہم پلہ ہے' لیکن وہ قبیلہ مسلمان ہے وہ ہمارے قبیلے والوں کو کبھی اجازت نہیں دے گا کہ قبیلہ شرر والوں کو شکست دینے کے بعد ان کی عورتوں کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ بلکہ قبیلہ یاشان اس قبیلے کو شکست دینے کے بعد اس قبیلے میں اپنے افراد کو بھیجنا شروع کر دے گا جن کی وجہ سے دیکھتے ہی دیکھتے پورا قبیلہ اپنا مذہب چھوڑ کر قبیلہ یاشان والوں کا مذہب اپنا لے گا۔ کیونکہ اس قبیلے نے جس جس شیطانی قبیلے پر حملہ کیا ہے وہاں کے جنات قبیلہ یاشان کے مذہب کو اپنا لیتے ہیں' قبیلہ یاشان کا سردار یاشان ہے اور اس سردار سے نہ صرف اس کے قبیلے والے خوش ہیں بلکہ ارد گرد کے علاقوں کے قبیلے بھی قبیلہ یاشان اور سردار یاشان کو اپنا اصل سردار مانتے ہیں۔ لیکن قبیلہ شرر کا کاہن شیطانی چالیں چلنے والا شیطان کا چیلا ہے' اس کی وجہ سے پورا قبیلہ شیطان کا پجاری بن گیا ورنہ قبیلہ شرر بھی پہلے سورج دیوتا کا پجاری تھا۔ قبیلہ شرر کا کاہن شیطان لہات ہے۔ شیطان لہات کو مارنے کے لیے قبیلہ یاشان کے کافی جنات موت کا شکار ہو چکے ہیں لیکن شیطان لہات کا کچھ نہیں بگاڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکے۔ قبیلہ یاشان کا سردار میرا اچھا دوست ہے وہ اپنے مذہب کی باتیں مجھے بتاتا رہتا ہے' سردار یاشان نے مجھے کسی کے سامنے جھکنے سے بہت دفعہ منع کیا تھا۔ جیسے تم آج خفا ہو گئے تھے ویسے سردار یاشان بھی خفا ہو گیا تھا' جب اس کے سامنے جھکا تھا۔ خاور میرے دوست یہ سب گفتگو اس لیے کی ہے کہ مجھے بھی تم لوگوں کے مذہب میں دلچسپی ہے' لیکن اپنے قبیلے کے افراد کے رویہ کے بارے میں سوچ کر چپ ہو جاتا ہوں' کہ سورج دیوتا کے ماننے والے کہیں مجھ سے ناراض نہ ہو جائیں۔'' بلام نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''یار بلام میں تمہیں اس بارے میں کوئی بھی مشورہ دینے سے قاصر ہوں' کیونکہ آج کافی دنوں کے بعد مجھے اپنا مسلمان ہونا یاد آیا تھا۔ باقی رہی قبیلہ یاشان سے بات کرنے کی تو پہلے سردار طرم کے جواب کا انتظار کرو' اگر سردار طرم نے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ دیا تو تم قبیلہ یاشان کے سردار سے بات کر لینا۔'' میں نے بلام کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بلام کیا تم مجھے جنات کی دنیا کے بارے میں بتا سکتے ہو' اور تم جنات اپنے اصل روپ میں کیسے نظر آتے ہو۔ کیونکہ اب میرا واسطہ اس جگہ سے اگر پڑ گیا ہے تو میرے لیے بہتر ہے کہ میں تم جنات کے بارے میں اہم معلومات حاصل کر لوں جو یقیناً آگے جا کر میرے لیے فائدہ مند ثابت ہوں گی۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان جنات کی دنیا تمہاری دنیا سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ تم لوگ ہم جنات کو نہیں دیکھ سکتے' ہم جنات کی عمریں بھی انسانوں سے کافی زیادہ ہوتی ہیں۔ ہم جنات اصل روپ میں بہت لمبے ہوتے ہیں لیکن میں نے اپنے قبیلے کے کاہنوں سے سنا ہے کہ انسان کی عقل کا مقابلہ جنات بھی نہیں کر سکتے لیکن جسمانی طاقت کے مقابلے جنات سے جیتنا ناممکن ہے۔'' بلام نے جنات کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہوئے جنات کے بارے میں اور بہت سی معلومات دیں۔

ابھی ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ غار میں پھر سے سردار طرم اور اس کے باقی ساتھی نظر آنے لگے۔

''خاور چوہان ہم لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اب بھی قبیلہ شرر کا مقابلہ نہیں کر سکتے ایک طریقہ پتہ تو چلا ہے جس سے قبیلہ شرر نظر آنا شروع ہو جائے گا' اس کے لئے قبیلے کی سرحد پر تمہارے خون کے چند قطرے چھڑکنا پڑیں گے' لیکن قباحت یہ ہے کہ تمہیں دیکھتے ہی قبیلہ شرر کے جنات تمہیں مار کر تمہاری ہڈیوں کو پیس کر اپنے سردار کا علاج کر کے پھر سے طاقتور ہو جائیں گے۔ اور ہم اتنے طاقتور نہیں کہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔'' سردار طرم نے سنجیدہ لہجے میں حملے سے منع کرتے ہوئے کہا۔

''سردار طرم اگر میں اپنے طور پر قبیلہ شرر کا مقابلہ کرنا چاہوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا' کیونکہ قبیلہ شرر کے جنات نے میرے دوست کو بے دردی سے قتل کیا ہے اور اس کا انتقام لینا میرا فرض ہے' آج انتقام کی وجہ سے ہی میں زندہ نظر آ رہا ہوں یہ انتقام کا ہی جنون تھا جس نے مجھے سمندر میں ڈوب جانے سے بچائے رکھا' یہ انتقام کی ہی آگ تھی جو سوچے سمجھے بغیر قبیلہ شرر کے سردار کو اندھا کر دیا تھا' اور ابھی میرا انتقام پورا نہیں ہوا' مجھے یقین ہے کہ جب تک میں اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لے لیتا' موت اس وقت تک مجھے اپنی آغوش میں نہیں لے گی' اور اب میرے دشمنوں میں قبیلہ شرر کا اضافہ ہو گیا ہے' اپنے دوست کی موت کا انتقام میں پورے قبیلہ شرر کے جنات سے لوں گا۔'' میں غصے میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

''خاور چوہان مجھے اندازہ تھا تمہارا جواب یہی ہوگا' اس لیے ہم تمہیں نہیں روکیں گے' بلکہ ہم سب کا یہ مشورہ ہے کہ تم قبیلہ یاشان کے سردار سے مل لو وہ تمہیں اس بارے میں مفید مشورہ دے سکتا ہے۔'' سردار طرم نے میرا جنون دیکھ کر مجھے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

''سردار طرم تمہاری نیک نیتی پر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں' تمہارے سے پہلے بلام نے بھی سردار شایان سے ملنے کا مشورہ دیا تھا' تو اب طے رہا کہ میں سردار

یاشان سے ملنے جاؤں گا۔'' میں نے حتمی فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

''سردار آج سے میں خاور چوہان کا غلام بن چکا ہوں اپنی مرضی کے مطابق میں نے اپنے آپ کو خاور چوہان کے سپرد کر دیا ہے اور کوئی بھی جن جب اپنی مرضی سے اپنے آپ کو کسی انسان کا غلام بنا لے تو غلام جن پر قبیلے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا' اور نہ ہی اس جن کو کوئی اور اپنا غلام بنا سکتا ہے تو سردار طرم اب تم بھی مجھے اپنے قبیلے کی قید سے آزاد کر دو' تاکہ میں خاور چوہان کے ساتھ سفر کر سکوں۔'' بلام نے اچانک بولتے ہوئے کہا۔

''سردار طرم یہ بلام میرا غلام نہیں ہے میرا دوست ہے۔'' ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ سردار طرم بول پڑا۔

''خاور چوہان اب تم اس کو دوست کہو یا اپنا غلام کہو' بلام اب تمہارا ہو چکا ہے کیونکہ جنات کے قوانین کے مطابق بلام اب کسی بھی قبیلے کا جن نہیں رہا' اور مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ اس نے ایک بلند حوصلہ انسان کے لیے اپنا قبیلہ چھوڑا ہے۔ خاور چوہان تمہیں جب بھی میری یا میرے قبیلے کے کسی بھی جن کی کبھی بھی ضرورت پڑے تو صرف میرا نام تین دفعہ لے کر ہوا میں پھونک دینا' میں تمہارے سامنے حاضر ہو جاؤں گا' باقی تم جب تک یہاں رہنا چاہو رہ سکتے ہو' لیکن اگر تم نے ارادہ کر لیا ہے کہ قبیلہ شرر کا خاتمہ کرو گے تو دیر تمہارے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگی' جتنی جلدی تم سردار یاشان سے مل لو گے اتنا ہی تمہارے لیے بہتر ہوگا۔'' سردار طرم نے مجھے ہر خطرے سے تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''سردار تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ابھی سے ہی میں بلام کے ساتھ سردار یاشان کے قبیلے کی طرف جانے کے لیے تیار ہوں' لیکن اگر مجھے رستے میں قبیلہ شرر کے کسی جن نے دیکھ لیا تو مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' میں نے اٹھتے ہوئے سردار طرم سے پوچھا۔

''خاور چوہان ہم تمہیں قبیلہ یاشان تک پہنچانے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ بس تم اب اپنی آنکھیں بند کر لو' جب بلام تمہیں آنکھیں کھولنے کا کہے گا تو تم آنکھیں کھول لینا۔'' سردار طرم نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے سردار کا ہاتھ تھام لیا اور آنکھیں بند کر لیں' ایسا لگا جیسے زمین میرے قدموں کے نیچے سے نکل گئی ہو۔

''خاور چوہان اب آنکھیں کھول لو' ہم قبیلہ یاشان پہنچ چکے ہیں۔'' بلام کی آواز سنتے ہی میں نے آنکھیں کھول دیں۔

اس وقت ہم ایک کشادہ غار کے دہانے کھڑے تھے۔ ''خاور اس وقت ہم سردار یاشان کے غار کے باہر موجود ہیں۔'' بلام نے بتایا ہی تھا کہ غار کے اندر سے ایک بارعب جوان باہر نکلا۔

''میرے دوست بلام تم اس وقت کیسے آ گئے۔ تمہاری قید سے آزادی کی خبر اور نوعمر بچے کے جسم میں قیدی بن جانے کی خبر مجھ تک ابھی تھوڑی دیر پہلے پہنچی ہے اور اپنے ساتھ اس انسان کو لانے کا کیا مقصد ہے۔ جہاں تک میرا علم بتاتا ہے یہ انسان فولادی ارادوں کا مالک ہے اور تم کسی بڑے کام کے لیے اس کو لے کر آئے ہو۔'' اندر سے آنے والا جو سردار یاشان تھا' مصافحہ کرتے ہوئے میرے طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''سردار تمہیں علم تو ہو چکا ہوگا کہ قبیلہ شرر کے سردار کو کسی انسان نے زخمی کر دیا ہے اور یہ وہی انسان ہے اور میرا آقا بھی ہے اور اب خاور چوہان قبیلہ شرر پر حملہ کر کے قبیلہ شرر کے سردار کے بوجھ سے اس زمین کو آزاد کرنا چاہتا ہے لیکن قبیلہ شرر ہم جنات کی آنکھوں سے اس وقت سے اوجھل ہو چکا ہے جب سے اس کا سردار زخمی ہوا ہے' اگر کسی طرح وہ قبیلہ نظر آنا شروع ہو جائے تو اس پر حملہ کر کے ان کے مظالم کو روکا جا سکتا ہے۔'' بلام نے باقی سب باتیں بتاتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ اندر آرام کرو' میں قبیلے والوں سے مشورہ کر کے بتاتا ہوں کہ قبیلہ شرر کیسے نظر آ سکتا ہے' تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بہت اہم خبر دی ہے ہم جنات کافی عرصے سے کوشش میں تھے کہ باطل پر زوردار ضرب لگائی جائے اور اب میرے خیال میں اللہ رب العزت اس کا موقع فراہم کررہا ہے۔'' سردار یاشان نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''سردار یاشان اگر آپ کی اجازت ہو تو جب تک آپ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے ہیں میں اپنے دوست کے لیے کانجوکا کو پکڑنے کا انتظام کرلوں۔'' میں نے سردار یاشان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان کانجوکا کو پکڑنے کے لیے تمہیں میری اجازت کی ضرورت نہیں' بلکہ میں تمہارے ساتھ اپنے کچھ ساتھی جنات بھی بھیجوں گا' تاکہ قبیلہ شرر کے جنات تمہارے ساتھ کوئی شرارت نہ کرسکیں۔'' سردار یاشان نے تالی بجاتے ہوئے کہا۔

تالی کی آواز سنتے ہی چار باریش لوگ نظر آنے لگے۔ ''تم سب اس انسان زادے کی حفاظت کے ذمہ دار ہو۔'' سردار یاشان نے اپنے جنات کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان تمہارا مقصد نیک ہے' تم جس نیک مقصد کے لیے کانجوکا پکڑنا چاہتے ہو اس میں اللہ تمہیں کامیاب کرے گا۔'' سردار یاشان نے دعا دیتے ہوئے کہا۔

''بلام تم اب مجھے پہلے اس جگہ لے کر چلو جہاں کانجوکا مل سکتی ہے۔ پھر میں اس کو پکڑنے کے لیے طریقہ سوچوں گا۔'' میں نے اٹھ کر بلام سے کہا۔

اتنی دیر میں سردار یاشان بھی غائب ہوچکا تھا۔

''ابھی لو' بس آنکھیں بند کرو جب میں بولوں تو آنکھیں کھول لینا لیکن اپنا سانس بند رکھنا کیونکہ ہم لوگ سمندر کی ساتویں تہہ میں جارہے ہیں۔'' بلام نے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

باقی چار جنات بھی میرے گرد جمع ہوگئے۔

''میں تیار ہوں۔'' میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

اس کے ساتھ ہی ایسے لگا جیسے میں پانی میں ڈوب رہا ہوں۔ پھر جب بلام نے آنکھیں کھولنے کے لیے کہا تو اس وقت ہم لوگ سمندر کے اندر بنی ایک چٹان کے کھوکھلے سوراخ کے پاس تھے۔

''کانجوکا اس سوراخ کے اندر ہے لیکن اس کو جیسے ہی خطرے کا احساس ہوگا' وہ یہ جگہ چھوڑ دے گی۔'' بلام نے اس سوراخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے بلام کو واپس خشکی پر چلنے کا اشارہ دیا' خشکی پر پہنچنے کے بعد میں نے بلام کو ایک بڑا چمڑے کا تھیلا لانے کے لیے کہا۔ کچھ ہی دیر میں بلام نے ایک مضبوط تھیلا لاکر میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''بلام یہ چمڑے کا تھیلا میں اس سوراخ کے باہر اس طرح رکھوں گا کہ جیسے ہی کانجوکا اس چٹان کے سوراخ سے باہر آئے تو سیدھی اس تھیلے میں آئے۔ پھر جیسے ہی ایک دفعہ اس تھیلے میں داخل ہوجائے گی۔ میں تھیلے کا منہ بند کردوں گا۔'' سب باتیں بتاتے ہوئے میں نے بلام کو پھر سے سمندر میں جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر کے بعد میں تھیلا سوراخ کے پاس اس طرح لئے کھڑا تھا' کہ کانجوکا کو بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔ میرے اشارے کے منتظر بلام نے کانجوکا کو جیسے ہی سوراخ سے نکالنے کی کوشش کی' ایسا لگا جیسے بلی تھیلے میں آگئی ہو' میں نے بھی پوری پھرتی سے تھیلے کا منہ بند کردیا' اور بلام کو واپسی کا اشارہ کیا' میں نے بلام کے کہنے پر آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ ایسا لگا جیسے سمندر میں جنگ چھڑ گئی ہو' کچھ لمحوں کے بعد بلام بولا۔ ''خاور تم آنکھیں کھول سکتے ہو۔''

میں نے جب آنکھیں کھول کر دیکھا تو اب سردار یاشان کے غار کے باہر کھڑے تھے' بلام کے چہرے پر جگہ جگہ خراشوں کے نشان تھے۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ سمندر میں قبیلہ شرر کے جنات نے حملہ کردیا تھا۔

''اگر سردار یاشان کے ساتھیوں کو ایک پل کی بھی دیر ہوجاتی' تو وہ مجھے ہلاک کرکے تمہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ اب بھی سمندر میں جنگ جاری ہے' ایسا لگ رہا ہے کہ پورے قبیلہ شرر نے حملہ کردیا ہو' مجھے سردار یاشان کو اطلاع دینی ہے۔'' بلام زور زور سے بولتا ہوا اچانک غائب ہوگیا۔

تھیلا اب بھی میرے ہاتھ میں تھا' میں نے اس کو کھولنے کی کوشش نہیں کی' کیونکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ کانجوکا خشکی پر بھی تیز رفتار ہے یا نہیں۔ پھر آدھے گھنٹے کے بعد سردار یاشان بلام کے ساتھ نظر آیا۔

''سردار تمہارے ساتھی ٹھیک تو ہیں۔'' میں نے سردار یاشان کو دیکھتے ہی بے چین ہوکر پوچھا۔

''ہاں ہم مدد لے کر بروقت پہنچ گئے تھے' جس کی وجہ سے قبیلہ شرر کے جنات سمندر سے فرار ہوگئے اور پھر سمندر سے نکل کر وہ نظروں سے بھی غائب ہوگئے۔'' سردار یاشان نے غار میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''سردار طرم نے بولا تھا کہ اگر میرے خون کی چند بوندیں قبیلہ شرر کی سرحد پر گرادی جائیں تو وہ قبیلہ نظر آسکتا ہے۔ اے سردار میں ہر طرح کے حالات کے لیے تیار ہوں بس اب تم میری رہنمائی کرو تاکہ میں قبیلہ شرر کے سردار کو موت سے ہمکنار کرکے اپنے دوست کی بھیانک موت کا انتقام لے سکوں۔ ویسے بھی اب میرا کوئی خاندان نہیں ہے۔ میں اگر اب زندہ ہوں تو صرف اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے زندہ ہوں۔ میرا انتقام میرے خون کو گرما رہا ہے' میرا مقصد اب زندگی نہیں ہے بلکہ اپنے دشمنوں کی موت ہے۔ سردار یاشان جس دن میں اپنے دشمنوں کی ارواح کو ان کے اجسام کی قید سے بے دخل کردوں گا تو اس دن میں بھی موت کو اپنے گلے سے لگا کر اس ختم ہوجانے والی دنیا سے اپنے پیاروں کے پاس چلا جاؤں گا' لیکن اس سے پہلے نہ ہی موت مجھے اپنا شکار کرسکتی ہے اور نہ ہی میرے دشمن مجھ پر قابو پاسکتے ہیں۔ اپنے دشمنوں کے خاتمے کے لیے مجھے راہنمائی کی ضرورت ہے تو اے سردار تو مجھے مایوس مت کر اور قبیلہ شرر کی سرحد تک میرا رہبر بن جا۔'' میرا لہجہ میرے جذبات کی عکاسی کررہا تھا۔

میرے چہرہ انتقام کی حدت کی وجہ سے سرخ ہورہا تھا۔ مجھے انتقام چاہیے تھا۔ میری روح میرے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہونے کے بعد اپنے پیاروں سے ملنے اور اس دنیا سے جانے کے لیے بے چین تھی۔ میں بھول چکا تھا کہ میرا دشمن ایک جن زاد ہے جس کی طاقت کے سامنے ٹھہرنا ایک انسان کے بس کی بات نہیں ہے مگر میری ہمت بلند تھی اور میرے ارادوں میں چٹانوں جیسی مضبوطی تھی۔

''خاور چوہان میں مانتا ہوں کہ اللہ نے انسان کو جنات سے زیادہ عقل سے نوازا ہے پر میرے دوست تم میں ابھی پختگی کی کمی ہے' تمہیں ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے۔ اس لیے قبیلہ شرر کے سردار کو ختم کرنے کے لیے تمہیں کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا' تمہاری طرح میں بھی قبیلہ شرر کا خاتمہ چاہتا ہوں کیونکہ وہ قبیلہ شیطان کا پجاری بن چکا ہے۔ اس کا کاہن شیطان کا چیلا ہے اور وہ قبیلہ باقی جنات کی بستیوں کو بھی بھٹکانے کی پوری کوشش میں مصروف ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں یاشان اپنے دوست خاور چوہان کو کچھ عرصہ رک جانے کی درخواست کرتا ہوں۔ اس عرصے میں تمہیں کچھ مراحل سے گزرنا پڑے گا' ریاضت کرنی پڑے گی' تاکہ تم کندن بن جاؤ۔ پھر قبیلہ شرر کے شیطان بھی تمہارے سامنے آنے سے پہلے سوچیں گے۔'' سردار یاشان نے میرے قریب آکر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''سردار میں ہر مرحلے سے گزرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم میری راہنمائی کرو' ہر امتحان میں تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے' خاور چوہان کو تمہاری رہبری کی ضرورت ہے' بس اے سردار اب زیادہ دیر مت کرو اور مجھے بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' میں نے سردار یاشان کا ہاتھ تھام لیا اور سردار کی آنکھوں میں دیکھتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا۔

"خاور تمہاری منزل زیادہ دور نہیں مگر تمہیں اپنی منزل کو پانے کے لیے اپنے نفس کو اپنا غلام بنانا ہوگا' تمہارا نفس تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اگر تم نے اپنے نفس پر قابو پا لیا تو سمجھ لو کہ تم اپنی منزل کی تمام رکاوٹیں پار کر لو گے۔ یہ تمہارا نفس ہے جو تمہیں انتقام کی راہ پر لے کر جا رہا ہے مگر میرے دوست انتقام کی بجائے اگر تم ظلم کو ختم کرنے کی نیت رکھو گے تو تمہاری اس جدوجہد میں تمہیں اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائے گی' پر انتقام ایک ایسا جذبہ ہے جو تمہارے قدم غلط سمت میں بھی لے جا سکتا ہے اور تم انتقام کی راہ میں ایسے قدم بھی اٹھا سکتے ہو جو تمہیں تمہارے انسان ہونے کی بلندیوں سے گرا کر جانوروں کی طرح پستیوں میں دھکیل سکتے ہیں۔ اس لیے میرے دوست تم اب مجھے چونکہ بہت عزیز ہو چکے ہو' اس لیے میں نہیں چاہتا کہ تم ایک بلند ارادہ انسان بننے کی بجائے پستیوں کا شکار ہو جاؤ' اس لیے میں جو کہہ رہا ہوں اس کو پوری توجہ سے سنو اور اس پر عمل کرو' اس پر عمل کرنے سے تم اپنے دشمنوں سے جب لڑو گے تو تمہاری روح بھی پرسکون رہے گی۔" سردار یاشان کی نصیحت میں ایک باپ کی شفقت جھلک رہی تھی۔

مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میں ابھی ابھی پیدا ہوا ہوں اور سردار یاشان کے علاوہ کائنات کی کسی چیز میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میرا دماغ مجھے سردار یاشان کی باتوں پر عمل پیرا ہونے کا مشورہ دے رہا تھا' لیکن میرا نفس مجھے انتقام کی راہ پر چلنے کے لیے ہر اچھا برا کام کرنے پر اکسا رہا تھا۔ آخرکار میں نے سردار یاشان کی باتوں پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا' اور اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

بلام چپ چاپ بیٹھا ہم دونوں کی باتیں سن رہا تھا' میرے اقرار پر بلام نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔

"بلام میں نے تم سے تمہارا جسم حاصل کرنے کا جو وعدہ کیا ہے اس کا آغاز کانجوکا کو پکڑنے کے ساتھ کر چکا ہوں' اب وہ وقت بھی دور نہیں ہے جب قبیلہ شرر کے سردار کو مار کر اس کی راکھ بھی تمہیں تحفے کے طور پر دوں گا' تاکہ تم اپنی اصل حالت میں آسکو' اب اس کانجوکا کی ذمہ داری تمہاری ہے۔" میں نے کانجوکا کا تھیلا بلام کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"خاور میں تمہاری ہر بات پر آنکھ بند کر کے یقین کر سکتا ہوں' تمہارے ہر امتحان اور ہر آزمائش میں تمہارے ساتھ تمہارے سائے کی طرح رہوں گا۔" بلام نے اپنا عزم ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بلام تم فی الحال خاور چوہان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے' فولاد بننے کے لیے جن آزمائشوں سے گزرنا ہوگا' ان کی تکمیل تمہارے لیے ایسے ہی ہوگی جیسے جلتی ہوئی آگ کو پار کرنا۔ اس لیے میں تمہیں خاور چوہان کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دے سکتا' اور ویسے بھی تمہارا ساتھ خاور چوہان کے لیے مشکلات کا پہاڑ بنا دے گا۔" سردار یاشان نے بلام کو سمجھاتے ہوئے مجھے بھی آزمائش کی مشکلات سے آگاہ کیا۔

"سردار اب تم میرے صبر کا امتحان مت لو اور اپنی نیک خواہشات اور دعاؤں کے ساتھ مجھے میری امتحان گاہ بتاؤ تاکہ جلد سے جلد سرخرو ہو کر تمہارے سامنے آسکوں۔" میں نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

سردار یاشان میرے انداز پر مسکرا دیا اور غار کے بیرونی رستے پر چلتے ہوئے بلام کو آرام کرنے کا بول کر مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ بلام نے مجھے گلے لگا کر ہر آزمائش میں کامیاب ہونے کی دعا دیتے ہوئے رخصت کیا۔ اب میں سردار یاشان کے قدموں پر اپنا ہر قدم رکھتا ہوا' آزمائش کی منزل کی طرف چل رہا تھا' جہاں سے مجھے اپنے نفس کو غلام بنا کر واپس لانا تھا۔ مجھے اپنے قوی ارادوں پر بھروسا تھا' کہ میں اپنے ہر امتحان میں کامیاب لوٹوں گا لیکن اصل دشواریوں کا اندازہ تو مجھے امتحان گاہ میں پہنچنے کے بعد ہوا تھا' خیر چلتے چلتے ہم دونوں ایک ویران حصے میں پہنچ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خاور یہ تمہاری پہلی درسگاہ ہے جہاں تم اپنے نفس کو قابو پاؤ گے' ایک جاندار اس وقت سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جب وہ بھوک کی حالت میں ہو' نفس سب سے زیادہ اثر انداز انسان پر بھوک کی حالت میں ہوتا ہے' یہ بھوک ہی ہوتی جو انسان کو حیوان بننے پر مجبور کر دیتی ہے' اس لیے اب تمہیں اپنی بھوک پر قابو پا کر نفس کو غلام بنانا ہے' تمہیں نفس کو یہ باور کرانا ہے کہ تم بھوکے پیاسے رہ کر بھی پستیوں کو نہیں اپناؤ گے۔ اب سے اگلے چالیس دن تک تمہیں صبح سے لے کر رات تک عبادت کرنی ہے' تمہارا نفس تمہیں کھانے کے لیے اور سونے کے لیے بار بار اکسائے گا' لیکن یہ چالیس دن تمہیں صرف اور صرف عبادت کرتے ہوئے جاگ کر گزارنے ہیں۔ تمہارے سامنے مختلف انواع کے کھانوں کے طشت آئیں گے' لیکن وہ صرف نظروں کا دھوکہ ہوگا' قبیلہ شرر کے جنات بھی تمہیں تنگ کریں گے' تمہارے عمل کو روکنے کے لیے تمہیں ہر طرح سے پریشان کیا جائے گا' اگر اس دوران تم نے کچھ کھا لیا تو قبیلہ شرر کے جنات تم پر قابو پا لیں گے لیکن اگر تم ثابت قدم رہے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب جو میں کہہ رہا ہوں اس کو غور سے سنو' ایک مسلمان ہونے کے ناطے تمہیں اپنی مقدس کتاب کی چند آیات کا مسلسل ورد کرنا ہے' جب اذان کا وقت ہوگا' تمہیں اس ویران حصے میں پوری قوت سے اذان دے کر اپنے مالک کے سامنے جھکنا ہے۔" سردار یاشان نے ایک درخت کے نیچے رکتے ہوئے کہا۔

"محترم یاشان مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی مقدس کتاب نہیں پڑھ سکتا اور نہ ہی مجھے اپنے مالک کے سامنے جھکنے کا طریقہ معلوم ہے' میری زندگی جن الجھنوں کا شکار رہی ہے اس میں اپنے مالکوں کی وفاداری کے علاوہ کچھ نہیں سیکھ پایا۔" میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

سردار یاشان نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مجھے اپنی آنکھوں میں دیکھنے کے لیے کہا۔

میری نظریں جیسے ہی سردار یاشان کی نظروں سے ٹکرائیں ایسا لگا جیسے وقت ساکت ہو گیا ہو' میرا پورا جسم میرے اختیار میں نہ رہا' میں اپنی پلکیں تک نہ بند کر سکتا تھا۔ اور پھر سردار یاشان کی آنکھیں پھیلنی شروع ہو گئیں' اس کی آنکھوں کی سرخی تیز ہوتی جا رہی تھی' کچھ ہی دیر میں اس کی آنکھوں کی سرخی میرے جسم پر آگ کی جیسی حدت کی طرح اثر انداز ہونے لگی' میرا پورا جسم جل رہا تھا' میں چیخنا چاہتا تھا' آنکھیں بند کرنا چاہتا تھا' مگر کچھ نہ کر سکا' میرا جسم پر میرے قابو میں نہیں رہا تھا۔ میں ساکت کھڑا سردار یاشان کی نظروں میں کھویا رہا۔

"تمہارا دماغ مقدس کتاب کو پڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔" میرے دماغ میں سردار کی آواز گونجنے لگی' پر سردار یاشان کے ہونٹ ساکت تھے' میرے دماغ میں سردار یاشان کی آواز ایک استاد کی طرح گونج رہی تھی' جو مجھے مذہب کی ہر وہ بات سکھا رہی تھی جس سے میں واقف نہ تھا۔ آنے والے وقت میں مجھے جو عبادت کرنی تھی اس کا طریقہ بھی میرا دماغ سمجھ چکا تھا' آخر سردار یاشان کی آواز اپنا علم میرے دماغ میں منتقل کرنے کے بعد خاموش ہو گئی۔

میرا دماغ بری طرح چکرا رہا تھا' ایسے لگ رہا تھا جیسے میرے دماغ میں آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا ہو' پھر میں اپنے ہوش کھو بیٹھا۔ جب ہوش آیا تو اندھیرا پھیل رہا تھا' اور سردار یاشان جا چکا تھا' مگر اب میرے دماغ کو ہدایات مل چکی تھیں کہ اپنا عمل کس طرح شروع کرنا ہے' میں نے وضو کرنے کے لیے پانی کی تلاش شروع کر دی' آخر ایک جگہ پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب نظر آ گیا' میں نے جوتے اتارے اور وضو کر کے ایک جگہ کا انتخاب کیا اور نفل نماز کا ارادہ کر کے نماز شروع کر دی' ایسا سکون محسوس ہو رہا تھا' کہ بیان سے باہر ہے' میں بہت دیر تک سجدے میں پڑا روتا رہا' آج اتنے دنوں بعد مجھے اپنا اصل پتہ چلا تھا۔ جب رو رو کر دل کا غبار نکل گیا تو میں نے مقدس کلمات کا ورد شروع کر دیا' میرے دل کی دنیا بدل چکی تھی' میں سب کچھ بھول کر

صرف اپنے حقیقی مالک کو یاد کرتا رہتا تھا' شروع میں نیند کی وجہ سے کافی پریشانی ہوئی' کھانا پینا چھوڑنے سے چکر بھی آتے تھے' مگر میں سب کچھ بھولے صرف اپنا عمل کرتا رہا' جب نماز کا وقت ہو جاتا تو بلند آواز اذان دے کر نماز ادا کرتا اور پھر مقدس کلمات کا ورد شروع کر دیتا' کتنے دن اور راتیں گزر گئیں مگر میرے عمل میں فرق نہیں آیا' اب مجھے کھانے اور سونے کا بھی ہوش نہیں تھا' بس اپنے عمل کو دہراتا رہتا تھا' دن رات ایک دوسرے کو پکڑنے کے لیے آتے اور جاتے رہے' لیکن اس دوران نہ تو قبیلہ شرر کے جنات سے واسطہ پڑا اور نہ ہی کوئی اور واقع ہوا۔ ایک ایک کر کے تیس دن گزر چکے تھے' اس رات بھی نماز کے بعد مقدس کلمات کا ورد کر رہا تھا' کہ کہیں سے بھنے ہوئے گوشت کی لذیز خوشبو آنی شروع ہو گئی' کھانے کی خوشبو سے میری بھوک جو اتنے دنوں سے ختم ہو چکی تھی' ایک دم جاگ اٹھی' میں نے اس سے بچنے کے لیے اپنی ناک بند کر لی۔

کوئی سرگوشی کر رہا تھا' خاور چوہان تم کتنے دنوں سے بھوکے پیاسے ہو' آؤ کچھ کھا لو' پھر عبادت کر لینا' سرگوشی کی آواز بلند اور کھانے کی خوشبو تیز ہوتی جا رہی تھی' میں نے اپنی آنکھیں بند کر کے اونچی آواز میں مقدس کلمات کا ورد کرنے لگا' سرگوشی اور خوشبو ایک دم سے ختم ہو گئی' میں نے شکر ادا کیا' پھر سے ورد میں مصروف ہو گیا۔

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی' کہ مجھے جبران ملک کی آواز سنائی دی' اس کی آواز میں خوشی جھلک رہی تھی' وہ اپنے ملازموں کو اتنے عرصے بعد کالے ہرن کے شکار پر شاباشی دے رہا تھا' اور اس کو جلد بھوننے کی تیاری کا حکم دے رہا تھا' جبران ملک کو اپنے سامنے دیکھ کر میرا انتقام جاگ اٹھا اور میں سب کچھ بھول کر جبران ملک کی طرف دوڑ پڑا' میں نے قریب پہنچتے ساتھ ہی جبران ملک کے منہ پر زوردار مکہ مار دیا' میرا حملہ اتنا اچانک تھا' کہ نہ تو جبران ملک اپنے آپ کو بچا سکا اور نہ ہی اس کے ملازم مجھے پکڑ سکے۔ میں نے زمین پر گرے جبران ملک کے منہ پر مکوں کی بارش کر دی۔ اس دوران جبران ملک کے ملازموں نے مجھے کندھوں سے پکڑ کر گرا دیا اور مجھے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ جبران ملک اٹھ کر میری طرف آیا' اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا' اس نے اپنے ملازموں کو مجھے چھوڑنے کے لیے کہا' اور خود اپنے دونوں ہاتھ میرے سامنے جوڑ کر رو پڑا' جبران ملک کا رویہ بہت عجیب تھا یہ شخص کسی سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا تھا لیکن اب میرے سامنے کھڑا ہاتھ جوڑے رو رہا تھا' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔

"خاور چوہان میں تمہارا گناہ گار ہوں تمہیں حق حاصل ہے کہ تم مجھے مارو' میں کوئی شکایت نہیں کروں' تمہارے ہاتھوں مرنے کی آرزو لیے میں اب زندہ ہوں' تم ایک بہادر انسان ہو' میں تم سے معافی نہیں مانگوں گا' کیونکہ جو کام میں نے کیا اس کی معافی نہیں ہو سکتی' بس اب تم مجھے اپنے ہاتھوں سے موت دے دو' تاکہ میرے گناہوں کا بوجھ کم ہو جائے۔" جبران ملک کا لہجہ آنسوؤں میں ڈوبا ہوا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ میرا دماغ مجھے سمجھا رہا تھا' معاف کر دینے سے نفس تمہارا غلام بن جائے گا' پچھلے کئی دنوں کی عبادت اور محنت اس وقت نفس کو ابھرنے نہیں دے رہیں تھیں۔ آخر میں نے جبران ملک سے کہا۔

"جبران اگر تمہیں احساس ہو چکا ہے تو اب سے میری تمہاری دشمنی ختم ہو گئی ہے' میں تمہیں کھلے دل سے معاف کرتا ہوں۔" جبران ملک کا یہ روپ دیکھ کر اب میری انسانیت اس کے ساتھ مزید دشمنی پسند نہیں کر رہی تھی' اس لیے جبران ملک اپنے سب سے بڑے دشمن کو معاف کر کے گلے لگا لیا۔

"خاور آج تمہارے ساتھ دوستی کے جشن میں اس کالے ہرن کے گوشت سے تمہاری دعوت ہو گی۔" جبران ملک نے اپنے ملازموں کو جلد سے جلد ہرن بھون کر لانے کا کہا۔

سردار یاشان کی سمجھائی سب باتیں بھول چکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا' مجھے کھانے اور سونے پر قابو رکھنا تھا' مگر اس وقت حالات ہی ایسے ہوگئے تھے' کہ میں سب کچھ بھول گیا تھا کہ اگر کچھ کھالیا تو قبیلہ شرر کے جنات مجھ پر قابو پالیں گے۔ میں بھول چکا تھا' کہ اس ویران جگہ پر میں اپنا نفس قابو کرنے آیا ہوں' جبران ملک کو اچانک سامنے دیکھ کر اور اس کا رویہ دیکھ کر میں سوچ بھی نہ سکا' کہ جبران ملک اچانک یہاں کیسے آگیا' وہ تو میلوں دور اپنے ملک میں تھا۔ میں تباہی کے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا' اتنی دیر میں ایک ملازم نے کھانا لگ جانے کی اطلاع دی' اب بھوک سے میرا بھی برا حال ہو رہا تھا' اس لیے بغیر کسی حجت کے کھانے کے لیے چل پڑا۔ ملازموں نے گوشت کو ایک بڑی طشتری میں ڈال کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔

''میرے دوست شروع ہو جاؤ۔'' جبران ملک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے گوشت کا بڑا حصہ کاٹ کر ابھی اپنے سامنے رکھا ہی تھا' کہ اچانک بلام نے ظاہر ہو کر وہ گوشت کا ٹکڑا پھینک دیا۔

''خاور سنبھل جاؤ' یہ تمہارا دشمن جبران ملک نہیں بلکہ قبیلہ شرر کے جنات ہیں' جو تمہارے دشمن کی صورت میں تمہارے سامنے ہیں۔'' بلام نے چیختے ہوئے کہا۔

میں ایک دم سے ہوش میں آگیا' مگر اب میرا دوست بلام قبیلہ شرر کے جنات کی گرفت میں تھا' بلام کا ننھا جسم بری طرح جھلسا ہوا تھا' میں نے بلام کی طرف چھلانگ لگائی تاکہ اس کو گرفت سے چھڑا سکوں مگر اگلے ہی پل وہاں سوائے میرے کوئی بھی نہ تھا۔ پھر سے وہی ویرانہ تھا۔ مجھے اپنے اوپر غصہ آرہا تھا کہ مجھے بچانے کے لیے اور میری غلطی کی وجہ سے میرا وفادار دوست بلام قبیلہ شرر کی قید میں چلا گیا لیکن میں بے بس تھا' کچھ نہ کر سکتا تھا' بھوک بھی ایک دم مٹ گئی' اس لیے واپس اپنی جگہ جا کر پھر سے مقدس کلمات کا ورد شروع کر دیا' پھر سے دن اور رات آپس میں آنکھ مچولی کھیلتے رہے' میں ایک بار پھر سب کچھ بھلا کر مقدس کلمات کی کشش میں محو ہو چکا تھا' مجھے یاد نہیں کہ وہ میرا کونسا دن تھا کہ کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی' آواز کی سمت دیکھا تو میرا دوست بلام اپنا ننھا جسم لے کر میری طرف تیزی سے آرہا تھا۔

☆☆

''خاور چوہان تمہارا غلام قبیلہ شرر کی قید سے آزاد ہو کر تمہاری طرف آگیا ہے۔'' بلام نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

''میرے دوست تمہیں مبارک ہو کہ تم نے اپنا پہلا امتحان مکمل کر لیا ہے' اب تم میرے ساتھ واپس قبیلہ یاشان جا سکتے ہو' مگر جانے سے پہلے یہ پھل کھالو' اس سے تمہارے بدن کو طاقت ملے گی۔'' بلام نے کچھ پھل میری طرف کرتے ہوئے کہا۔

میں ایک دفعہ دھوکا کھا چکا تھا مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ ننھا جسم میرے دوست بلام کا ہے یا پھر قبیلہ شرر کے کسی سرکش کا ہے' میں نے آزمانے کے لیے بلام کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا تم کانجوکا کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے ہو' تم نے کہا تھا کہ میرے عمل کے دوران تم کانجوکا کو حاصل کر لو گے۔'' میں نے اندھیرے میں تیر چھوڑتے ہوئے کہا۔

''ارے ہاں خاور چوہان میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا' کہ کانجوکا کو ابھی تک نہیں پکڑ سکا کیونکہ قبیلہ شرر کی قید میں آگیا تھا۔'' بلام نے سوچ سوچ کر کہا۔

بلام کے جواب سے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ بلام نہیں ہے' لیکن یہ بات میں نے اس پر ظاہر نہیں ہونے دی' کہ اس کی اصلیت کا علم ہو چکا ہے' میں نے دل ہی دل میں مقدس کلمات کا ورد شروع کر دیا' میرے کلمات پڑھتے ہی بلام کی حالت خراب ہونی شروع ہو گئی' میں بلام کے روپ میں اس سرکش کو بھاگنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لیے زمین سے مٹی اٹھا کر اس پر پھونک مار کر بلام کے جسم پر پھینک دی۔ یہ سب پلک جھپکتے میں ہی ہو گیا' اور بلام کے روپ میں موجود قبیلہ شرر کے

شیطان کو بھاگنے کا بھی موقع نہ ملا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شیطان جن اپنی اصل شکل میں آگیا' اس کا قد کم سے کم بھی سولہ فٹ کے قریب تھا' اور پورے جسم پر ریچھ کی طرح کے بال تھے' مگر اب وہ بری طرح چلا رہا تھا' اس کے لمبے کالے بال جلنا شروع ہو گئے' ہر طرف بال اور کھال جلنے کی بدبو پھیل گئی' بدبو جب ناقابل برداشت ہو گئی تو میں نے اپنی ناک دو انگلیوں میں پکڑ کر سانس روک لیا' کچھ ہی دیر میں وہاں صرف راکھ رہ گئی تھی۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا' کہ شیطان کے دوسرے حملے سے بھی بچالیا گیا ہوں۔

پھر آنے والی ہر رات کوئی نہ کوئی نیا تماشہ نظر آتا' طرح طرح کے کھانوں کے تھال میرے سامنے آتے مگر اپنے دوست کی قربانی مجھے کھانے سے روکتی' چالیس دن اب چالیس صدیاں بن چکے تھے جو گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے' میں اب زیادہ وقت آنکھیں بند کر کے مقدس کلمات کا ورد کرتا رہتا تھا' اردگرد کے سب تماشوں کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا' اور کانوں میں نرم پتے اکٹھے کر کے ڈال دیئے تھے تاکہ میرے کان آوازوں سے محفوظ رہیں' اس دن بھی صبح کی نماز پڑھ کر مقدس کلمات کے ورد میں مصروف ہو گیا تھا' نجانے کتنا وقت گزر گیا تھا' کہ ایک دم میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ گئے اور میں ایک دفعہ پھر بے ہوش ہو گیا۔

جب ہوش آیا تو میں قبیلہ یاشان کے سردار یاشان کے غار میں موجود تھا' اور میرے نزدیک ہی سردار یاشان دوزانو بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے پانی کا پیالہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان تم میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔ تم اپنے پہلے امتحان میں کامیاب ہو گئے ہو۔ اب کھڑے ہو کر یہ مقدس پانی زم زم پی لو تمہاری ساری توانائی بحال ہو جائے گی۔ اب تم سیکھ چکے ہو کہ خالی پیٹ بھی نفس کو کیسے شکست دی جا سکتی ہے۔'' سردار یاشان کی آواز میری کامیابی پر مسرور تھی۔

''سردار کیا میں اپنے امتحان میں کامیاب ہو گیا ہوں۔'' میں نے بے یقینی کی کیفیت کے ساتھ پوچھا۔

میرے ذہن کو اور بھی بہت سے سوالات الجھا رہے تھے۔

''سردار میں تو بے ہوش ہو چکا تھا مجھے واپس کون لے کر آیا ہے' میرے دوست بلام کا کیا بنا اس کو قبیلہ شرر کے جنات نے قابو کر لیا تھا۔'' میں اور بھی بہت سے سوالات کرنا چاہتا تھا۔

لیکن سردار یاشان نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے مقدس پانی کو پینے کا اشارہ کیا۔ میں نے مقدس پانی کا پیالہ اپنی طرف بڑھایا اور سردار یاشان کی ہدایت کے مطابق اس کو کھڑے ہو کر پی لیا' پانی پینے کے ساتھ ہی ایسا محسوس ہوا جیسے میری تمام توانائی پھر سے بحال ہو گئی ہو۔

''سردار مجھے پہلے بتاؤ کہ میرے دوست بلام کی رہائی کی کیا صورت ہے اور مجھے بے ہوشی کے دوران یہاں کون لے کر آیا ہے۔'' میں نے پانی کا پیالہ زمین پر رکھنے کے بعد پھر سے اپنے سوالات دہرائے۔

''خاور چوہان جہاں تک تم کو واپس لانے کی بات ہے تو مجھے معلوم تھا کہ آج تمہارے عمل کا آخری دن ہے' اس لیے میں تمہارے نزدیک ہی موجود تھا۔ تم نے اپنی تمام طاقت عمل کو کامیاب کرنے میں صرف کر دی تھی' اس وجہ سے عمل کے ختم ہوتے ہی تم بے ہوش ہو گئے' قبیلہ شرر کے جنات بھی تمہارے قریب ہی موجود تھے' عمل کے ختم ہوتے ہی وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ لیکن عین وقت پر میں تمہیں لے کر ادھر سے غائب ہو کر اپنے علاقے میں پہنچ گیا۔ اور اب رہی بات بلام کی تو اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس حالت میں ہو گا۔ کیونکہ اس نے تمہیں قبیلہ شرر کے جنات کی سازش سے بچانے کے لیے ایک لحاظ سے اپنی جان کی قربانی دی تھی' کیونکہ جیسا کہ میں تمہاری روانگی کے وقت بلام کو بتا چکا تھا' کہ وہ تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کو دہکتی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگ سے گزرنا پڑتا تھا۔ مگر جب اس نے تمہیں سازش کا شکار ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اس سے رہا نہ گیا' اور اس سے پہلے کہ میں اس کو روک پاتا' اس نے تمہارے عمل کی سب سے بنیادی شرط کی بھی پروا نہ کی کہ اگر کوئی بھی جن زادہ یا انسان زادہ تمہارے عمل کے دوران تمہاری مدد کرنا چاہے تو اس کو عمل کے نتیجے میں بھڑکنے والی آگ سے گزرنا پڑے گا اور وہ آگ اتنی طاقتور تھی کہ جاندار کو جلا کر فوری طور پر راکھ کر دے لیکن بلام نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے بجلی کی تیزی سے آگ کو پار کر لیا۔ اس لیے تم نے دیکھا ہوگا کہ وہ بری طرح جھلسا ہوا تھا۔ تمہیں سازش کا شکار ہونے سے تو بلام نے بچا لیا لیکن انتہائی زخمی ہونے کی وجہ سے وہ واپس نہ بھاگ سکا اور قبیلہ شرر کی قید میں چلا گیا۔ بلام کو علاج کی بہت سخت ضرورت تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر اس کا علاج نہ ہوا ہو تو وہ مر بھی سکتا ہے۔ اور قوی امکان اسی بات کا ہے کیونکہ قبیلہ شرر والے ویسے بھی اس کے دشمن ہیں' تو اس کا علاج تو وہ نہیں کریں گے۔ میں نے بہت کوشش کی ہے کہ بلام کے بارے میں کوئی اطلاع مل جائے تاکہ اگر وہ زندہ ہے تو اس کی رہائی کے لیے کوشش کی جا سکے مگر اس کے بارے میں کوئی بھی اطلاع نہیں مل سکی۔ کیونکہ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ قبیلہ شرر والے نظر نہیں آ رہے۔ بہرحال اب تم چونکہ اپنے عمل میں کامیاب ہو چکے ہو' اس لیے میں تمہیں اگلے عمل کی طرف بڑھنے کے لیے راہنمائی کرتا ہوں اور اس بات کا یقین کر لو اگر تم اس عمل میں بھی کامیاب ہو گئے تو تم اپنے باقی عمل بھی بخوبی پورے کر لو گے' یہ عمل چونکہ صرف تین راتوں کا ہے اس لیے آج رات تم آرام کرو' تاکہ کل رات سے تم اپنا عمل شروع کر سکو۔'' سردار یاشان نے تمام تفصیل بتانے کے بعد مجھے آرام کا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''سردار میرا دوست مجھے معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا نہیں' وہ دوست جس نے مجھے بچانے کے لیے اپنی جان کی بھی فکر نہ کی' سردار لیکن میں اپنے اللہ سے پرامید ہوں کہ میرا دوست زندہ ہوگا' اور اگر قبیلہ شرر کے جنات نے بلام کو مار دیا ہوا تو سردار یاشان تم گواہ رہنا قبیلہ شرر کے ایک ایک جن کو مرنا ہوگا' میں ان کو عبرت ناک موت دوں گا' تو سردار اب جب کہ مجھے اپنے دوست کی رہائی کے لیے قبیلہ شرر کے جنات سے ٹکرانا ہے تو میرے اوپر اس وقت تک آرام کرنا حرام ہے جب تک میں اپنے دوست کو رہا نہیں کرا لیتا یا پھر اگر وہ زندہ نہیں ہے تو اس کا انتقام نہیں لے لیتا' اس لیے سردار اب تم مجھے میرے اگلے عمل کے بارے میں بتاؤ تاکہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنے دوست کے لیے بھی کوشش کر سکوں۔'' میں نے دو ٹوک الفاظ میں سردار یاشان کی آرام کرنے والی تجویز کو رد کرتے ہوئے کہا۔

☆☆

''ٹھیک ہے خاور چوہان اگر تم فیصلہ کر چکے ہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا' بس اب تم رات ہونے تک عبادت کرو' رات کے دوسرے پہر تمہارا عمل کرنے کا وقت شروع ہوگا تو تمہیں لینے آ جاؤں گا' اس دوران اگر تمہیں بھوک محسوس ہو تو تالی بجا دینا تمہاری خدمت پر مامور جن تمہاری ضرورت پوری کر دے گا۔ اب رات کے دوسرے پہر کے شروع ہونے سے پہلے ملتے ہیں۔'' سردار یاشان نے اپنی بات ختم کی اور غائب ہو گیا۔

اب آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا' کہ اب اگلا عمل کیا ہوگا' اور پہلے عمل کے دوران مجھ سے جو غلطیاں ہوئی تھیں ان سے کیسے بچنا ہے۔ میں وضو کر کے پھر سے عبادت میں مشغول ہو گیا' اس دوران اپنی خدمت پر مامور جن کو بلا کر اس سے سادہ غذا طلب کر کے اپنی فطری ضرورت کو بھی پورا کر لیا تھا۔ میں اپنی عبادت میں اتنا مشغول ہو گیا تھا' کہ وقت گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا' رات کے دوسرے پہر سے کچھ پہلے سردار یاشان کی آمد ہوئی اور وہ مجھے لے کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔

''خاور چوہان تم اپنے عمل میں باعمل بننے کے لیے تیار ہو جاؤ' آج رات تمہیں اپنے دماغ کی طاقت کو ابھارنا ہے' دماغ کے بہت سے حصے ہیں' انسان عام طور

پر دماغ کے ایک حصے کو بھی پوری طرح عمل میں نہیں لا سکتا اور دنیا میں بہت کم ایسے لوگ گزرے ہیں جنھوں نے اپنے دماغ کی پوری طاقت کو اپنے طابع کیا ہو۔ مگر جن لوگوں نے دماغ کی پوری نہ سہی آدھی سے بھی کم طاقت کو اپنے قابو میں کر لیا تھا' ان کے حیرت انگیز کارناموں سے دنیا دنگ رہ گئی ہے۔ یہ دماغ اللہ کا تحفہ ہے انسان کے لیے' کیونکہ اسی دماغ کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کہلوایا ہے۔ انسان کا دماغ باقی سب جانداروں سے زیادہ طاقتور ہے۔ اور اب تم نے اپنے دماغ پر قابو پانا ہے۔ یہ کام ہے تو بہت مشکل اور اس میں وقت بھی بہت درکار ہے مگر ہمت' توجہ اور لگن سے اس کام کو بہت جلد اور آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اب سے تین دن تک تم نے اپنے دماغ کو اس طرح مخاطب کرنا ہے کہ تمہاری ہر آواز تمہارے دماغ کو تمہاری قوت ارادی کا اثر دے۔ تم نے اپنے دماغ کے ان حصوں کو جگانا ہے جن کی طاقت کے زیر اثر تمام باطنی طاقتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس بات کی وضاحت ایک مثال کے ساتھ یوں سمجھو کہ جب ایک عام ذہنی طاقت کا انسان رات کو سوتے میں اپنے دماغ کو ہدایات دیتا ہے کہ مجھے صبح فلاں وقت پر اٹھا دے تو دماغ یہ ہدایات فوری طور پر محفوظ کر لیتا ہے' اور اگر ہدایات دینے والے انسان کا لہجہ اس کے ارادے کی مضبوطی کو نمایاں کر دے تو دماغ ہدایات کے زیر اثر وہ کام اسی وقت انجام دے گا' جس وقت کے لیے دماغ کو حکم دیا جائے گا' اب یہ تو ہو گیا ایک عام انسان کی قوت ارادی اور اس کے مطابق دماغ کا کام' مگر خاور چوہان اب تم خود سوچو' جو قوت تم اب سے تین دن تک ریاضت کر کے حاصل کرو گے' وہ اس عام انسان کی قوت ارادی سے کتنے گنا زیادہ ہوگی۔ اور ان کے زیر اثر تمہارا دماغ تمہارے لیے کیا کیا کارنامے انجام دے سکتا ہے' مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ قوت ارادی کو ٹھیک وقت میں ادا کرنا' اب سے تین دن کے اندر تم مکمل طور پر تو نہیں مگر کافی حد تک سمجھ جاؤ گے کہ تمہیں قوت ارادی کو کس موقع پر اور کس طرح ادا کرنا ہے اور جیسے جیسے وقت گزرے گا تم اس عمل میں مشتاق ہو جاؤ گے۔'' سردار یاشان اس وقت ایک ایسا شفیق استاد لگ رہا تھا جو اپنے شاگردوں کو اپنے سینے میں سموئے ہوئے علم کا آخری قطرہ بھی دے دینا چاہتا ہو۔

☆☆

میں مبہوت ہو کر سردار یاشان کی باتیں ذہن نشین کر رہا تھا۔ سردار کے خاموش ہو جانے کے بعد میں نے سردار یاشان کی طرف احترام سے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ کو چوم کر اس کی علمی برتری کا اعتراف کیا۔

''سردار یاشان تمہارے جیسا شفیق استاد دل جانے پر میں اپنے رب کا شکر گزار ہوں' سردار میں اس دن کے انتظار میں ہوں جب تمہارے سکھائے گئے علم کو بروئے کار لا کر میں شیطانی طاقتوں کو اللہ کی مدد کے سہارے زمین بوس کر دوں گا۔'' میرا لہجہ تشکر آمیز تھا' میں جلد سے جلد سب علم حاصل کر کے اپنے دشمنوں کو نست و نابود کر دینا چاہتا ہوں' میں اپنی رو میں بول رہا تھا کہ سردار یاشان کی سرزنش نے مجھے خاموش کرا دیا۔

سردار یاشان کہہ رہا تھا۔ ''خاور چوہان تمہیں اپنی سوچ تبدیل کرنی ہوگی۔ تمہیں اس بات پر یقین کرنا ہوگا' کہ تمہاری ذات کا ایک ایک لمحہ تمہارے رب کا محتاج ہے' تم اپنی مرضی سے نہ اس دنیا میں آئے ہو اور نہ ہی اس دنیا سے اپنی مرضی سے جاؤ گے۔ تو تم اپنی ہر سوچ میں اللہ کی قربت کو غالب کر لو۔ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں اس کا سوچ کر جواب دو۔'' سردار یاشان نے مجھے سمجھاتے ہوئے اچانک سوال پوچھ لیا۔

''خاور چوہان تم اپنے دشمن سے کیوں بدلا لینا چاہتے ہو' کہ انھوں نے تمہارے پیاروں کو اذیت دی یا ان کو جھٹلایا اور تم اپنے پیاروں سے پیار اس لیے کرتے تھے کہ وہ بھی تمہیں پیار کرتے تھے' تمہاری خوشی اور دکھ میں تمہاری مدد کرتے تھے لیکن اس رب کی محبت کا کیا ہو گا' جو تم سے تمہارے سب رشتہ داروں اور دوستوں سے زیادہ محبت کرتا ہے' جو تم سے تمہاری ماں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے' تمہارے رب کی بات کا انکار بھی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیطان لعین نے کیا تھا' اس نے بھی تو تمہارے رب کو کہا تھا کہ وہ اس کی مخلوق کو گمراہ کردے گا' اس لعین نے بھی تو تمہارے رب سے جنگ کا آغاز کیا ہوا ہے۔ تو کیا تم اپنے رب کے لیے شیطان لعین سے جنگ نہیں کرو گے' کیا تمہارے پیارے تمہیں تمہارے رب سے زیادہ چاہتے تھے' کہ ان کا انتقام لینے کے لیے تو تم ہر عمل سیکھ لینا چاہتے ہو' مگر اپنے رب کے لیے تم اپنے دل میں کوئی جذبہ نہیں رکھتے' میں تمہیں پہلے بھی سمجھا چکا ہوں اور پھر سمجھا رہا ہوں' کہ اپنا ہر عمل خالص اپنے اللہ کی رضا کے لیے کرو' کہ تمہارا رب خوش ہوجائے گا' اب اگر تم اس نیت کے ساتھ اپنے دشمنوں کو صفحۂ ہستی سے مٹاؤ گے کہ وہ تمہارے رب کے دشمن شیطان لعین کے رستے پر چل کر خلق خدا کو تنگ کررہے ہیں تو یقیناً تم اپنے رب کی خوشنودی بھی پاؤ گے اور تمہارا دشمن بھی ختم ہوجائے گا' میرے دوست خاور ہمارا ہر کام ہماری نیت پر انحصار کرتا ہے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا رب تم سے خوش رہے تو صرف اور صرف یہ نیت کرو' یہ سب عمل سیکھ کر تم اپنے رب کے دشمنوں کے رستے میں سیسہ پلائی دیوار بن جاؤ گے۔'' سردار یاشان یہ سب کہہ کر خاموش ہوگیا۔

لیکن میرے آنسو میرے چہرے کو گیلا کررہے تھے' میں اپنی خودغرضی پر شرمندہ تھا' کہ میرا رب مجھ سے اتنا پیار کرتا ہے اور میں اپنے رب کے دشمنوں کے بارے میں اپنے ذہن میں کوئی سوچ نہیں رکھتا' میں سجدے میں گر گیا' اور زاروقطار رونے لگا اور اپنے رب سے اپنی خودغرضی کی معافی مانگنے لگا' جب رو رو کر دل کو سکون ہوگیا تو میں نے سردار یاشان کو کہا۔

''سردار یاشان گواہ رہنا اب سے میرا جینا صرف میرے رب کے دشمنوں سے اس دنیا کو نجات دلانے کے لیے ہوگا' میں ہر اس طاقت کو روند ڈالوں گا جو میرے رب کی نفی کرتی ہے۔'' سردار یاشان نے مجھے گلے سے لگا کر میرے جذبے کو سراہا اور ساتھ ہی ساتھ نصیحت کی کہ پہلے کوشش کرو کہ بھٹکے ہوئے انسانوں کو اللہ کی طرف جوڑو' اگر وہ پھر بھی خلق خدا کو اذیت پہنچانے سے باز نہ آئیں تو ان کا سدباب ضروری ہے کیونکہ ظلم ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ مگر خاور چوہان تم اپنے آپ سے وعدہ کرو' کہ طاقت حاصل کرلینے کے بعد تمہارا کام یہ ہوگا کہ بھٹکے ہوئے انسانوں اور جنات کو راہ اصل پر لاؤ' لیکن اگر کوئی اللہ کے دشمن شیطان لعین کے رستے سے واپس آنے کو تیار نہ ہو تو تم اس کے ساتھ اپنے رب کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے جنگ کر سکتے ہو۔ اب میں تمہیں تمہارا اگلے تین دن کا معمول بتا کر تم سے رخصت لوں گا۔ سردار یاشان میرے اگلے تین روز کا معمول بتا کر اچانک غائب ہوگیا۔

میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا' کہ سردار یاشان کی باتوں پر پوری طرح عمل کروں گا' اور اپنے رب کی خوشنودی کے لیے سب عمل کروں' اب اپنے رب کو ناراض نہیں کروں گا' وہ رب جس کے سامنے اپنی عمر کے اتنے سال نہیں جھکا' مگر پھر بھی اس نے مجھے قبول کرلیا اور مجھے اپنی راہ میں عزت بخشی۔

میں دوزانو بیٹھ گیا' اور سردار یاشان کی ہدایات کے مطابق اپنے ذہن کو ایک دم خالی چھوڑ دیا' اپنے ذہن کو خیالات سے پاک کرنا چاہتا تھا' جس کے لیے مجھے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے ہر خیال کو نظرانداز کرنا تھا' جو بھی خیال پیدا ہوتا مجھے اس کے بارے میں نہیں سوچنا تھا' شروع میں مجھے بہت دشواری ہوئی کیونکہ اس وقت دماغ میں لگتا تھا کہ خیالات کا طوفان اٹھ چکا ہے' کیونکہ ایک خیال ختم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرا خیال سامنے آجاتا تھا۔ پہلے دو تین گھنٹے تو میں خاموش بیٹھا خیالات کی یلغار سے بہت پریشان ہورہا تھا' کیونکہ ایک خیال پر جب توجہ نہیں دیتا تھا تو دوسرا آنے والا خیال پہلے خیال سے زیادہ طاقتور ہوتا تھا اور مجھے اپنے ساتھ تصوراتی دنیا میں لے جاتا تھا' پھر جب ایک دم یاد آتا تھا کہ مجھے خیالات کو نظرانداز کرنا ہے تو اسی وقت ایک نیا خیال آجاتا تھا۔ خیر اللہ کی مہربانی ہوئی اور میں نے اللہ کا نام لے کر اپنے ذہن کو پوری طرح اپنے عمل پر متوجہ کرلیا۔ پھر آہستہ آہستہ میرا ذہن پرسکون ہوتا گیا' اب خیالات کی یلغار بھی ختم ہوچکی تھی۔ اب میں نے

اس عمل کا اگلا مرحلہ شروع کیا' اس مرحلے میں مجھے اپنے دماغ کے پہلے حصے شعور کی طاقت کو بڑھانا تھا' یہ مرحلہ بہت آسانی سے مکمل کرلیا تھا اس میں کچھ آیات کا ورد کرتے ہوئے آسمان پر موجود ستاروں کو اپنے دماغ میں روشن کرنا تھا۔ کچھ ہی دیر کے بعد ایسا لگ رہا تھا کہ آسمان پر موجود ستارے میرے دماغ میں روشن ہوگئے ہیں' ان کی جگمگاہٹ میں اپنے دماغ میں محسوس کررہا تھا' یہ عمل بہت ہی دلکش تھا' کبھی ایسا لگتا کہ کوئی ستارہ ٹوٹ کر گر رہا ہو اور کہیں کوئی ستارہ ایک نئی دنیا کی سیر کرا رہا تھا' مجھے اپنے اس عمل میں بہت لطف آرہا تھا۔ صبح صادق کا وقت نزدیک آرہا تھا اور میرے دماغ میں اب ستارے بجھنے کے قریب ہورہے تھے' کالی رات ختم ہورہی تھی' یہ میرے عمل کی کامیابی کی نشانی تھی' کہ بند آنکھوں سے آسمان کا منظر اپنے دماغ میں محسوس کرتا۔ میں نے اللہ کا نام لیتے ہوئے اپنا آخری ورد بھی مکمل کیا اور آنکھیں کھول کر ہوش کی دنیا میں واپس آگیا' نماز کا وقت ہو چکا تھا' اس لیے بلند آواز اذان دے کر اللہ کی تخلیق کی گئی دنیا کے اس حصے کو اللہ کی بڑائی کا پیغام دے کر نماز کی نیت کرکے اپنے آپ کو اپنے رب کے آگے جھکا دیا۔ جب فارغ ہو چکا تو سردار یاشان کی ہدایات کے مطابق کچھ آیات کا ذکر شروع کردیا' اب دو گھنٹے تک مجھے یہ ذکر کرنا تھا' اس کے بعد فارغ ہوکر آیت الکرسی اور معوذتین پڑھ کر اپنے گرد ایک حصار بنا کر سونا تھا' آپ لوگوں کو میں یہ بتاتا چلوں کہ میں اس وقت آرام کی غرض سے نہیں سو رہا تھا بلکہ یہ بھی میرے عمل کا حصہ تھا اس مرحلے میں مجھے اپنے خوابوں کو اپنے زیر اثر لانا تھا' اور حصار اس لیے باندھا تھا' کہ قبیلہ شرر کے جنات کی شرارتوں سے محفوظ رہوں' سونے سے پہلے شمال کی طرف منہ کرکے مجھے تصور کرنا تھا کہ میں اب اپنا آپ اپنے رب کے حوالے کرچکا ہوں' میرا جسم انتہائی لطیف ہوچکا ہے جو پلک جھپکنے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکتا ہے۔ اس مرحلے کی کامیابی کے بعد مجھے اسی تصور میں سونا تھا' اور دوپہر کی نماز کے لیے اٹھنے کے لیے اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سونا تھا' کہ مجھے اتنے وقت پر جگا دے' خیر اپنا تصور بخوبی پورا کرکے میں اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سو گیا۔

بہت عرصے کے بعد آج سونا ہوا تھا' اس لیے اردگرد کا ہوش بھی نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو میں ایک انتہائی گھنے جنگل میں بھاگ رہا تھا۔ گردونواح سے غیر انسانی آوازوں کا شور بلند ہورہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے میں ایک تاریک سیاہ معبد کے قریب پہنچ گیا۔ معبد پر ایک دل کو لرزا دینے والی شکل کا مجسمہ اپنی پتھر کی آنکھوں کو کھولے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس مجسمے کے سر پر دو سینگ تھے اور اس کی شکل کسی بدہیبت جانور سے ملتی جلتی تھی۔ اب غیر انسانی آوازوں کا شور خوفناک حد تک بلند ہوگیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تیز آندھی شروع ہوگئی' آندھی اس قدر تیز تھی' کہ بیک وقت کئی درخت ٹوٹ کر ہوا میں اڑنے لگے۔ میں نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے اردگرد دیکھا تو معبد کا دروازہ کھلا ملا' اس وقت سوچنے کا وقت ہی نہیں تھا' کہ اس سیاہ رنگ کے معبد میں جانا میرے لیے خطرناک بھی ثابت ہوسکتا ہے' اس لیے میں معبد کے اندر داخل ہوگیا۔ معبد باہر سے جتنا خوفناک نظر آرہا تھا' اندر سے اس سے بھی زیادہ لرزا خیز تھا۔ عجیب نامانوس سی بدبو چاروں اطراف گردش کرتی محسوس ہورہی تھی۔ معبد کی دیواروں پر لال رنگ نظر آرہا تھا' جب اس کو قریب جا کر دیکھا تو وہ خون تھا' اور وہ نامانوس بدبو انھی دیواروں سے اٹھتی محسوس ہورہی تھی۔ معبد کے عین درمیان میں ایک چبوترا نصب تھا اور اس کے عین نیچے ویسا ہی بھیانک مجسمہ نصب تھا جیسا معبد کے باہر دیکھ چکا تھا۔ مگر اس مجسمے پر چبوترے کے اوپر سے خون مسلسل گر رہا تھا' ایسا لگ رہا تھا جیسے اس بدہیبت مجسمے کو خون سے غسل دیا جارہا ہو۔ میں مجسمے کو دیکھنے میں محو تھا' کہ اچانک یوں لگا جیسے مجسمہ اپنی جگہ سے ہل کر میری طرف بڑھ رہا ہو' یہ میرا وہم نہیں تھا۔ اب مجھے ڈر نہیں لگتا تھا' میں جن حالات سے گزر چکا ہوں' اس کے بعد اب لگتا ہے' کہ ڈر نام کی کوئی حقیقت نہیں' ہاں مجھے اب صرف اور صرف اپنے مالک کائنات سے ڈر لگتا تھا۔ اس کو راضی کرنے کی کوشش میں باقی تمام مخلوق سے میرا ڈر ختم ہوگیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آپ کو حقیقت اس لیے بتا رہا ہوں کہ اگر ہم لوگ صرف اس بات پر یقین کرلیں کہ اگر ہمارا رب ہمیں محفوظ رکھنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارے رب کی طاقت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ میں مجسمے کی طرف بڑھنے لگا' اس سے پہلے کہ مجسمے کے قریب پہنچ جاتا' مجسمے کی آواز نے میرے قدم روک لیے۔

''خاور چوہان میں وہی ہوں جسے راندہ درگاہ کردیا گیا تھا' اور مجھے ابلیس اور شیطان کے نام دیئے گئے۔ میں تمہیں تمہاری کامیابی کا پیغام دیتا ہوں' میں جانتا ہوں کہ تمہارا دل تمہارے اپنوں کی عبرت ناک موت کا بدلہ لینے کے لیے روتا ہے مگر تم مجبور کردیئے گئے ہو۔ میں جانتا ہوں تم میرے پیروکار قبیلہ شرر سے اپنے دوست کی موت کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب ہو۔ تم اپنے دوست جن کو قید سے چھڑانا چاہتے ہو' مگر تمہارے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں' تمہیں بے فضول انتظار کی تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے' مجھ سے تمہاری یہ تکلیف نہیں دیکھی گئی اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ تمہاری مدد کروں گا۔'' ابلیس لعین کی مکروح آواز کا مکر میرے کانوں کو اذیت دے رہا تھا۔

وہ لعین ہمدردی کے لبادے میں آکر مجھے میرے رب سے دور کرنا چاہتا تھا۔ میں اپنے رب کا جتنا شکر کروں وہ کم ہے کیونکہ مرے رب کی دی ہوئی ہمت کی وجہ سے میں نے شیطان لعین کو مزید بولنے سے روکتے ہوئے کہا۔

''او لعین تو کیا اور تیری اوقات کیا۔ میرا مالک ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھے صرف اپنے رب کی مدد کی ضرورت ہے۔ اپنے رب کے دشمنوں کو میں صرف موت دیتا ہوں۔'' میں غصے میں بے قابو ہو رہا تھا۔

''خاور چوہان اگر میں چاہوں تو تمہیں ابھی اسی وقت مٹی میں تبدیل کرسکتا ہوں' مگر میں انتظار کروں گا' جس دن تم تباہیوں میں گر کر میرے پاس اپنی روح گروی رکھنے آؤ گے۔'' ابلیس لعین کی چیختی ہوئی آواز بلند ہوئی۔

''ارے او لعنتی کیوں چیخ رہا ہے' تیری یہ پھٹے ہوئے ڈھول جیسی آواز کوئی ذی روح برداشت نہیں کرسکتی۔ تجھے میرے مالک نے قیامت تک کا وقت دے دیا ہے' کہ تو خلق خدا کو بھٹکاتا رہ' اس لیے تجھے موت تو نہیں دے سکتا' مگر اب سے ہر دن تیری بربادی کا دن ہوگا' میں تیرے ماننے والوں کو حق کی طرف آنے کی دعوت دوں گا' اور اگر وہ اپنی شر انگیزی سے باز نہ آئے تو ان کو موت کا جام دوں گا۔ اور تیرے لیے پہلا تحفہ تیری بربادی کا دیکھ کیا دیتا ہوں۔'' میں نے بولتے بولتے اچانک مجسمے کی طرف چھلانگ لگائی۔

اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اس کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر دیوار پر زور سے دے مارا' اس کے ساتھ ہی ایسا لگا کہ جیسے زلزلہ آگیا ہو اور میں نیند سے جاگ گیا لیکن نیند سے جاگنے کے بعد بھی سب اصل لگ رہا تھا۔ میرے ہاتھوں پر اب بھی مجسمے پر لگے ہوئے خون کے داغ موجود تھے۔ میں نے اس بارے میں سردار یاشان سے پوچھنے کا فیصلہ کیا۔

ظہر کی نماز کا وقت قریب تھا' اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے دماغ نے مجھے ٹھیک وقت پر بیدار کیا ہے۔ خاور چوہان جلدی سے غسل اور وضو کر کے آجاؤ' اچانک سردار یاشان نے ظاہر ہوتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

''سردار یاشان اچھا ہوا تم آگئے مجھے تمہارے سے اپنے خواب کے بارے میں پوچھنا تھا جو ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے حقیقت ہو۔'' میں سردار یاشان کو دیکھ کر پرسکون ہوگیا تھا۔

''خاور چوہان جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کرو' سوال پوچھنے کا وقت نہیں ہے بس یوں سمجھو کہ تم اس وقت شدید خطرے میں ہو' اب میرے دوست جلدی سے غسل اور وضو کر کے آؤ اور دیکھو' وضو سے فارغ ہوتے ہی اپنے آپ کو آیت الکرسی اور معوذتین کے حصار میں دے دینا۔'' سردار یاشان نے میری بات کو کاٹتے ہوئے تیز تیز لہجے میں پھر سے مجھے کہا۔

''لیکن سردار یاشان یہاں پر غسل کرنے کے

لیے پانی کا بندوبست نہیں ہے۔ صرف اتنا ہی پانی ہے جس سے بمشکل وضو کیا جاسکتا ہے۔'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں سردار یاشان سے کہا۔

سردار یاشان جواب دینے کی بجائے غائب ہوگیا اور کچھ وقت کے بعد پھر سے ظاہر ہوگیا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کی ایک بڑی بالٹی تھی۔ سردار یاشان نے بالٹی میری طرف بڑھاتے ہوئے مجھے ایک اوٹ کی طرف جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''خاور یہ بالٹی لو اور اس اوٹ میں جا کر نہا لو' اب اور زیادہ دیر نقصان دہ ثابت ہوگی۔'' سردار یاشان نے تاکید کی۔

ابھی میں اوٹ کی طرف جا ہی رہا تھا کہ ایسا لگا جیسے آسمان سیاہ ہوگیا ہو' ایک طوفان ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔

''خاور چوہان جس کا اندیشہ تھا وہ ہی ہوا' اب تم جلد سے جلد غسل کرو اور وضو کرو' میں اور میرے ساتھی تمہاری حفاظت کرتے ہیں' لیکن یاد رہے' ہم لوگ تمہاری حفاظت زیادہ دیر نہیں کرپائیں گے' اس وجہ سے وضو سے فارغ ہوتے ہی اپنے آپ کو مقدس آیات کے حصار میں دے دینا۔'' سردار یاشان نے اپنی ہدایات پھر سے دہراتے ہوئے کہا اور پھر غائب ہوگیا۔

میں سمجھ چکا تھا کہ باطل نے حملہ کردیا ہے' میں پھرتی سے اوٹ کی طرف بھاگا اور جلدی سے غسل اور وضو کر کے اپنے آپ کو مقدس آیات کے حصار میں دے دیا۔ اس دوران لگ رہا تھا' کہ جیسے دو گروہوں میں شدید جنگ ہو رہی ہو' لیکن میری آنکھیں وہ جنگ دیکھنے سے قاصر تھیں۔ میں نے سوچا' اپنے دماغ کی طاقت کو آزمانے کا یہ اچھا موقع ہے' اس لیے میں نے آنکھیں بند کر کے دماغ کو حکم دیا کہ میری آنکھوں کی بصارت کو کئی گنا بڑھا دے اس حد تک بڑھا دے کہ جو چیزیں میری نظروں سے اوجھل ہیں ان کو دیکھ سکوں' دماغ کو ہدایات دینے کے بعد میں نے اللہ کا نام لیتے ہوئے آنکھیں کھول دیں' میرے سامنے سردار یاشان اور اس کے ساتھی ایک بہت بڑے لشکر کا سامنا کر رہے تھے' آسمان کی سیاہ رنگت اسی لشکر کی وجہ سے تھی۔ وہ لشکر قوی ہیکل سیاہ رنگ کے بالوں والی مخلوق پر مشتمل تھا' ہوسکتا ہے کہ وہ جنات کا اصل روپ ہو' مگر یہ صرف میرا قیاس تھا جو بعد میں درست ثابت ہوا۔

میں دیکھ رہا تھا کہ سردار یاشان اور اس کے ساتھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے' لیکن دشمن بہت بڑی تعداد میں حملہ آور ہوا تھا' سردار یاشان اور اس کے ساتھی دشمن کی صفوں میں گھسے دشمن کو پست کر رہے تھے' لیکن میں سمجھ سکتا تھا' کہ کچھ اور دیر بعد سردار یاشان اور اس کے ساتھی تھکن کا شکار ہو کر زندگی کی بازی ہار سکتے ہیں' میں سردار یاشان کے قبیلے کو اطلاع دینا چاہتا تھا' لیکن مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیسے قبیلہ یاشان کو مطلع کروں کہ ان کا سردار اور اس کے مٹھی بھر ساتھی شیطان کے ساتھ نبرد آزما ہو چکے ہیں' میں چاہتا تھا کہ اس لڑائی میں خود بھی شامل ہو جاؤں' مجھے اپنے قوت بازو پر یقین تھا' لیکن آسمان کی بلندیوں پر جانا میرے بس سے باہر تھا' میں بے بسی محسوس کر رہا تھا' میرا دل سردار یاشان کے ساتھیوں کی فتح کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ مگر سب کچھ الٹا ہو رہا تھا' سردار یاشان اس وقت پورے جلال سے دشمن پر قہر برسا رہا تھا' سردار یاشان کے ساتھی ایک ایک کر کے مرتے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سردار یاشان کے پندرہ بیس ساتھی باقی بچ چکے تھے' باقی سب مجھے بچانے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ دے چکے تھے لیکن دشمن کی تعداد وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ شیطان نے شائد اپنے سب شیطانوں کو اس جنگ میں جھونک دیا تھا۔ میں اب اور برداشت نہیں کرسکتا تھا' کیونکہ سردار یاشان میرا شفیق استاد اس وقت دشمن کے نرغے میں تھا' وہ عظمت کا پیکر جن زاد دشمن کی صفوں کو روندتے ہوئے شیطانی ذریات کے لیے موت کی تلوار ثابت ہو رہا تھا۔

سردار یاشان کے ساتھی اس وقت کمر سے کمر جوڑے ایک دائرے کی شکل میں دشمن کو کاٹ رہے تھے' ان کی یہ حکمت عملی دشمن کی بڑی تعداد کو ان سے دور رکھے ہوئے تھی' کہ اچانک ایک طرف سے شیاطین کا ایک غول میری طرف متوجہ ہو کر میری طرف لپکا' میں اس کا انتظار کب سے کر رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا' سردار یاشان نے جب شیطانوں کے اس جھنڈ کو میری طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو مجھے بچانے کا اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے میری طرف لپکا' اس کی تلوار بجلی کی تیزی سے چمک رہی تھی' کچھ ہی دیر میں آسمان پر ہونے والی لڑائی اب اس چٹان پر شروع ہوگئی تھی' ایک طرف تو شیطان کا پورا لشکر اور دوسری طرف سردار یاشان اور اس کے ساتھیوں کا مختصر سا گروپ' جس میں اب میں بھی شامل ہو چکا تھا۔

''سردار یاشان مجھے طریقہ بتاؤ کہ میں کیسے ان جنات کا مقابلہ کروں۔'' میں نے چلاتے ہوئے سردار یاشان سے پوچھا۔

سردار یاشان نے لڑتے ہوئے کہا۔ ''خاور چوہان اپنے دماغ سے کام لو' سب سے پہلے تو میرے قبیلے کا نقشہ اپنے دماغ میں بناؤ اور پھر اپنے دماغ میں کو ایک نقطے پر مرکوز کر کے قبیلے والوں کو لڑائی کی اطلاع دو' تمہارے دماغ کی طاقت میرے قبیلے کو اس لڑائی کا بتا دے گی اور وہ مدد لے کر پہنچ جائیں گے اور پھر جس طرح تم انسان لڑائی لڑتے ہو' اسی طرح تم ان جنات کے ساتھ بھی لڑ سکتے ہو' بس اللہ کا نام لیتے ہوئے حملہ کرنا۔'' سردار یاشان نے اس کے ساتھ ہی اپنی ایک تلوار بھی میری طرف پھینک دی۔

میں نے فوری طور پر سردار یاشان کے قبیلے کا نقشہ اپنے ذہن میں اجاگر کیا اور اپنے دماغ میں قبیلے والوں کو مدد لے کر آنے کا بولنے لگا' کچھ دیر بعد ایسا لگا' کہ میرے دماغ میں جو قبیلہ یاشان کا منظر تھا' اس میں افراتفری مچ گئی ہو' ہزاروں کی تعداد میں جن ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنے سردار کی مدد کرنے کے لیے آرہے تھے' میں مسلسل ان کو پہاڑ کی طرف رستہ بتا رہا تھا' جب مجھے یقین ہوگیا کہ اب وہ جلد پہنچ جائیں گے تو میں نے اپنا دماغ خالی چھوڑ کر آنکھیں کھول دیں۔

پھر میری تلوار بھی ظلمت کے اندھیروں سے اٹھنے والے شیاطین کو ابدی جہنم کا رستہ دکھانے لگی۔ میں اللہ کے نام کی صدائیں بلند کرتا ہوا دشمن پر ٹوٹ رہا تھا۔ کتنے ہی شیطان میں نے جہنم کی وادی میں کاٹ کر پھینک دیے تھے۔

سردار یاشان اور اس کے ساتھی میرے اردگرد کھڑے ہو کر مجھے بچانے کی کوشش کر رہے تھے' کہ اچانک ایک طرف سے تیروں کی جیسے بارش شروع ہو گئی' سردار نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور سب کے سب میرے اوپر ایک سائبان کی طرح اکٹھے ہو گئے' اس سے پہلے کہ میں سردار یاشان اور اس کے ساتھیوں کو اس عمل سے باز کرتا' بے شمار تیر سردار یاشان اور اس کے ساتھیوں کے جسموں میں پیوست ہو گئے تھے' شیطان نے اپنی ذریت کی بھی پروا نہیں کی تھی' کیونکہ اس تیر اندازی میں ہمارے گردونواح میں پھیلے دشمن جنات بھی ہلاک ہو رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ دشمن ایک اور حملہ کرتا' قبیلہ یاشان کے ہزاروں جن اللہ کے نام کی بڑائی کے نعرے لگاتے ہوئے تیرانداز دشمن پر حملہ آور ہو گئے۔ شیطان ہمیشہ سے بہت بزدل رہا ہے اور اس کی ذریت بھی اسی کی طرح بزدل ہے' اس لیے قبیلہ یاشان کے حملہ کرتے ہی شیطانی ذریات واپس بھاگنے لگیں' اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان ایک دم سے صاف ہو گیا۔ مجھے سردار یاشان کی سب سے زیادہ فکر تھی' کیونکہ اس کے جسم میں بھی کئی تیر ایک ساتھ لگتے ہوئے دیکھے تھے' میں نے چیخ چیخ کر قبیلہ یاشان کو سردار یاشان اور اس کے ساتھیوں کو طبی امداد دینے کے لیے بلانا شروع کر دیا' جو دشمن کے تعاقب میں جا رہے تھے۔ میری آواز پر قبیلہ یاشان واپس پلٹ آیا۔ سردار یاشان بے ہوش ہو چکا تھا اور اس کے سب ساتھی اپنے حقیقی مالک سے مل چکے تھے۔ قبیلہ یاشان کے نائب جن نے اپنے ساتھیوں کو سردار یاشان کو قبیلے میں پہنچانے اور علاج کرنے کی فوری ہدایات دیتے ہوئے مجھے اپنا تین رات کا عمل پورا کرنے کا کہا اور غائب ہو گیا۔

مجھے اتنا وقت بھی نہ مل سکا کہ میں سردار یاشان کے بارے میں پوچھ سکوں۔ کچھ دیر پہلے جہاں جنگ کا سماں تھا' اب ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو

پرسکون کرنے کے لیے نماز کی نیت کی اور نماز شروع کر دی۔ بہرحال باقی دو دن کا عمل سکون سے گزر گیا' اور میں نے اپنے دماغ پر قابو پا لیا۔ صبح فجر کی نماز سے فارغ ہوا ہی تھا' کہ سردار یاشان کا نائب جن ظاہر ہوا اور مجھے میرے عمل کی کامیابی پر مبارکباد دی' لیکن مجھے اس وقت اپنی کامیابی کی خوشی سے زیادہ سردار یاشان کی فکر تھی۔ میں نے سردار یاشان کے بارے میں پوچھا۔ تو سردار یاشان کے نائب جن نے مجھے تسلی دیتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا۔

''میں آپ کو سردار یاشان کے پاس لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ سردار یاشان بہت زخمی ہے' مگر وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں' کیونکہ ان کے زخموں کی نوعیت ایسی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ بچ نہ سکیں۔'' نائب جن نے کی آواز بھی بھرائی ہوئی تھی۔

مجھے لگا کہ جیسے میرا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو' میں سردار یاشان کی موت کیسے برداشت کروں گا۔

کچھ ہی دیر میں ہم سردار یاشان کے غار کے باہر کھڑے تھے۔ میں نے بلند آواز میں سردار یاشان سے اندر آنے کی اجازت مانگی' سردار یاشان میرا شفیق استاد موت اور زندگی کے درمیان کھڑا تھا' اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا' جہاں پر زخم نہ لگا ہو' اس کے پورے جسم پر مخصوص قسم کے پتے لپٹے نظر آرہے تھے۔

''سردار یاشان میں.....'' مجھے الفاظ نہیں مل رہے تھے کہ کیا کہوں۔

سردار یاشان کی حالت دیکھ کر' میرا دل کر رہا تھا کہ میں زور زور سے رونے لگ جاؤں' میرا قابل احترام استاد جس نے مجھے بچانے کے لیے اپنی اور اپنے ساتھیوں تک کی قربانی دے دی تھی' موت کے بستر پر بے حس لیٹا تھا' میں سردار کے جسم کے ساتھ لپٹ گیا۔ سردار نے آہستہ سے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان مجھے خوشی ہے کہ تم نے نہ صرف اپنا عمل مکمل کر لیا ہے بلکہ تمہاری لگن کی وجہ سے شیطان لعین کو انتہائی ذلت بھی اٹھانی پڑی ہے' تم نے شیطانی معبد میں گھس کر شیطان کے مجسمے کو پاش پاش کر کے اس پر بھاری ضرب لگائی تھی' جو اس لعین کو برداشت نہ ہو سکی۔ شیطان کے مجسمے پر چونکہ خنزیر کا خون لگا ہوا تھا' اس وجہ سے تم ناپاک ہو گئے تھے' اور تمہارا سونے سے پہلے بنایا گیا حصار بھی ناپاکی کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا' اسی وجہ سے شیطان نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ تم پر حملہ کر دیا' مجھے بروقت اطلاع مل گئی تھی' لیکن مجھے اپنے قبیلے کے جنات کو بتانے کا موقع نہیں ملا' اس لیے اپنے ان چند ساتھیوں کے ساتھ تمہاری حفاظت کی غرض سے تمہارے پاس آ گیا' باقی جو کچھ ہوا وہ تمہارے سامنے تھا۔'' سردار یاشان کی آواز اب بھی اسی طرح بارعب تھی' مگر اب ایسے لگ رہا تھا' جیسے سردار کو بولنے میں کافی دشواری پیش آرہی ہو۔

''سردار یاشان لیکن لعین شیطان کے مجسمے کو میں نے خواب میں توڑا تھا۔'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''خاور چوہان تم اپنے عمل میں باعمل ہو چکے ہو' اب تمہارے خواب صرف خواب نہیں بلکہ حقیقت کا روپ رکھتے ہیں' تمہیں اپنے دماغ کو اس حد تک قابو کرنا ہے کہ تم اپنے خواب میں بھی دماغ سے کام لو' سونے سے پہلے اب تمہیں اپنے دماغ کو خاص طور پر ہدایت دے کر سونا ہوگا' کیونکہ اب تم سونے سے پہلے جس جگہ کا تصور کرو گے' تم سونے کے بعد اس جگہ پر موجود ہو گے' صرف تصوراتی طور پر نہیں' بلکہ حقیقت میں تمہارا جسم صرف سونے کی جگہ پر موجود رہے گا' مگر تمہاری روح اپنے پورے احساسات اور قوت کے ساتھ اس جگہ پر پہنچ جائے گی' جہاں کا تم تصور کر کے سوؤ گے۔'' سردار یاشان کی آواز آہستہ آہستہ پست ہو رہی تھی۔ سردار یاشان پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔

اسی وقت سردار یاشان کا نائب ظاہر ہوا' اس کے ساتھ ایک بوڑھا شخص بھی تھا۔ سردار یاشان کا نائب ذوالقرنین جن میرے قریب آیا اور مجھے آرام کا مشورہ دیتے ہوئے ایک خالی حصے میں جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''خاور چوہان سردار یاشان کو ابھی علاج کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضرورت ہے آپ بھی کچھ دیر آرام کریں۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اس خالی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ آرام اب میں نے کیا کرنا تھا' اس لیے وضو کر کے سردار یاشان کی صحت یابی کے لیے اللہ سے مدد کے لیے گڑگڑانے لگا۔ کافی دیر گزر گئی کہ اچانک ذوالقرنین نے آ کر اطلاع دی کہ سردار یاشان اب موجود نہیں رہے۔ یہ خبر ایک دھماکے کی طرح میری سماعت کو زخمی کر گئی' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' کہ کیا کروں' میں سکتے میں آ گیا تھا' میرا محسن اور میرا شفیق استاد مر چکا تھا' وہ مجھے بچانے کے لیے اللہ کے رستے میں اپنی جان کی قربانی دے کر اپنے خالق سے مل چکا تھا۔ ذوالقرنین نے اس موقع پر مجھے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"خاور چوہان سردار یاشان کی موت اس لیے نہیں ہوئی ہے کہ ان کی موت پر آنسو بہا دیے جائیں' بلکہ سردار یاشان نے تو اللہ کے دشمن کو نقصان پہنچاتے ہوئے موت کو گلے لگایا ہے' سردار یاشان کی تمہارے بارے میں تمام ہدایات میرے سینے میں اب محفوظ ہے' سردار یاشان تمہیں بہت عزیز رکھتے تھے' خاور چوہان گواہ رہو کہ اب تم مجھے اسی طرح عزیز ہو جیسے سردار یاشان تم کو عزیز رکھتے تھے' سردار یاشان کی آخری رسومات کا وقت ہو رہا ہے' اس لیے میرے محترم دوست تم اب اگلے مرحلے کے لیے تیار رہو' سردار یاشان کو اللہ کے سپرد کرنے کے بعد تمہیں اپنے اگلے مرحلے پر روانہ ہونا پڑے گا' باقی تفصیل تمہیں رستے میں بتاؤں گا۔"

ذوالقرنین نے مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

ذوالقرنین کی باتوں نے مجھے سکتے سے نکال دیا۔ اب میں اپنے تمام مراحل طے کر لینا چاہتا تھا تاکہ شیطان اور اس کی ذریات کا دو بدو مقابلہ کر سکوں اور ثابت کر سکوں کہ سردار یاشان کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔ سردار یاشان کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد ذوالقرنین جو' اب سردار بن چکا تھا' میرے پاس آ کر ساتھ چلنے کا کہا۔ میں نے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا' اس لیے چپ چاپ سردار ذوالقرنین کے پیچھے چل پڑا۔

"خاور چوہان اب کا مرحلہ تم یہ سمجھ لو کہ تمہارا ایسا امتحان ہے کہ اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو تمہاری پہلے دو مرحلوں کی کامیابی اصل معنوں میں کامیابی سمجھی جائے گی' اور اگر تم ناکام ہو گئے تو تمہیں پھر سے پہلے دو مرحلوں سے گزرنا پڑے گا۔" سردار ذوالقرنین نے چلتے ہوئے بولنا شروع کیا۔

"سردار اب اپنا ہر معاملہ اللہ کے سپرد کر چکا ہوں' اس لیے مجھے یقین ہے کہ میرا اللہ مجھے شیطان کے خلاف کامیابی عطا فرمائے گا۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

سردار ذوالقرنین کہہ رہا تھا کہ "خاور چوہان تمہیں وہ شیطانی معبد تو یاد ہو گا' جس کے شیطانی مجسمے کو تم نے اپنے خواب میں پاش پاش کیا تھا۔ مگر میرے دوست اب وقت آ گیا ہے کہ تم اس شیطانی معبد کو بھی مٹی میں ملا دو۔ اس کے لیے میں تمہیں کچھ نصیحت کرنا چاہوں گا' جو انشاء اللہ تمہاری کامیابی میں اہم کردار ادا کریں گی۔ شیطان ذریات اگر تمہارے اوپر جادو ٹونہ کرنے کی کوشش کریں تو تمہارے پاس اللہ کی مقدس کتاب کا کلام موجود ہے' اب تک تم سمجھ چکے ہو' کہ تمہیں کون سی آیت کا ورد کون سے وقت پر کرنا ہے' مقدس کلام کا ایک ایک حرف روشنی ہے اور جادو ٹونہ اور شیطان تاریکی' جس طرح روشنی کی ایک کرن پورے اندھیرے کو جگمگا دیتی ہے اسی طرح مقدس کلام کا ورد شیطان اور اس کی ذریات کو سخت نقصان پہنچاتا ہے' اب یہ پڑھنے والے پر ہے' اگر تو پڑھنے والے کا ایمان مضبوط ہے تو اس کے مدمقابل آنے کے لیے شیطانی طاقتیں بارہا بار سوچیں گی اور تمہاری پہلے دو مرحلوں کی کامیابی اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ تم اس مرحلے پر بھی کامیاب لوٹو گے۔ اب آتے ہیں دوسری بات کی طرف' کہ تم اس شیطانی معبد کو تباہ کیسے کرو گے' تو خاور چوہان اس بات کو سمجھ لو' کہ تمہیں اس معبد میں موجود کالی شیطانی طاقتوں کو شکست دینی ہے' شکست شدہ طاقتیں یا تو جل جائیں گی اور اگر بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تو دوبارہ چھ چاندوں کے پورے ہونے تک اس معبد

میں داخل نہیں ہو سکتیں اور جب معبد شیطانی طاقتوں سے خالی ہو جائے گا تو تم اس کو ٹھیک اسی طرح تباہ کر سکتے ہو' جیسے تم انسان اپنی عمارتیں گراتے ہو' میرا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ تم کوئی بھی انسانی طریقہ استعمال کر سکتے ہو معبد کو تباہ کرنے کے لیے' لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ معبد شیطانی طاقتوں سے خالی ہو۔ اب اگر تمہارے پاس کوئی سوال ہے تو کر سکتے ہو' کیونکہ اس کے بعد بات کرنے کی اجازت نہیں ہو گی' تمہیں اس جنگل کی حدود پر چھوڑ دیا جائے گا' پھر معبد کو ڈھونڈنا اور گھنے جنگل کے درندوں سے لڑنا وہ تمہاری ذمہ داری ہے' اس مرحلے میں تمہاری کوئی بھی مدد نہیں کی جا سکتی۔" سردار ذوالقرنین نے سب تفصیل بتا دی اور اب منتظر تھا کہ میں سوال پوچھ سکوں۔

"سردار انسان تو عمارتیں تباہ کرنے کے لیے بڑی مشینوں کا استعمال کرتے ہیں یا پھر بارود کا..... لیکن میرے پاس دونوں ہی نہیں ہے' کیا تم مجھے بارود مہیا کر سکتے ہو۔" میں نے سردار سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے مل جائے گا' اگر تمہیں ابھی چاہیے تو میں ابھی کسی کو بول دیتا ہوں وہ تمہاری ضرورت کے مطابق بارود تمہیں مہیا کر دے گا۔" سردار نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد میرے پاس اتنی تعداد میں بارود تھا' کہ میں اگر چاہتا تو اس معبد جیسے تین معبد اس بارود سے تباہ کر سکتا تھا۔

سردار نے مجھ سے الوداعی معانقہ کیا اور پھر میں گھنے جنگل میں پہنچ گیا۔ یہ وہ ہی جنگل تھا جو میرے خواب میں آیا تھا' پھر جس طرح میرے خواب میں غیر انسانی آوازوں کا شور بلند ہوا تھا' وہ سب منظر پھر سے اپنے آپ کو دہرا رہے تھے۔ مگر اس بار ان میں انتہا کی شدت تھی' جیسے شیطان کی ذریات کو میرے ارادوں کی خبر مل چکی ہو کہ میں ان کے معبد کو تباہ کرنے آ گیا ہوں' لیکن مجھے اس بار کسی کی فکر نہ تھی' نہ ہی اپنی جان کی اور نہ ہی کسی خطرے کی' اس بار میں سوچ کر آیا تھا کہ میں اللہ کے دشمن پر ایسی کاری ضرب لگاؤں گا کہ میرے وہ ساتھی جو اللہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رستے میں شیطانوں سے لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر گئے ہیں ان کی ارواح تک خوش ہو جائیں اور میں اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکوں۔ اچانک ایک طرف سے بھیانک ہوا کا طوفان آتا ہوا دکھائی دیا' اس طوفان کے رستے میں جو درخت یا جانور آ رہا تھا وہ ہوا کی ایک زوردار لپیٹ کے ساتھ اس گھومتے طوفان میں چکرانے لگتا' طوفان تیزی سے میری طرف بڑھ رہا تھا' ایسا لگ رہا تھا' کہ شیطان مجھے اس طوفان کے ذریعے ختم کرنا چاہتا تھا' مگر اب یہ کام شیطان کے لیے ممکن نہ تھا' کیونکہ میرا ایمان میرے اللہ پر ایسا قائم ہو چکا تھا' کہ مجھے اب معلوم تھا' کہ جب تک اللہ نہ چاہے کوئی بھی شیطانی طاقت مجھ پر قابو نہیں پا سکتی۔ اس سے پہلے کہ طوفان میرے قریب آ کر مجھے اپنے ساتھ اڑا لے جاتا۔ میں نے سردار یاشان سے حاصل کردہ عملیات پر عمل کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے آیت الکرسی اور معوذتین پڑھ کر اپنے گرد حصار قائم کر لیا اب شیطانی طوفان میرا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ میں ہر طرح کے خطرے سے نمٹنے کے لیے کمر کس کر آیا تھا' میری کمر پر لٹکے بیگ میں بارود سے بھرے ڈائنامائٹس تھے' اور میری جیبوں میں مشین پسٹل اور اس کی وافر مقدار میں گولیاں تھیں۔ یہ سب ہتھیار میں نے سردار ذوالقرنین کے ذریعے اس وقت منگوا لیے تھے' جب اس نے مجھے جنگل میں جا کر معبد تباہ کرنے کے لیے بولا تھا اور بارود مہیا کرنے کی ذمہ داری لی تھی۔ میرے ذہن میں جنگلی جانوروں سے بچنے کا یہ ہی طریقہ تھا' کہ ان کو گولیوں سے بھون دیا جائے۔ جس کی وجہ سے میں یہ سب انتظام کر کے چلا تھا اور یہ انتظام ہی میری زندگی کی بقاء کی علامت بن گیا۔ آپ لوگوں کو ایک بات بتا دوں یہاں پر' جب ہم اللہ کے رستے میں نکلتے ہیں کہ اللہ کے دشمنوں کے بوجھ سے اس زمین کو آزاد کرا دیں گے' تو اس وقت ہم لوگوں کو جسمانی اور ذہنی ہر طرح سے امتحان سے گزرنا ہوتا ہے' نہ کہ یہ کرنا ہوتا ہے' کہ صرف مقدس آیات کا ورد کر لیں اور دشمن زیر ہو جائے گا' بے شک مقدس آیات میں بہت طاقت ہے' کوئی بھی شیطانی طاقت اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی' مگر اس قربانی کا کیا ہو گا جو ہم اللہ کے سامنے دینا چاہتے ہیں۔ اپنے اللہ کو راضی کرنے کے لیے جسمانی اور ذہنی اذیتوں کو برداشت کرنا اور اپنی طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے دشمن کو نیست و نابود کرنا' یہ سب وہ کام ہیں جس میں عمل کی ضرورت ہے' کہ انسان اپنے رب کو خوش کرنے کے لیے کس حد تک اپنی قربانی دے سکتا ہے' اس لیے آزمائش مقصود ہے' مقدس آیات کا ورد بھی خاص مواقع پر آپ کے کام آئے گا' بشرطیکہ آپ ان مقدس آیات کا ورد اپنے پورے ایمان سے کریں اور اس بات کا یقین رکھیں' کہ نفع و نقصان دینے والی ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مذہب کی مقدس ترین ہستیوں نے بھی اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں عملی کام کیا' نہ کہ صرف مقدس آیات کا ورد کرتے رہے انھوں نے اپنے عمل سے اپنے رب کی محبت کو ظاہر کیا۔ میں ذرا اپنی کہانی سے پرے ہٹ گیا تھا' لیکن یہ بات بھی ضروری تھی۔ پھر سے اپنی آپ بیتی پر آتا ہوں۔ اپنے گرد مقدس آیات کا ورد کرنے اور حصار باندھنے کے بعد میں شیطانی حربوں سے محفوظ ہو گیا تھا' اس موقع پر شیطان نے اپنی نئی چال چلتے ہوئے طوفان ایک دم میرے بالکل سامنے روک دیا' تیز ہوا ایک دم ساکت ہو گئی' اور اس طوفان میں پھنسے ہوئے جانور جان بچنے پر جنگل کے گھنے حصے کی طرف بھاگ پڑے۔ ان جانوروں میں ایک کالے چیتے کا جوڑا بھی تھا' جو پہلے تو زمین پر پڑا اپنی توانائی بحال کرتا رہا' اور پھر ایک بھرپور انگڑائی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اتنے بڑے کالے چیتے کو میں زندگی میں پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا' جیسا کہ میں بتا چکا ہوں' کہ اکثر اپنے دشمن جبران ملک کے ساتھ میں شکار پر جاتا رہا ہوں' اس لیے اتنے بڑے سیاہ چیتے کو دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ سیاہ چیتے بھی میری موجودگی کو بھانپ گئے تھے' تیز ہوا کے طوفان نے ان کو اور بھی وحشت ناک بنا دیا تھا۔ دونوں چیتے ایک ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے میری طرف بڑھ رہے تھے' میں ان کا خطرناک ارادہ بھانپ چکا تھا' اس لیے دیر کیے بغیر میں نے جیب سے مشین پسٹل نکالا اور

اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی' ایک چیتا تو میری فائرنگ سے فوراً ہلاک ہو گیا۔ جبکہ دوسرا چیتا مجھ پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا' اس کے حملے سے میرا مشین پسٹل زمین پر گر چکا تھا' اور میں اپنے کندھے پر چیتے کے پنجے کا زخم لیے زمین پر گرا ہوا تھا۔ اب چیتے سے بچنے کے لیے مجھے پھرتی سے زیادہ ذہانت کی ضرورت تھی۔ میرا ذہن بچاؤ کا طریقہ سوچ رہا تھا' چند لمحوں میں فیصلہ کر چکا تھا کہ مجھے اپنے دماغ کی طاقت کو استعمال کرنا ہے' مجھے صرف مبہم سی امید تھی' کہ میں چیتے پر اپنے دماغ کی طاقت کے ذریعہ سے اثر انداز ہو سکتا ہوں' اس لیے میں نے کھڑے ہو کر اپنی طرف ایک ایک قدم بڑھاتے ہوئے چیتے کو دیکھنا شروع کر دیا' چیتا بہت ہی غصیلے انداز میں میری طرف بڑھ رہا تھا' اس کی نظریں میری طرف ہی دیکھ رہی تھیں' میں نے بھی چیتے کی آنکھوں میں دیکھنا شروع کر دیا' جیسے ہی ہم دونوں کی نظریں ٹکرائیں' میں نے اپنی پوری دماغی طاقت کو چیتے پر حاوی ہونے کے لیے استعمال کیا۔ مگر مجھے پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ کسی درندے کو قابو میں کرنے کے لیے مجھے اپنے دماغ کو اور طاقتور بنانا ہو گا۔ مگر اب اس وقت تو میں اپنی دماغی طاقت بڑھا نہیں سکتا تھا' چیتا مسلسل میری طرف بڑھ رہا تھا' اب ہم دونوں میں بمشکل دس یا پندرہ قدموں کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔ میں نے فیصلہ کن انداز اختیار کرتے ہوئے اپنے دماغ کو ہدایات دیں کہ چیتے کو میرے پاس سے دور پھینک دے' دماغ کے ماہر جانتے ہیں کہ دماغ سے نکلنے والی لہریں بہت طاقتور ہوتی ہیں اور اگر ان پر قابو پا لیا جائے تو آپ اپنے دماغ کی طاقت سے کام لے کر سمندروں کا رخ بھی موڑ سکتے ہیں۔ میں اپنی پوری طاقت استعمال کر چکا تھا' میرا ذہن ایک دم خالی ہو گیا تھا۔ میں زمین پر گر چکا تھا' میرا ذہن میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا' ایسا لگ رہا تھا کہ سب کچھ تیزی سے گھومنے لگ گیا ہے' میں اپنا سر تھامے زمین پر گرا ہوا تھا اور چیتے کے حملے کا انتظار کر رہا تھا' مگر جب کچھ لمحوں تک میرے اوپر حملہ نہ ہوا تو میں نے اپنے ذہن کو قابو کرتے ہوئے چیتے کی سمت میں دیکھا' مگر چیتا وہاں سے کچھ فاصلے پر زمین پر گرا ہوا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا' اس کا مطلب تھا کہ میرا دماغ میری ہدایات کے مطابق چیتے کو زیادہ دور تو نہیں پھینک سکا' لیکن پھر بھی اپنی طاقت کے مطابق میری طرف آنے والی موت کو کچھ فاصلے پر بری طرح پھینک دیا تھا' اس سے پہلے کہ چیتا پھر میری طرف بڑھتا' میں نے اپنے دماغ پر قابو پانے کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں اور مقدس آیات کا ورد شروع کر دیا' کچھ ہی دیر میں میری حالت اعتدال پر آ چکی تھی' چیتا بھی اپنے حواس پر قابو پا کر میری طرف اپنی انگارہ کی طرح چمکتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا' اس کا انداز غضبناک ہو گیا تھا' اس سے پہلے کہ وہ میری طرف چھلانگ لگاتا' میں نے زمین پر گرے ہوئے مشین پسٹل پر چھلانگ لگائی اور پھر سے بے تحاشہ فائرنگ شروع کر دی' کچھ گولیاں چیتے کے بھیجے کو اڑا کر مٹی کر چکی تھیں' مگر میں پھر بھی فائرنگ کر رہا تھا' کچھ ہی دیر میں پسٹل خالی ہو گیا' چیتے کی لاش چھلنی ہو چکی تھی۔

میں نے مشین پسٹل کو ایسی ہی کسی دوسری صورتحال سے نمٹنے کے لیے پھر سے بھر کر جیب میں ڈال لیا' اور پھر ایک طرف زمین پر اپنا گرا ہوا بیگ اپنے کندھے پر واپس ڈالا اور پھر سے معبد کے رستے کو کھوجنے لگا۔

میں شیطان کے اگلے حملے سے پہلے اس کے معبد کے قریب پہنچ جانا چاہتا تھا' اس وجہ سے میں نے پھر اپنی دماغی قوت کو استعمال کرنے کا سوچا۔ میں نے اپنے لاشعور پر زور دیا کہ وہ مجھے خواب کے مطابق معبد کے رستے کی نشاندہی کرتا جائے اور کچھ دیر زور دینے پر لاشعور میرے شعور پر غالب آ کر مجھے معبد کی راہنمائی کرنے لگا۔ میں تیزی سے معبد کی طرف بڑھ رہا تھا' شیطان کے اگلے حملے کا انتظار تھا' لیکن اب شیطان مجھ پر براہ راست حملہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں مقدس آیات کے حصار میں تھا۔ کچھ دیر کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے زمین ہلنے لگ گئی ہو۔ کافی فاصلے پر جنگلی بھینسوں کا ایک جھنڈ اپنے رستے میں آنے والی ہر چیز کو روندتا ہوا اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رستے پر آرہا تھا جس پر میں چل رہا تھا' اب میں فائرنگ بھی نہیں کرسکتا تھا' کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میری فائرنگ اتنی بڑی تعداد میں آنے والے بھینسوں کو ہلاک نہیں کرسکتی' شیطان اپنی چال چل گیا تھا۔ اب مجھے اپنا بچاؤ کرنا تھا۔ مجھے ثابت کرنا تھا کہ انسان' شیطان اور اس کی ذریات سے زیادہ شعور رکھتا ہے' میں نے فوراً اپنے دماغ کو حکم دیا' کہ نزدیک ہی کوئی تناور درخت ڈھونڈے' جلد ہی ایک درخت ایسا مل گیا جو بہت ہی زیادہ چوڑا اور مضبوط دکھائی دے رہا تھا۔ میں تیزی سے اس درخت کی طرف بڑھا اور ساتھ ہی اپنے دماغ کو خصوصی طور پر حکم دیا' کہ معبد کے رستے کو اوجھل نہ ہونے دے۔ اب میں درخت پر بیٹھا جنگلی بھینسوں کے گزرنے کا انتظار کررہا تھا اور ساتھ ہی اگلے شیطانی حملے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اب جنگلی بھینسوں کا جھنڈ درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا' کئی بھینسے درخت کے ساتھ بھی ٹکرائے لیکن درخت مضبوطی سے اپنی جگہ ساکت تھا' مجھے اپنے سر پر اچانک ایک سرسراہٹ کی آواز سنائی دی' میں نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو ایک بھیانک سانپ مجھے ڈسنے کے لیے بالکل تیار تھا' میرا جسم پوری شدت سے کانپ گیا اور اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا' اور نیچے کی طرف گرنے لگا' میں نے جلد ہی اپنے حواس پر قابو پالیا اور نیچے گرتے ہوئے ایک شاخ کو پوری مضبوطی سے تھام لیا۔ سانپ بھی تیزی سے میری طرف بڑھ رہا تھا' اب صورتحال بہت گھمبیر تھی' کیونکہ میرا جسم ہوا میں لٹکا ہوا تھا اور نیچے جنگلی بھینسوں کی صورت میں موت تھی' اور اوپر سانپ موت بن کر میری طرف لپک رہا تھا۔ اگر ہاتھ چھوڑ کر زمین پر چھلانگ لگاتا تو جنگلی بھینسے مجھے روند ڈالتے اور اگر درخت پر ہی لٹکا رہتا تو سانپ اپنا زہر میرے جسم میں داخل کردیتا تھا' میرے پاس اب سوچنے کا وقت بھی نہیں تھا' اس لیے بغیر سوچے سمجھے ایک ہاتھ سے درخت کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ایک ہاتھ سے اپنی طرف بڑھتے ہوئے سانپ کو پکڑ کر ساتھ ہی درخت سے نیچے پھینک دیا۔ میری یہ لاشعوری حرکت تھی جو میری سانس کی ڈوری کے جڑے رہنے کا سبب بن گئی تھی' میرا دماغ اب میری ہدایات کے بغیر ہی میرے بچاؤ کے طریقوں پر عمل کررہا تھا۔

میں پھر سے درخت پر بیٹھ گیا۔ نیچے سے گزرنے والا جنگلی بھینسوں کا جھنڈ اب بس ختم ہونے والا تھا' اور نیچے گرا ہوا سانپ بری طرح روندا گیا تھا۔ اگلی کچھ دیر میں رستہ صاف ہوگیا' اب میں شیطان کو حملے کا کوئی موقع نہ دینا چاہتا تھا' اس لیے اپنے دماغ کو تیز رفتاری سے معبد تک پہنچنے کا حکم دے دیا' جب دماغ کو براہ راست حکم دیا جائے تو دماغ کے ذریعے جسم کے اعضاء جو کام کرتے ہیں اس میں ناقابل یقین حد تک تیزی آجاتی ہے' آپ کو یہ عمل ایک مثال کے ذریعے زیادہ آسانی سے سمجھ آسکتا ہے' جب آپ چلنے کے لیے قدم اٹھاتے ہیں تو پہلے دماغ میں تحریک اٹھتی ہے' وہ تحریک ان اعضاء کو متحرک ہونے کی ہدایات بھیجتی ہیں' تو انسان قدم اٹھاتا ہے' یہ سب کام پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں سرانجام ہوتا ہے' اسی لیے میں نے اپنے دماغ کو پہلے ہی حکم دے دیا تھا' تاکہ دماغ فوری طور پر ہدایات متحرک کرنے والے اعضاء کو پہنچا سکے' تاکہ میں جلد سے جلد معبد میں پہنچ جاؤں۔ میں تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا معبد کے قریب پہنچ گیا اور میں نے اپنے دماغ کو ہر خطرے سے بچنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔ آج بھی معبد کے باہر رکھا ہوا شیطانی مجسمہ اپنی پتھر کی آنکھوں سے میرے طرف ہی دیکھ رہا تھا' میں نے سوچ لیا کہ پہلے شیطان کے اس مجسمے کو پاش پاش کروں گا' لیکن میں اپنے پچھلے واقعہ کو نہیں بھولا تھا' جب میں نے خون آلود مجسمے کو اٹھا کر دیوار پر مار کر توڑا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے بھی اپنا حصار کھودیا تھا' کیونکہ ناپاک جانور کے خون کی وجہ سے میں بھی وقتی طور پر ناپاک ہوگیا تھا' جس کی وجہ سے میرا حصار ٹوٹ گیا تھا۔ اس لیے اس بار میں براہ راست مجسمے کو اٹھانا نہیں چاہتا تھا تاکہ میرا حصار قائم رہے۔ اس وجہ سے میں نے ایک درخت کی مضبوط اور موٹی شاخ اٹھائی جو ٹوٹ کر

قریب ہی گری ہوئی تھی' اس کو لے کر میں شیطان کے مجسمے کے قریب گیا۔ شائد شیطانی طاقتیں میرا ارادہ بھانپ چکی تھیں۔ اس لیے میں نے جیسے ہی مجسمے پر وار کیا' ایسا لگا جیسے وہ شاخ کسی فولادی سطح سے ٹکرائی ہو' اور ٹکراتے ہی وہ مضبوط شاخ دو ٹکڑے ہوگئی' شیطان نے اپنے مجسمے کو وقتی طور پر بچا لیا تھا۔ میں نے اس شاخ کے دونوں ٹکڑے اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے اور پھر چند قدم پیچھے ہٹتا گیا' میرے پیچھے ہٹتے ہی فضاء میں غیر انسانی قہقہے گونجنے لگے' جیسے وہ میرے پیچھے ہٹنے کو میری ناکامی تصور کررہے ہوں۔ میں نے اپنا اگلا حملہ سوچ لیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں اپنا وار کرتا' شیطان کے مجسمے کے پیچھے سے ایک دیوہیکل حبشی نکل کر میری طرف دیکھ کر غرانے لگا۔ وہ انسان ہی تھا' لیکن اس کا قد و قامت اور اس کے جسم کی بناوٹ کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ جیسے فولاد کو انسانی شکل دے دی ہو۔ اس کے ہاتھوں میں نیزا اور ایک خوفناک قسم کا بھالا تھا۔ اگر وہ بھالا کسی چٹان پر بھی پڑ جائے تو چٹان بھی شائد ریزہ ریزہ ہوجاتی۔ میں شیطان کا مقصد سمجھ چکا تھا۔ اس نے اس بار ایک انسان کو مقابلے کے لیے بھیجا تھا۔ میں نے چاہا تو اس دیوہیکل حبشی سے مقابلہ کرسکتا تھا' مگر اس وقت میرے پاس ایسا کوئی ہتھیار نہیں تھا جو دیوہیکل کے وزنی بھالے اور نیزے کا مقابلہ کرسکتا اس لیے میں نے جیب سے مشین پسٹل نکال لیا اور اس سے پہلے کہ وہ دیوہیکل میرے قریب آتا' میں نے اس کے سر کا نشانہ لے کر فائر کردیا' مشین پسٹل کے ایک برسٹ نے دیوہیکل کو زمین چاٹنے پر مجبور کردیا لیکن اب فرق صرف اتنا تھا کہ اس کا سراب جسم پر موجود نہیں تھا بلکہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر بکھرا ہوا تھا' میں نے شیطان کا ایک اور حملہ ناکام کردیا تھا' اس سے پہلے کہ شیطان کوئی نئی چال چلتا' میں نے اللہ کا مبارک نام لے کر مشین پسٹل کا رخ مجسمے کی طرف کرکے فائرنگ شروع کردی۔ چند لمحوں کی فائرنگ نے مجسمے کے ٹکڑے فضاء میں بکھیر دیئے۔ میں اب مزید دیر نہیں کرنا چاہتا تھا' اس لیے اپنے بیگ سے ڈائنامائٹ نکال کر معبد کے گرد رکھنے شروع کردیئے لیکن ڈائنامائٹ کو محفوظ کرنے کے لیے مقدس آیات کا ورد کرکے ایک حصار بناتا اور اس کے اندر ڈائنامائٹ کو رکھ دیتا تاکہ شیطانی ذریات ڈائنامائٹ کو غائب نہ کرسکیں۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو اب صرف فیتوں کو آگ لگانی تھی' اور معبد نے تباہ ہوجانا تھا۔ مگر اس سے پہلے مجھے معبد میں موجود شیطانی ذریات کو یا تو مارنا تھا' یا پھر ان کے معبد سے نکالنا تھا۔ میں ابھی معبد کے داخلی دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ شیطانی ذریات کو معبد سے دور کرنے کی کوئی تدبیر کی جاسکے۔ کیونکہ اس کے بغیر میں اس معبد کو تباہ نہیں کرسکتا تھا۔ ابھی میں معبد کے دروازے میں داخل ہی ہوا تھا کہ ایک آواز نے مجھے رکنے پر مجبور کردیا' میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک چھوٹا سا آدمی جس کے چہرے پر صرف ایک آنکھ تھی اور اس کے ہونٹ کٹے ہوئے تھے۔

اس کی منمناتی آواز مجھے رکنے کو کہہ رہی تھی۔

"شیطان کے دشمن اگر تو اس معبد کو تباہ کردے گا تو بدقسمتی تیرا مقدر بن جائے گی۔ شیطان کے پیروکار تجھے اذیت دے دے کر موت کے حوالے کریں گے' اب بھی وقت ہے رک جا اور شیطان سے صلح کرلے' شیطان تجھے اپنا نائب بنانے کے لیے تیار ہے اور دنیا کی ہر طاقت تیری غلام ہوگی' بس تو یہ معبد نہ تباہ کر۔" اس ایک آنکھ والے نے بیک وقت مجھے دھمکی اور لالچ دیتے ہوئے کہا۔

"اے بدذات شیطان کو بول دے کہ جب تک خاور چوہان زندہ ہے وہ اللہ کے دشمنوں کو مارتا رہے گا' اب تیری بات کا جواب دینے کی بجائے میں تجھے تیرے شیطان کے لیے اس معبد کی تباہی کا تحفہ دیتا ہوں۔" میں دوڑتا ہوا معبد کے اندرونی حصے میں بنے جبوترے کے طرف بڑھتا چلا گیا۔ میرے ذہن میں کوئی خاص عمل نہیں تھا۔ جس سے معبد میں موجود شیطانی طاقتوں کو ختم کرسکوں۔ آج جبوترے کے نیچے صرف ٹوٹے ہوئے مجسمے کے ٹکڑے پڑے تھے۔ اچانک الو کی چیختی ہوئی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ میں نے تیزی سے گھوم کر دیکھا۔ ایک بڑی جسامت کا الو مکروہ آوازیں نکالتا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری طرف اڑ رہا تھا۔ میں نے جیب سے جلدی سے مشین پسٹل نکال لیا اور اپنی طرف اڑ کر آتے ہوئے الو کا نشانہ لے کر فائرنگ کر دی۔ گولیاں الو کے جسم میں لگیں اور اور وہ تھرتھراتا ہوا زمین پر گر گیا۔ میں نے زمین پر تڑپتے ہوئے الو کو ایک بار پھر سے نشانہ لگایا اور اس بار کی فائرنگ سے الو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ مگر ابھی کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لرزنے لگے۔ پھر ہر ٹکڑا ایک چھوٹے الو میں تبدیل ہوتا گیا۔ شیطان کی ذریات اتنی آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑنے والی تھیں۔ پھر ہر ایک الو سے لاتعداد الو بنتے چلے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں کی تعداد میں الو پورے معبد میں نظر آنے لگے۔ اب ہر جگہ صرف الو ہی دکھائی دے رہے تھے۔ معبد سے نکلنے کا رستہ بھی الوؤں نے بند کر رکھا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب اس مصیبت سے جان کیسے چھڑائی جائے کہ اسی دوران تمام الوؤں نے اپنی منحوس آواز میں چیخنا شروع کر دیا۔ وہ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہے تھے۔ میں نے اپنی دماغی طاقت سے کام لیتے ہوئے اپنے گرد ایک روشنی کا دائرہ بنا لیا جو پوری طرح روشن تھا۔ اب اس دائرے کے چاروں طرف الو جمع ہو چکے تھے۔ مگر کوئی بھی اس دائرے کے اندر آنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ میں نے فیصلہ کن حملہ کرنے کا سوچا۔ پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر سردار یاشان کی دی ہوئی تلوار جو میں ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا' نکال لی۔ میرے لبوں پر اللہ کی بڑائی کا ورد تھا اور میرے ہاتھ تیزی سے چاروں طرف گھوم رہے تھے۔ یہ وہ تلوار تھی۔ جس سے سردار یاشان جیسے نیک جن نے ہزاروں شیاطین کو ٹھکانے لگایا تھا۔ اب یہ تلوار میرے ہاتھ میں بجلی کی طرح چمک رہی تھی۔ میں نے روشنی کے دائرے کو ختم کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہزاروں کی تعداد میں الو میرے اوپر حملہ آور ہو چکے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح میری آنکھوں پر حملہ کر کے آنکھیں نکال دیں۔ مگر میری تلوار اتنی تیزی سے گھوم رہی تھی کہ کسی بھی الو کو میرے چہرے کے پاس آنے کا بھی موقع نہیں مل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے الوؤں کی ایک بڑی تعداد مار چکا تھا۔ اس جنگ میں الوؤں نے مجھے بھی بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ میری پشت پر بیک وقت کئی الوؤں نے حملہ کیا اور کافی گوشت نوچ لیا۔ درد بے تحاشہ محسوس ہو رہا تھا۔ مگر اس وقت اگر میں درد کی شدت محسوس کر کے تھک کر گر جاتا تو شیطان کے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنے ڈوبتے جسم کو سنبھالنے کے لیے میں نے بلند آواز میں اللہ اللہ پکارنا شروع کر دیا۔ اللہ کے نام کی برکت سے میرے جذبے پھر سے تازہ ہو گئے۔ دو گھنٹے کی جنگ میں لاتعداد الو مر چکے تھے اور باقی ماندہ ڈرے ڈرے انداز میں معبد کے دروازے سے ہوتے ہوئے باہر اڑ گئے۔ اب معبد خالی ہو چکا تھا۔ شیطانی ذریات الوؤں کی شکل میں یا تو مر چکی تھیں یا پھر فرار ہو چکی تھیں۔ میں بھی بے دم ہو گیا تھا۔ اس لیے کچھ لمحے کے لیے زمین پر بیٹھا اپنی توانائی بحال کرتا رہا پھر اللہ کا شکر ادا کر کے تیزی سے معبد سے باہر بھاگا۔ یہ میرے پاس اچھا موقع تھا' معبد کو تباہ کرنے کا۔

باہر آتے ہی میں نے جلدی سے تمام ڈائنامائٹس کو آگ لگا دی۔ اس دوران وہ ٹھگنا بدشکل ایک دفعہ پھر سے نمودار ہوا تھا اور مجھے ہر طرح کی دھمکی دیتا رہا۔ آگ لگا چکنے کے بعد میں نے معبد کے مخالف طرف دوڑ لگا دی تاکہ پتھروں کی بارش سے محفوظ رہوں۔ شیطان کا معبد تباہ ہو چکا تھا' اور میں اللہ کی مدد سے کامیاب ہو چکا تھا' میرا امتحان ختم ہو چکا تھا' اور میں عملی طور پر بھی شیطان کو نقصان پہنچا چکا تھا۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ وقت ضائع کیے بغیر قبیلہ شرر پر حملہ کر کے ان کی قید سے اپنے دوست بلام کو آزاد کراؤں اور اللہ کے دشمنوں پر ایک اور کاری ضرب لگاؤں۔ اس لیے میں نے فوری حملے کا فیصلہ کیا اور کچھ وقت میں اپنی دماغی طاقت سے کام لے کر واپس قبیلہ یاشان پہنچ گیا۔

☆☆

''خاور چوہان اللہ کا فضل ہو چکا ہے اور آپ اس وقت اپنے دماغی قوتوں کو تسخیر کرنے کے علاوہ ایسے علوم بھی سیکھ چکے ہیں جو آپ کی شیطان کی خلاف

جدوجہد میں بہت معاون ثابت ہوں گے۔ آپ کی کامیابی کی خوشی میں آج قبیلے میں جشن ہو رہا ہے۔'' سردار ذوالقرنین نے مجھے مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں ذوالقرنین یہ خوشی اس وقت تک ادھوری ہے' جب تک میں قبیلہ شرر کے جنات کے قبضے میں سے اپنے دوست بلام کو نہیں چھڑا لیتا اور اپنے دوست سردار یاشان کی خواہش کے مطابق قبیلہ شرر کے بڑے کاہن لہات اور شیطانی قبیلے کو ختم نہیں کر دیتا اور اس کے لیے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں' کہ میں آج بلکہ ابھی قبیلہ شرر پر حملہ کرنا چاہتا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ قبیلہ شرر کو بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔ اس کے لیے اگر تمہارے ساتھی جنات تیار ہیں تو بس حملے کی تیاری کرو' عصر کی نماز کے فوراً بعد ہم حملہ آور ہوں گے' میں جانتا ہوں کہ تم لوگ قبیلہ شرر کے جنات کو نہیں دیکھ سکتے' لیکن تم اس کی فکر مت کرو' میں تم جنات کو اس وقت اشارہ کروں گا جیسے ہی قبیلہ شرر کے قبیلے کی حدود پر چھائے جادو کا خاتمہ کروں گا' تمہارا کام یہ ہوگا کہ اس کے بعد اپنے ساتھی جنات کے ساتھ ان پر فوری حملہ کر دینا' میں ان کو سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔ اس لیے تم جنات پوری تیاری کر لو'' میں نے جنگ کا پورا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا۔

سردار ذوالقرنین کوئی اعتراض کیے بغیر اپنے ساتھیوں کو تیاری کا حکم دینے چلا گیا۔ عصر کی نماز کے بعد میں نے فوری روانگی کا کہا اور پھر جنات کا ایک بڑا لشکر میرے ساتھ چل پڑا۔ میں نے سردار ذوالقرنین کو باور کرا دیا تھا کہ جب تک میرے طرف سے اشارہ نہ آئے وہ یا اس کا کوئی بھی جن ساتھی حملہ نہ کرے اور نہ ہی ظاہر ہو۔ ان سب کو میرے اشارہ کرنے تک چھپ کر رہنا تھا۔ مجھے طریقہ معلوم ہو چکا تھا کہ کیسے قبیلہ شرر کا قبیلہ باقی جنات پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ میں نے قبیلہ شرر کی حدود پر جا کر اپنے جیب میں سے ایک چاقو نکالا اور اپنے ہاتھ پر ایک گہرا زخم لگا کر خون کو قبیلے کی حدود پر گرنے دیا۔ میں نے مقدس آیات کا ورد کر کے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔ تاکہ قبیلہ شرر والے میرے اوپر کوئی فوری حملہ نہ کر سکیں۔ میرا خون جیسے جیسے قبیلے کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ ویسے ویسے میرے جنون میں اضافہ ہو رہا تھا۔ میرے سامنے لاکھوں کی تعداد میں قبیلہ شرر کے جنات کھڑے نظر آنے لگے۔ مگر وہ مجھ پر حملہ کرنے سے قاصر تھے۔ میں نے فوراً سردار ذوالقرنین سے دماغی رابطہ کرنے کے بارے میں سوچا۔ دوسرے لمحے میں سردار کے دماغ میں مخاطب تھا اور سردار ذوالقرنین میری آواز سن سکتا تھا۔

میں نے سردار کو کہا کہ ''کیا تمہارے ساتھیوں کو قبیلہ شرر کے جنات نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ اگر تم جنات اپنی بصارت پر قابو پا چکے ہو تو اپنے آدھے ساتھیوں کے ساتھ ایک بھرپور حملہ کرو اور اپنے آدھے ساتھیوں کو حکم دو کہ گھوم کر قبیلہ شرر کی پچھلی سمت چلے جائیں اور مناسب موقع دیکھ کر حملہ کر دیں۔'' میں نے سردار ذوالقرنین کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے خاور چوہان ہم حملہ کرنے کے لیے تیار ہیں اور باقی ساتھی مخالف سمت میں جانے کے لیے تیار ہیں۔'' کچھ دیر بعد سردار ذوالقرنین نے میرے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی۔

میں نے حملے کا اشارہ دے دیا۔ قبیلہ شرر والے بھی لڑنے کے لیے تیار ہو چکے تھے مگر ان کو اتنی تیاری کا موقع نہیں ملا تھا جتنی تیاری کے ساتھ قبیلہ یاشان کے جنات آئے تھے۔ میں شیطان کی چال شیطان پر ہی الٹ رہا تھا۔ اس نے بے خبری میں حملہ کر کے مجھے میرے شفیق دوست اور استاد سردار یاشان سے محروم کر دیا تھا اور ویسے بھی مجھے اپنے وفادار دوست بلام کی بھی فکر تھی کہ کہیں حملے کی خبر سن کر اگر میرا دوست زندہ ہے تو اس کو قتل نہ کر دیا جائے۔ اس لیے میں نے خاموشی سے حملہ کروایا تھا۔ فضا' اللہ اکبر کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ سردار ذوالقرنین اپنے ساتھیوں میں سب سے آگے تھا اور اس کی پرجوش آواز مسلسل اللہ کی بڑائی کے نعرے لگا کر دشمن کے دلوں کو خوف کا شکار کر رہی تھی۔ میں نے اپنی تلوار نکال لی تھی۔ پچھلی لڑائی میں سردار یاشان مجھے بتا چکا تھا کہ میں جنات پر انسانوں کی طرح وار کر کے ان کو بھی ہلاک کر سکتا ہوں اور اس کا عملی ثبوت بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے مل چکا تھا۔ کیونکہ جنات کے ساتھ پچھلی لڑائی میں اسی تلوار سے میں نے کئی شیطان جنات کو دوزخ کا ایندھن بنایا تھا۔ میں نے بھی اللہ اکبر کے نعرے لگا کر سردار ذوالقرنین کے ساتھیوں کی آوازوں کا ساتھ دیا اور قبیلہ شرر کی حدود میں داخل ہوگیا۔ جنات اپنے اصل روپ میں تھے۔ میں ان کے سامنے بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر سے اللہ اکبر کی آواز بلند کرتے ہوئے اپنے سامنے آتے ہوئے ایک شیطان پر وار کردیا۔ یہ وار پوری طاقت سے کیا تھا اور اس کے نتیجے میں اس شیطان کی دو ٹانگیں کٹ گئیں اور زمین پر گر کر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ میں نے اللہ کا نام لیتے ہوئے پوری قوت سے اس شیطان کی گردن پر وار کیا اور اس کی گردن اس کے دھڑ سے الگ ہوگئی۔ سردار ذوالقرنین اس وقت تک پانچ شیطانوں کو جہنم واصل کر چکا تھا' بلاشبہ سردار ذوالقرنین ایک بہترین تلوار انداز تھا' اس کی تلوار بجلی کی طرح چمکتی تھی اور شیطان کے چیلے ٹکڑوں میں تبدیل ہوجاتے تھے۔ اس دوران پچھلی سمت سے قبیلہ یاشان کے باقی جنات نے بھی حملہ کر کے پوری طرح قبیلہ شرر کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

میں نے سردار ذوالقرنین کو کہا کہ میں قبیلہ شرر کے سردار اور کاہن کی موت بننے اور اپنے دوست بلام کی تلاش میں جارہا ہوں' وہ اور اس کے ساتھی جنگ جاری رکھیں۔

سردار ذوالقرنین نے اپنے تین ساتھیوں کو جلدی سے اشارہ کرتے ہوئے میرے ساتھ جانے کو کہا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ سردار ذوالقرنین اور اس کے ساتھی کچھ دیر میں جنگ کا فیصلہ کردیں گے۔ میں نے ایک اور شیطان پر حملہ کرتے ہوئے اس کی ٹانگیں بھی کاٹ دیں' اور اس سے اپنے دوست بلام کے بارے میں پوچھا' اس کے انکار کرنے پر اس کا ایک ہاتھ بھی کاٹ چکا تھا' وہ شیطان بری طرح چلا رہا تھا مگر میرے اوپر اس کے چلانے کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس کا بازو بھی کاٹ دیا۔ اس شیطان نے ایک سمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' کہ بلام اس طرف ایک غار میں بند ہے اور اپنی جان بخشی کی معافی مانگنے لگا' مگر میں شیطان کے چیلوں پر رحم کھانے کے موڈ میں بالکل بھی نہیں تھا' اس لیے میرے اگلے وار نے اس کی گردن کاٹ دی۔ میں نے اپنے تین ساتھیوں کو اس سمت روانہ کر کے بلام کو ڈھونڈنے کا حکم دیا اور خود بھی اس سمت میں دوڑ لگادی۔ کچھ محنت کے بعد بلام کو ایک غار میں بے ہوش پالیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ بلام موت کے منہ میں جارہا ہے' اس کا ننھا جسم ہر طرف سے جھلس چکا تھا اور اس کے زخم ناسور بن چکے تھے' مگر وہ بلند حوصلہ میرا وفادار دوست اب بھی زندہ تھا' اس کی سانسوں میں تیزی نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی وقت بھی سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے گی۔

''بلام' میرے دوست اٹھو' آنکھیں کھولو' دیکھو میں تمہاری واپسی کے لیے آیا ہوں۔'' میں نے بلام کو ہلاتے ہوئے کہا۔

بلام مر رہا تھا' میرا دوست جس نے میری جان بچانے کی کوشش میں اپنی جان کی قربانی دے دی تھی۔ مگر میں اس کے لیے کچھ بھی نہ کر پارہا تھا۔

''بلام ہوش میں آؤ' بلام میں اب تمہاری موت کا دکھ برداشت نہیں کر پاؤں گا' میرے سب اپنے مر گئے' مگر اب تمہاری موت میرے سانس بند ہونے کا سبب بن جائے گی۔ میں اتنا بڑا دکھ اب برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔''

میں نے جلدی سے سجدے میں سر رکھ کر اللہ سے بلام کی زندگی مانگنی شروع کردی۔ اسی دوران میرے ساتھ آیا ہوا ایک جن غائب ہوگیا اور جب دوبارہ ظاہر ہوا تو اس کے ہاتھ میں کافی زیادہ ہلکے سبز رنگ کے پتے تھے' اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان پتوں کو اپنے ہاتھوں میں مسل کر ان کا رس بے ہوش بلام کے منہ میں ڈالنا شروع کردیا۔ کچھ دیر تک وہ اپنا عمل کرتا رہا اور پھر اس نے باقی پتوں کا رس نکال کر بلام کے زخموں پر رگڑنا شروع کردیا۔ کافی دیر تک وہ پوری توجہ سے بلام کا علاج کرتا رہا۔ بلام ایک کراہ کے ساتھ ہوش میں آرہا تھا۔

''بلام میرے دوست' میرے ساتھی تمہیں

ہوش آگیا۔'' میری آنکھیں بھیگ چکی تھیں' میں اللہ کا شکر ادا کررہا تھا۔

''خاور چوہان' تمہارا غلام تمہیں اکیلا کیسے چھوڑ سکتا تھا۔'' بلام کی لرزتی ہوئی آواز آرہی تھی۔

''میرے دوست بلام تم آرام کرو۔'' میں نے اپنے تینوں ساتھیوں سے کہا' کہ وہ بلام کو قبیلہ یاشان لے جائیں اور ساتھ ہی اس کی حفاظت اور علاج کے بارے میں بھی خصوصی ہدایات دیں۔

پھر میں نے قبیلہ شرر کے سردار کو مارنے کے لیے اس کی تلاش شروع کردی۔ کچھ دیر بعد قبیلہ شرر کا سردار اپنے ایک کشادہ غار میں بیٹھا نظر آگیا۔ اس کے قریب ہی ایک شیطان صورت بوڑھا کاہن بھی بیٹھا تھا جو منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے مقدس آیات پڑھ کر اپنے گرد حصار باندھ لیا اور جلدی سے اس بوڑھے کی طرف بڑھا' مگر وہ بوڑھا مجھے دیکھتے ہی غائب ہوکر فرار ہوگیا۔ میں نے غار کی دیوار پر ایک جلتی ہوئی مشعل اٹھائی اور اپنی جیب سے کوئلہ نکال کر اس کو آگ لگادی۔ قبیلہ شرر کا سردار جن اس دوران ادھر سے ادھر بھاگ رہا تھا' اس کی ساری طاقت خاک میں مل چکی تھی' اس وقت وہ موت کے خوف سے سہما ہوا لگ رہا تھا' اس کو پتہ چل چکا تھا کہ اس کی موت بن کر خاور چوہان اس کے سر پر پہنچ چکا ہے' اندھا ہونے کی وجہ سے بھاگتے ہوئے وہ کبھی ایک دیوار کے ساتھ ٹکراتا تو کبھی دوسری طرف۔ میں نے اس شیطان زادے کو ختم کرنے کے لیے بلام کی ہدایت کے مطابق پورا انتظام کیا ہوا تھا۔ میں نے اپنی تلوار نکالی اور اس شیطان زادے پر لپک کر وار کردیا۔ میرے ایک ہی وار نے اس کو زمین چاٹنے پر مجبور کردیا۔ وہ چلا رہا تھا' اپنی موت سے بچنے کے لیے رو رہا تھا' یہ وہی تکبر کا مینار تھا جس نے میرے دوست ولید کو ٹکڑوں میں تبدیل کروایا تھا' میں نے آگے بڑھ کر اس کے پاؤں کے انگوٹھے کاٹ کر ان پر کوئلہ لگادیا اور پھر جلتی ہوئی مشعل سے اس شیطان کے جسم پر آگ لگادی اور ساتھ ہی اس کے کٹے ہوئے انگوٹھے بھی اس کے جسم پر پھینک دیئے' اس کے چلانے کی آواز سے کان پھٹے جارہے تھے' میں نے اس شیطان کو زندہ جلا دیا تھا' کچھ ہی دیر میں وہاں اس کی راکھ موجود تھی' جو میں نے ایک بوتل میں محفوظ کرلی اور پھر غار سے باہر آگیا۔ میری توقع کے مطابق سردار ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں نے شیطان کو بری طرح شکست دے دی تھی۔ قبیلہ شرر کے تین تہائی شیطان جہنم کا ایندھن بن چکے تھے اور جو باقی بچ گئے تھے ان کو قیدی بنالیا گیا تھا۔ سردار ذوالقرنین نے اپنی روایات کے مطابق اپنے عالم جنات کا ایک گروہ اور اپنے کافی جنات ساتھی اس قبیلہ شرر میں چھوڑ دیئے تاکہ اس کے ساتھی قبیلہ شرر کا نظام درست کرسکیں' پھر ہم لوگ فاتح بن کر واپس قبیلہ یاشان میں داخل ہوئے' اتنی بڑی فتح پر تمام قبیلہ بہت خوش تھا' سردار ذوالقرنین نے اپنی فتح کے لیے اپنے تمام قبیلے والوں کو اللہ کے سامنے شکرانے ادا کرنے کا کہا۔ تمام قبیلہ اللہ کے سامنے جھک کر اس کا شکر ادا کررہا تھا' کہ ان کو شیطان پر فتح یاب کیا۔

''سردار ذوالقرنین کیا تم مجھے بلام کے پاس لے جاسکتے ہو' مجھے اس کا علاج کرنا ہے۔'' میں نے بے چین ہوتے ہوئے سردار سے کہا۔

سردار نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک طرف چل پڑا' میں بھی سردار کے قدموں کے ساتھ قدم ملا رہا تھا۔

بلام اپنے غار میں لیٹا ہوا تھا' اس کی حالت حیرت انگیز طور پر کافی حد تک ٹھیک ہوچکی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا اور دوڑ کر میرے گلے لگ گیا۔

''بلام میرے دوست اب جلدی سے وہ کانجو کا لے کر آؤ' اور یہ اس شیطان کی راکھ ہے' اب تم جلدی سے اپنا علاج کرلو۔'' میں نے بلام کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

بلام نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے راکھ لی اور پھر ایک کونے کی طرف بڑھ گیا' وہاں پر جا کر کانجو کا تھیلا نکالا' اور اندر سے سارا پانی نکال دیا' کچھ دیر تو وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیلا تھرتھراتا رہا' مگر پھر کانجو کا ختم ہوگئی' بلام نے ایک چاقو لے کر اس مچھلی کانجو کا کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا' اور معمولی سی خون کی مقدار کو راکھ میں ملا کر اس راکھ کو کھا گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں بلام اپنی اصل جسمانی حالت میں موجود تھا' واقعی میں نے اس جیسا شہ زور جنات میں سے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔

''خاور چوہان' تمہارا غلام تمہارا یہ احسان ساری عمر یاد رکھے گا' مگر اب مجھے طریقہ بتاؤ' میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔'' بلام کی آواز میں مسرت پھوٹ رہی تھی۔

یہ خبر میرے لیے انتہائی خوشی کا باعث تھی۔ میں نے بلام کو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا طریقہ بتا دیا' اور اس کا نام یوسف تجویز کیا۔ بلام کو بھی اپنا نام پسند آیا' قبیلہ یاشان والوں نے بلام کو مسلمان ہونے کی مبارکبادی۔ اس دن میں نے آرام کرنے کا سوچا' کیونکہ کتنے دن ہوگئے تھے' میں نے آرام نہیں کیا تھا' اس لیے میں نے لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں اور کچھ ہی دیر میں گہری نیند سو چکا تھا۔

مگر سونے سے پہلے میں اپنے دماغ کو ہدایات دینی بھول گیا تھا' اس وجہ سے شیطان کا وہ ایک آنکھ والا چیلا میرے خواب میں آکر مجھے برے نتائج کی دھمکیاں دے رہا تھا اور اس کے ساتھ قبیلہ شرر کا وہ پجاری بھی تھا جو قبیلہ شرر کے سردار کو چھوڑ کر میرے حملے کی وجہ سے فرار ہوگیا تھا۔ وہ شیطان منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا' اور پھر اس نے اپنا بایاں ہاتھ میری طرف پھیلا دیا۔ اس کی انگلیوں سے چھوٹے چھوٹے سانپ نکل کر میری طرف بڑھنے لگے' اس دوران وہ ایک آنکھ والا بونا بھی میرے قریب پہنچ کر حملہ کرنے لگا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے سانپ میرے پورے جسم پر پھیل رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ مزید دیر ہوجاتی اور وہ شیطان اپنے وار میں کامیاب ہوجاتے' میرے دماغ نے فوری طور پر مجھے نیند سے جگا دیا۔ نیند سے جاگنے کے بعد بھی وہ چھوٹے چھوٹے سانپ میرے جسم پر نظر آرہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھے ڈستے' میں نے جلدی سے مقدس آیات کا ورد کر کے اپنے آپ کو حصار میں دے دیا۔ ایسا کرتے ہی وہ سب سانپ زمین پر گر کر تڑپنے لگے' اور کچھ دیر میں ہی ساکت ہوگئے' اللہ نے مجھے پھر سے شیطان کے وار سے بچا لیا۔ میرے دماغ کی حفاظتی مدافعت نے بروقت کام کیا تھا اور مجھے نیند سے بیدار کر دیا تھا' میں نے سوچ لیا' اب غفلت کا شکار نہیں ہوں گا' میں کافی دیر سو چکا تھا' اب بھوک بھی لگ رہی تھی' اس لیے میں نے اپنی خدمت پر مامور جن کو بلا کر کھانے کا کہا' جب تک وہ کھانا لے کر آیا' میں غسل کر کے تازہ دم ہوگیا۔ کھانے کے دوران بلام بھی آچکا تھا۔ اس نے بھی میرے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد فارغ ہو کر میں نے بلام کو اپنے خواب کے بارے میں بتایا۔

''خاور چوہان اگر میری بات کو گستاخی نہ سمجھا جائے تو مجھے اپنا نیا نام بہت پسند آیا ہے' اور درخواست کرتا ہوں کہ تم بھی مجھے یوسف کے نام سے بلاؤ' اور آئندہ سے میں بھی تمہاری سونے کے دوران حفاظت کروں گا' باقی حفاظت کرنا تو اللہ کے اختیار میں ہے' لیکن میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔'' یوسف نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''اور باقی رہی اس پجاری کی بات جو تمہارے خواب میں آیا تھا' تو میرے خیال میں وہ وہی شیطان لہات تھا' جس نے قبیلہ شرر کو شیطان کا پجاری بنایا تھا۔ میری کچھ دیر پہلے سردار ذوالقرنین سے بات ہو رہی تھی' اس نے بتایا تھا' کہ مرنے والوں اور قیدیوں میں پجاری لہات شامل نہیں ہے۔'' تو اس کا مطلب ہے کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے۔'' یوسف نے مزید کہا۔

ہم ابھی باتیں کر رہے تھے' کہ سردار ذوالقرنین بھی آگیا۔ اس نے آتے ہی سلام کیا اور پھر میرے قریب بیٹھ گیا۔

میں نے اس کو بھی پجاری لہات اور اپنے خواب کے بارے میں بتاتے ہوئے پوچھا کہ شیطان لہات کو ڈھونڈنے کا کیا طریقہ ہے۔

مگر سردار ذوالقرنین نے بتایا کہ وہ ہر ممکن کوشش

کر چکے ہیں لہات کو ڈھونڈنے کی' مگر ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ ویسے اللہ مالک ہے' اگر اللہ نے چاہا تو ہم ایک دن اس شیطان کے پجاری لہات کو بھی ہلاک کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ ذوالقرنین نے امید ظاہر کی۔

میں نے اور یوسف نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔

''سردار ذوالقرنین میں نے اب یہاں سے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے' میں دنیا کی ہر جگہ گھوموں گا' اور جہاں اللہ کے دشمن' اللہ کی مخلوق پر ظلم کرتے نظر آئیں گے' وہاں ان کی سرکوبی کروں گا' اور اگر تمہیں میری کسی بھی قسم کی ضرورت پڑے تو تم مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔'' میں نے سردار ذوالقرنین کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان تمہارے جانے کا سن کر میرا دل افسردہ ہوگیا ہے' تم نے ہمارے سردار یاشان کی دیرینہ خواہش جو کہ قبیلہ شرر کے ظلم کا خاتمہ تھی' اس کو پورا کیا۔ تم نے میرے قبیلے کے سب جنات کے دل جیت لیے ہیں۔ میرے سب ساتھی تمہاری بہادری سے بہت خوش ہیں' ان کا دل بھی افسردہ ہوجائے گا' مگر جیسا کہ تم اللہ کے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے جانا چاہتے ہو' اس لیے میرا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تمہیں اس مقدس کام سے روک کر یہاں رہنے پر مجبور کروں۔ مگر تمہارے سے ایک درخواست لازم کروں گا' کہ جب بھی بھی تم اللہ کے دشمنوں کے خلاف مدد چاہو' تو میں اور میرا قبیلہ آخری سانس تک تمہارا ساتھ دے گا۔'' سردار ذوالقرنین کی آواز بولتے بولتے بھرا گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

میں نے آگے بڑھ کر سردار ذوالقرنین کو گلے لگا لیا اور کہا۔

''سردار ہم سب مسلمانوں کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ اپنے رب کو خوش کریں۔ اس لیے جب کبھی مجھے تمہاری ضرورت پڑی تو میں تم سے رابطہ کرلوں گا۔'' میں نے سردار کو کہا۔

''یوسف تم کیا سوچتے ہو۔'' میں نے یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''خاور چوہان اب میں تمہارا ساتھی ہوں' تم جہاں جاؤ گے' یوسف تمہارے ساتھ جائے گا۔ میں نے اپنا قبیلہ اس وقت تمہارے لیے چھوڑا تھا جس وقت میں مسلمان نہیں تھا' مگر اب تو میں مسلمان ہوچکا ہوں' تو اللہ کی مدد کے بعد میں ہر معاملے میں تمہاری مدد کروں گا' جس طرح تمہارا مقصد اللہ کے دشمنوں کی سرکوبی ہے' اسی طرح میرا مقصد بھی یہ ہی ہے۔ تو میرے دوست تمہارا یہ غلام تمہارے ساتھ ہی رہے گا۔'' یوسف جذباتی ہوگیا تھا۔

میں نے ہنستے ہوئے یوسف کو کہا۔ ''میرے غلام نہیں ہو تم' میں تمہیں کتنی دفعہ کہہ چکا ہوں اور مجھے معلوم تھا کہ تمہارا کیا جواب ہوگا' اس لیے میں نے صرف مذاق میں پوچھا تھا' کیونکہ اب تم مجھے میرے خاندان کے ایک فرد کی طرح عزیز ہو' اور جس رستے پر میں جا رہا ہوں' وہاں اللہ کی مدد کے بعد تمہاری بھی ضرورت رہے گی' میں تمہیں اپنے سے جدا کرنے کا اب سوچ بھی نہیں سکتا۔''

میری بات نے یوسف کو اور جذباتی کر دیا اور وہ میرے گلے لگ گیا۔

''خاور چوہان میں چاہتا ہوں کہ تم کل تک مزید قیام کرو' کل تمہارے لیے ہم سب قبیلے والے ایک دعوت کا انتظام کریں گے اور یہ بات تمہیں ماننی ہی ہوگی۔'' سردار ذوالقرنین نے اٹل لہجے میں کہا۔

''سردار ذوالقرنین تمہاری خوشی سے بڑھ کر اب اور کیا ہے۔'' میں نے رضامند ہوتے ہوئے کہا۔

سردار ذوالقرنین نے اپنے پورے قبیلے میں میرے جانے کا اعلان کر دیا اور پھر جنات ایک ایک کر مجھ سے ملنے وقتاً فوقتاً آتے رہے' اور مجھ سے اپنے سردار ذوالقرنین کی طرح وعدہ لیتے رہے کہ جب بھی کوئی مشکل پڑ جائے تو ان کو لازم طلب کیا جائے گا' میں اللہ کی طرف سے دی گئی اس عزت پر اپنے رب کا شکر ادا کر رہا تھا' کہ اس نے مجھے اتنی عزت دی۔ بے شک اللہ ہی عزت دینے والا ہے' اگلے دن دعوت کے بعد میں اور یوسف قبیلہ یاشان سے روانہ ہوچکے تھے۔ میری اگلی منزل میرا اپنا ملک تھا' میں نے سوچ لیا تھا' کہ اگر جبران ملک گناہوں سے توبہ کرلے گا تو اس کو معاف کر دوں گا' ورنہ اس کے گناہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بدلے اس کو موت کی وادی میں دھکیل دوں گا۔

"یوسف میں اپنے ملک جانا چاہتا ہوں' میرے خاندان کا قاتل اب بھی زندہ ہے' میں اسے گناہوں سے تائب ہونے کی دعوت دینا چاہتا ہوں' اگر ایسا نہ ہوا تو اپنے خاندان کے مظلوم لوگوں کی موت کا بدلہ اس سے لوں گا۔" میں نے یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خاور چوہان یوسف ہر وقت اور ہر فیصلے میں تمہارا ساتھ دے گا۔ اگر تم اپنے ملک جانے کا ارادہ کر چکے ہو تو آؤ اور میرا ہاتھ پکڑ کر آنکھیں بند کرلو' میں تمہیں جلد ہی ادھر پہنچا دوں گا۔" یوسف نے آسان رستہ دکھاتے ہوئے مجھے کہا۔

"ٹھیک ہے یوسف' مگر مجھے کچھ تیاری کی ضرورت ہے' مجھے اپنے دشمنوں کے ہر وار اور خطرے سے بچنے کے لیے کچھ ہتھیاروں کی بھی ضرورت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اسی انسانی شکل میں میرے ساتھ رہو اور جب ضرورت پڑے تو اپنی جناتی صفات کے ذریعے دشمنوں کو مغلوب کرو۔" میں نے یوسف سے کہا۔

یوسف نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"خاور تمہیں جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ میں تمہیں مہیا کردوں گا تم اس بارے میں بے فکر رہو۔" یوسف کہہ رہا تھا۔

پھر کچھ دیر کے بعد میں یوسف کا ہاتھ پکڑے آنکھیں بند کیے ہوئے تھا' کہ یوسف نے مجھے آنکھیں کھولنے کے لیے کہا' میں اس وقت اپنے ملک میں تھا' جہاں سے پھانسی کے جھوٹے مقدمے سے بچ کر فرار ہوا تھا۔ میرا حلیہ بہت تبدیل ہو چکا تھا' اس لیے مجھے اس بات کی بھی فکر نہیں تھی' کہ پہچان لیا جاؤں گا۔ ایک جگہ رک کر میں نے یوسف سے رقم کا بندوبست کرنے کے لیے کہا' کچھ ہی دیر میں اس نے کچھ نایاب موتی لاکر مجھے دے دیئے لیکن ہمارے کپڑے اس قابل نہ تھے' کہ ان کو فروخت کرنے جاسکتے۔ اس موقع پر بھی یوسف میرے کام آیا اور کچھ ہی دیر میں ہم لوگ اچھے کپڑوں میں ایک دوکان پر داخل ہوئے اور کچھ دیر میں موتی فروخت کرنے کے بعد میری جیب میں اب اتنی رقم موجود تھی' کہ آرام سے سب ضروریات پوری ہو جاتیں۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق کچھ اسلحہ خرید لیا۔ اب میں جبران ملک سے ملنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ میں نے اپنے گاؤں جانے کے لیے ایک جیپ خرید لی تھی۔ میں اس موقع پر یوسف کے ذریعے اپنے گاؤں نہیں جانا چاہتا تھا' کیونکہ میں پہلے اپنے گاؤں کے حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا' اور لوگوں کی رائے لینا چاہتا تھا' کہ وہ جبران ملک کے بارے میں کیا رویہ رکھتے ہیں تاکہ اس سب کے مطابق جبران ملک کو سزا دے سکوں۔ اپنے گاؤں سے کافی فاصلے پر ایک بستی میں داخل ہوئے۔ مسلسل سفر کر کر کے میری حالت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس وجہ سے ایک سرائے کا رخ کیا۔ سفر کی وجہ سے میں کافی تھک چکا تھا اس لیے یوسف کو بول کر اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلا گیا۔ سونے سے پہلے میں نے ضروری وظائف کرنے کے بعد اپنے دماغ کو محتاط رہنے کا حکم دے کر جبران ملک کا تصور ذہن میں لاکر سو گیا۔ سوتے میں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میں ہوا کے ساتھ اڑ رہا ہوں' میری سمت جبران ملک کی حویلی تھی۔ خواب کی کیفیت میں میں عام انسانی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ جبران ملک اپنے خاص کمرے میں تھا لیکن اس وقت میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا' کہ جبران ملک کے ایک مجسمے کے آگے جھکا ہوا ہے' اور یہ مجسمہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ میں نے معبد میں تباہ کیا تھا' اس کا مطلب تھا کہ جبران ملک شیطان کا پجاری بن چکا ہے۔ اچانک ایک طرف مجھے وہی ایک آنکھ والا بونا اور پجاری لہات بھی نظر آئے' دونوں نے یقیناً مجھے دیکھ لیا تھا اس لیے میری طرف غصے سے دیکھ رہے تھے' میں دیکھ رہا تھا کہ وہ مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش میں ہیں مگر ان کا ہر وار خالی جا رہا تھا۔

"مجھے تمہارا ہی انتظار تھا خاور چوہان' مجھے میرے آقا شیطان نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا' تمہیں یہاں تمہاری موت ہی لے کر آئی ہے۔" اچانک جبران ملک نے سر اٹھا کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ مجھے دیکھ سکتا ہے۔

"خاور چوہان' میں نے شیطان کی بہت پوجا

کی ہے اور میری پوجا سے خوش ہو کے شیطان نے مجھے ایسی ایسی طاقتیں دی ہیں کہ میں تمہیں پھونک مارتے ہی بھسم کر سکتا ہوں۔" جبران ملک کے لہجے میں فرعونیت بھری ہوئی تھی۔

"جبران ملک میں یہاں یہ سوچ کر آیا تھا کہ تمہیں اچھائی کے رستے کی دعوت دے سکوں مگر لگتا ہے کہ تم اپنی ہر حد پار کر چکے ہو' اب تمہارے خاک میں ملنے کا وقت آ گیا ہے۔" میں نے جبران ملک کو گھورتے ہوئے کہا۔

جواب میں جبران ملک کی مکروہ ہنسی گونجنے لگی۔

جبران ملک نے میری طرف دیکھتے ہوئے پھونک مار دی۔ اس کی پھونک کی وجہ سے میرے اردگرد آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ آگ مجھے جلا کر راکھ کردے گی۔ مگر میں اللہ کی رحمت سے پرامید تھا۔ میں نے مقدس آیات کا ورد کرتے ہوئے آگ پر ہاتھ رکھ دیا' آگ یک لخت بجھ گئی' جیسے کبھی لگی نہ ہو۔

"جبران ملک یہ خاور چوہان کا صرف عکس ہے اس کا اصل جسم ایک سرائے میں موجود ہے تم اس کو روکے رکھو تو ہم اس کو جا کر جلا دیتے ہیں۔" پجاری لہات نے چلا کر جبران ملک سے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ سرائے میں جا کر میرے جسم کو کوئی نقصان پہنچاتے۔ میرا دماغ میری ہدایات کے مطابق مجھے فوری طور پر نیند سے بیدار کر چکا تھا۔ میں انتہائی چوکنا ہو گیا۔ میں نے فوراً یوسف سے رابطہ کیا۔ اگلے ہی لمحے یوسف بھی میرے کمرے میں آ چکا تھا۔ اب ہم دونوں ہی منتظر تھے کہ کب جبران ملک اور اس کے شیطان مجھ پر حملہ کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اسی انتظار میں کافی دیر گزر گئی۔ مگر شیطان کے پجاری نہیں آئے۔ ویسے بھی شیطان کو چھپ کر اور دھوکے سے وار کرنے کی عادت ہے تو اس کے ماننے والے بھی اپنے گرو کے ہی رستے پر چلتے ہیں۔ جب مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ شیطان کے بزدل پیروکار اب حملہ نہیں کریں گے تو میں یوسف کو لے کر سرائے سے باہر آ گیا۔ میں اپنے گھر جانا چاہتا تھا۔ جہاں میں نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ مگر ادھر جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ سرائے کو چھوڑ کر اب ہم لوگ اپنی بستی جانے کے تیار تھے۔

یوسف اس وقت انسانی روپ میں میرے ساتھ تھا۔ ہم دونوں اس وقت اپنی جیپ پر بیٹھے جا رہے تھے۔ اچانک جیپ کا ٹائر برسٹ ہو گیا اور جیپ کی تیز رفتاری کو بروقت کنٹرول نہ کر پایا۔ جس کے نتیجے میں جیپ ایک زوردار آواز کے ساتھ ایک جانب درختوں کے جھنڈ میں جا کر ایک درخت کے ساتھ ٹکرا گئی۔ مگر اللہ کا شکر تھا کہ جسمانی لحاظ سے ہم دونوں تقریباً محفوظ رہے تھے۔ یوسف نے بتایا تھا۔ کہ جنات جب انسانی روپ میں آتے ہیں تو ان کو بھی تکلیف کا احساس انسانوں کی طرح ہی ہوتا ہے۔ اب جیپ تو فی الحال ہمارے کسی کام کی نہیں رہی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اس لیے سڑک کے دونوں اطراف میں بنے کھیتوں میں کام کرنے والے کسان ہم دونوں کے گرد جمع ہو چکے تھے۔

"باؤ جی آپ لوگ ٹھیک تو ہیں۔" ایک کسان نے فکرمندانہ نظروں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میرا سر گاڑی کے اسٹیرنگ کے ساتھ ٹکرایا تھا۔ جس کی وجہ سے معمولی سا زخم آ گیا تھا۔ جس سے تھوڑا سا خون بھی بہنے لگا تھا۔ یوسف نے جلدی سے اپنی قمیض کا ایک حصہ پھاڑ کر میرے سر پر رکھ کر بہتے ہوئے خون کو روک دیا تھا۔

"ہاں ہم لوگ ٹھیک ہیں۔ بس گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ جس کے لیے مکینک کی ضرورت پڑے گی۔" میں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"باؤ جی آپ لوگ فکر نہ کریں۔ ادھر سے قریب ہی میرا گھر ہے۔ آپ لوگ میرے ساتھ میرے گھر پر چلیں اور آپ کی گاڑی کے لیے مکینک کو بلا لیں گے۔ جب تک آپ کی گاڑی ٹھیک نہیں ہو جاتی۔ آپ میرے مہمان بن جائیں۔ ویسے بھی مہمان سو ہنے رب کی رحمت ہوتے ہیں۔" اسی آدمی نے دوبارہ کہا۔

"نہیں بابا..... آپ کو تکلیف ہو گی۔" میں نے نرم لہجے میں منع کرتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو جی۔اس میں تکلیف کیسی۔انسان ہی تو انسانوں کے کام آتے ہیں۔بشیر تو میری سائیکل لے جا اور ساتھ والی بستی سے شیدے مکینک کو بلا لا۔چل شاباش۔جلدی جا اور جلدی واپس آ......" اس آدمی نے جواب دیتے ہوئے اپنے ایک ساتھی کو مکینک بلانے کے لیے بھگا دیا۔

"بابا آپ کا نام کیا ہے......" میں نے پھر سے پوچھا۔

"باؤ جی میں کرم دین ہوں...... اور یہ کھیت حاجی امداد بخش کے ہیں۔ ہم سب ان کے مزارعے ہیں...... سوہنا رب خوش رکھے۔حاجی صاحب کو۔ بہت نرم دل والے ہیں...... ہم غریبوں کا بہت خیال رکھتے ہیں......" کرم دین شائد باتونی طبیعت کا مالک تھا۔ اس وجہ سے بات سے بات نکال رہا تھا۔

"اچھا چلو باؤ جی اب میرے گھر چلو۔ جا کر روٹی پانی ہو جائے۔" کرم دین نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

اتنی پر خلوص دعوت کو رد کرنے کے لیے میرا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔اس لیے میں نے یوسف کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

کچھ ہی دیر میں ہم لوگ کرم دین کے چھوٹے سے گھر میں داخل ہو چکے تھے۔ پھر ہمارے منع کرنے کے باوجود کرم دین گرم گرم پراٹھے اور سرسوں کے ساگ کے ساتھ لسی کے بڑے گلاس لے آیا۔

آج کتنے سالوں کے بعد میں نے یہ مزیدار کھانا کھایا تھا۔کھانا کھا کر جب فارغ ہو گئے۔تب کرم دین کا پوتا آ کر برتن اٹھا کر لے گیا۔

"باؤ جی اگر آپ کو جانے کی جلدی ہے تو آپ حاجی صاحب سے بات کر سکتے ہیں۔ وہ آپ کے جانے کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر سکتے ہیں...... اور اگر آپ ٹھہرنا چاہیں تو میرا یہ غریب خانہ آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔" کرم دین نے کہا۔

یوسف کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اب فاصلے میرے لیے اہمیت نہیں رکھتے تھے۔مگر اس موقع پر میں یوسف کی جناتی صفات کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ آج اتنے سالوں کے بعد پھر سے اپنے لوگوں میں آ کر بہت خوشی محسوس کر رہا تھا۔ میں لوگوں کے دکھ اور خوشی کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔اس وجہ سے میں نے کرم دین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بابا ہم لوگوں کو جلدی تو خیر نہیں ہے۔ ہم لوگ ویسے بھی گھومنے پھرنے نکلے ہیں۔" میں نے کہا۔

اسی وقت دروازے پر کسی نے آواز لگائی۔

"ارے او...... بھائی کرم دین...... حاجی صاحب نے مہمانوں کو بلوایا ہے...... اگر مہمان کھانا کھا کر فارغ ہو چکے ہوں تو ان کو میرے ساتھ بھیج دو۔" آواز پھر آئی۔

"ارے تاجو۔اندر آ جاؤ۔مہمانوں سے پوچھ لیتے ہیں۔ اگر وہ ابھی ملنے کے لیے تیار ہیں تو ابھی چلے چلتے ہیں۔" کرم دین نے دروازے کی طرف منہ کر کے زور سے آواز لگائی۔

ایک جوان کرتا اور دھوتی پہنے اندر داخل ہوا۔

"جی باؤ جی۔اگر تو آپ تھکے نہیں ہوئے تو حاجی صاحب سے مل آتے ہیں......" کرم دین نے کہا۔

"ٹھیک ہے بابا۔ ہم دونوں تیار ہیں۔ ہم ویسے بھی حاجی صاحب کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ جن کے ملازم ان کی اتنی تعریفیں کرتے ہیں۔ کیونکہ عموماً زمیندار ایسی طبیعت کے مالک نہیں ہوتے۔" میری آنکھوں میں جبران ملک کا تصور آ گیا۔ جس کے ظلم کا پورے گاؤں والے شکار تھے۔

"باؤ جی۔ ہم لوگوں پر تو رب سوہنے نے اپنا خصوصی کرم کیا ہے۔ حاجی صاحب جیسا بندہ پوری دنیا میں ڈھونڈو تو نہیں ملے گا۔بس جی اب تو سوتے جاگتے یہی دعا ہوتی ہے۔ کہ اللہ ان کی پریشانی دور فرمائے۔" اس بار تاجو نے حاجی امداد بخش کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"کیا پریشانی ہے ان کو۔" میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"باؤ جی آپ چھوڑو جی۔ آپ بھی کس بے وقوف کی باتوں میں آ رہے ہو۔" کرم دین نے جلدی سے تاجو کو گھورتے ہوئے ہم لوگوں کو اس کے ساتھ

جانے کا کہا۔

میں نے بھی اس وقت مزید پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ کچھ دیر میں ہم حاجی امداد بخش کی حویلی میں داخل ہو چکے تھے۔

"جی آیاں نوں......" حاجی امداد نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔

پھر سلام دعا کرنے کے بعد حاجی امداد نے تاجو کو ہماری خاطر مدارت کرنے کے لیے کہا۔

"حاجی صاحب ہم لوگ ابھی پیٹ بھر کر کھا کر آئے ہیں۔اس لیے بالکل بھی گنجائش نہیں ہے......" میں نے حاجی امداد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

حاجی امداد کی عمر میرے اندازے کے مطابق پچاس سال سے زیادہ ہی تھی۔ سر پر دیہاتی انداز کی پگڑی باندھے ہوئے تھا اور سفید رنگ کے کرتہ شلوار میں ایک بارعب شخصیت لگ رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں ایک اداسی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ آپ لوگ آرام کریں۔ تاجو......" حاجی امداد کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک تیز نسوانی چیخ سنائی دی۔

"تاجو مہمانوں کو ان کے کمرے دکھاؤ...... لگتا ہے پھر سے بلقیس پر دورہ پڑ گیا ہے۔" حاجی امداد نے تیز تیز لہجے میں کہتا ہوا دروازے کی طرف دوڑا۔

"تاجو...... یہ چیخ کیسی تھی۔" میں نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"بس جی کیا بتاؤں۔ ہمارے حاجی صاحب کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ان کے دو جوان لڑکے گم ہو چکے ہیں...... اور چھوٹا بیٹا...... دن بدن موت کے قریب ہو رہا ہے...... ہر طرف تلاش کیا۔مگر ابھی تک نہیں مل سکے۔ مالکن یہ غم ابھی تک برداشت نہیں کر پائیں اور ان کو دورے پڑنے شروع ہو گئے ہیں۔اب تو جی اس بات کو ایک سال سے اوپر کا وقفہ گزر چکا ہے۔ ہمارے حاجی صاحب کی پریشانیاں اللہ دور کرے جی۔ بس...... اگر میرے بس میں ہوتا تو ان کی ساری پریشانیاں اپنے اوپر لے لیتا......" تاجو نے روتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم ایسا کرو۔ ہمیں ہمارا کمرا دکھاؤ......" میں نے کہا۔

کچھ دیر کے بعد میں اور یوسف کمرے میں تنہا تھے...... "یوسف کیا تم اپنی جناتی صفات سے کام لے کر حاجی صاحب کے لڑکوں کو ڈھونڈ سکتے ہو......" میں نے یوسف سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں کوشش کرتا ہوں۔" یوسف نے کہا اور غائب ہو گیا۔

یوسف کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ہوئی...... "خاور چوہان...... اتنا تو معلوم چل گیا ہے کہ دونوں لڑکے زندہ ہیں۔مگر کہاں ہیں۔ یہ معلوم نہیں کر پایا۔ ایک سیاہ دیوار میری نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ جب ان کا تصور کر کے ان کی تلاش میں نکلتا ہوں۔" یوسف نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ خبر بھی خوشی کا باعث ہے کہ دونوں لڑکے ابھی زندہ ہیں۔" میں نے کہا۔

"خاور چوہان، اس حویلی پر کالا جادو کروایا گیا ہے...... حاجی امداد کی بیوی اور چھوٹا لڑکا اس وقت بھی اس جادو کی قید میں ہے۔مگر یہ نہیں معلوم کر پایا کہ یہ جادو کس نے کیا ہے۔" یوسف نے سوچتے ہوئے کہا۔

"اوہ...... جادو...... اس کا مطلب ہے کہ حاجی امداد کا کوئی دشمن ہے جو ان کو اذیت دے رہا ہے۔ اچھا ایک کام کرو۔ جا کر تاجو کو بلا کر لاؤ...... اس سے بولنا کہ میں فوراً حاجی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس لیے جلدی سے حاجی صاحب کو ملاقات کے لیے کہے۔" میں نے یوسف کو کہا۔

یوسف جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

پھر کچھ دیر کے بعد اس کی واپسی ہوئی...... مگر اس بار حاجی امداد بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔

"اوہ حاجی صاحب...... آپ خود تشریف لے آئے...... مجھے بلا لیا ہوتا......" میں نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"خاور چوہان، تم لوگ مہمان ہو۔ مجھے افسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ میں تم لوگوں کو اس وقت چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ مسئلہ ہی کچھ ایسا آ گیا تھا کہ میرا جانا ضروری تھا۔'' حاجی امداد نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''حاجی صاحب..... میں آپ کے چھوٹے بیٹے سے ملنا چاہتا ہوں اور اگر اللہ نے چاہا تو اس کا علاج کرنے میں بھی کامیاب ہو جاؤں گا اور باقی رہی آپ کے دو گمشدہ بیٹوں کی بات تو آپ کے بیٹے جو ایک سال پہلے گم ہوئے تھے' ابھی تک زندہ ہیں۔ مگر کہاں ہیں۔ اس بارے میں فی الحال آپ کو کچھ بتانے سے قاصر ہوں۔ مگر ان کا کھوج بھی جلد ہی نکال لوں گا۔ آپ کی حویلی پر جادو کیا گیا ہے اور آپ کا چھوٹا لڑکا اور بیوی اس وقت اس جادو کے اثر میں ہے اور ایسا کام آپ کا کوئی دشمن ہی کر سکتا ہے۔'' میں نے بات کو گھما کر کرنے کی بجائے سیدھی بات کرتے ہوئے کہا۔

''کیا کہا۔ میرے دونوں بچے زندہ ہیں۔ اوہ خدایا..... مگر جوان تمہیں کیسے پتہ چلا..... کیا تم روحانیت میں مقام رکھتے ہو.....'' حیرت اور خوشی سے حاجی امداد کی آواز کانپ رہی تھی۔

☆☆

''حاجی صاحب اس بات کو چھوڑیں کہ میں کون ہوں۔ بس آپ اتنا یقین رکھ لیں کہ آپ کی پریشانیوں کے دن انشاء اللہ ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ مگر اس کے لیے مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔ آپ کا کون سا ایسا دشمن ہو سکتا ہے جو اس حد تک جا سکتا ہے۔ کہ آپ پر جادو ٹونہ کرائے۔'' میں نے حاجی امداد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا خاور چوہان..... تمہارے منہ میں گھی شکر..... تم نے تو اس بوڑھے کو پھر سے زندگی کی نوید سنا دی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ میرا کوئی دشمن نہیں ہے۔ مگر آج سے تقریباً ایک سال پہلے راج نگر کے زمیندار کے لڑکے سے میرے دونوں بیٹوں کی لڑائی ہو گئی تھی۔ کچھ زمینوں کا مسئلہ تھا۔ جس پر وہ لوگ زبردستی قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ وہ زمینیں میری تھیں اور میں نے اپنی خوشی سے اپنے ملازموں میں بانٹ رکھی ہیں۔ ان لوگوں نے میرے ملازموں پر رات کے وقت حملہ کر کے ان کو گھر سے بے گھر کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے میرے دونوں بڑے بیٹے غصے میں آ کر اس سے لڑنے چلے گئے۔ مگر جب وہ دونوں واپس گھر آئے تو بہت زخمی حالت میں تھے اور پھر کچھ عرصے میں ان کے زخم ٹھیک ہو گئے۔ ایک دن وہ زمینوں کے سلسلے میں وکیل سے ملنے شہر جا رہے تھے۔ مگر پھر آج تک ان کی واپس نہیں ہوئی اور اس کے بعد میرا چھوٹا بیٹا بھی بیمار پڑ گیا اور بیوی کو بھی دورے پڑنے لگے۔ میں نے اپنے بچوں کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی۔ پولیس کی بھی مدد لی۔ مگر آج تک اپنے بچوں کو دوبارہ نہیں دیکھ پایا۔ اپنے بیمار بیٹے اور بیوی کے علاج کی بھی بہت کوشش کی۔ مگر کچھ نہیں بنا۔ اب تو بس اللہ کا سہارا ہے کہ جی رہا ہوں۔ آج اتنے عرصے کے بعد تم نے میرے بیٹوں کے زندہ ہونے کی خوش خبری سنائی ہے۔'' حاجی امداد رو پڑا۔

''حاجی صاحب اللہ بہت کریم ہے۔ وہ اپنے بندوں کی ازمائش لیتا ہے..... اور بس آپ کی آزمائش کا وقت بھی ختم ہونے والا ہے۔ اللہ پر بھروسا رکھیں۔ راج نگر کے زمیندار کا نام کیا تھا۔'' میں نے حاجی امداد کو دلاسہ دیتے ہوئے پوچھا۔

''جبران ملک۔ اس سے تو اس کے گاؤں والے بھی تنگ ہیں..... اردگرد کے گاؤں کی لڑکیاں اور اپنے گاؤں کی لڑکیاں بھی اٹھا لیتا ہے۔ مگر کوئی بھی اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے ظلم سے ستائے ہوئے لوگ رو دھو کر چپ کر جاتے ہیں۔ میرے دو بیٹوں نے اس کے ظلم کو روکنا چاہا۔ مگر وہ بھی اس کے ظلم کا شکار ہو گئے۔'' حاجی امداد غم زدہ آواز میں بتا رہا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ جبران ملک کے گناہ بڑھتے جا رہے ہیں۔ اب اس کے ظلم کو ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ جبران ملک کا نام سن کر میرا خون گرما رہا تھا۔ میری حالت غصے میں بے قابو ہو رہی تھی کہ اچانک یوسف نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے ہلا دیا۔ حاجی امداد بھی میری بدلتی ہوئی حالت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو رہا تھا۔

(دوسرا حصہ آئندہ ماہ پڑھیں)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk